سپوتِ ایشیا

(چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان ؓ احباب کی نظر میں)

مرتبہ

رانا عبد الرزاق خان کاٹھ گڑھی - لندن

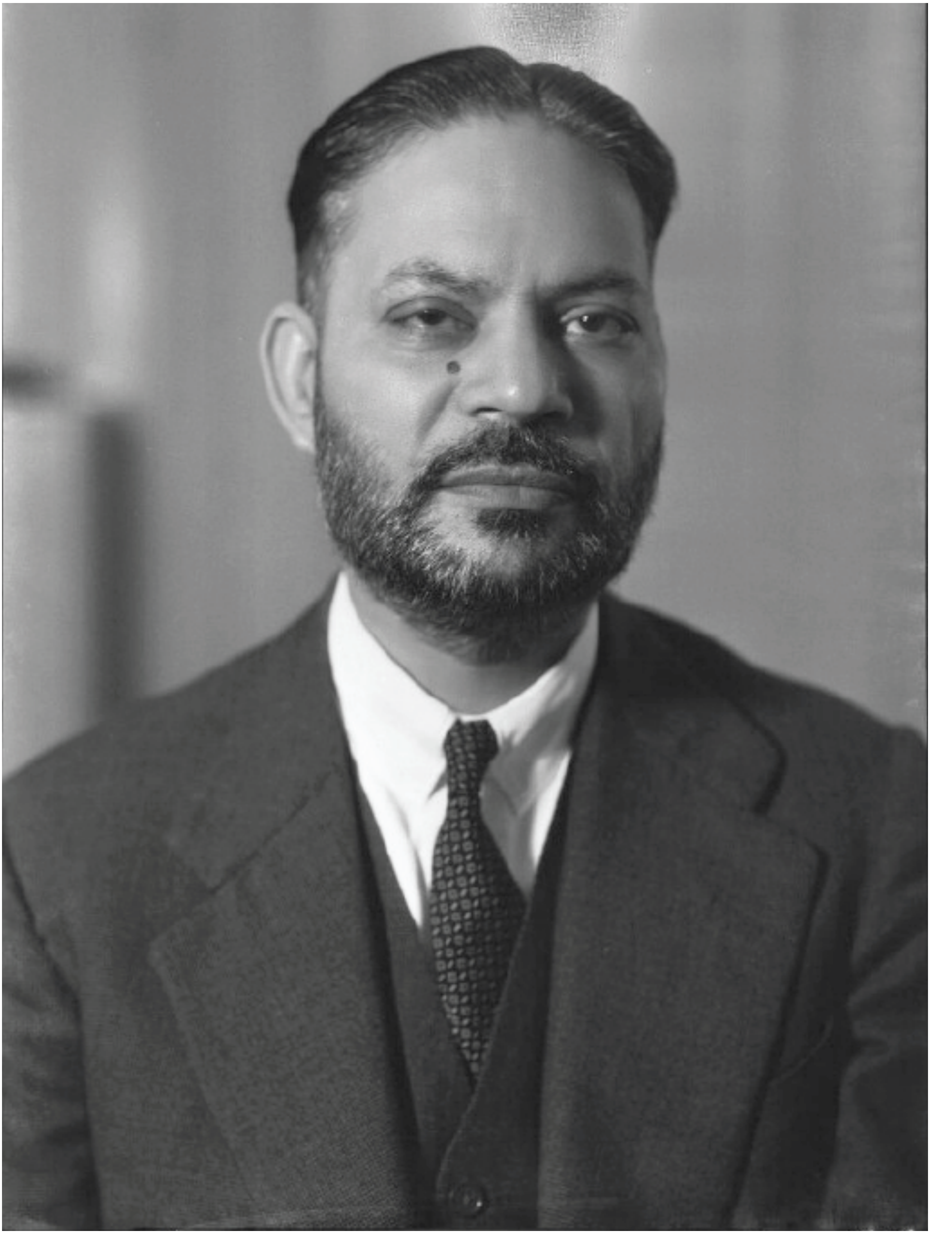

ظفراللہ خاں ا قائدٔ اعظم کا دستِ راست
عالم پہ اپنی دھاک بٹھا کر چلا گیا
ثاقب زیروی

مصنف کتاب ھذا

رانا عبدالرزاق خاں بی اے، اینکر، شاعر و ادیب کالم نگار، مبصر،
ایڈیٹر المنار، قندیل ادب، قندیل حق، ممبر ادارتی بورڈ احمدیہ بلٹن یو کے
۴۔ کتب کے مصنف۔ ا۔ قندیل حق، قندیل علم، دانشکدہ عظیم، سپوتِ ایشیا۔
جنرل سیکرٹری تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ

سپوتِ ایشیا

(چوہدری سر محمد ظفراللہ خان احباب کی نظر میں)

مرتبہ

رانا عبدالرزاق خاں کاٹھ گڑھی۔ لندن

جملہ حقوق محفوظ بحق مصنف

نام کتاب : سپوتِ ایشیا
مرتبہ : رانا عبدالرزاق خاں کاٹھ گڑھی۔ لندن
سنِ اشاعت : 2020
تعداد : 300
ناشر : Concept2Print Ltd.
E: info@concept2print.co.uk T: 0044 7890 821295
ملنے کا پتہ : 80 STRATHDONE DRIVE LONDON SW17 0PW
(M) 0044-7886-304637 e-mail ranarazzaq52@gmail.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی مُحَمَّدٍ رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ والسَّلَامُ عَلٰی اَحۡمَدَ الۡمَوۡعُوۡدِ

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
1	فہرست مضامین	3
2	تعارف مصنف رانا عبدالرزاق خاں	9
3	پیش لفظ ۔ مولانا۔ عطاء المجیب راشد صاحب۔ مکرم زکریا ورک کنیڈا۔	11
4	حضرت چوہدری ظفراللہ خان صاحب۔ سرافتخار احمد ایاز صاحب	21
5	مختصر سوانحی خاکہ حضرت چوہدری سر محمد ظفراللہ خان صاحبؓ	28
6	مختصر آپ بیتی۔ سر محمد ظفراللہ خان	31
7	تعارف حضرت سر چوہدری محمد ظفراللہ خاں صاحب	33
8	خدا کی گواہی۔ حضرت چوہدری صاحب کے متعلق بزرگوں کے رؤیا و کشوف حضرت مصلح موعودؓ کے رؤیا و کشوف حضور کے اپنے الفاظ میں	55
9	قدرت ثانیہ کے چوتھے مظہر حضرت مرزا طاہر احمد صاحب رحمہ اللہ کے رؤیا و کشوف	62
10	حضرت چوہدری صاحب کی والدہ محترمہ کی رؤیا	66
11	حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی صحابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے رؤیا و کشوف	67
12	کلمۃ اللہ حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب کی وفات پر ان کا ذکر خیر۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ	70

13	قدرت ثانیہ کے ناظم سے مثالی وابستگی اور اطاعت کا نمونہ۔ سیدہ مہر آپا صاحبہ	98
14	خلوص و عشق و وفا کا نکھار حضرت بابا جی ظفر اللہ خان مثالی رضائی باپ کی مثالی محبت و شفقت۔ محترمہ صاحبزادی امۃ الجمیل صاحبہ بنت حضرت فضل عمر	103
15	محترمہ امۃ الحئی صاحبہ بنت حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کا خصوصی انٹرویو	115
16	پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کے اثر و جذبات میں ڈوبے ہوئے تاثرات	128
17	دولا زوال نقش۔ ثاقب زیروی صاحب	139
18	ایک ہمدرد دیرینہ کے یادوں کے چند خوش گوار پھول۔ شیخ اعجاز احمد صاحب	147
19	اللہ تعالیٰ کا عبد شکور۔ محترم چوہدری محمد ظہور احمد صاحب باجوہ	152
20	درختِ وجود کی ایک سرسبز شاخ۔ جناب راجہ غالب احمد	159
21	محترم جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال چیف جسٹس لاہور ہائیکورٹ کا خراج عقیدت	167
22	سابق چیف جسٹس پاکستان محترم جسٹس انوار الحق صاحب کی طرف سے تعظیم و احترام کے آئینہ دار جذبات کا پُرخلوص اظہار	174
23	محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کے لئے محترم سردار شوکت حیات صاحب کے عقیدت بھرے جذبات	180
24	محترمہ شہزادی عابدہ سلطان آف بھوپال کے قلبی تاثرات	183
25	جناب افضل حیدر رکن پاکستان بار کونسل کے مشاہدات کا نچوڑ	191
26	کانگریسی وکیل کو چوہدری صاحب کے دلائل کا لوہا ماننا پڑا محترم سعود احمد دہلوی	193
27	دلوں میں گھر کرنے والی عظمت اور نقش جمیل۔ حافظ قدرت اللہ صاحب	196
28	دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کی قابل تقلید مثالیں۔ محترم انیس الرحمٰن صاحب بنگالی مربی سلسلہ	203

29	مہربان و مشفق اعلیٰ وجود۔ مکرم چوہدری حمید نصر اللہ خان	211
30	بیسویں صدی کا ایک نادر سخی۔ مکرم چوہدری ادریس نصر اللہ خان صاحب	214
31	اولاد سے محبت اور ان کی تربیت کے دلکش انداز۔ محترمہ عائشہ نصرت محترم چوہدری صاحب کی نواسی	217
32	حاصل زیست۔ محترمہ سعدیہ محمد صاحبہ	222
33	روشن روشن۔ مکرم محمود نصر اللہ خان ابن مکرم شکر اللہ خان صاحب	225
34	اخلاقِ کریمانہ کی ایک پُر کیف جھلک۔ حضرت چوہدری صاحب کے خادمِ خاص مکرم نصیب اللہ قمر صاحب کی نظر سے	228
35	وہ جو انسانیت کا قردار تھا۔ مکرم شمشاد احمد قمر صاحب	231
36	کردار کے موتی۔ مکرم چوہدری عبدالرشید صاحب	241
37	چاہتوں کے سفر کی دلفریب داستان۔ مکرم شیخ محمد حسن صاحب	244
38	ایک عالم باعمل۔ محترم لئیق احمد طاہر سابق مربی انگلستان	249
39	انمٹ نقوش۔ مکرم عبدالمالک صاحب لاہور	252
40	حضرت چوہدری صاحب کی دینی غیرت کا ایک واقعہ۔ مکرم ڈاکٹر عبدالرشید تبسم صاحب	256
41	محمد ظفر اللہ خاں۔ چند یادیں۔ مکرم بشیر احمد خان صاحب رفیق	258
42	حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ ایک مقبول بارگاہ بندہ	315
43	کبھی فراموش نہ ہونے والی یادوں کی متاعِ عزیز از سلیمہ ناہیدؔ رفیق	323
44	چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی 1978 میں کینیڈا تشریف آوری کا احوال۔ زکریا ورک صاحب ٹورنٹو	329

45	حضرت محمد ظفر اللہ خان صاحب جیسا میں نے دیکھا۔ مکرم عطاالمجیب راشد صاحب	343
46	آپ کی طبیعت نہایت سادہ اور الجھاؤ کو پسند نہ کرتی تھی۔ مکرم مولانا نسیم سیفی صاحب	373
47	خلافت سے حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحبؓ کو عشق تھا۔ مکرم مولانا منیر الدین صاحب شمس، لندن	376
48	حضرت چوہدری صاحب کی تقریری میں عشق الٰہی۔ مکرم ومحترم مولانا منیر احمد خادم صاحب قادیان	378
49	جب چوہدری صاحب نے لندن کو الوداع کہا۔ مکرم چوہدری منصور احمد صاحب بی ٹی لندن	379
50	محترم چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں۔ پروفیسر ڈاکٹر ناصر احمد پرویز پروازی کی نظر میں	392
51	سر ظفر اللہ کی یادداشتیں۔ انٹرویو پروفیسر ولکاکس اور پروفیسر ایمبر ی	403
52	چودھری محمد ظفر اللہ خاں۔ حضرت قائداعظمؒ کی نظر میں۔ از ابوطاہر فارانیؔ	383
53	چودھری سر محمد ظفر اللہ خاں۔ فقیر سید وحید الدین کے قلم سے	419
54	چودھری محمد ظفر اللہ خاں اور ہمعصر مشاہیر۔ میاں محمد ابراہیم کے قلم سے	427
55	عظیم قانون داں سر ظفر اللہ خان۔ تحریر اشرف طاہر	437
56	حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ کی عظیم الشان علمی وسیاسی خدمات	445
57	حضرت چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحبؓ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں	446
58	قرارداد لاہور 1940ء اور چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب۔ پروفیسر راجا نصر اللہ خان	449
59	حضرت چودھری محمد ظفر اللہ خاں کا لنڈن کی کامن ویلتھ ریلیشنز کانفرنس میں آزادی کا پرجوش کلمہ حق	463

60	کامن ویلتھ ریلیشنز کانفرنس میں چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کا حریت پرور خطاب	466
61	مسئلہ فلسطین اور جماعت احمدیہ نیز حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی عظیم خدمات	485
62	جسٹس سر چوہدری محمد ظفر اللہ صاحب ارض مقدّس میں فلسطین کو یہودی تسلط سے بچانے کی مساعی پر عرب اخبارات کے تبصرے	498
63	شاہ حسین اور ان کی حکومت کی طرف سے حضرت چوہدری صاحب کو دعوت	511
64	لیبیا کی آزادی میں حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ کا کردار	513
65	حضرت چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب کو شاہ مراکش کا خراج تحسین	521
66	آپ کا نام عربوں کی تاریخ میں آبِ زر سے لکھا جائے گا۔ (عرب پریس) شیخ نُور احمد منیر (سابق مبلغ بلادِ عربیہ کے قلم سے)	524
67	چودھری محمد ظفر اللہ خاں۔ مشاہیر عالم اور مؤقر عالمی جرائد کی نظر میں	531
68	قضیۂ فلسطین اور سر محمد ظفر اللہ خان۔ محمد اشرف ناصر	534
69	جستہ جستہ۔ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ صاحبؓ کی سیرت کے انمول پھول	540
70	چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کا بحیثیت وزیر خارجہ تقرر۔ ایک سازش؟ ڈاکٹر مرزا سلطان احمد	542
71	حضرت چوہدری صاحبؓ کی اوّلیت	545
72	اعترافِ حقیقت۔ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان کی خدمات پر غیروں کی گواہیاں	546
73	حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کا قلمی خاکہ خواجہ حسن نظامی دہلی	551
74	خراج تحسین حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ کی وفات پر تاثرات	552
75	چودھری محمد ظفر اللہ خاں۔ شیخ محمد احمد مظہر صاحب	553
76	ظفر اللہ خاں۔ قیسؔ مینائی (نجیب آبادی)	556

77	چوہدری صاحب کا سفر آخرت۔ عبدالمنان ناہیدؔ	558
78	اُس کی یاد میں۔ راجہ غالب	560
79	قرارداد تعزیت لجنہ اماء اللہ لنڈن بروفات چودھری محمد ظفراللہ خاں صاحب	561
80	(انگریزی نظم کا آزاد اُردو ترجمہ)	562
81	ملکی وغیر ملکی اخبارت میں چوہدری سر محمد ظفراللہ خاں صاحب کی وفات کی خبریں	567
82	چوہدری سر ظفراللہ خان صاحب کی وفات پر اخبار نوائے وقت کا اداریہ	567
83	اخبار مشرق۔ ملک ممتاز شہری سے محروم ہوگیا۔ صدر ضیاء الحق	569
84	روزنامہ امن کراچی وزیر خارجہ ظفراللہ خاں انتقال کر گئے	571
85	وفاقی وزیر میر ظفراللہ خاں جمالی کا چوہدری محمد ظفراللہ خاں کی وفات پر تعزیتی برقیہ	574
86	اخبارات کی سرخیاں	575

* * *

حرفِ تعارف

از محترم عطاء المجیب راشد صاحب

امام مسجد فضل ۔ لندن

کتاب لکھنا کچھ آسان کام نہیں ۔ محنتِ شاقہ کے بعد ایک کتاب منصۂ شہود پر آتی ہے اور اگر کتاب کسی ایسے موضوع پر ہو جو وسیع بھی ہو اور مشکل بھی ۔ جس پر کئی پہلوؤں سے اظہارِ خیال کیا جا چکا ہو اور جس کے لئے مواد تو بہت ہو لیکن پھیلا ہوا ہو پھر موضوع ایسا ہو جس کو نظر انداز کرنے کے لئے بہت سے طبقات متحرک رہے ہوں ان ساری مشکلات میں سے گزرتے ہوئے ایک مفصل جامع اور مبسوط کتاب لکھنا یقینا! جوئے شیر لانے کے مترادف ہے ۔

لیکن خوشی کی بات یہ ہے کہ محترم رانا عبدالرزاق خاں صاحب نے یہ دُشوار گزار منزل طے کر لی ہے ۔ اور حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب کے بارہ میں لمبے عرصہ کی محنت شاقہ کے بعد ایک جامع معلوماتی اور مبسوط کتاب لکھنے میں کامیاب ہو گئے ہیں ۔ یہی کتاب اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے ۔ میں اس کامیاب کاوش پر محترم رانا عبدالرزاق صاحب کو داد دیتا ہوں ۔ ایک لمبے عرصہ سے اس نوعیت کی کتاب کی بہت ضرورت محسوس ہو رہی تھی ۔ جو الحمد للہ آج پوری ہو گئی ہے ۔

مجھے وہ وقت یاد آ رہا ہے جب ایک روز محترم رانا صاحب میرے دفتر میں تشریف لائے ۔ اور مجھ سے کہا کہ مجھے کوئی موضوع بتائیں جس پر میں کوئی جامع کتاب مرتب کروں ۔ فوراً ہی میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ ’’حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب مرحوم و مغفور‘‘ کے بارہ میں اپنوں اور غیروں نے بہت کچھ لکھا ہے ۔ لیکن یہ سب کتب ملا کر بھی قوم و ملت کے اس عظیم خادم کی عالمگیر خدمات کو پورا خراج عقیدت پیش نہیں کرتیں جو اس عظیم المرتبت انسان کا حق ہے ۔ اس جاں نثار اور بے ریا انسان نے جس میدان میں بھی قدم رکھا ۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے کامیابی نے ان کے قدم چومے ۔ آپ نے خدمت کا حق ادا کیا ۔ لیکن نمود و نمائش

سے کوسوں دور رہے۔ ضرورت ہے کہ اس شخصیت کی زندگی کے گمنام گوشوں کو اور اس کی خدمات کو اُجاگر کیا جائے۔ جنہیں مخالفین نے عمداً تاریخ کے صفحات سے حذف کر دیا ہے اور یہ مذموم کوشش آج تک جاری و ساری ہے۔

میں نے محترم رانا عبدالرزاق خاں صاحب سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی گرانقدر خدمات کو اُجاگر کرتے ہوئے ایک ایسی جامع کتاب مرتب کریں جس میں ہندو پاک کے اس نامور سپوت اور عالم اسلام کے اس بے ریا خادم کی بے لوث خدمات کو جمع کر دیا جائے۔ اور ان تصاویر کو بھی شامل کتاب کریں جن کو متعصب تاریخ نویسوں نے حذف کر کے بزعم خود ملک و قوم کی ''خدمت'' سرانجام دی ہے۔

محترم رانا عبدالرزاق خاں صاحب کی یہ خوبی ہے کہ جس کام کو شروع کریں پھر اس کو پایہ تکمیل تک پہنچا کر ہی دم لیتے ہیں۔ ان کی سالہا سال کی محنت کا پھل اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کیا۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس محنت کی جزائے خیر عطا فرمائے آمین۔

خاکسار

عطاء المجیب راشد

امام مسجد فضل۔ لندن

22 اپریل 2020ء

تعارف مصنف

نام : راناعبدالرزاق خاں
تخلص : عاصی صحرائی
قوم : راجپوت گھوڑے واہ (والدین کا اصل وطن کاٹھ گڑھ ہوشیار پور پنجاب انڈیا)
قلمی نام : اے آر راجپوت، رجل خوشاب، ابنِ لطیف۔ اے آر خاں
تاریخ پیدائش: 13/اپریل 1951ء لکی نو، شورکوٹ جھنگ پنجاب پاکستان

ٹی آئی ہائی سکول ربوہ سے میٹرک، ٹی آئی کالج ربوہ سے 1970ء میں ایف اے کیا۔ تعلیم بی اے پنجاب یونیورسٹی لاہور (1975ء) اُردو فارسی سپیشل مضامین تھے۔ ملازمت۔ سپروائزر پیپر بورڈ ملز پیکیجز لمیٹڈ لاہور (1 مئی 1972ء تا 16 ستمبر 1975ء) 17/ستمبر 1975ء تا یکم مارچ 1984ء تک بحرین عربین گلف (دیوان الامیری بطور ایگریکلچر اسسٹنٹ (سلطان البحرین عیسیٰ بن سلمان الخلیفہ) مارچ 1984ء تا جولائی 2008ء نمبردار چک نمبر 2 ٹی ڈی اے خوشاب پنجاب پاکستان۔ لندن یو کے آمد 29/اکتوبر 2005ء ٹوٹنگ وانڈزورتھ لندن۔

پاکستان میں 1991ء سے روزناموں میں مختلف شخصیات کے تعارف لکھتے رہے۔ لندن میں آکر 2009ء میں فراغت ملنے پر ’’بزم شعروسخن‘‘ تشکیل دی۔ پہلا مشاعرہ 2009ء میں منعقد کیا۔ جس میں مبارک صدیقی، سید نصیر احمد شاہ، عامر امیر، عبدالمجید ظفر، نورالجمیل نجمی، جواد عالم، سہیل لون، آدم چغتائی اور دیگر بہت سے شعراء شامل ہوئے۔ اب تک ایک صد سے زائد مشاعرے کروا چکے ہیں۔ جس میں لندن کے نامور شعراء نے حصہ لیا ہے۔ ارشد لطیف، باسط کانپوری، سوہن راہی، ایوب اولیاء، آدم چغتائی، محمود، ہارون الرشید، اقبال مرزا، پاکستان سے ڈاکٹر نکہت افتخار، فرحت عباس شاہ، لئیق عابد، محترم ڈاکٹر افتخار احمد ایاز صاحب

(ایم بی ای) جرمنی سے وسیم احمد طاہر اور اسحاق اطہر بھی شامل ہوئے۔

2011ء میں یو کے ٹائمز میں بھی کالم لکھنے شروع کئے۔ اور گوشہ اَدب کی ادارت سنبھالی۔ جنوری 2013ء سے ''قندیلِ اَدب انٹرنیشنل لندن'' سے آن لائن میگزین نکال رہا ہوں جو کہ ساری دنیا میں لاکھوں قارئین تک بذریعہ ای میل اور ویب سائٹ پہنچتا ہے۔ پاکستان، لندن، امریکہ، آسٹریلیا، انڈیا کے مختلف جرائد میں چار صد سے زائد مختلف عناوین پر سیاسی، علمی، مذہبی، اور اُردو پر مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ پانچ کتب بھی زیرِ طبع ہیں۔ جو کہ ابھی ابتدائی مراحل میں ہیں۔

(1)۔ کاٹھگڑھ کی ڈائری۔ (2)۔ دانشکدہ عظیم۔ (3)۔ قندیل علم۔ (4)۔ قندیل حق (5) سپوتِ ایشیاء۔

1۔ غزل۔ زیادہ آج تک اسی صنف میں طبع آزمائی کی ہے۔

2۔ پاکستان، امریکہ، آسٹریلیا، انڈیا۔ انڈیا کے مختلف اخبارات میں میرے آرٹیکل شائع ہوتے رہتے ہیں۔

3۔ ''بزم شعر و سخن وانڈزوَرتھ'' جو کہ 2009ء سے قائم ہے۔

رانا صاحب تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ کے عرصہ چھ سال سے سے جنرل سیکرٹری بھی ہیں۔ اور ماہنامہ المنار کے ایڈیٹر بھی رہے ہیں۔ آٹھ سال سے ماہنامہ قندیل ادب انٹرنیشنل لندن سے شائع کر رہے ہیں جو بذریعہ انٹرنیٹ لاکھوں ساری دنیا میں قارئین تک پہنچتا ہے۔ نیز ایک مذہبی رسالہ قندیل حق سہ ماہی بھی نکال رہے ہیں۔ نیز اخبار احمدیہ برطانیہ کے ادارتی بورڈ میں بھی خدمات بجا لا رہے ہیں۔ سپوت ایشیا ان کی چوتھی کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو صحت والی زندگی دیتا چلا جائے۔ آمین۔

پیش لفظ

مجھے یہ جان کر بہت خوشی محسوس ہوئی کہ لندن کے مایہ ناز ادیب، شاعر، مصنف اور قلم کار رانا عبدالرزاق صاحب، ایشیا اور خاص طور پر عالم اسلام کے جلیل القدر سپوت حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خاں صاحب کی کامیاب و کامران اور واقعات سے بھرپور زندگی پر کتاب ترتیب دے رہے ہیں۔ انہوں نے مجھے کتاب کا مسودہ بھجوایا کہ میں اس کی پروف ریڈنگ کردوں۔ چنانچہ پروف ریڈنگ کے دوران راقم نے ایک ایک لفظ، سطر اور مضمون بڑی باریکی کے ساتھ پڑھا۔ ہر مضمون کتاب میں وجد آفریں، ایمان افروز اور سبق آموز ہے۔

کتاب میں مختلف احباب، رشتہ داروں، دوستوں، سیاست دانوں، اخباروں کے مدیران کے (سر ظفراللہ خاں کے بارے میں) آراء کو دیا گیا ہے۔ اور ہر کسی نے ان کی ذات والا صفات کے روشن پہلوؤں کو اُجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ حضرت ممدوح اتنی گوناگوں اعلیٰ صفات والے مگر عاجز انسان تھے کہ ان کی یاد میں جتنا لکھا جائے یا شائع کیا جائے وہ کم ہے۔

اگرچہ کتاب میں دیئے اکثر مضامین اس سے پہلے رسالہ خالد ربوہ میں شائع ہو چکے تھے مگر اب قریب 35 سال بعد ان کی دوبارہ اشاعت قندِ مکرّر کے طور پر ہے۔ میٹھی چیز کھانے کو دل بار بار کرتا ہے۔ اور یہ سوانح بھی میٹھی چیز سے کم نہیں اس کو بار بار پڑھنے کو دل کرتا ہے۔ روزانہ اخبار کی زندگی ایک روز ہوتی، ماہناموں کی زندگی تیس روز ہوتی جبکہ کتاب کی زندگی لازوال ہوتی ہے۔ اس لئے ان مضامین کو دوبارہ کتاب کی صورت میں شائع کر کے بجا طور پر اس تاریخ ساز شخصیت کو خراج عقیدت پیش کیا گیا ہے۔

وہ لوگ جو سر محمد ظفر اللہ خاں کی رُعب دار شخصیت کو نہیں جانتے ان کے علم میں اضافہ کیلئے ہم یہاں ہندوستان کے ممتاز انشاء پرداز حسن نظامی کا لکھا شخصی خاکہ پیش کرتے ہیں تا اندازہ ہو سکے کہ سرزمین پنجاب نے کیسے کیسے لعل و گہر پیدا کئے ہیں جو بین الاقوامی سطح پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے۔

’’دراز قد اور بھاری جسم، عمر چالیس سال سے زیادہ، گندمی رنگ، چوڑا چکلا چہرہ، فراخ چشم، فراخ علم، قوم مسلمان عقیدہ قادیانی... چپ رہتے ہیں۔ اور بولتے ہیں تو کانٹے میں تول کر، اور بہت احتیاط کے ساتھ پورا تول کر بولتے ہیں۔ سیاسی عقل ہندوستان میں ہر مسلمان سے زیادہ رکھتے ہیں۔ وزیر اعظم، وزیر ہند، اور وائسرائے اور سب انگریز ان کی قابلیت کے مداح ہیں۔ ہندو لیڈر بھی بادل نخواستہ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ شخص ہمارا حریف تو ہے مگر بڑا ہی دانش مند حریف اور بڑا ہی کاریگر حریف ہے۔ گول میز کانفرنس میں ہر ہندو، ہر مسلمان اور ہر انگریز نے چوہدری ظفر اللہ خاں کی لیاقت کو مانا اور کہا کہ... مسلمانوں میں اگر کوئی ایسا آدمی ہے جو فضول اور بیکار بات زبان سے نہیں نکالتا اور جدید زمانے کی پالیٹکس کو سمجھتا ہے۔... تو وہ چوہدری ظفر اللہ ہے۔ ظفر اللہ خاں ہر انسانی عیب سے پاک اور بے لوث ہے۔‘‘

چیف جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال کا کہنا ہے: (چوہدری صاحب) کی طبیعت میں شگفتگی بھی تھی اور مذاق بھی بہت کرتے تھے۔ اور یہ پرانے لوگوں کی خاصیت تھی۔ اُصول کا پکا ہونا، منکسر اور عاجز ہونا اور اسکے باوصف کسی ایسی شخصیت کے ساتھ جس طرف عام طور پر ذہن نہ جائے جذبات کو وابستہ رکھنا ان کی طبیعت کا خاصہ تھا۔ پھر ماں کے ذکر پر ان کی آنکھیں کیوں نہ ڈبڈبا جاتیں۔ وہ جابر و قاہر قسم کے بزرگ نہ تھے بلکہ بڑے حلیم الطبع اور شگفتہ مزاج تھے۔‘‘

پاکستان کے مشہور و معروف مؤرخ اور متعدد کتابوں کے مصنف پروفیسر خورشید کمال عزیز نے اس مقتدر اور رفیع الشان انسان سر ظفر اللہ خاں کی جاذب اور مقناطیسی شخصیت کو اتنے عمدہ اور من موہنے الفاظ میں موتیوں کی طرح پرویا ہے کہ انسان رَطب اللسان ہو جاتا اور عش عش کر اٹھتا

ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

’’سر ظفر اللہ کو مبدءِ فیض سے وہ ذہانت ودیعت ہوئی تھی جو مکر و ریا کی بناوٹوں، قانونی چالبازیوں، سیاسی دو غلے پن، اور سفارتی حیلہ جوئیوں کے سامنے اساری ہوئی دیواروں کو چیر کر حقیقت تک پہنچ جاتی تھی۔ ان کا ذہن شیشہ کی طرح صاف تھا اور ان کی سوچ کی صداقت اس میں منعکس ہوتی تھی۔ ان کی بے پناہ محنت کے آگے پیچیدہ مسائل یا وقت کی کمی کے عذر محض ہیچ تھے۔ عدالت ہو یا دستور ساز اسمبلی، یا کوئی اور عالمی ادارہ اپنے مؤقف کے حق میں اپنے دلائل کو قدم بہ قدم بڑھاتے، ایک کے بعد دوسری دلیل پیش کرتے، اور اپنے مؤقف کو مضبوط تر کرتے چلے جاتے تھے۔ وہ ایک چابک دست معمار کی طرح دلائل کی اینٹ پر اینٹ جماتے ہوئے ایک خوب صورت اور کلاسیکی عمارت کھڑی کر دیتے تھے۔ وہ اپنے دلائل و استدلال کی عمارت یوں اُستوار کرتے کہ کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی تھی۔ زبان و بیان کی روانی ان کے استدلال میں قوت پیدا کر دیتی تھی۔... ان کے منہ سے پھول جھڑتے اور ان کے اشارات ہمیشہ بامعنی ہوتے تھے۔... ان کی تربیت مختلف ماحول میں ہوئی تھی۔ وہ حقائق کی منطق کو بحث و اختلاف کی منطق کے ساتھ آمیز کرنا جانتے تھے۔ مسائل کو گفت و شنید کے ذریعہ حل کرنے پر یقین رکھتے تھے۔ وہ زندگی بھر شہرت اور اور آسودگی کی چکا چوند میں رہے مگر ان کی چال میں نرمی، تواضع اور انکساری نمایاں رہی۔ کامیابیوں کامرانیوں کی خوشبو انہیں کم دماغ نہ بنا سکی۔ دنیاوی مراتب کی شان و شوکت اور آن بان سے ان کے ذاتی وقار پر کوئی حرف نہ آیا۔ نہ ان کی وضع میں کوئی خلل آیا اور نہ ہی ان کی انسانیت مسموم ہوئی۔ ظفر اللہ نے ساری عمر محنت اور یکسوئی اور فرض شناسی کے ساتھ اپنے ملک کی خدمت اور ملک بنانے والی تحریک کی خدمت کی۔ ہم پاکستانی مسلمانوں نے انہیں اپنے مذہب سے تو نکال باہر کیا مگر ہمیں انہیں اپنے ذہنوں سے محو نہیں کر دینا چاہئے کیونکہ جو قومیں اپنے عظیم آدمیوں کو فراموش کر دیتی ہیں ان میں رفتہ رفتہ عظیم آدمی پیدا ہونے ہی بند ہو جاتے ہیں۔‘‘

اب دیکھیں حضرت چوہدری صاحب اپنے بارے میں کیا فرماتے ہیں ”دین کی غیرت اور خدا کا خوف خاکسار نے ماں کے دودھ کے ساتھ پیا۔ ہر چند خاکسار نہایت عاجز اور تقصیر وار ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی محبت اور اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشق کی چنگاری سے خاکسار کا دل ہمیشہ روشن اور گرم رہا ہے۔“

راقم عاصم کو چوہدری صاحب نے لاہور سے اپنے خط مؤرخہ میں 29 نومبر 1969ء میں لکھا:

آپ کا گرامی نامہ میرے لئے خوشی کا باعث ہے اور پریشانی کا بھی۔ میں ایک نہایت عاجز پر معاصی پر تقصیر انسان ہوں۔ آپ کا حسن ظن میرے لئے طبعاً خوش کن ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ پریشانی اس وجہ سے ہے کہ جب آپ مجھے اپنے تصور کے مطابق نہیں پائیں گے تو یہ امر آپ کیلئے باعث صدمہ ہوگا۔ التجا ہے کہ آپ دردمندانہ دعا فرماتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل واحسان اور کمال ذرّہ نوازی سے اس عاجز کی خطاؤں سے درگذر فرمائے۔“

کتاب میں زیادہ تر آپ کی روحانی اور دینی زندگی کے کئی روشن پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مثلاً آپ کا توکل علی اللہ، رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے والہانہ عشق، سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عملی اظہار، تمام ارکان اسلام پر مکمل یقین، قرآن مجید سے مجنونانہ عشق، قرآن مجید کی حسین اور پاک تعلیم کی عملی تصویر، نمازوں میں آپ کا گہرا شغف، دعا کی قبولیت پر آپ کا مکمل اور راسخ یقین، بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کی ذات سے آپ کا عشق، خلفائے احمدیت کی احکامات کی پیروی اور ان سے بے انتہا لگاؤ۔

آپ کی ذات میں اتنے کمالات تھے کہ بعض ایک تو صحیح رنگ میں بیان نہیں کیا گیا جیسے آپ ہندوستان کے چوٹی کے قانون دان، جج اور پھر عالمی عدالت انصاف کے جج تھے۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ بہ حیثیت وکیل آپ نے جن مقدمات کی پیروی ان میں سے ایک دو کا ذکر ہوتا، بہ حیثیت جج فیڈرل کورٹ آف انڈیا آپ نے جو فیصلے کئے ان میں سے کسی کا ذکر ہوتا، بہ حیثیت جج عالمی

عدالت انصاف جن ممالک کے درمیان قضیوں کا آپ نے فیصلے کیا اس کا ذکر ہوتا۔ آپ کی سیاسی فراست کا کہیں تفصیل سے ذکر ہوتا تو انسان پر واضح ہو جاتا کہ آپ کو قائداعظم محمد علی جناح نے بجا طور پر اپنا سیاسی فرزند کہا تھا۔ آپ ایک عالمی مدبر، منجھے ہوئے سیاست دان اور عالمی بساط پر ہونے والی سیاست کے داؤ پیچ سے بخوبی واقف تھے۔ کچھ اس کا بھی ذکر ہونا چاہئے تھا۔

اس غیر معمولی دلچسپ کتاب میں آپ کی زندگی کے کئی ایمان افروز اور سبق آموز واقعات درج ہیں۔ ان میں سے چند ایک نمونہ کے طور پر یہاں دئے جاتے ہیں:

(1) چیف جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال (ابن علامہ سر محمد اقبال) اقوام متحدہ کے ضمن میں ایک یادگار واقعہ بیان کیا ہے: ایک دفعہ اقوام متحدہ کا اجلاس اتنا طویل ہو گیا کہ رات کے ساڑھے گیارہ بج گئے۔ اور چوہدری صاحب جیسے عادت تھی جب رات زیادہ ہو جاتی تو چلے جایا کرتے تھے گھر جا کر نمازیں ادا کر سکیں اور صبح جلدی اُٹھنا ہوتا تھا۔ وہ مجھے اپنی جگہ بٹھا گئے۔ میں نے سوچا تقریریں ہو رہی ہیں آرام سے سنتے رہیں گے اور اگلے روز چوہدری صاحب کو تفصیل بتا دوں گا۔ تھوڑی دیر بعد روسی مندوب نے ایک مسئلہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ ہم پاکستان کو تنبیہ کرتے ہیں کہ وہ نتائج کا ذمہ دار ہو گا۔ میں نے صاحب صدر سے جواب دینے کیلئے اجازت چاہی اور یہ میرا پہلا موقعہ تھا کہ میں اس طرح جواب دے رہا تھا۔ روسی مندوب بڑا تجربہ کار تھا اور مجھے خوف تھا کہ سوویت یونین سپر پاور ہے کہیں جواب دیتے ہوئے زیادہ سخت الفاظ نہ استعمال کر جاؤں۔ چنانچہ میں نے اس کو جواب دیا۔ روسی مندوب پھر تقریر کی اور پھر میں نے اس کا جواب دیا۔ تین چار دفعہ ایسا ہوا تو صدر اجلاس نے مکالمہ بند کروا دیا۔ رات مجھے پریشانی میں نیند نہ آئی کہ شاید چوہدری صاحب اس کا جواب زیادہ اچھے طریقے سے دیتے۔ اگلے دن چوہدری صاحب سے ملاقات ہوئی پیشتر اس کے کہ میں اپنے تذبذب کا اظہار کرتا (وہ صورت شناس بہت تھے) فوراً بھانپ گئے اور کہنے لگے کہ رات کو ٹیلی ویژن پر یو این او کی کاروائی کی تفصیل کے دوران

تمہاری تقریر سنی اور مجھے بے حد پسند آئی۔ میرے لئے ان کا اتنا کہہ دینا ہی کافی تھا اور تسلی ہوگئی۔

(2) سابق چیف جسٹس آف پاکستان انوار الحق، عزت مآب چوہدری صاحب کے اخلاق و کردار کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''جب ہم ان سے بات چیت کرتے تو وہ ہمیشہ وزنی دلائل کے ساتھ اپنے نقطہ نظر کی تشریح کرتے، تحکمانہ انداز نہیں ہوتا تھا کہ جو میں نے کہہ دیا وہی درست ہے اس پر عمل کرو۔ ان کا یہ طریق بھی نہ تھا کہ نوجوانوں کو کم عقل سمجھ کر ان سے تفصیل سے بات چیت نہ کی جائے۔ ایک اور چیز جو میں نے دیکھی وہ یہ تھی کہ ان کی یادداشت زبردست تھی۔ حقائق، اعداد و شمار، واقعات، دن، تاریخ اور لوگوں کے نام جن کے ساتھ ان کو واسطہ پڑا تھا یہ سب چیزیں ان کو یاد رہتی تھیں۔ اور لندن میں تو ان کے ساتھ اکثر یہ مذاق رہتا کہ میں انہیں اپنے بیٹے کے گھر سے فون کیا کرتا اور ان سے کہتا میرا فون نمبر نوٹ کر لیں۔ تو فرماتے تمہارا نمبر وہی ہے جو کہ پچھلے سال تھا، اور پھر وہ نمبر بھی بتا دیتے۔ جبکہ مجھے وہ نمبر نوٹ بک سے دیکھنا پڑتا تھا۔''

(3) حافظ قدرت اللہ صاحب (سابق مشنری انچارج ہالینڈ) کا کہنا ہے:

''ایک دفعہ جب سعودی عرب کے پرنس فیصل جو ریاض کے مئیر تھے ہماری جماعت کی دعوت پر ہماری مسجد میں تشریف لائے تو اس موقعہ پر حضرت چوہدری صاحب بھی موجود تھے۔ بلکہ لارڈ مئیر چوہدری صاحب کی موجودگی اور آپ سے ملاقات پر بہت ہی خوش تھے۔ خاکسار نے ان کی خدمت میں عربی میں ایڈریس پیش کیا اور تحفہ میں کچھ کتابیں بھی پیش کیں۔ اسی طرح ملائشیا کے وزیر اعظم تنکو عبدالرحمن جب تشریف لائے اور پھر ایک اور موقعہ پر نائیجیریا کے وزیر اعظم تشریف لائے تو ان مواقع پر بھی چوہدری صاحب کی موجودگی معزز مہمانوں اور ہمارے لئے بہت ہی مسرت اور شادمانی کا باعث ہوئی تھی۔ ... اسی طرح ایک اور موقعہ بھی ہم سب کے لئے لطف کا باعث بنا تھا یعنی 1960 جب پاکستان کی چمپئین ہاکی ٹیم اولمپک گولڈ میڈل جیتنے کے بعد ہالینڈ

سے گزری تو جماعت احمدیہ نے ان کے اعزاز میں پارٹی دی اور ایڈریس پیش کیا تھا۔“

(4) انیس الرحمن بنگالی کہتے ہیں:

ہم نے اپریل 1979 میں انگلستان کا اجتماع بریڈفورڈ میں منعقد کروایا جس میں شرکت کیلئے چوہدری صاحب کو دعوت دی۔ اپریل میں ہر سال ایسٹر کی تقریب کی مناسبت سے ملکہ برطانیہ ارکان پارلیمنٹ، اور ملک کے معززین کو خاص ڈنر پر بلاتی ہیں اور چوہدری صاحب کو بھی اس شاہی دعوت میں شرکت کیلئے دعوت موصول ہوئی تھی۔ جب میں نے اجتماع میں شرکت کیلئے ان کو دعوت دی تو فرمایا اگلے روز فون پر اطلاع دوں گا۔ چنانچہ 12، اپریل کو فون پر اطلاع دی کہ چونکہ تمہارا دینی پروگرام ہے اس لئے میں ملکہ معظّمہ کی دعوت کو چھوڑتا ہوں اور اجتماع میں شریک ہوں گا۔ چنانچہ اگلے روز مکرم انور احمد کاہلوں، مکرم چوہدری صاحب کے ہمراہ لندن سے قریب تین سو میل کا سفر کر کے اجتماع میں شریک ہوئے۔

(5) پنجاب میں 1953 کے اینٹی احمدیہ فسادات کی تحقیقات کے دوران ایک وکیل اپنے ساتھیوں کے سامنے بڑ مارا کرتے تھے کہ ظفر اللہ خاں کو عدالت میں بیان دینے کے لئے آنے دو، میں ایک ہی سوال میں اس کو ایسا پھانسوں گا کہ وہ راہ فرار تلاش نہیں کر سکے گا۔ جب چوہدری صاحب عدالت میں حاضر ہوئے تو وکیل نے کہا میں آپ سے ایک سیدھا سوال کرتا ہوں: آپ مجھے کیا سمجھتے ہیں؟ جواب ملا جو آپ مجھے سمجھتے ہیں۔ اس مسکت اور دندان شکن جواب کے بعد اس چالباز وکیل نے کوئی اور سوال نہ کیا۔

(6) پاکستان بننے سے قبل شام کی چائے پر چند دوست آیا کرتے تھے جن میں عموماً میجر جنرل نذیر احمد، چوہدری بشیر احمد، شیخ اعجاز احمد ہوتے تھے۔ ان کے ساتھ یہ بات طے ہوتی تھی کہ جو بھی فقرہ بولا جائے پورا فقرہ اسی زبان میں ادا کیا جائے۔ پنجابی کے فقرے میں تمام الفاظ پنجابی ہوں، انگریزی کے فقرے میں تمام انگریزی ہوں۔ جو کوئی کسی دوسری زبان کا لفظ بولے گا اس کو

دو روپیہ جرمانہ ادا کرنا ہوگا۔ باباجی کو کبھی بھی جرمانہ ادا نہیں کرنا پڑا تھا۔

(7) ایک دفعہ پاکستان کے مشہور مؤرخ آپ کو (چوہدری صاحب) کو ملنے آئے جو آپ کے مداح اور عقیدت مند تھے۔ باتوں باتوں میں وہ ایسی بات کہہ گئے جس سے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کا پہلو نکلتا تھا۔ آپ فوراً غصہ میں اُٹھ کھڑے ہوئے اور ان سے کہا آپ فوراً یہاں سے نکل جائیں۔ میں کسی ایسے شخص سے ملنے پر تیار نہیں جو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہو۔ یہ کہہ کر آپ کمرے سے نکل گئے۔ ایک لمبے عرصے تک اس کو معافی مانگنے پر ملنے پر تیار نہیں ہوئے۔ آخر کار اس کے بار بار معافی مانگنے پر آپ نے اس کو معاف کر دیا۔

(8) حضرت مصلح موعودؓ کی وفات پر ایک خط میں لکھا:

میری کیا حیثیت اور میرے قلم میں کیا طاقت ہے کہ اس بہار حسن و احسان کے اوصاف شمار کرنے کی جسارت کروں۔ وہ روحانی آسمان کا درخشندہ ستارہ، میں زمین کے چہرے پر ایک سیاہ داغ۔ وہ پاکیزگی، تقویٰ اور طہارت کا ستون میں گرفتار ہوا و ہوس اور عصیان کا مرکب، وہ ظاہری و باطنی علوم کا بحر ذخار، میں نادانی اور جہالت کی ظلمات میں اسیر۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک

(9) امام مسجد لندن بشیر احمد رفیق لکھتے ہیں:

آپ ناشتہ سے لے کر شام کے کھانے تک پورا لباس زیب تن کئے بغیر کھانے کی میز پر تشریف نہیں لاتے تھے۔ میں نے ایک دو مرتبہ عرض کیا کہ آپ ریٹائرمنٹ میں بھی کیوں اس طرح لباس کا تکلف کرتے ہیں؟ فرمایا میں نے زندگی کا ایک اصول مقرر رکھا ہے کہ صبح اُٹھ کر پورا لباس پہن کر ہی کام شروع کرنا ہے۔ خواہ کہیں باہر جانا ہو یا نہ ہو۔ اس چیز سے طبیعت میں رغبت پیدا ہوتی، چستی آجاتی اور کام کرنے کیلئے جس موڈ کی ضرورت ہوتی ہے وہ بھی میسر آجاتا ہے۔

(10) برطانیہ کے مشہور مستشرق کینیتھ کراگ کی کتاب Call-Kenneth Cragg of the Minaret نے دنیا بھر سے خراج تحسین حاصل کیا۔ ایک دن میں چوہدری صاحب کی

خدمت میں حاضر ہوا تو ان کے ہاتھ میں یہ کتاب تھی۔ آنکھیں پرنم میرے دریافت کرنے پر فرمایا اس شخص نے باوجود عیسائی ہونے کے اس کتاب میں قرآن کریم کو جو خراج پیش کیا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر جس پیارے انداز میں کیا ہے اسے پڑھ کر میں اپنی طبیعت پر قابو نہ رکھ سکا۔ فرمایا مسٹر کراگ سے میری ملاقات کا انتظام تو کروادو۔ چنانچہ وہ کھانے پر آئے تو چوہدری صاحب نے ان سے پوچھا باوجود عیسائی ہونے کے آپ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ جواب میں انہوں نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا کی اصلاح کیلئے عظیم کام کیا ہے اگرچہ مجھے عقیدۃ ان کی بعض تعلیمات سے اختلاف ہے لیکن میں آپ کی بڑائی کا دل سے قائل ہوں۔

(11) برطانیہ کے بادشاہ جارج ہشتم کی والدہ سے لندن میں اپنی ملاقات کے بارے میں چوہدری صاحب نے لکھا: لندن پہنچنے کے دوسرے روز کوئین میری نے مجھے بطور شاہی مہمان کے دعوت دی کہ میں ان کے مہمان کے طور پر قصر ہملٹن جو گلاسٹر شائر میں ہے حاضر ہو جاؤں۔ کسی ہندوستانی کیلئے یہ بہت بڑا اعزاز تھا۔ میں قصر ہملٹن میں حاضر ہو گیا۔ محل میں پہنچنے پر لارڈ کلاڈ ہملٹن نے ملکہ کی خدمت میں حاضر ہونے کے آداب پر لیکچر دیا اور کہا گھڑی کو دیکھنا سخت بے ادبی میں شامل ہے۔ کمرے میں بیٹھا ہی تھا تو ملکہ تشریف لائیں، گفتگو شروع ہوئی اور ملاقات خلاف معمول لمبی ہو گئی۔ دوران ملاقات خیال آیا عصر کی نماز کا وقت تنگ ہو رہا ہے اس لئے ملکہ سے نظر بچا کر گھڑی کو دیکھ لیا۔ ملکہ نے ایسے کرتے مجھے دیکھ لیا اور پوچھا تمہیں کسی اور سے ملنا ہے۔ میں نے مؤدبانہ عرض کیا ملکہ سے بڑی اور کون سی ملاقات ہو سکتی ہے لیکن یہ گستاخی اس لئے کی ہے کہ مجھے مالک کائنات کے دربار میں بھی حاضری دینی ہے جس کا وقت نکلا جا رہا ہے۔ ملکہ نے فرمایا بے شک اپنے خالق کی عبادت ہم سب پر فرض ہے۔ ملکہ فوراً اُٹھ کھڑی ہوئیں اور اپنے سیکرٹری کو ہدایت کی کہ ظفر اللہ خاں سے اس کی نمازوں کے اوقات معلوم کر کے مجھے مطلع کرو۔ ملکہ سے رُخصت ہو کر اپنے کمرے میں آیا اور نماز عصر ادا کی۔ اس کے بعد جب بھی کبھی ملکہ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو بار بار پوچھتیں نماز کا وقت تو نہیں ہو گیا۔

(12) قیام پاکستان کے وقت جب چوہدری صاحب نے نواب آف بھوپال سر حمید اللہ خاں کی پیشکش کو قبول فرمایا کہ آپ ان کے مشیر کے طور پر کام کریں تو نواب صاحب نے بطور معاوضہ کے آپ کو اطلاع دی کہ تنخواہ چالیس ہزار روپے ہوگی جس پر کوئی ٹیکس نہیں ہوگا۔ رہائش کیلئے محل کا ایک خاص حصہ مخصوص کر دیا ہے اور آپ کیلئے کھانا شاہی مطبخ میں تیار ہوگا۔ اس کے ساتھ چھ گاڑیاں ہوں گی۔ کچھ دنوں بعد جب میں کراچی میں تھا قائداعظم نے فرمایا تم بھوپال سے اپنا تعلق ختم کر کے جلد یہاں آجاؤ۔ چنانچہ انہوں نے مجھے وزیر خارجہ مقرر کر دیا۔ بھوپال میں میری تنخواہ چالیس ہزار تھی یہاں کراچی میں چار ہزار جس پر ٹیکس دینا تھا۔ نواب صاحب کے محل میں میری رہائش یہاں ایک ہوٹل کے دو کمروں میں ایک لمبے عرصہ تک قیام رہا۔ وہاں چھ کاریں یہاں ایک کار میری تحویل میں تھی۔ باوجود ان نامساعد حالات کے میں نے پاکستان کی خدمت کا عزم کیا۔

یہ چند ایک ایمان افروز واقعات یہاں پیش کئے گئے ہیں تا کہ قاری کو اندازہ ہو سکے کہ یہ کتنی شیریں، اور حلاوت سے بھرپور کتاب ہے۔ یہ کتاب محسن پاکستان، سپوت ایشیا، جج، عالمی قانون دان، مدبر، مصنف، ترجمہ نگار کی زندگی پر ہے۔ اس عظیم مگر نہایت سادہ اور مطمئن انسان کو خراج تحسین ہے جو اپنے اصولوں کا پکا تھا۔ جس نے دین کو ہمیشہ دنیا پر مقدم رکھا کوئی لالچ کوئی عہدہ اسکے پائے ثبات میں لغزش نہ لا سکا۔ دنیا کے چمن میں ایسے دیدہ ور بڑی مشکل سے پیدا ہوتے ہیں جن کی یاد ہمیشہ ترو تازہ رہتی ہے۔ ظفر اللہ خاں ایک شخص نہیں بلکہ ایک کثیر الجہات بندہ نواز کا نام تھا۔ اس نور مینارے سے یہ دنیا بڑی دیر تک روشن رہے گی۔

احقر العباد

زکریا ورک۔ ٹورنٹو 28/اکتوبر 2018

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب

مکرم ڈاکٹر سر افتخار احمد ایاز۔ لندن

حضرت چوہدری صاحب کے بارہ میں کچھ لکھنا ایک عظیم سعادت اور آپ کے اوصاف حمیدہ کی اشاعت کارِ ثواب ہیں۔ مَیں اُن خوش قسمت لوگوں میں شامل ہوں جنہیں اُن کی صحبت سے روشنی حاصل کرنے کی توفیق ملی اور اُنہیں قریب سے دیکھنے کا موقع نصیب ہوا۔ سبحان اللہ والحمد للہ

آپ عجیب وغریب قابلیتوں اور حیرت انگیز صلاحیتوں کے مالک تھے۔ وہ اگرچہ ہر لحاظ سے ایک ممتاز حیثیت اور اور بلند شخصیت کے مالک تھے لیکن انہوں نے کبھی اپنے آپ کو بڑا آدمی نہ سمجھا۔ اور نہایت فروتنی اور بڑی خاکساری کے ساتھ اپنی زندگی گزاری اُن کی صورت فرشتوں جیسی اور اُس کی سیرت ولیوں جیسی تھی۔ وہ نہایت ہنس مکھ، نہایت ملنسار، نہایت خوش گفتار اور نہایت خوش اخلاق انسان تھے۔ جو شخص ایک مرتبہ اُن سے مل لیتا تھا وہ ہمیشہ کے لئے اُن کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔ اُن کی باتوں میں مٹھاس اور ایسی شیرینی تھی کہ دل بے اختیار اُن کی طرف کھنچے چلے جاتے تھے۔ وہ اپنے اعلیٰ اوصاف اور اپنی بہترین عادات کے لحاظ سے سلف سالحین کا ایک بہت ہی دلکش نمونہ تھی۔ ہمدردی خلائق اور بہبودی مسلمین اُن کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ نیکی اور شرافت احسان ومروّت کا وہ ایک مجسّمہ تھے۔ عقل ودانش اور فہم وفراست میں اس حدیث نبوی کہ مصداق تھے کہ **اتقوا فراسة المومن فانه ینظر بنور اللہ** اُن کے پاس بیٹھنے اور اُن کی پُر حکمت کلمات سُننے سے جو روحانی سرور حاصل ہوتا تھا اُن کی کیفیت الفاظ میں بیان نہیں کی ہو سکتی۔ اُن کا انداز بیان نہایت دلچسپ اور اُن کی گفتگو نہایت پُر لطف ہوتی تھی۔ پارسائی اور پرہیز گاری اُن کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔ زہد و اتقا کی حسین کرنیں اُن کے حسین چہرہ سے پھوٹ

پھوٹ کر نکلتی تھیں اور اُن کی شفاف پیشانی **سِيۡمَاهُمۡ فِيۡ وُجُوۡهِهِمۡ مِّنۡ اَثَرِ السُّجُوۡدِ** ط کا نقشہ پیش کرتی تھی۔ طبیعت نہایت سادہ پائی تھی اور ضرر اور تکبر نام کو بھی نہ تھا۔ وہ جس والہانہ طور پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلفائے کرام کا نام لیا کرتے تھے اُنہیں سُن کر دل چاہتا تھا کہ یہ سلسلہ گفتگو کبھی ختم نہ ہو۔

میرے اُن سے تعلق کی بنیاد میرے والد محترم چوہدری مختار احمد ایاز صاحب مرحوم و مغفور کا اُن سے تعلق تھا۔ 1920ء یا 1921ء میں جب حضرت چوہدری صاحب لاء کالج لاہور میں لیکچرار تھے تو میرے والد صاحب اسلامیہ کالج میں پڑھتے تھے۔ اسلامیہ کالج لاہور کے احمدی طلباء کی ایک اپنی تنظیم تھی اور حضرت چوہدری صاحب طلباء کی مجلس میں کبھی کبھی تشریف لاتے اور نصائح فرماتے۔ خاص طور پر نمازیں باجماعت ادا کرنے کی طرف اور باقاعدہ روزانہ قرآن کریم کی تلاوت کی طرف توجہ دلاتے اور طلباء کو تلقین کرتے کی بار بار قادیان جائیں اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی مجالس میں شریک ہوں۔ اس طرح میرے والد کا حضرت چوہدری صاحب سے ایک ذاتی تعلق بن گیا۔ اور اس کی عملی صورت اس طرح سامنے آئی کہ میرے دادا جان مرحوم حاجی جلال الدین صاحب مرحوم و مغفور اپنے علاقہ میانی بھیرہ کی معروف شخصیت تھے کئی سال تک کمیٹی کے صدر بھی رہے لیکن جب بیعت کر کے سلسلہ عالیہ احمدیہ میں شامل ہو گئے تو شدید مخالفت شروع ہو گئی۔ پھر دھمکیوں اور طعنہ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ چند مرتبہ مخالفین نے اُن پر لاٹھیوں سے حملہ بھی کیا اور پھر اُن پر ایک فوجی کیس بھی بنا دیا اُس کے لئے اُن کو سرگودھا تاریخوں پر جانا پڑتا تھا۔ اس کیس کا والد نے حضرت چوہدری صاحب سے ذکر کیا اور دعا کے لئے کہا تو چوہدری صاحب خود دادا جان کی طرف سے کورٹ میں پیش ہونے کے لئے تیار ہو گئے۔ چنانچہ اس غرض سے وہ میرے والد صاحب کے ساتھ دو مرتبہ لاہور سرگودھا گئے اور وہاں کورٹ میں پیش ہوئے اور کیس کا ایسی عمدگی سے دفاع کیا کہ وہ کیس خارج ہو گیا۔

1930ء میں میرے والد صاحب راولپنڈی آرسنل میں ملازم تھے اور جماعت کے جنرل سیکریٹری بھی تھے۔ اُس زمانہ میں حضرت چوہدری صاحب مسلم لیگ کے صدر تھے اور اس سلسلہ میں پنڈی آنا جانا رہتا تھے۔ جب وہ پنڈی آتے تو اُن کی رہائش میں سہولت کے لئے اچھا سرکاری انتظام ہوتا تھا لیکن آپ احمدیہ مسجد کے اوپر ایک کمرہ میں رہنا پسند کرتے تاکہ فجر کی نماز باجماعت ادا کرسکیں۔

1935ء میں میرے والد صاحب ملازمت چھوڑ کر قادیان آ گئے اور صدر انجمن احمدیہ میں خدمت پر مامور ہوئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ تحریک جدید کے تحت آپ کو تبلیغی وفود کا امیر مقرر فرماتے اور آپ وفود لے کر مکیریاں ہوشیار پور جایا کرتے تھے۔ اُن دنوں حضرت چوہدری صاحب وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر تھے۔ آپ قادیان آتے جاتے رہتے تھے ایک دفعہ جب والد صاحب مکیریاں وفد کے ساتھ آئے اور حضرت چوہدری صاحب سے ملے تو آپ نے سارے وفد کو اپنے رہائش گاہ میں آنے کی دعوت دی اور تبلیغ کے سلسلہ میں زرّیں نصائح سے نوازا۔ اُس میں سے ایک نصیحت یہ تھی کہ محض دلیل و دلائل سے تبلیغ نہ کریں حسن اخلاق سے تبلیغ کریں۔

1937ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے ارشاد پر میرے والد صاحب مشرقی افریقہ تشریف لے گئے لیکن مَیں اپنی والدہ مرحومہ مغفورہ کے ساتھ چند سال قادیان میں ہی رہا۔ اس دوران جب حضرت چوہدری صاحب قادیان ریل سے تشریف لائے تو اُن کا خاص ڈبہ سٹیشن پر کھڑا رہتا ہم بڑے شوق سے اُسے دیکھنے جایا کرتے تھے۔ مَیں بہت چھوٹا سا تھا لیکن یاد ہے دو مرتبہ میں اپنی والد کے ساتھ حضرت چوہدری صاحب کے رہائش گاہ پر گیا۔ سلام کیا آپ نے میرا نام پوچھا اور کہا کہ چوہدری مختار احمد صاحب کے بیٹے ہو اور تو کوئی بات یاد نہیں البتہ یہ یاد ہے کہ انہوں نے مجھے کھانے کے لئے پھل دیا۔ اور سنگترہ اور ایک کیلا تھا۔ پھر ہم مشرقی افریقہ چلے گئے۔

ساٹھ کی دہائی کی شروع میں شیخ عمری عبیدی صاحب مرحوم و مغفور تنزانیا کے منسٹر آف جسٹس تھے۔ مَیں بھی اُن دنوں دار السلام میں منسٹری آف ایجوکیشن میں کام کرتا تھا۔ مکرم شیخ صاحب اپنی انتہائی مصروفیت کے وجہ سے اپنی اکثر ذاتی ڈاک جواب لکھنے کے لئے مجھے دے دیتے تھے۔ اس ڈاک میں کبھی کبھی حضرت چوہدری صاحب کے خطوط بھی ہوتے تھے۔ ایک دفعہ مَیں نے حضرت چوہدری صاحب کی خدمت میں خط لکھا اور جب اس کا جواب آیا تو میری خوشی کی انتہا نہ رہی خاص طور پر اس بات کی خوشی تھی کہ اُنہوں نے مجھے پہچان لیا اور دعائیں دیں اور میرے ابا جان کی خدمت میں السلام علیکم کا تحفہ بھجوایا۔ پھر آپ تنزانیہ کے مختصر دورہ پر تشریف لائے۔ بہت سارے سرکاری پروگرام تھے اور سرکاری ملاقاتیں تھیں لیکن لگتا تھا کہ آپ سارا وقت مسجد اور مشن ہاؤس میں گزارنا چاہتے ہیں۔ مبلغین سلسلہ کے ساتھ کمال شفقت اور اُن کا احترام و اکرام دیکھ کر اپنے اور غیر سب متاثر ہوئے۔ ہر ایک سے بہت پیار سے ملے۔ سرکاری حلقوں میں اُن کی سادگی خاکساری اور اعلیٰ اخلاق اور افریقہ کے لئے خدمات کا جو اثر ہوا اُس سے جماعت کی عظمت و وقار کا تا دیر اثر قائم رہا۔

1966ء میں مَیں انگلستان میں تعلیمی سہولیات کے جائزے کے لئے سرکاری دورے پر آیا تھا۔ اس دوران علم ہونے پر آپ لندن آئے ہوئے ہیں۔ مَیں خاص طور پر ملاقات کے لئے حاضر ہوا۔ اور اُن کو اپنے مشن کے بارہ میں بتایا۔ آپ نے بتایا کہ ڈسپلن اور اطاعت میں ٹریننگ تعلیم کا حصہ ہونے چاہییں۔ اور ہر مذاہب کی تعلیم کے بارہ میں بھی خیالات کا اظہار فرمایا۔ اس میں خاص بات رواداری کا جذبہ اور ہر مذہب کا احترام تھا۔

1973ء میں کامن ویلتھ فیلوشپ کے تحت میں اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان آیا اور مجھے داخلہ نیو کانسل یونیورسٹی میں ملا۔ اُس وقت حضرت چوہدری صاحب مستقل رہائش کے لئے لندن تشریف لا چکے تھے۔ لندن پہنچنے کے دو تین دن بعد میں مسجد فضل میں آیا۔ آپ ظہر کی نماز کے لئے

اپنے فلیٹ سے باہر آرہے تھے۔ مَیں نے آگے بڑھ کر مصافحہ کیا۔ اُنہوں نے مجھے پہچان لیا۔ اور اس بات کی مجھے بہت خوشی ہوئی۔ مَیں نے اپنے پروگرام کا بتایا اور دعا کے لئے کہا۔ پھر میں نیو کانسل چلا گیا۔ اور جب بھی لندن آنا ہوتا آپ کی ملاقات کا شرف حاصل کرتا۔ لیکن ایک ملاقات میں آپ نے فرمایا کہ ایک قرآن کریم یونیورسٹی کی لائبریری میں رکھوا دیں۔ اسی طرح تبلیغی لٹریچر ساتھ لے جائیں اور اپنے کمرے میں اس طریق سے رکھیں کہ آنے والوں کی اس پر نظر پڑے۔ اس طرح کچھ لٹریچر لائبریری میں بھی رکھوا دیا کریں۔ اسی طرح ایک اور ملاقات میں فرمایا کہ جب ممکن ہو نماز کھلی جگہ پر پڑھیں جہاں لوگ آپ کو دیکھ سکیں۔ اس طرح لوگوں کے دِلوں میں آپ سے مذہبی گفتگو کی تحریک پیدا ہوتی ہے اور تبلیغ کے راستے کُھل جاتے ہیں۔

دو سال بعد مَیں لندن آ گیا اور میری تقرری کامن ویلتھ انسٹی ٹیوٹ میں بطور انچارج افریقہ سیکشن ہوئی۔ جب مَیں نے حضرت چوہدری صاحب کو بتایا تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ افریقہ کی خوب مدد کریں یہ ہمارا براعظم ہے۔ پھر حضرت مصلح موعودؓ کے افریقہ کے بارہ میں ارشادات بیان فرمائے۔

1976ء میں مجھے لندن یونیورسٹی میں ایم۔ اے کرنے کے لئے داخلہ مل گیا۔ میرا مضمون لِسانیات تھا۔ حضرت چوہدری صاحب کو بتایا اور دعا کے لئے کہا۔ ایک دن آپ مجھے اوپر فلیٹ میں لے گئے۔ آپ کا قریباً سارا وقت تصانیف وتراجم کے کاموں میں گزرتا تھا۔ مجھے میرے یونیورسٹی کے کورس کے بارہ میں پوچھتے رہے اور فرمایا کہ شیخ محمد احمد مظہر صاحب نے اس مضمون پر تاریخی حیثیت سے تحقیق کی ہوئی ہے۔ آپ اُسے ضرور پڑھیں اور اس تحقیق کو جاری رکھیں۔ عربی زبان کو اُمّ الالسنات ثابت کرنے کی کوشش جاری رہنی چاہیے۔ پھر آپ نے سیرت خاتم النبین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چند صفحات انگریزی میں ترجمہ کے لئے دئے اور جب میں نے ترجمہ کرنے کے بعد آپ کو دیا تو آپ نے تسلی کا اظہار کیا اور فرمایا جب موقع ملے انگریزی میں ترجمہ کے

کاموں میں شریک ہوں۔ الحمدللہ یہ اُن کی خواہش تھی اور دعائیں بھی تھیں اللہ تعالیٰ نے مجھے قرآن کریم کے لفظی ترجمہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کئی کتب کے تراجم اور دیگر متعد کتب سلسلہ کے انگریزی تراجم کی توفیق عطا فرمائی۔ اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک۔

ایک اور ملاقات میں مَیں آپ کے پاس آپ کے فلیٹ میں بیٹھا ہوا تھا۔ اور آپ کسی کتاب کا ترجمہ کررہے تھے کہ نیچے سے پیغام آیا کہ حضور نے آپ کو بلایا ہے۔ اُن دنوں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ لندن تشریف لائے ہوئے تھے۔ چنانچہ مَیں نے دیکھا کہ آپ جو لفظ لکھ رہے تھے وہ پورا بھی نہیں کیا اور فوراً تشریف لے گئے۔ مجھے یہ بھی جذبۂ اطاعت دیکھ کر حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کا وہ واقعہ یاد آ گیا جب دلی جانے کا ارشاد موصول ہوا تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر روانہ ہو گئے۔ سبحان اللہ کیا تھے وہ لوگ۔!

ایک اور بہت پیاری ملاقات کا واقعہ یاد آیا ہے۔ 1954ء میں مَیں تعلیم الاسلام کالج لاہور میں پڑھتا تھا اور کالج یونین کا سیکریٹری تھا۔ اس سال جلسہ تقسیم اسناد کی تقریب پر آپ کو بلایا گیا۔ چنانچہ آپ تشریف لائے اور اس جلسہ سے آپ نے خطاب فرمایا بحیثیت سیکریٹری اس جلسہ کے انتظامات کی ذمہ داری میرے سپرد تھی اور پھر آپ کے ساتھ ساتھ رہنے اور گفتگو کا شرف بھی حاصل ہوا۔ مکرم کنور ادریس صاحب یونین کے صدر تھے اور حضرت چوہدری محمد علی مضطر مرحوم و مغفور منتظم اعلیٰ تھے۔

1977ء میں مَیں واپس تنزانیہ آ گیا اور حضرت چوہدری صاحب سے لندن میں ملاقات کا موقع نہیں مل سکا۔ البتہ خطوط کے ذریعہ رابطہ رہا۔ پھر 1983 کے آخر میں پتہ چلا کہ آپ واپس پاکستان تشریف لے جارہے ہیں۔ اس واپسی کے سفر میں معیت کا سفر میرے پیارے دوست مکرم منصور احمد بی ٹی صاحب کو حاصل ہوا۔ آپ پی آئی اے میں ملازم تھے اور چوہدری صاحب کے اکثر سفروں کی بکنگ وغیرہ کیا کرتے تھے۔ اور اس سفر کے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے مکرم

منصور احمد بی ٹی صاحب نے ایک بات بتائی جسے سن کر حضرت چوہدری صاحب کی عظمت اور سادگی کی انتہا میں دل بھر آیا۔ منصور صاحب نے بتایا کہ ہوائی جہاز میں کھانے اور نمازوں سے فارغ ہونے کے بعد مَیں نے حضرت چوہدری صاحب کے لئے سیٹ پر جس قدر اچھا اور نرم بستر بنایا جا سکتا تھا بنا دیا۔ بستر دیکھ کر حضرت چوہدری صاحب نے فرمایا۔ میرے لئے نرم بستر بنا رہے ہو؟ منصور کہنے لگے کہ اللہ کرے کہ بستر واقعی نرم ہو۔ اس پر حضرت چوہدری صاحب نے فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ میں پتھروں پر بھی سویا ہوں اور پھر اس واقعہ کے ذکر میں فرمایا کہ بہت پرانی بات ہے۔ مَیں نے گجرانوالہ سے رات کی گاڑی پکڑنی تھی گاڑی کا وقت غالباً رات بارہ بجے تھے۔ جب سٹیشن پر پہنچا تو معلوم ہوا گاڑی چار پانچ گھنٹہ کے بعد آئے گی۔ چنانچہ میں نے رات وہیں گزار دی۔ اور بغیر بستر کے پلیٹ فارم کی سلیٹوں یعنی پتھر کے فرش پر لیٹ گیا۔ اللہ اکبر

پھر مارچ 1985ء میں طوالو جاتے ہوئے میں اپنی والدہ مرحومہ کو ملنے ربوہ گیا تو لاہور حضرت چوہدری صاحب کے دیدار کے لئے حاضر ہوا۔ آپ کی طبیعت کافی خراب تھی۔ آپ کے پلنگ کے پاس کھڑے ہو کر آپ کے لئے دعا کی اور آنسوؤں کی جھڑی کے ساتھ وہاں سے رُخصت ہوا۔ اُن کا درخشندہ رُوحانی چہرہ پُرحکمت باتیں ناصحانہ انداز محبت و شفقت میرا سرمایہ حیات ہیں اور ہمیشہ رہیں گی۔

افتخار احمد ایاز

30 جنوری 2019ء لندن

مختصر سوانحی خاکہ

حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ

1893ء 6 فروری کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔

1897ء سے چھ سال تک میونسپل بورڈ سکول میں تعلیم حاصل کی۔ ساتویں سال امریکن مشن ہائی اسکول میں داخل ہوئے۔

1907ء امریکن مشن سکول سے فرسٹ ڈویژن میں میٹرک پاس کیا اور گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہوئے۔

16 ستمبر دستی بیعت حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہؑ بعد نماز ظہر مسجد مبارک قادیان

1908ء 26 مئی حضرت بانیٔ سلسلہؑ کے جسد خاکی کے ساتھ لاہور سے قادیان تک سفر کیا۔

27 مئی بیعت حضرت حکیم مولانا نورالدین صاحبؓ قدرت ثانیہ کے مظہر اوّل

1909ء گورنمنٹ کالج لاہور سے ایف اے پاس کیا۔

1911ء بی اے کے امتحان میں اوّل درجے میں کامیابی حاصل کی اور مزید تعلیم کیلئے انگلستان روانگی لندن میں ورود 16 ستمبر 1911ء

1914ء ایل ایل بی کا امتحان یونی ورسٹی میں اوّل پوزیشن حاصل کی۔

قدرت ثانیہ کے مظہر ثانی کی بیعت بذریعہ خط (مارچ)

یکم نومبر انگلستان سے واپس ممبئی تشریف لائے۔

1915ء جنوری سے اگست تک سیالکوٹ میں پریکٹس

1916ء 23 اگست انڈین کیسز کے اسسٹنٹ ایڈیٹر کے طور پر تقرر

1917ء سے 1935ء تک چیف کورٹ میں پریکٹس

1918ء اپریل میں جماعت احمدیہ لاہور کی امارت آپ کے سپرد ہوئی

1919ء لاء کالج لاہور میں بطور لیکچرار تقرر

1924ء	حضرت فضل عمرؓ کے ہمراہ سفر یورپ (12 جولائی)
1925ء	کشمیر کا پہلا سفر
1926ء	2 ستمبر والد صاحب کی وفات
	ستمبر پنجاب کونسل کے انتخاب میں کامیابی
1927ء	برطانوی ارکان پارلیمنٹ کے سامنے مسلمانوں کا نقطۂ نگاہ پیش کرنے کی غرض سے سفر انگلستان
1930ء	پنجاب کونسل کیلئے بلا مقابلہ انتخاب
	نومبر 1930ء تا جنوری 1931ء پہلی گول میز کانفرنس میں شرکت
1931ء	ستمبر تا دسمبر دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت
	26,27 دسمبر مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس دہلی کی صدارت
1932ء	وسط جون تا اکتوبر وائسرائے کی کونسل میں عارضی تقرر
	17 نومبر تا دسمبر تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت
1933ء	7 ستمبر کامن ویلتھ کانفرنس میں ہندوستانی وفد کی قیادت
1935ء	مئی وائسرائے ہند کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر تجارت اور ریلوے
1938ء	16 مئی والدہ صاحبہ کی وفات
1939ء	دوسری عالمی جنگ میں محکمہ سپلائی کا چارج
	اکتوبر میں ڈومینین کانفرنس لندن میں شرکت
	لیگ آف نیشنز کے اجلاس میں بطور نمائندہ ہند شرکت
1940ء	فروری وائسرائے کی کونسل میں دوبارہ تقرر
1941ء	ستمبر تا 10 جون 1947ء فیڈرل کورٹ آف انڈیا میں بطور جج
1942ء	جون تا اکتوبر چین میں بطور ایجنٹ جنرل تقرر
	Pacific Relation Conference میں بطور نمائندہ ہندوستان شرکت
1947ء	جون تا 22 دسمبر آئینی مشیر نواب آف بہاولپور

22 ستمبر تا 8 دسمبر اقوام متحدہ میں پاکستانی وفد کی قیادت

25 دسمبر 1947ء سے 30 جون 1956ء تک قائد اعظم کی خواہش پر پاکستان کے وزیر خارجہ

1954ء 20 جنوری ریل کے خطرناک حادثہ سے محفوظ رہنا۔

مئی سندھ تاس منصوبہ کے سلسلہ میں عالمی بینک سے کامیاب مذاکرات

30 جون وزارت خارجہ سے استعفیٰ

7 اکتوبر سے 5 فروری 1961ء تک بین الاقوامی عدالت کی رُکنیت

1955ء حضرت فضل عمرؓ کے ساتھ سفر یورپ

1958ء بطور نائب صدر بین الاقوامی عدالت

مارچ عمرہ کی سعادت۔ شاہی مہمان

1961 12 اگست تا 5 فروری 1964ء اقوام متحدہ میں پاکستان کی نمائندگی

1962ء اقوام متحدہ کے سترھویں اجلاس کی صدارت

مراکش کا اعلیٰ ترین اعزاز

1963ء جون اقوام متحدہ کی اسمبلی کے خاص اجلاس کی صدارت

1964ء 6 فروری تا 5 فروری 1973ء عالمی عدالت کی رُکنیت کیلئے دوبارہ انتخاب

1967ء مارچ حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی

1970ء 18 فروری تا 5 فروری 1973ء عالمی عدالت کی صدارت

1973ء 6 فروری تا 1983ء لندن میں قیام اور خدمت دین

1985ء وفات یکم ستمبر ساڑھے بانوے سال کی عمر میں

* * *

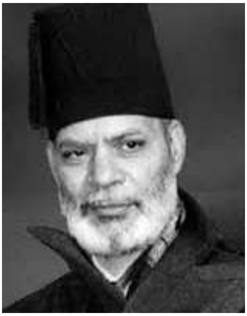

مختصر آپ بیتی۔ سر محمد ظفر اللہ خان

محمد طفیل مرحوم ایڈیٹر ’’نقوش‘‘ کی درخواست پر لکھی گئی
آپ بیتی نمبر کیلئے مختصر آپ بیتی

نیویارک
23 ستمبر 1963

مکرم جناب ایڈیٹر صاحب نقوش
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے ارشاد مورخہ 9 ستمبر کی تعمیل میں گذارش ہے کہ خاکسار بنام ظفر اللہ خان سیالکوٹ میں 6 فروری 1893ء کو مشیتِ ایزدی سے خلعتِ حیات کے ساتھ نوازا گیا۔ فالحمدللہ۔

اللہ تعالیٰ کا بے پایاں احسان ہوا کہ خاکسار کے والدین سادہ مزاج منکسر المزاج اور خصوصاً مساکین کے ہمدرد اور خادم تھے۔ شرک سے پرہیز اور اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنے والے اور اُس سے ڈرنے والے اپنے فرائض دینی اور دنیاوی بجا آوری میں مستعد۔ میری والدہ بفضل اللہ صاحبہ رؤیا و کشوف تھیں۔ دین کی غیرت اور خدا کا خوف خاکسار نے ماں کے دودھ کے ساتھ پیا۔ ہر چند خاکسار نہایت عاجز اور تقصیروار ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عشق کی چنگاری سے خاکسار کا دل ہمیشہ روشن اور گرم رہا ہے۔ **فالحمد للہ علیٰ ذالك**

اس نحیف عاجز ناتواں پُر عاصی پر اللہ تعالیٰ کے افضال و انعامات کی پیہم بارش کا ایک

جاذب سبب خاکسار کی والدہ کی پُر درد و پُرسوز دعائیں بھی ہیں۔ سچ تو یہ ہے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرمان اَلْجَنَّةُ تَحْتَ اَقْدَامِ اُمَّهَاتُكُمْ کی حقیقت کو اپنی والدہ کے قدموں میں شناخت کیا۔ والدہ صاحبہ کے متواتر رؤیا کشوف کے ذریعے ہی خاکسار کو سب سے بڑی سعادت نصیب ہوئی یعنی 12/14 سال کی عمر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دست مبارک پر بیعت کی اور سلسلہ احمدیہ سے وابستگی نصیب ہوئی۔ **فالحمد للہ علی ذالك**

اب ستّر سال کی عمر میں زندگی کی آخری منازل طے ہو رہی ہیں۔ دل کی حالت بیم و رجا کی ہے۔ اپنی خطاؤں اور تقصیروں کے تصوّر سے روح کانپتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بے پایاں غفران و رحمت کے وعدوں سے کچھ ڈھارس بندھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے عفو چشم پوشی اور ذرّہ نوازی پر بھروسے کئے ہوئے شیرازی کا ہمنوا ہوں۔

ایں جانِ عاریت کہ بحافظ سپردِ دوست
روز رُخش بینم و تسلیم وے کُنم

والسلام
خاکسار
ظفر اللہ خان

ترجمہ شعر از ناقل: یہ مانگی ہوئی جان، جو دوست نے حافظ کے سپرد کی ہے۔ ایک دن اُس کا چہرہ دیکھ کر اُسی کے حوالہ کر دوں گا۔

تعارف

حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب

6؍فروری 1893ء کو ضلع سیالکوٹ پاکستان کے ایک قصبہ ڈسکہ میں ایک معزز زمیندار خاندان کے ایک گھرانہ میں ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام ظفر اللہ خاں رکھا گیا۔ اس کے والد حضرت چوہدری نصر اللہ خاں ایک قابل وکیل تھے اور ایک صاحب علم اور خدا ترس آدمی تھے اور والدہ حضرت حسین بی بی صاحبہ ایک نیک اور پاکباز خاتون تھیں۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بحیثیت امام مہدی ظہور ہو چکا تھا۔ چنانچہ اور بہت سے سعید فطرت لوگوں کی طرح اس گھرانہ کو بھی نور نبوت کو پہچاننے کی توفیق ملی اور دونوں میاں بیوی حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابی بننے کی سعادت پا گئے۔ ان کے ہاں پیدا ہونے والا یہ بچہ جس کا ابھی ذکر کیا جا چکا ہے بچپن میں کافی لمبا عرصہ آشوب چشم (آنکھوں کی ایک تکلیف دہ بیماری) کی وجہ سے بیمار رہا جس کی وجہ سے اس بات کا گمان بھی محال تھا کہ یہ بچہ عملی زندگی میں کوئی کامیاب وجود بن سکے گا۔ لیکن اس کے بزرگ والدین کی دعائیں اور ان سے بھی بڑھ کر سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپکے مقدس خلفاء کی دعائیں اس وجود کے حق میں دربارِ الٰہی میں کچھ اس طرح شرف قبولیت پا گئیں کہ وہ وجود بہت سارے ایسے اعزازات کا حامل ہوا جن میں اسے انفرادیت اور خاص امتیاز حاصل ہے۔

مثلاً آپ پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ نامزد کئے گئے اور مسلسل سات سال تک اس عہدہ پر فائز رہنے والے واحد وجود بھی تھے، عالمی عدالت انصاف کے پہلے پاکستانی جج، نائب صدر اور پھر صدر، اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے پہلے پاکستانی صدر، پہلے فرد جنہوں نے عالمی عدالت

انصاف اور اقوام متحدہ دونوں کی سر براہی کا اعزاز حاصل کیا۔ اس کے علاوہ بھی ان گنت اعزاز اس شخص کے سینے پر سجے۔ دراصل یہ وجود حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کئی الہامات کا مصداق ٹھہرا اور آپؑ کی کئی پیشگوئیوں کا ظہور اس کی ذات میں ہوا۔ تو یقیناً آپ جان گئے ہوں گے کہ یہ وجود دنیائے احمدیت کے بطلِ جلیل حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب ہیں۔

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے اپنی ابتدائی تعلیم شہر سیالکوٹ سے حاصل کی اور میٹرک کے بعد لاہور چلے آئے۔ یہاں گورنمنٹ کالج لاہور جیسے بلند پایہ علمی درسگاہ سے انٹرمیڈیٹ اور پھر گریجوایشن مکمل کی۔ اسی دوران ایک عظیم الشان شرف جو آپ کو حاصل ہوا وہ یہ تھا کہ گو آپ 3/ستمبر 1904ء کو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کا شرف دوران لیکچر لاہور حاصل کر چکے تھے اور اسی دن سے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے احمدی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعاوی پر مکمل ایمان رکھنے والا سمجھتے تھے اور بعد میں اپنی والدہ محترمہ اور والد محترم کی بیعت کے وقت بھی حضور کی خدمت میں حاضر ہو چکے تھے لیکن 1907ء میں حضرت مولانا حکیم نور الدین صاحب خلیفۃ المسیح الاوّل کے تحریک فرمانے پر ماہ ستمبر میں قادیان حاضر ہوئے اور 16/ستمبر 1907ء کو بعد نماز ظہر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقدس ہاتھ پر بیعت کی سعادت پالی۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

تعلق اور وابستگی کا گہرا رشتہ جو آپ کا حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ سے قائم ہوا اللہ تعالیٰ نے آپ کو کس وفا اور اخلاص کے ساتھ اسے نبھانے کی توفیق بخشی آیئے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی زبان مبارک سے اس کا کچھ تذکرہ سنتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

”ایک دفعہ BBC کے نمائندہ نے انٹرویو لیتے ہوئے اچانک آپ پر سوال کیا کہ آپ کی زندگی کا سب سے بڑا واقعہ کیا ہے۔ بے تکلف سوچنے کے لئے ذرا بھی تردّد نہ کرتے ہوئے آپ

نے فوراً یہ جواب دیا کہ میری زندگی کا سب سے بڑا واقعہ وہ تھا جب میں اپنی والدہ کے ساتھ حضرت (بانیٔ سلسلہ احمدیہ) کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کے مبارک چہرے پر نظر ڈالی اور آپ کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ تھما دیا۔ اس دن کے بعد پھر وہ ہاتھ آپ نے کبھی واپس نہیں لیا۔ مسلسل ہاتھ تھمائے رکھا ہے اور جو عظمتیں بھی آپ کو ملی ہیں اس وفا کے نتیجہ میں ملی ہیں۔ اس استقلال کے نتیجہ میں ملی ہیں، نیکی پر صبر اختیار کرنے کے نتیجہ میں ملی ہیں، ہمیشہ اپنے آپ کو حضرت (بانیٔ سلسلہ احمدیہ) کے تابع فرمان کے طور پر زندہ رکھا۔ ہر میدان میں، ہر علم کے میدان ہر جدو جہد کے میدان میں ہر اندرونی تجربے کے میدان میں آپ پر یہ احساس غالب رہا کہ میں نے اللہ کے ایک مامور کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیا ہے اور جہاں تک میرا بس چلتا ہے جہاں تک مجھے خدا کی طرف سے توفیق عطا ہوتی ہے میں اس کے تقاضے پورے کرتا رہوں گا اور خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ نہایت عمدگی کے ساتھ نہایت ہی اہلیت سے ان تقاضوں کو پورا کیا۔‘‘

(خطبہ جمعہ فرمودہ 6 ستمبر 1985ء بحوالہ ماہنامہ خالد صفحہ 918 دسمبر جنوری 86-1985ء)

گورنمنٹ کالج لاہور سے گریجوایشن مکمل کرنے کے بعد آپ کے والد صاحب نے آپ کو اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان بھجوانے کا فیصلہ کیا۔ آپ نے خود بھی دعا کی اور سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کو بھی دعا کی درخواست کی اور بارگاہ خلافت سے اجازت کے بعد آپ نے یہ سفر اختیار فرمایا۔ قبل از سفر حضرت خلیفۃ المسیح الاول نے آپ کو نہایت کارآمد اور مفید نصائح سے بھی نوازا۔

حضرت چوہدری صاحب نے انگلستان قیام کے دوران نہ صرف قانون کی اعلیٰ تعلیم بارایٹ لاء کو اعزاز کے ساتھ مکمل کیا بلکہ تبلیغ کرنے کی بھی سعادت حاصل کرتے رہے۔

نومبر 1914ء میں تکمیل تعلیم کے بعد آپ ہندوستان لوٹ آئے اور سیالکوٹ میں قانون کی پریکٹس شروع کر دی۔ اس دوران بعض اہم جماعتی مقدمات میں بھی خدمت کی توفیق پائی۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد لاہور تشریف لے آئے اور وہاں قانون کی پریکٹس کے ساتھ ساتھ ایک لمبا

عرصہ بطور امیر جماعت احمدیہ لاہور خدمت کی توفیق پائی۔

آپ کے والد محترم حضرت چوہدری نصر اللہ خاں صاحب کو بھی جماعت کی اعلیٰ خدمات کی توفیق ملتی رہی ہے۔ آپ حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے صحابی اور جماعت کے قدیم خدمتگار تھے۔ پہلے پہل بطور وکیل خدمت کی توفیق پاتے رہے اور جب مستقل وقف کر کے قادیان حاضر ہوئے تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود نے آپ کو صدر انجمن احمدیہ قادیان کا پہلا ناظر اعلیٰ مقرر فرمایا۔ آپ نے 1926ء میں وفات پائی۔ 4؍ستمبر 1926ء کو سیدنا حضرت مصلح موعود نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور بہشتی مقبرہ قادیان میں خاص قطعۂ (صحابہ) میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

آپ کی والدہ محترمہ حضرت حسین بی بی صاحبہ بہت نیک، پارسا اور صاحب کشف والہام بزرگ تھیں۔ آپ سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت کا شرف حاصل کرنے میں اپنے خاوند محترم سے سبقت لے گئیں تھیں۔ آپ خلافت احمدیہ اور جماعت احمدیہ کے ساتھ بہت گہری وابستگی اور اخلاص ووفا کا تعلق رکھتی تھیں۔ اسی طرح اپنے بیٹے حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کے ساتھ بھی گہری محبت تھی۔ آپ کے متعلق تفصیل کے ساتھ ذکر حضرت چوہدری صاحب نے اپنی کتاب ''میری والدہ'' میں کیا ہے اور یہ مضمون بہت جاذب اور پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

حضرت چوہدری صاحب نے حضرت مصلح موعود کے ارشادات کے ماتحت تحریک پاکستان کے ایک سرگرم کارکن کے طور پر بھی عظیم الشان خدمات انجام دیں جن میں سے ایک بطور صدر آل انڈیا مسلم لیگ کام کرنے کی توفیق پانا ہے۔

قائداعظم محمد علی جناح آپ پر خاص اعتماد کیا کرتے تھے اور آپ ان کے خاص رفقاء میں شامل تھے۔ چنانچہ اسی بناء پر باؤنڈری کمیشن (پاکستان اور ہندوستان کی سرحدوں کی تعیین کے لئے حکومت انگلستان کا قائم کردہ کمیشن) کے سامنے بھی مسلمانوں کا کیس آپ کو پیش کرنے کے

لئے کہا اور آپ نے کشمیر کی پاکستان میں شمولیت کی کئی بار اقوام متحدہ میں بہت عمدہ رنگ میں وکالت کی۔ اسی لئے قائد اعظم نے قیام پاکستان کے بعد مملکت پاکستان کے دو نہایت وقیع عہدے آپ کے سامنے رکھے کہ جس کو چاہیں قبول فرمائیں۔

(1) چیف جسٹس آف پاکستان (2) وزیر خارجہ

چنانچہ حضرت چوہدری صاحب نے وزیر خارجہ بننا قبول کیا اور بطور وزیر خارجہ پاکستان کو بین الاقوامی سطح پر متعارف کروانے کے علاوہ مقبوضہ کشمیر کے لئے بھی نہایت احسن رنگ میں خدمات کی توفیق پائی۔ آپ نے مسلسل سات سال یعنی 1954ء تک بطور وزیر خارجہ اپنے فرائض منصبی نہایت ایمانداری محنت اور خلوص کے ساتھ ادا کئے۔

بطور وزیر خارجہ اپنے فرائض سے سبکدوشی کے بعد ایک اور نہایت اعلیٰ اعزاز آپ کے حصہ میں آیا، آپ کو 1954ء تا 1961ء تک بطور جج اور نائب صدر عالمی عدالت انصاف (انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس) میں خدمات کی ادائیگی کی توفیق ملی۔ 1961ء میں عالمی عدالت انصاف سے سبکدوشی کے بعد حکومت پاکستان نے اقوام متحدہ کے دفاتر واقع نیویارک میں آپ کو اپنا سفیر اور مستقل مندوب (نمائندہ) مقرر کیا جہاں 1964ء تک آپ نے اس حیثیت میں فرائض ادا کئے۔ اسی دوران اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے اجلاس منعقدہ 1962ء، 1963ء کی صدارت کے اعزازات بھی آپ کے حصہ میں آئے۔

اب اگر حضرت چوہدری صاحب کی جماعتی خدمات پر نظر ڈالی جائے تو حضرت چوہدری صاحب کو جس طرح اللہ تعالیٰ نے دنیا کی حسنات سے نوازا اور مندرجہ بالا عالمی اعزازات عطا کئے اسی طرح دینی حسنات سے بھی اللہ تعالیٰ نے بہت نوازا اور مقبول خدمات دینیہ کے بھی بے پناہ مواقع حضرت چوہدری صاحب کے حصہ میں آئے جن میں سے صرف چند کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔ حضرت مصلح موعود نے آپ کو بطور جماعت احمدیہ لاہور مقرر فرمایا چنانچہ آپ

1919ء تا 1935ء یہ خدمات بجالاتے رہے۔

اسی دوران جون 1921ء میں لارڈ ریڈنگ وائسرائے ہند کی خدمت میں جماعت احمدیہ کا سپاسنامہ پڑھنے کیلئے آپ کو مقرر کیا گیا۔ فروری 1922ء میں ڈیوک آف ونڈسر شہزادہ ویلز کی لاہور تشریف آوری کے موقع پر سیدنا حضرت مصلح موعود نے ان کو پیغام حق پہنچانے کی غرض سے ایک رسالہ ''تحفہ شہزادہ ویلز'' کے نام سے تصنیف فرمایا۔ اس رسالہ کو پرنس آف ویلز کو پیش کرنیوالے جماعت احمدیہ کے وفد میں آپ کو بھی شامل ہونیکی توفیق ملی۔ 1924ء کی مجلس مشاورت کے موقع پر سیدنا حضرت مصلح موعود کی بطور سیکرٹری معاونت خدمت کی توفیق ملی اور اسی طرح 17 دیگر مواقع پر بھی یہ سعادت حضرت چوہدری صاحب کے حصہ میں آئی۔

1924ء ہی میں سیدنا حضرت مصلح موعود نے مذاہب عالم کانفرنس ویمبلے لنڈن میں شرکت کے لئے سفر یورپ اختیار فرمایا۔ اس دوران ویمبلے ہال لندن میں مذاہب عالم کانفرنس میں سیدنا حضرت مصلح موعود کا معرکۃ آلاراء مضمون بعنوان ''احمدیت'' پڑھ کر سنانے کی سعادت بھی آپ کے حصہ میں آئی جس پر حضرت مصلح موعود نے خاص خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ سیدنا حضرت مصلح موعود کے اس پہلے سفر یورپ کے دوران آپ نے حضور کے سیکرٹری کے فرائض بھی سرانجام دیئے۔

1927ء میں اخبار ''مسلم آؤٹ لک'' کے مقدمہ توہین عدالت کی مسلمانان پنجاب کے وکلاء کی طرف سے بطور نمائندہ وکالت کی توفیق بھی آپ کو ملی۔ آپ نے ناموس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دفاع کا حق ادا کیا۔ اس طرح ہمارے پیارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان کی عظیم خدمت کی توفیق پائی۔ اس موقع پر تاریخ صحافت میں جماعت احمدیہ کے مخالف **مولوی ظفر علی خان** بھی اپنے جذبات کا اظہار کئے بغیر نہ رہ سکے اور فرط جذبات میں آکر آبدیدہ ہو گئے اور آگے بڑھ کر آپ کے ہاتھ کا بوسہ لیا اور آپکو گلے سے لگالیا۔

ماہ اپریل 1931ء میں بمقام دہلی لارڈارون وائسرائے ہند کی حکومت میں پیغام حق پر مشتمل سیدنا حضرت مصلح موعود کی تالیف کردہ کتاب ''تحفہ لارڈارون'' پیش کرنے کی سعادت بھی حضرت چوہدری صاحب کے حصہ میں آئی۔

1934ء میں آپکی والدہ محترمہ حضرت حسین بی بی صاحبہ وفات پاگئیں۔ آپ نے مرحومہ کے حالات زندگی اوران کے اخلاص ووفا اور جماعت اور حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے ساتھ محبت اورتقویٰ شعار زندگی کے بارہ میں متعدد واقعات پر مبنی ایک کتابچہ ''میری والدہ'' کے نام سے تحریر فرمایا ہے۔ موصوفہ احمدیت کے حق میں ننگی تلوار اور بہت باغیرت خاتون تھیں۔ سیدنا حضرت مصلح موعود نے اپنے دست مبارک سے ان کے کتبہ کی عبارت تحریر فرمائی اورقادیان میں بہشتی مقبرہ کے قطعہ خاص (صحابہ) میں اپنے خاوند محترم حضرت چوہدری نصراللہ خاں صاحب کے ساتھ آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

1939ء میں جماعت احمدیہ میں خلافت ثانیہ کے قیام پر پچیس سال پورے ہو گئے۔ اس موقع پر سیدنا حضرت مصلح موعود کی اجازت سے آپ نے احباب جماعت احمدیہ کواس مبارک موقع پر ایک معقول رقم بطور نذرانہ اپنے محبوب امام کی خدمت میں پیش کرنیکی تحریک فرمائی تاحضور اس کو جس طرح چاہیں اشاعت اسلام کی مہماتِ عظیمہ میں استعمال فرمائیں۔ چنانچہ دسمبر 1939ء میں جلسہ سلور جوبلی قادیان کے موقع پر آپ نے بطور نذرانہ 3 لاکھ روپے کی خطیر رقم حضور اقدس کی خدمت میں پیش فرمائی اوراپنی طرف سے بطور نذرانہ 10 ہزار روپے بھی پیش کئے۔

حضرت چوہدری صاحب کا وجود گویا سراپا قربانی تھا، بلکہ مجسمۂ ایثار ووفا تھا۔ چنانچہ سیدنا حضرت مصلح موعود نے جون 1944ء میں جب احباب جماعت کو وقف جائیداد کی تحریک فرمائی تو اُس وقت اِس جاں نثار دین حق واحمدیت نے اپنی تمام جائیداد اپنے محبوب امام کے قدموں پر نچھاور کرتے ہوئے وقف کے لئے پیش کردی۔

ایک غیر مسلم مؤرخ کے اصرار پر اپنوں اور غیروں میں سیدنا حضرت مصلح موعود کی ذات بابرکات کا تعارف کروانے کیلئے اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں کتاب ''حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد'' 1942ء میں تالیف فرمائی۔

سیدنا حضرت مصلح موعود اور حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب دونوں کا آپس کا تعلق بے پناہ پیار و محبت، اخلاص و وفا اور دلی وابستگی پر مشتمل تھا اور اس شعر کا عملی مصداق تھا کہ

الفت کا تب مزا ہے کہ دونوں ہوں بے قرار
دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی

چنانچہ ایک طرف اگر حضرت چوہدری صاحب اپنے محبوب امام کے لئے ہر وقت جذبہ محبت و وفا اور دلبستگی سے پُر رہتے تھے اور ہمہ وقت مشغول دعا ہوتے تھے تو دوسری طرف سیدنا حضرت مصلح موعود بھی اپنے اس جاں نثار غلام اور فدائی خادم سے بہت پیار اور محبت کرتے تھے۔ چنانچہ اسی تعلق کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے 17 یا 18 رنومبر 1953ء کو اپنے مقدس خلیفہ سیدنا حضرت مصلح موعود کو حضرت چوہدری صاحب کے بارہ میں قبل از وقت ایک رؤیا دکھائی۔ اس رویاء کے ظہور کے بارے میں بیان کرتے ہوئے سیدنا حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں۔

''17، 18 نومبر 1953ء کی بات ہے کہ میں نے رؤیا میں دیکھا کہ میں ایک جگہ ہوں۔ میاں بشیر احمد صاحب اور درد صاحب میرے ساتھ ہیں۔ کسی شخص نے مجھے ایک لفافہ لا کر دیا اور کہا کہ یہ چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب کا ہے۔ میں نے اس لفافہ کو کھولے بغیر یہ محسوس کیا کہ اس میں کسی عظیم الشان حادثہ کی خبر ہے جو چوہدری صاحب کی موت کی شکل میں پیش آیا ہے یا کوئی اور بڑا حادثہ ہے۔ میں نے درد صاحب سے کہا لفافہ کو جلدی کھولو اور اس میں سے کاغذ نکالو۔ درد صاحب نے لفافہ کھولا۔ اس میں بہت سے کاغذ نکلتے آتے تھے۔ لیکن اصل بات جس کی خبر دی گئی تھی نظر نہیں آتی تھی آخر کار لفافہ میں صرف ایک دو کاغذ رہ گئے لیکن اصل خبر کا پتہ نہ لگا۔ میاں بشیر احمد

صاحب نے کہا پتہ نہیں چوہدری صاحب کے دماغ کو کیا ہو گیا ہے وہ ایک اہم خبر لکھتے ہیں لیکن اچھی طرح بیان نہیں کرتے۔ میں نے کہا گھبراہٹ میں ایسا ہو جاتا ہے۔ اس پر لفافہ میں جو دو کاغذ باقی رہ گئے تھے ان میں سے ایک کاغذ کو میں نے باہر کھینچا تو ایک فہرست تھی لیکن اصل واقعہ کا اس سے پتہ نہیں لگتا تھا۔ اس فہرست میں ایک نام سے پہلے ملک لکھا تھا اور آخر میں محمد لکھا تھا۔ درمیانی لفظ پڑھا نہیں جاتا تھا۔ اس سے اتنا تو پتہ لگتا تھا کہ واقع میں کوئی اہم خبر ہے لیکن اصل واقعہ کا پتہ نہیں چلتا تھا۔ پھر لفافہ میں سے ایک اور شفاف کاغذ نکلا جو tracing paper تھا۔ میں اسے دیکھنے لگا اور میں نے کہا یہ خبر ہے جو چوہدری صاحب نے ہم تک پہنچانی چاہی ہے مگر بجائے کوئی واقعہ لکھنے کے اس کاغذ پر ایک لکیر کھینچی ہوئی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک ہوائی جہاز ہے جو مشرق سے مغرب کی طرف جا رہا ہے۔ آگے جا کر وہ لکیر یکدم اُریبوی (آڑا۔ ترچھا) صورت میں نیچے آجاتی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ جہاز یکدم نیچے آگیا ہے۔ اس جگہ معلوم ہوتا ہے کہ نیچے کچھ جزیرے ہیں مجھے نیچے کی طرف عملاً سمندر نظر آتا ہے۔ اس میں ہلکی ہلکی لہریں ہیں۔ میں خواب میں کہتا ہوں کہ نہ معلوم چوہدری صاحب کو تیرنا آتا ہے؟ خدا کرے اس حادثہ کی خبر معلوم کر کے کسی حکومت نے ہوائی جہاز یا کشتیاں بچانے کے لئے بھیج دی ہوں تا کہ چوہدری صاحب اور دوسرے لوگ بچ جائیں۔"

حضور نے اس رؤیا کی یہی تعبیر فرمائی کہ

"کوئی حادثہ سخت مہلک چوہدری صاحب کو پیش آنے والا ہے اور خدا تعالیٰ انہیں اس سے بچالے گا کیونکہ وہ خود اس حادثہ کے متعلق تبھی خبر دے سکتے ہیں جب وہ محفوظ ہوں۔"

چوہدری صاحب اس وقت نیویارک میں تھے۔ حضور نے انہیں اس منذر خواب سے اطلاع دی اور خود بھی کثرت سے دعاؤں اور صدقات کا سلسلہ جاری رکھا۔ یہاں تک کہ چوہدری صاحب خیریت سے کراچی پہنچ گئے۔ وہاں سے پنجاب آئے تو یہ سفر بھی بخیریت گزر گیا لیکن جب کراچی

واپس گئے تو ریل گاڑی کو جھمپیر کے مقام پر ایک خوفناک حادثہ پیش آیا جس نے ملک بھر میں صف ماتم بچھادی۔ مگر حضرت چوہدری صاحب حضور کی رؤیا کے مطابق خارق عادت طور پر محفوظ رہے۔

حضور فرماتے ہیں۔ ’’جس جگہ پر یہ واقعہ ہوا چوہدری صاحب کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے دس دس میل دور تک کوئی پکی سڑک نہیں ہے صرف ریل کی پٹڑی گزرتی ہے۔ اس لئے امداد کے لئے اس جگہ تک موٹر نہیں آسکتی تھی۔ اس طرح وہ جگہ جزیرے کی مانند تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ رؤیا میں ہوائی جہاز کا دکھایا جانا اور واقعہ ریل میں ہونا اور پھر یہ گاڑی بھی مشرق سے مغرب کو جارہی تھی۔ اس طرح دوسری سب باتوں کا ہونا بتاتا ہے کہ یہ ایک تقدیر مبرم تھی لیکن خدا تعالیٰ نے ہماری دعاؤں کو سن کر اس حادثہ کو بجائے ہوائی جہاز کے ریل میں بدل دیا۔ ہوائی جہاز میں ایسا حادثہ پیش آجائے تو اس سے بچنا مشکل ہوجاتا ہے لیکن یہی حادثہ اگر ریل میں پیش آجائے تو اس سے کسی انسان کا بچ جانا ممکن ہے اور پھر وہ ریل مشرق سے مغرب کو جارہی تھی۔ جب میں نے یہ واقعہ پڑھا تو میں نے محسوس کیا کہ میری وہ خواب پوری ہوگئی ہے۔ میں نے میاں بشیر احمد صاحب سے اس کا ذکر کیا جن کو میں یہ خواب اسی وقت بتاچکا تھا جب یہ آئی تھی۔ انہوں نے بھی کہا کہ واقعہ میں وہ خواب پوری ہوئی ہے۔ لیکن میں نے اخبار میں یہ واقعہ پڑھ کر چوہدری صاحب کو یہ لکھنا پسند نہ کیا کہ میری رؤیا پوری ہوگئی ہے کیونکہ رؤیا میں انہوں نے پہلے اطلاع دی تھی اس لئے میں نے یہی پسند کیا کہ وہ اطلاع دیں تو میں لکھوں گا۔ چنانچہ دوسرے ہی دن چوہدری صاحب کی تار آگئی کہ آپ کی رؤیا پوری ہوگئی ہے اور خدا تعالیٰ نے مجھے اس حادثہ سے بچالیا ہے۔ یہاں رؤیا کا سوال نہیں کہ وہ پوری ہوگئی بلکہ یہ ایک تقدیرِ مبرم تھی جو دعاؤں سے بدل گئی۔ رؤیا میں خدا تعالیٰ نے مجھے ہوائی جہاز دکھایا تھا لیکن وہ واقعہ اسی جہت میں اور اسی شکل میں ریل میں پورا ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایسا ہونا تقدیر مبرم تھا لیکن خدا تعالیٰ نے کہا چلو ان کی بات بھی پوری ہوجائے اور اپنی بات بھی پوری ہو جائے واقعہ ہم ریل میں کرادیتے ہیں اس سے ہماری بات بھی پوری ہوجائے گی اور ان کی دعا بھی

قبول ہو جائے گی۔ پس یہ واقعہ ہمارے لئے زائد یقین اور ایمان کا موجب ہے۔“

(المصلح 18 / فروری 1954 بحوالہ ماہنامہ خالد حضرت چوہدری ظفر اللہ خاں نمبر دسمبر 1985ء جنوری 1986ء صفحہ 13، 14)

آپ کے حصہ میں ایک اور سعادت یہ بھی آئی کہ سیدنا حضرت مصلح موعود نے قاتلانہ حملہ کے بعد علاج کی خاطر جب ماہ جولائی، اگست اور ستمبر 1955ء میں دوسرا سفر یورپ اختیار فرمایا تو اس میں آپ کو بھی حضور کی مصاحبت کا شرف حاصل ہوا اور زیادہ تر رہائش و دیگر انتظامات کرنے کی خدمت وسعادت آپ ہی کے حصہ میں آئی۔ اس کے علاوہ اس سفر کے دوران متعدد مواقع پر حضور کی ترجمانی کے فرائض بھی آپ نے ادا کئے۔ دوران سفر حضرت چوہدری صاحب نے جس اخلاص و وفا اور جذبۂ عشق و محبت کے ساتھ اپنے محبوب امام اور افراد قافلہ کی خدمت کی توفیق پائی آیئے اس کا کچھ ذکر حضرت سیدہ مہر آپا حرم سیدنا حضرت مصلح موعود (جو شریک سفر تھیں) کی زبانی سنتے ہیں۔ آپ بیان فرماتی ہیں:

”حضرت فضل عمر کے سفر یورپ میں آپ تمام وقت حضور کے ساتھ ساتھ رہے۔ حضور کا تمام کام اپنے ہاتھ سے کرتے۔ آپ کا سامان خود اٹھاتے رہے کیونکہ وہاں ہمارے ہاں کی طرح سامان اٹھانے کے لئے قلی وغیرہ عام نہیں ہوتے۔ اول تو وہ لوگ اس قدر سامان سفر میں ساتھ رکھتے نہیں۔ یہاں سے روانگی سے قبل بھی چوہدری صاحب بڑے اصرار سے بار بار یہی پیغام بھجواتے رہے۔ سامان تھوڑا لے جائیں وہاں اس کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔ مگر تھوڑا تھوڑا کر کے بھی سامان اچھا خاصا ہو گیا۔

دوران سفر جب وینس (اٹلی) پہنچے تو وہاں نہ کوئی قلی تھا نہ مزدور۔ حضرت چوہدری صاحب نے تمام سامان اپنے کندھوں پر اٹھا اٹھا کر کار سے گنڈولے ((Gondola) وینس شہر کی نہروں میں چلنے والی کشتیاں) تک پہنچایا اور مسکراتے ہوئے فرمایا: دیکھا میں نہ کہتا تھا کہ اس قدر سامان نہ

لے جائیں۔ خیر بیبیوں کو پتہ تھا ظفر اللہ ساتھ ہے خود ہی سامان اُٹھاتا پھرے گا۔ چوہدری صاحب نے تو مزاحاً یہ بات کہی تھی مگر مجھے بہت احساس ہوا کہ ان پر یہ اتنا بوجھل کام آن پڑا ہے۔ وہ تو اپنے حبیب حضرت فضل عمر کے عشق و محبت میں اپنی ذات سے بے نیاز ہو کر سب کام کر رہے تھے۔ اس زمانہ میں کسی کو دو چار پیسے مل جائیں یا اعلیٰ تعلیم حاصل کر لے تو وہ اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھنے لگتا ہے مگر چوہدری صاحب کو کمال سلیم فطرت ملی ہوئی تھی۔ آپ کو دیکھ کر حیرت ہوتی تھی کہ اتنی بڑی شخصیت اور انکسار کا یہ عالم۔''

(رسالہ خالد حضرت چوہدری ظفر اللہ خاں نمبر دسمبر 1985ء جنوری 1986ء صفحہ 32، 33)

مارچ 1958ء میں حضرت چوہدری صاحب کو حجاز مقدس کے بابرکت سفر کی توفیق ملی اور آپ نے عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ روضۂ رسولؐ پر حاضری اور دعا کی سعادت بھی پائی۔ اپنے اس سفر کے دوران آپ کی عظیم المرتبت شخصیت کے اعزاز میں سعودی فرمانروا جلالۃ الملک سلطان عبدالعزیز ابن سعود نے نہ صرف آپ سے ملاقات کی بلکہ شاہی مہمان خانہ میں ٹھہرایا۔

مارچ 1967ء میں حضرت چوہدری صاحب کو حج بیت اللہ کی سعادت بھی ملی اور اس دوران خانۂ خدا بیت اللہ کے طواف اور دیگر مناسک حج کی ادائیگی کے علاوہ روضۂ رسولؐ پر حاضری اور دعا کی سعادت بھی میسر آئی۔ اس سفر حج کے عشق و محبت سے لبریز حالات اور واقعات حضرت چوہدری صاحب کی خودنوشت ''تحدیث نعمت'' میں ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں۔

قرآن کریم سے عشق بھی حضرت چوہدری صاحب کی حیات کا ایک زرّیں باب ہے۔ آپ کو خدمت قرآن کا ایک نہایت اہم موقع اس طرح میسر آیا کہ حضرت مصلح موعود نے انگریزی خواں طبقہ تک علوم قرآن کو پہنچانے اور قرآنی معارف ان کی زبان میں میسر کرنے کی تحریک فرمائی تو آپ نے قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ کرنے کا ارادہ کیا۔ ایک طویل محنت شاقہ کے بعد اس کام کو

1970ء میں مکمل کر لیا۔ گو جماعتی تاریخ میں قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ اس سے قبل بھی کیا جا چکا تھا لیکن حضرت چوہدری صاحب کے ترجمہ قرآن کی خوبی یہ ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح موعود نے حضرت چوہدری صاحب کو ارشاد فرمایا تھا کہ قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ کو تفسیر صغیر کے ترجمہ کے اسلوب پر ڈھال دیا جائے۔ چنانچہ حضرت چوہدری صاحب نے اسی اسلوب پر ترجمہ قرآن کو مکمل کیا اور یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اسکے ابتدائی حصہ پر نظر ثانی قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے اور حضرت مولوی محمد دین صاحب نے فرمائی تھی۔ حضرت چوہدری صاحب کی یہ عظیم خدمتِ قرآن ایک صدقہ جاریہ ہے اور جب تک لوگ اس ترجمہ قرآن سے مستفید ہوتے رہیں گے حضرت چوہدری صاحب کو اجر عظیم ملتا چلا جائیگا اور ان شاء اللہ العزیز یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا۔

فروری 1970ء میں ہالینڈ کے شہر ہیگ (HAGUE) میں واقع بین الاقوامی عدالت انصاف (International Court of Justice) کا آپ کو صدر یعنی چیف جسٹس مقرر کیا گیا اور عہدہ کی مقررہ میعاد کے مطابق 3 سال آپ نے یہ فرائض بخیر و خوبی سرانجام دیئے۔ اس عہدہ پر آپ کا منتخب ہونا ایک خدائی بشارت کا ظہور اور کئی نشانات کا ظہور میں آنا تھا۔ چنانچہ اس واقعہ کی تفصیل کے بارے میں حضرت چوہدری صاحب فرماتے ہیں:

”عالمی عدالت کے پندرہ ججوں میں سے پانچ کی نوسالہ میعاد ہر تیسرے سال 5 فروری کو ختم ہوتی ہے۔ اس میعاد کے ختم ہونے سے قبل اقوام متحدہ میں ان پانچ ججوں کی نشستیں پُر کرنے کے لئے انتخاب ہوتا ہے۔ جب نئے جج اپنے فرائض 6 فروری سے سنبھال چکتے ہیں تو عدالت کا پہلا کام صدر کا انتخاب ہوتا ہے۔ صدارت کے عہدے کی میعاد تین سال ہے۔ یہ انتخاب خفیہ رائے شماری کے ذریعے عمل میں آتا ہے۔ 1970ء میں اس انتخاب کے لئے 18 رفروری کا دن تجویز ہوا۔ صدارت کے لئے دو اور ججوں کے ساتھ میرا نام بھی تجویز ہوا تھا۔ انتخاب کے لئے آٹھ آراء

کی تائید ضروری ہے۔ انتخاب کی کارروائی دو دن ہوتی رہی۔ آخر کار مطلوبہ کثرت سے زائد آراء میرے حق میں پائی گئیں اور بفضل اللہ میں صدر منتخب ہوا۔ فالحمد للہ۔ میں ایک ضعیف عاجز پُر تقصیر انسان ہوں۔ اپنے اندر کوئی خوبی نہیں دیکھتا۔ میرے دوسرے دونوں رفیق جن کے اسمائے گرامی انتخاب کی کارروائی میں سامنے آتے رہے کئی اعتبار سے مجھ پر فوقیت رکھتے ہیں۔ اللہ تبارک تعالیٰ اپنی مصلحتوں کو خود ہی جانتا ہے کوئی اور ان کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ وہ فضل کرنا چاہے تو کوئی روک نہیں بن سکتا اور اگر اس کا فضل شامل حال نہ ہو تو کوئی کوشش کوئی تدبیر کوئی حیلہ کارگر نہیں ہوسکتا۔ اس وقت تک اس عدالت کے آٹھ صدر رہ چکے ہیں۔ دو لاطینی امریکن، ایک شمالی امریکن، چار یورپین، ایک آسٹریلین، میں پہلا ایشیائی صدر ہوں اور ایشیائی بھی وہ جو مغربی تہذیب اور ثقافت کی اقدار سے بیزار ہے اور جس کی یہ بیزاری اس کے عمل سے ظاہر ہے لیکن اگر اُس کی مشیّت نے ایک ناکارہ ہی کا انتخاب چاہا تو

نیست از فضل وعطائے او بعید — کور باشد ہر کہ از انکار دید
قادراست وخالق ورب مجید — ہرچہ خواہد مے کند عجزش کہ دید؟

اس کی قدرتوں کی انتہا نہیں۔ اس انتخاب سے 36 سال قبل میری والدہ صاحب مرحومہ نے ایک مبشر خواب دیکھا تھا، جو ان کی وفات کے 32 سال بعد اس انتخاب سے پورا ہوا۔ فالحمد للہ۔ جس رات انہوں نے خواب دیکھا اسی صبح کو مجھ سے بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں اپنے سیالکوٹ کے مکان کے فلاں کمرے میں ہوں اور اس کمرے کی کھڑکی کے باہر ایک نہایت دل لبھانے والا کرّۂ نور آہستہ آہستہ کھڑکی کی ایک جانب سے دوسری جانب حرکت کر رہا ہے۔ جب کھڑکی کے عین وسط میں پہنچا تو ایک پرشوکت آواز آئی ''ہوگا چیف جسٹس ظفر اللہ خاں نصر اللہ خاں کا بیٹا۔'' اور خفیف سے وقفے کے بعد پھر اسی طرح یہ الفاظ دہرائے گئے ''چیف جسٹس ظفر اللہ خاں نصر اللہ خاں کا بیٹا۔'' والدہ صاحبہ بفضل اللہ صاحبۂ رؤیا وکشوف تھیں اور ہم سب کئی بار

دیکھ چکے تھے کہ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے انہیں اس رنگ میں نوازتا ہے۔ وہ خود بھی جانتی تھیں کہ رؤیا اور کشوف تعبیر طلب ہوتے ہیں اور ان کی اصل حقیقت اپنے وقت پر ہی جا کر آشکار ہوتی ہے۔ 1947ء میں مَیں ہندوستان کی فیڈرل کورٹ کا سینئر جج تھا اور اگر تقسیم ملک کے بعد میں ہندوستان میں رہنے کا فیصلہ کرتا تو غالب قیاس یہی تھا کہ آزادی کا اعلان ہونے پر سپریم کورٹ کا چیف جسٹس ہوتا۔ 3/جون 1947ء کو برطانوی وزیر اعظم مسٹر اٹیلی نے تقسیم ملک کے طریق کار کا اعلان کیا اور اس پر میں نے فیڈرل کورٹ کی ججی سے استعفیٰ دے دیا جو 10/جون سے عمل پذیر ہوا۔ اسی سال دسمبر کے تیسرے ہفتے میں جب میں اقوام متحدہ میں پاکستانی وفد کی قیادت سے واپس لوٹا تو قائداعظم کی ہدایت کے ماتحت بھوپال جانے سے پہلے نوابزادہ لیاقت علی خاں صاحب کی خدمت میں لاہور حاضر ہوا۔ انہوں نے جن امکانات کا ذکر فرمایا ان میں پاکستان کی سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کا عہدہ بھی تھا لیکن ساتھ ہی انہوں نے فرمایا قائداعظم چاہتے ہیں کہ تم وزارت خارجہ کا قلمدان سنبھالو۔ پاکستان کی سپریم کورٹ کے پہلے چیف جسٹس میاں عبدالرشید صاحب مقرر ہوئے۔ جب ان کی میعاد اختتام کے قریب پہنچی تو انہوں نے از راہ نوازش پہلے ٹیلیفون پر اور پھر بالمشافہ مجھے رضامند کرنے کی کوشش کی کہ میرا نام بطور اپنے جانشین کے تجویز کریں لیکن میں بوجوہ رضامند نہ ہوا۔ 1963ء کے عدالتی انتخابات میں جب مجھے دوبارہ عالمی عدالت کی رکنیت کے لئے منتخب کیا گیا اس وقت عدالت کے اراکین میں سے کئی دوبارہ منتخب شدہ اور دوسہ بارہ منتخب شدہ تھے لیکن ان کے انتخاب بلافصل ہوئے تھے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ایک رکن اپنی میعاد ختم کر کے عدالت سے علیحدہ ہو چکا ہو اور وہ علیحدگی کے بعد وقفہ سے پھر منتخب کر لیا جائے۔ یہ صورت اب تک صرف میرے متعلق ہی پیدا ہوئی ہے۔ عدالت کی رکنیت پر دوبارہ فائز ہونے پر میرا درجہ میرے پرانے رفقاء کے لحاظ سے پھر سب سے نیچے تھا۔ اب جو غور کرتا ہوں تو میرا عدالت کی صدارت پر منتخب ہونا ضرور ایک اچنبھا ہے اور اس بشارت کو پورا کرنے والی ہے جو

انتخاب سے 36 سال پہلے میری والدہ صاحبہ کو دی گئی تھی۔ والدہ صاحبہ نے خواب میں جو الفاظ سنے ان میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت مرکوز تھی۔ اول بطور تسلی اور تصدیق آواز پُر شوکت تھی۔ پھر وہی الفاظ دہرائے گئے۔ اور الفاظ کی ابتداء ہی میں لفظ ”ہوگا“ ظاہر کرتا ہے کہ حالات خواہ موافق نظر آئیں یا نہ یہ ہمارا فیصلہ ہے اور ہو کر رہے گا۔ پھر میرے نام کے ساتھ والد صاحب مرحوم کا نام ”نصر اللہ خاں“ شامل ہونا ظاہر کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بخشش اس کی نصرت کا نشان ہوگی انسانی کوشش کا اس میں دخل نہیں ہوگا۔ فسبحان اللہ وبحمدہٗ“

(تحدیث نعمت صفحہ 730 تا 732)

فروری 1973ء میں عالمی عدالت انصاف سے ریٹائرمنٹ کے بعد آپ نے اپنے تئیں خدمت دین کے لئے وقف کر دیا اور حسب ارشاد سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ مسجد فضل لندن کی ملحقہ عمارت میں رہائش پذیر رہے اور 1983ء تک وہیں قیام پذیر رہے۔ دوران قیام آپ نے احباب جماعت ہائے احمدیہ انگلستان کی تربیت اور دعوت اِلی اللہ کی مساعی میں بہت راہنمائی فرمائی اور تربیتی مساعی کے دوران آپ نے انگلستان اور بیرون انگلستان متعدد دورہ جات بھی فرمائے۔ اس دوران وسط نومبر تا وسط مارچ پاکستان میں قیام فرماتے اور جلسہ سالانہ میں شرکت کے علاوہ تصنیف اور دیگر علمی و جماعتی مصروفیات میں وقت گزرتا۔

ماہ جون 1982ء میں جماعت احمدیہ کو جب اپنے محبوب امام سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی رحلت کا قیامت خیز دن دیکھنا پڑا تو اس موقع پر مجلس انتخاب خلافت کے اجلاس میں حضرت چوہدری صاحب نے بھی بفضل اللہ شمولیت کی اور پھر جب حسب منشائے الٰہی سیدنا حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابعؒ منتخب ہوئے تو مجلس انتخاب کی بیعت لینے سے قبل حضورؒ نے سب سے پہلے حضرت چوہدری صاحب کو اصحاب حضرت مسیح موعود کی نمائندگی میں اپنا ہاتھ اپنے ہاتھ پر رکھنے کا ارشاد اپنی اس خواہش کی تکمیل میں فرمایا کہ ”سب سے پہلے بیعت کرنے

والا تو وہ ہو جس نے حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے مبارک ہاتھوں کو چھوا ہوا ہو۔‘‘ چنانچہ حضرت چوہدری صاحب کو یہ عظیم الشان خوش نصیبی اور سعادت بھی میسر آ گئی۔

6/نومبر 1983ء میں انگلستان سے مستقل پاکستان واپسی کے بعد آپ کا زیادہ تر قیام اپنی کوٹھی واقع خورشید عالم روڈ شمالی چھاؤنی لاہور میں رہا۔ اس عرصہ میں آپ کو ضعف اور نقاہت بہت ہو گئی تھی لیکن ان ایام میں بھی نماز باجماعت کا بہت پابندی کے ساتھ التزام فرماتے رہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ سے بہت عشق اور محبت کا تعلق تھا۔ آپ کی سیرت اور حالات بیان کرتے ہوئے کثرت سے آپ کے قریبی عزیزوں نے جو اپنے مشاہدات بیان کئے ہیں ان میں اس بات کا ذکر کیا ہے کہ اکثر شدید بیماری میں بھی حضورؒ کے بارہ میں دریافت فرمایا کرتے۔ حضور کی خیریت کے بارہ میں دریافت کرتے اور اپنی دعاؤں میں بکثرت حضرت امام جماعت اور جماعت احمدیہ کے لئے دعائیں کیا کرتے۔

یکم ستمبر 1985ء کو احمدیت کا یہ بطل جلیل، سرزمین پاکستان کا نامور سپوت، کئی نشانات کا مورد اور کئی الہامات کا مصداق عظیم الشان وجود 92 سال کی نفع رساں عمر پا کر اپنے خالق حقیقی سے جاملا۔ آپ کا لمبی عمر پانا بھی اس ارشاد خداوندی کی تصدیق اور اس کی عظمت کا ثبوت ہے کہ

’’اور جہاں تک اس شخص کا تعلق ہے جو لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے تو وہ زمین میں ٹھہر جاتا ہے۔‘‘ (سورۃ الرعد آیت نمبر 18)

چنانچہ آپ جیسے نفع رساں اور مفید وجود کو اللہ تعالیٰ نے لمبی عمر سے نوازا۔ کئی قوموں بلکہ ایک دنیا نے آپ سے استفادہ کیا اور برکت پائی۔ یقینا بین الاقوامی شہرت کی حامل آپ کی شخصیت ایک بہت ہی نافع الناس وجود ثابت ہوئی۔

آپ کی مالی قربانی اور دیگر نیکیاں آپ کے لئے صدقہ جاریہ کی صورت میں انشاء اللہ ہمیشہ آپ کے اجر میں اضافہ کرتی چلی جائیں گی۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے آپ کی وفات پر

آپ کا جو ذکرِ خیر فرمایا اس کی کچھ جھلکیاں مندرجہ ذیل ہیں۔

’’آپ کے حق میں حضرت (بانئ سلسلہ احمدیہ) کی وہ پیشگوئی پوری ہوئی جو بار بار اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی اور اس بار بار عطا ہونے میں بھی ایک کثرت کا نشان تھا جو آپ کو دیا گیا فرماتے ہیں:

’’خدا تعالیٰ نے مجھے بار بار خبر دی ہے کہ وہ مجھے بہت عظمت دے گا اور میری محبت دلوں میں بٹھائے گا اور میرے سلسلے کو تمام دنیا میں پھیلائے گا اور سب فرقوں پر میرے فرقہ کو غالب کرے گا اور میرے فرقہ کے لوگ اس قدر علم اور معرفت میں کمال حاصل کریں گے کہ اپنی سچائی کے نور اور اپنے دلائل اور بشارتوں کی رو سے وہ سب کا منہ بند کریں گے اور ہر ایک قوم اس چشمہ سے پانی پیے گی اور یہ سلسلہ زور سے بڑھے گا اور پھولے گا یہاں تک کہ زمین پر محیط ہو جاوے گا۔ بہت سی روکیں پیدا ہوں گی اور ابتلاء آئیں گے مگر خدا سب کو درمیان سے اٹھا دے گا اور اپنے وعدہ کو پورا کرے گا اور خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ میں تجھے برکت پر برکت دوں گا یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔‘‘

یہ پیشگوئی مختلف رنگ میں مختلف وجودوں کی شکل میں پوری ہوتی رہی مگر چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب کو خصوصیت کے ساتھ ظاہری طور پر بھی اس کو پورا کرنے کا اس رنگ میں موقع ملا کہ آپ نے اپنی سچائی کے نور اپنے دلائل اور نشانوں کی رو سے بسا اوقات سب کے منہ بند کر دیئے۔ سیاست کے میدان میں بھی، وکالت کے میدان میں بھی اور تبلیغ کے میدان میں بھی ایسی عمدہ نمائندگی کی توفیق آپ کو عطا ہوئی کہ اپنے تو اپنے دشمن بھی بے ساختہ پکار اٹھے کہ اس بطل جلیل نے بلاشبہ غیروں کے منہ بند کر دیئے۔‘‘

’’خدا تعالیٰ نے آپ کو ایک ایسے مقام پر پہنچایا جہاں واقعۃً ہر قوم نے اس سرچشمہ سے پانی پیا یعنی اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی آپ کو صدارت نصیب ہوئی اور وہ دور اقوام متحدہ کی تاریخ میں

اگر کسی ایک تعریف کے ساتھ یاد کیا جائے تو یونائیٹڈ نیشنز کی تاریخ کا اخلاقی دور کہلائے گا۔ ''

''ویسے تو بکثرت ایسے احمدی ہیں جن سے قوموں نے فائدے اٹھائے لیکن وہاں ایک ذات میں ساری باتیں اکٹھی ہوگئیں۔ ایک سرچشمے سے جو حضرت (بانئ سلسلہ احمدیہ) کی غلامی پر فخر کیا کرتا تھا تمام اقوام عالم نے فائدہ اٹھایا اور سیراب ہوئیں اور پھر قوموں کی بھرپور خدمت میں آپ کو خدا تعالیٰ نے ایسے ایسے مواقع نصیب فرمائے جبکہ نئی تاریخ کی شکلیں بن رہی تھیں اور جدید تاریخ کی نبیادیں ڈالی جارہی تھیں۔ ''

''یہ وہم دل سے نکال دیں کہ ایک ظفر اللہ خاں ہمیں چھوڑ کر جارہا ہے تو آئندہ کے لئے ظفر اللہ خاں پیدا ہونے کے رستے بند ہوگئے۔ بکثرت اور بار بار حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایسے عظیم الشان غلاموں کی خوشخبریاں دی گئیں جو ہمیشہ آتے چلے جائیں گے اور ایک گزرے گا تو دوسرا اس کی جگہ لینے کے لئے آگے بڑھے گا۔ آپ اپنی ہمتوں کو بلند کریں، ان تقویٰ کی راہوں کو اختیار کریں جو چوہدری صاحب اختیار کرتے رہے۔ ان وفا کی خصلتوں سے مزین ہوں جن سے وہ خوب مزین تھے۔ ''

''جماعت احمدیہ کو اس وصال پر صدمہ تو ہے، بڑا گہرا صدمہ ہے لیکن اس صدمے کے نتیجہ میں مایوسی کا اثر نہیں ہونا چاہئے۔ خدا تعالیٰ کی رحمتیں بے شمار ہیں، وسیع ہیں۔ اس کی عطا کے دروازے کوئی بند نہیں کرسکتا اور جن راہوں میں وہ کھلتے ہیں وہ لامتناہی راہیں ہیں اس لئے آپ ... اولاد در اولاد کو یہ بتاتے چلے جائیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ایک نہیں، دو نہیں بکثرت ایسے غلام عطا فرمائے گا... جو عالمی شہرت حاصل کریں گے جو بڑے بڑے عالموں اور فلسفیوں کے منہ بند کردیں گے اور قومیں ان سے برکت پائیں گی۔ ایک قوم یا دو قومیں ہی نہیں کل عالم کی قومیں ان سے برکت پائیں گی۔ خدا کرے کہ بکثرت اور بار بار ہم حضرت (بانئ سلسلہ احمدیہ) کی اس پیشگوئی کو پورا ہوتا دیکھیں۔ دوسروں میں ہی نہیں اپنوں میں

بھی۔ غیروں کے گھروں میں نہیں اپنے گھروں میں بھی ہم اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ اس عظیم پیشگوئی کو پورا ہوتے ہوئے دیکھیں۔ (آمین)''

سیدنا حضرت مصلح موعود نے بھی کئی مرتبہ آپ کو کلمات خوشنودی سے نوازا۔ ایک مرتبہ تو یہاں تک فرمایا کہ ''عزیزم چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے ساری عمر دین کی خدمت میں لگائی ہے اور اس طرح میرا بیٹا ہونے کا ثبوت دیا ہے۔''

(بحوالہ ماہنامہ خالد حضرت چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب نمبر دسمبر 1985ء جنوری 1986ء صفحہ 10،9)

اولاد

حضرت چوہدری صاحب کی واحد اولاد آپ کی صاحبزادی مکرمہ ومحترمہ امتہ الحیٔ بیگم صاحبہ تھیں جن کی شادی حضرت چوہدری صاحب کے بھتیجے چوہدری حمید نصر اللہ خاں صاحب ابن حضرت چوہدری عبداللہ خاں صاحب سے ہوئی جو ایک لمبے عرصہ سے امیر جماعت احمدیہ ضلع لاہور کے علاوہ بطور صدر فضل عمر فاؤنڈیشن بھی خدمات کی توفیق پا رہے ہیں۔ مکرمہ ومحترمہ امتہ الحیٔ بیگم صاحبہ نے نومبر 2004ء میں وفات پائی اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہشتی مقبرہ ربوہ میں دفن ہوئیں۔

حضرت چوہدری صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ مال سے نوازا لیکن آپ جیسا سراپا قربانی وجود صدیوں بعد پیدا ہوتا ہے۔ کئی اعلیٰ مناصب پر فائز رہنے کے باوجود ایسا نادر روزگار سخی تو کم ہی دیکھنے میں ملتا ہے جس نے اپنی ذات کو ہمیشہ نظر انداز کر کے خدا اور اس کے رسول کے دین کی اشاعت کے لئے ہمیشہ اپنے آپ کو کمر بستہ رکھا۔ اپنا سب کچھ اللہ اور اس کے رسول کے قدموں پر قربان کر دیا۔

بقول آپ کے بھتیجے مکرم چوہدری ادریس نصر اللہ خان صاحب ''حضرت باباجی انتہائی درجہ کے سخی تھے لاکھوں اور کروڑوں روپے کمائے لیکن اپنی ذات کے لئے محض ضروریات کی حد تک

رکھ کر باقی سب کچھ ضرورتمندوں کی بھلائی اور خدمت میں صرف کرتے رہے۔ آخر کار معاملہ یہاں تک پہنچا کہ اپنی ضروریات کے لئے 60 یا 70 پونڈ رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ باقی آمدنی کو ذہنی طور پر اپنی آمدنی کا حصہ ہی تصور نہیں کیا کرتے تھے۔ سامانِ تعیش کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ آسائشوں کے معاملہ میں بھی بہت احتیاط سے کام لیتے تھے۔ موٹر کار جیسی چیز جسے آجکل کی ضروریات میں شمار کیا جاتا ہے اپنے لئے ضروری نہ سمجھتے تھے اور لمبا عرصہ یورپ میں بغیر گاڑی کے گزارا کرتے رہے۔ 1963ء سے لے کر اپنی وفات تک آپ نے کبھی کار نہیں رکھی۔ آپ کا قیام 1963ء سے 1974ء تک بطور جج عالمی عدالت انصاف ہالینڈ میں اور فروری 1974ء سے لیکر نومبر 1983ء تک انگلستان میں رہا گویا یورپ میں رہتے ہوئے بھی اپنی تن آسانی کے لئے یہ خرچ ان کو گوارا نہ ہوا۔ پیدل دفتر تشریف لے جاتے اور بس پر واپسی ہوتی۔ انہیں دنوں میں آپ نے لاکھوں روپے کے خرچہ سے لندن مشن ہاؤس کی موجودہ عمارت بنوانے کا اعزاز حاصل کیا اور لاکھوں روپے کے وظائف بیوگان اور یتیموں کی امداد کے طور پر دینے کی سعادت حاصل کی۔

آپکی کفایت شعاری اور انفاق فی سبیل اللہ کے واقعات تو پرانے زمانے کی محیر العقول داستانیں معلوم ہوتے ہیں لیکن یہ حقیقت اور امر واقعہ ہے جس کے بے شمار لوگ عینی شاہد ہیں۔ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی اس کے پاس کچھ نہیں ہوتا تھا مگر اطمینان وسکون اور رضائے الٰہی کی لازوال دولت اسے میسر تھی۔ ہزاروں گھروں میں اسی کے دم سے چراغ جلتے تھے۔ ان کی دعائیں ہی اس بے نفس وجود کا سرمایہ اور جائیداد تھی۔ تو جہاں تک مجھے علم ہے اس سخی کی وفات کے وقت اس کی کوئی ظاہری جائیداد نہ تھی۔“

(ماہنامہ خالد حضرت چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب نمبر دسمبر 1985ء جنوری 1986ء صفحہ 129، 130)

وفات کے بعد حضرت چوہدری صاحب کو سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے خاص ارشاد کے ماتحت بہشتی مقبرہ ربوہ کے قطعہ خاص میں سپردِ خاک کیا گیا۔ حضورؒ نے آپ کی نماز جنازہ غائب پڑھائی اور خطبہ جمعہ میں آپ کو خاص طور پر شاندار خدمات دین پر بہترین خراج تحسین پیش فرمایا۔

اللہ تعالیٰ حضرت چوہدری صاحب کی روح پر اپنی بے پایاں رحمتیں اور برکتیں نازل فرماتا چلا جائے اور ان کی نیکیوں کو ان کی آئندہ نسلوں میں ہمیشہ جاری رکھے اور سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت کو جسے حضورؑ نے اپنے درختِ وجود کی سرسبز شاخیں قرار دیا ہے ہمیشہ کثرت سے حضرت چوہدری صاحب جیسے نفع رساں وجود عطا فرماتا چلا جائے۔ اور ہم سب کو بھی توفیق عطا فرمائے کہ حضرت چوہدری صاحب کی زندگی سے سبق سیکھتے ہوئے ان کی نیکیوں کو اپنانے کی کوشش کریں۔

نامور احمدی ادیب اور شاعر جناب ثاقب زیروی صاحب نے حضرت چوہدری صاحب کی وفات پر اپنے تاثرات کا اظہار ایک نظم کی صورت میں کیا جس میں حضرت چوہدری صاحب کے سیرت اور اوصاف کا بڑے خوبصورت الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے۔

کیا شخص تھا کہ بانٹنے آیا تھا رنگ و نور
تاریکیوں کا نام جہاں سے مٹا گیا
گفتار میں تھا کھِلتی بہاروں کا بانکپن
رفتار سے ہواؤں کو چلنا سکھا گیا
دین خدا کی آبرو تھی مقصدِ حیات
پہنچا جہاں بھی پیار کا دریا بہا گیا
لگتا تھا دیکھنے میں جو انسان کم سخن
جب بولنے پہ آیا زمانے پہ چھا گیا
تھی اس کی ذات مشعل انوار آگہی
جینے کا زندگی کو قرینہ سکھا گیا
ظفراللہ خاں! قائداعظم کا دستِ راست
عالم پہ اپنی دھاک بٹھا کر چلا گیا

خدا کی گواہی

حضرت چوہدری صاحب کے متعلق بزرگوں کے رؤیا و کشوف

حضرت مصلح موعودؓ کے رؤیا و کشوف حضور کے اپنے الفاظ میں

1۔ اخلاص کی شہادت

’’میں نے ایک دن خاص طور پر دعا کی تو دیکھا کہ چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب آئے ہیں۔۔۔ اور میں قادیان سے باہر پرانی سڑک پر اُن سے ملا ہوں اور وہ ملتے ہیں پہلے مجھ سے بغلگیر ہو گئے۔ اس کے بعد نہایت جوش سے انہوں نے میرے کندھوں پر اور سینہ کے اوپر کے حصہ پر بوسے دینے شروع کر دئے اور نہایت رقت کی حالت اُن پر طاری ہے اور بوسے بھی دئے جاتے ہیں اور یہ بھی کہتے جاتے ہیں کہ میرے آقا میرا جسم اور روح آپ پر قربان ہوں کیا آپ نے خاص میری ذات سے قربانی چاہی ہے یا کہا کہ خاص میری ذات قربانی چاہی ہے اور میں نے دیکھا کہ ان کے جسم پر اخلاص اور رنج دونوں قسم کا اظہار ہو رہا ہے اور میں نے اس کی تعبیر یہ کی کہ اول تو اس میں چوہدری صاحب کے اخلاص کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ کیا ہے کہ انشاء اللہ جس قربانی کا ان سے مطالبہ کیا گیا خواہ کیسے ہی حالات ہوں وہ اس قربانی سے دریغ نہیں کریں گے اور دوسرے یہ کہ ظفر اللہ خان سے مراد اللہ تعالیٰ کی آنے والے فتح ہے۔ اور ذات سے قربانی کی اپیل ہے اور متی نصر اللہ کی آیت مراد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت کی اپیل کی گئی تو وہ آ گئی اور سینہ اور کندھوں کو بوسہ دینے سے مراد علم اور یقین کی زیادتی اور طاقت کی زیادتی ہے اور آقا کے لفظ سے مراد فتح اور ظفر مومنوں کے غلام ہوتے ہیں۔ اور اسے کوئی شکست نہیں دے سکتا اور جسم اور روح کی قربانی جسمانی قربانیاں اور دعاؤں سے نصرت ہے جو اللہ اپنے بندوں اور اس کے فرشتوں کی طرف سے ہمیں حاصل ہوں گی۔‘‘ (الفضل 18 نومبر 1934ء)

2-روحانی بیٹا

حضور فرماتے ہیں (1936ء۔1937ء کا ایک خواب) ”ایک دو سال ہوئے میں نے خواب میں دیکھا کہ میں اپنے دفتر میں بیٹھا ہوں اور میرے سامنے چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب لیٹے ہوئے ہیں اور 11۔12 سال کی عمر کے معلوم ہوتے ہیں کہنی پر ٹیک لگا کر کھڑا کیا ہوا ہے اور اس پر سر رکھا ہوا ہے ان کے دائیں بائیں عزیزم چوہدری عبداللہ خان صاحب اور چوہدری اسد اللہ خان صاحب بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان کی عمریں آٹھ آٹھ نو نو برس کے بچوں کی معلوم ہوتی ہیں تینوں کے منہ میری طرف ہیں اور تینوں مجھ سے باتیں کر رہے ہیں اور بہت محبت سے میری باتیں سن رہے ہیں اور اُس وقت یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ تینوں میرے بیٹے ہیں اور جس طرح گھر میں فراغت کے وقت ماں باپ اپنے بچوں سے باتیں کرتے ہیں اسی طرح میں ان سے باتیں کرتا ہوں۔“ (الفضل 22 مئی 1938ء)

چوہدری صاحب کی عظیم قومی خدمات

”میں نے رؤیا میں دیکھا کہ پاکستان کی حکومت نے ایک اعلان شائع کیا ہے جس میں حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کی بہت ہی تعریف کی گئی ہے اتنی تعریف ہے کہ اس کو پڑھ کر حیرت آتی ہے اور یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ چوہدری صاحب نے اپنے اس کام سے پاکستان کی جڑھیں مضبوط کر دیں ہیں اس کو بین الاقوامی صفِ اوّل میں لا کھڑا کیا ہے۔ میں اس وقت سمجھتا ہوں کہ یو این او میں یا برطانوی یا امریکی حلقوں میں چین کے متعلق (روس کے بڑھتے اثر کو روکنے کے لئے) کوئی خدمت ہندوستان کے سپرد کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا اور اس فیصلہ کہ نتیجہ میں ہندوستان کو بڑی اہمیت حاصل ہو جاتی تھی اور پاکستان کی حیثیت گر جاتی تھی لیکن چوہدری صاحب نے معاملہ کی اہمیت کو بھانپ لیا کہ یو این او اور امریکی اور برطانوی حکومتوں پر (یہ تعین یاد نہیں رہی کہ آیا یو این

ومراد تھی یا برطانوی یا امریکن حکومتیں اس سے مراد تھیں) واضح کیا کہ پاکستان اس خدمت میں بہت بڑا حصہ لے سکتا ہے اور یہ کہ کم سے کم ایک حصہ اس خدمت کا ایسا ہے جسے صرف پاکستان ہی بجا لا سکتا ہے اور ایسے زور سے معاملہ کو پیش کیا اور اتنے زبردست دلائل دیئے کہ حکومتوں کو ان کے دعویٰ کی صداقت تسلیم کرنی پڑی اور بجائے اس کے کہ وہ خدمت کلّی طور پر ہندوستان کے سپرد ہو جاتی اس کا ایک حصہ پاکستان کے بھی سپرد کیا یا جسے کامیاب طور پر کرنے کی صورت میں پاکستان کو بہت بڑی اہمیت حاصل کر لے گا اور دنیا کی سیاست میں صفِ اوّل پر آ جائے گا۔'

(الفضل 25 جنوری 1950ء)

اس رؤیا کا ایک پہلو 27 نومبر 1954ء کو پورا ہو چکا ہے جب کہ عزت مآب حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب عالمی عدالت کے جج منتخب ہوئے۔ یاد رہے کہ چوہدری صاحب جس نشست سے منتخب ہوئے وہ ہندستان کے سر بینگل نرسنگ راؤ کے انتقال کی وجہ سے خالی ہوئی تھی اور اس کے لئے بھارت نے اپنے نمائندہ مسٹر گوپال کو منتخب کرنے کی زبردست کوشش کی تھی۔ لیکن سلامتی کونسل کی خفیہ رائے شماری میں بھارتی نمائندہ کو شکست ہوئی اور حضرت چوہدری صاحب کامیاب ہو گئے۔ اس طرح دنیا کے بین الاقوامی ادارہ میں خدا کے ایک عظیم الشان نشان کا ظہور ہوا۔''

پاکستان میں ریل کے خوفناک حادثہ (جھمپیر) کے متعلق حیران کن رؤیا

17 یا 18 نومبر 1953ء کی بات ہے میں نے رؤیا میں دیکھا کہ میں ایک جگہ پر ہوں۔ میاں بشیر احمد صاحب اور درد صاحب میرے ساتھ ہیں۔ کسی شخص نے مجھے ایک لفافہ لا کر دیا اور کہا کہ یہ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کا ہے۔ میں نے اس لفافہ کو کھولے بغیر یہ محسوس کیا کہ اس میں کسی عظیم الشان حادثہ کی خبر ہے جو چوہدری صاحب کو موت کی شکل میں پیش آیا ہے یا کوئی اور بڑا حادثہ ہے۔ میں نے درد صاحب کو کہا لفافہ کو جلد کھولو اور اس میں سے کاغذ نکال لو۔ درد صاحب نے لفافہ کھولا۔ اس میں بہت سے کاغذ نکلتے آتے تھے لیکن اصل بات جس کی خبر دی گئی تھی نظر نہیں آتی

تھی۔ آخر کار لفافہ میں صرف ایک دو کاغذ رہ گئے لیکن اصل خبر کا پتہ نہ لگا۔ میاں بشیر احمد صاحب نے کہا پتہ نہیں چوہدری صاحب کے دماغ کو کیا ہو گیا ہے وہ ایک اہم خبر لکھتے ہیں لیکن اچھی طرح بیان نہیں کرتے۔ میں نے کہا گھبراہٹ میں ایسا ہو جاتا ہے اس پر لفافہ میں جو دو کاغذ باقی رہ گئے تھے ان میں سے ایک کاغذ کو میں نے باہر کھینچا تو وہ ایک فہرست تھی لیکن اصل واقعہ کا اس سے پتہ نہیں لگتا تھا اس فہرست میں ایک نام سے پہلے ملک لکھا تھا اور آخر میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لکھا تھا درمیانی لفظ پڑھا نہیں جاتا تھا اس سے اتنا تو پتہ لگتا تھا کہ واقع میں کوئی اہم خبر ہے۔ لیکن اصل واقعہ کا پتہ چلتا تھا۔ پھر لفافہ میں سے ایک اور شفاف کاغذ نکلا جو Tracin Paper تھا۔ میں اسے دیکھنے لگا اور میں نے کہا یہ خبر ہے جو چوہدری صاحب نے ہم تک پہنچانی چاہی ہے مگر بجائے کوئی واقعہ لکھنے کے اس کاغذ پر ایک لکیر کھینچی ہوئی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک ہوائی جہاز ہے جو مشرق سے مغرب کی طرف جا رہا ہے۔ آگے جا کر وہ لکیر یکدم اُریبی صورت میں نیچے آ جاتی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ جہاز یکدم نیچے آ گیا ہے اس جگہ معلوم ہوتا ہے کہ نیچے کچھ جزیرے ہیں۔ مجھے نیچے کی طرف عملاً سمندر نظر آتا ہے اس میں ہلکی ہلکی لہریں ہیں۔ میں خواب میں کہتا ہوں خدا کرے کہ نہ معلوم چوہدری صاحب کو تیرنا آتا ہے۔ خدا کرے اس حادثہ کی خبر معلوم کر کے کسی حکومت نے ہوائی جہاز یا کشتیاں بچانے کے لئے بھیج دی ہوں تا کہ چوہدری صاحب اور دوسرے لوگ بچ جائیں۔‘‘

حضور نے اس رؤیا کی یہ تعبیر فرمائی کہ

’’کوئی حادثہ سخت مہلک چوہدری صاحب کو پیش آنے والا ہے اور خدا تعالیٰ انہیں اس سے بچائے گا کیونکہ وہ خود اس حادثہ کے متعلق تبھی خبر دے سکتے ہیں جب وہ محفوظ ہوں۔‘‘ چوہدری صاحب اس وقت نیویارک میں تھے۔ حضور نے انہیں اس منذر خواب سے اطلاع دی اور خود بھی کثرت سے دعائیں اور صدقات کا سلسلہ جاری رکھا۔ یہاں تک کہ چوہدری صاحب خیریت سے کراچی پہنچ گئے۔ وہاں سے پنجاب آئے تو یہ سفر بھی بخیرت گزر گیا لیکن جب کراچی واپس گئے تو

ریل گاڑی کو جمپیر کے مقام پر ایک خوفناک حادثہ پیش آیا جس نے ملک بھر میں صفِ ماتم بچھا دی۔ مگر حضرت چوہدری صاحب حضور کی رؤیا کے مطابق خارق عادت طور پر محفوظ رہے۔

حضور فرماتے ہیں۔ ’’جس جگہ یہ واقعہ ہوا چوہدری صاحب کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے دس دس میل دور تک کوئی پکی سڑک نہیں ہے صرف ریل کی پٹڑی گزرتی ہے اس لئے امداد کے لئے اس جگہ تک موٹر نہیں آسکتی تھی اس طرح وہ جگہ جزیرے کی مانند تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ رؤیا میں ہوائی جہاز کا دکھایا جانا اور واقعہ ریل میں اور پھر یہ گاڑی بھی مشرق سے مغرب کو جارہی تھی۔ اس طرح دوسری سب باتوں کا ہونا بتاتا ہے کہ یہ ایک تقدیر مبرم تھی لیکن خدا تعالیٰ نے ہماری دعاؤں کو سن کر اس حادثہ کو بجائے ہوائی جہاز کے ریل میں بدل دیا۔ ہوائی جہاز میں ایسا حادثہ پیش آجائے تو اس سے بچنا مشکل ہو جاتا ہے لیکن یہی حادثہ اگر ریل میں پیش آجائے تو اس سے کسی انسان کا بچ جانا ممکن ہے اور پھر وہ ریل مشرق سے مغرب کو جارہی تھی۔ جب میں نے یہ واقعہ پڑھا تو میں نے محسوس کیا کہ میری وہ خواب پوری ہوگئی ہے۔ میں نے میاں بشیر احمد صاحب سے اس کا ذکر کیا جن کو میں یہ خواب اسی وقت بتا چکا تھا جب یہ آئی تھی۔ انہوں نے بھی کہا کہ واقعہ میں وہ خواب پوری ہوئی ہے لیکن میں نے اخبار میں یہ واقعہ پڑھ کر چوہدری صاحب کو یہ لکھنا پسند نہ کیا کہ میری رؤیا پوری ہوگئی ہے کیونکہ رؤیا میں انہوں نے پہلے اطلاع دی تھی اس لئے میں یہی پسند کیا کہ وہ اطلاع دیں تو میں لکھوں گا۔ چنانچہ دوسرے ہی دن چوہدری صاحب کی تار آگئی کہ آپ کی رؤیا پوری ہوگئی بلکہ یہ ایک تقدیر مبرم تھی جو دعاؤں سے بدل گئی۔ رؤیا میں خدا تعالیٰ نے مجھے ہوائی جہاز دکھایا تھا لیکن خدا تعالیٰ نے کہا چلو ان کی بات بھی پوری ہو جائے اور اپنی بات بھی پوری ہو جائے۔ واقعہ ہم ریل میں کرا دیتے ہیں۔ اس سے ہماری بات بھی پوری ہو جائے گی اور ان کی دعا بھی قبول ہو جائے گی۔ پس یہ واقعہ ہمارے لئے زائد یقین اور ایمان کا موجب ہے۔‘‘

(المصلح 18 فروری 1954ء)

5۔ اللہ کا نور

حضور نے یہ رؤیا سفر یورپ 1955ء کے دوران دیکھی۔ فرمایا:

’’میں واپسی کے وقت غالباً زیرک میں تھا کہ میں نے خواب دیکھی کہ میں ایک رستہ پر سے گزر رہا ہوں کہ مجھے اپنے سامنے ایک ریوالونگ لائٹ (Revolving Light) یعنی چکر کھانے والی روشنی نظر آئی جیسے ہوائی جہاز کو راستہ دکھانے کے لئے منارہ پر تیز لیمپ لگائے ہوتے ہیں جو گھومتے رہتے ہیں۔ میں نے خواب میں خیال کیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا نور ہے۔ پھر میرے سامنے ایک دروازہ ظاہر ہوا جس میں پھاٹک نہیں لگا ہوا بغیر پھاٹک کے کھلا ہے۔ میرے دل میں خیال گزرا کہ جو شخص اس دروازے پر کھڑا ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کا نور گھومتا ہوا اسکے اوپر پڑے تو خدا تعالیٰ اس کے جسم میں سرایت کر جاتا ہے۔ تب میں نے دیکھا کہ میرا لڑکا ناصر احمد اس دروازکے دہلیز پر کھڑا ہو گیا اور وہ چکر کھانے والا نور گھومتا ہوا اس دروازے کی طرف مڑا اور اس میں تیز روشنی نکل کر ناصر احمد کے جسم میں گھس گئی۔

پھر میں نے دیکھا کہ ناصر احمد دہلیز سے اتر آیا اور منور احمد نے اس کی طرف بڑھنا شروع کر دیا جس وقت مرزا منور احمد اس دہلیز کی طرف بڑھ رہا تھا میں نے دیکھا اس نے دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے تھے دایاں ہاتھ دائیں طرف اور بایاں ہاتھ بائیں طرف اور اس کے ساتھ ساتھ پہلو میں عزیزم چوہدری ظفر اللہ خان صاحب جا رہے تھے۔ مرزا منور احمد بڑھ کر اس دروازے کی دہلیز پر کھڑا ہو گیا اور پھر پہلے کی طرح روشنی چکر کھا کر اسکی طرف آنی شروع ہو گئی اور اس کے جسم پر پڑنے لگی اس وقت میرے دل میں خیال گزرا کہ کاش چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے بھی اس کا ہاتھ پکڑا ہوا ہو تو اس میں سے ہو کر خدا کا نور ان میں بھی داخل ہو جائے۔ تب میں نے ذرا سامنہ پھیرا اور دیکھا کہ عزیزم چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے عزیزم مرزا منور احمد کا ہاتھ پکڑا ہوا ہے۔ اس پر میں نے دل میں کہا الحمدللہ کہ چوہدری صاحب نے عین موقعہ پر مرزا منور احمد کا ہاتھ

پکڑا ہوا تھا۔ اس میں انشاء اللہ مرزا منور احمد میں سے ہوتے ہوئے الٰہی نور چوہدری صاحب کے بھی سارے جسم میں گھس گیا ہوگا اور اس پر میری آنکھ کھل گئی۔''

(الفضل 8 اکتوبر 1955ء)

6۔ خطرہ ٹل گیا

''خواب میں دیکھا کہ میں ایک شہر میں ہوں جس میں ایک بڑی عمارت کے سامنے ایک چوک ہے جس میں بہت سی سڑکیں آ کر ملتی ہیں۔ میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ میری طرف آ رہا ہے اور میں نے اس کے آنے کو بُرا محسوس کیا۔ اس وقت میرے ساتھ کوئی پہرہ دار نہیں۔ میں فوراً پاس والی عمارت کے پھاٹک کی طرف مڑا اور پھاٹک میں سے ہو کر اندر چلا گیا اور اس عمارت کے چاروں طرف لوہے کی چپٹی چپٹی سلاخوں کا کٹہرا ہے جیسا کہ اہم سرکاری عمارتوں میں ہوتا تھا۔ جب اندر گیا تو میں نے دیکھا کہ اس عمارت کے وسطی حصّہ کے سامنے جو مسقّف ہے حضرت (بانی سلسلہ احمدیہ) بیٹھے ہیں۔ آپ نے مہندی لگائی ہوئی ہے اور آپ کے چہرہ کا رنگ اور مہندی کا رنگ خوب روشن ہے جو اب تک میری آنکھوں کے سامنے پھرتا ہے۔ میرے اندر جانے پر آپ کٹہرے کی طرف آئے گویا یہ دیکھنا چاہتے ہیں باہر کون کون لوگ ہیں۔ میں وسطی حصہ کے گرد چکر لگا کر پیچھے کی طرف چلا گیا اور میں نے دیکھا کہ جہاں حضرت (بانی سلسلہ) کرسی پر بیٹھے تھے اس کی پشت کی عمارت کے پیچھے چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کھڑے ہیں۔ جیسے کوئی احترام یا حفاظت کے لئے کھڑا ہوتا ہے۔ اتنے میں حضرت (بانی سلسلہ) کٹہرے کے پاس جا کر اور تسلی کر کے واپس آ گئے اور یوں معلوم ہوا جیسے کوئی خطرہ یا تو تھا ہی نہیں یا جاتا رہا۔''

(الفضل 4 اکتوبر 1954ء)

❖

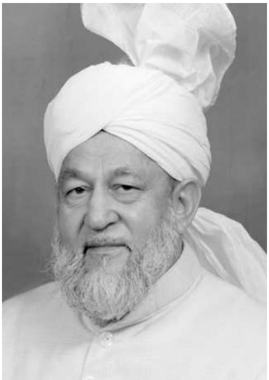

قدرت ثانیہ کے چوتھے مظہر حضرت مرزا طاہر احمد صاحب رحمہ اللہ کے رؤیا و کشوف

7۔ فتح و ظفر کا وعدہ

16 نومبر 1984ء کو حضور نے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

''تقریباً دو ہفتے پہلے شاید اچانک میں نے ایک نظارہ دیکھا کہ اسلام آباد جو اس وقت انگلستان میں ہمارا یورپین مرکز ہے۔ وہاں میں داخل ہو رہا ہوں اس کمرے میں جہاں ہم نے نماز پڑھی تھی اور سب دوست صفیں بنا کر بیٹھے ہوئے ہیں اسی طرح انتظار میں تو عین۔ مصلّے کے پیچھے چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب اپنی اس عمر کے ہیں نظر آ رہے ہیں جو 15 / 20 سال پہلے کی تھی اور رومی ٹوپی پہنی ہوئی ہے، وہ جو پرانے زمانہ میں پہنا کرتے تھے اور نہایت ہشاش بشاش عین امام کے پیچھے بیٹھے ہوئے ہیں۔ مجھے دیکھتے ہی وہ نماز کی خاطر اٹھ کر کھڑے ہوئے اور میں ان کی طرف بڑھنے لگا کہ پوچھوں چوہدری صاحب آپ کب آ گئے، آپ تو بیمار تھے اچانک کیسے آنا ہوا؟ تو وہ نظارہ جاتا رہا۔ آنکھیں کھلی تھیں اور جو منظر سامنے ویسے تھا وہ سامنے آ گیا۔''

8۔ کام کا ایک سال

6 ستمبر 1985ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

ان کے ساتھ مجھے خاص اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک تعلق عطا ہوا تھا۔

جب خلافت کے بعد خدا تعالیٰ نے مجھے پہلا کشف دکھایا ہے تو تعجب کی بات نہیں کہ پہلے کشف میں چوہدری ظفر اللہ خان صاحب ہی دکھائے گئے اور وہ بھی ایک عجیب کشف تھا میں

حیران رہ گیا کیونکہ اس قسم کی باتوں کی طرف انسان کا ذہن عموماً جا ہی نہیں سکتا۔ ایک دن یا دو دن خلافت کو گزرے تھے تو کسی نے پوچھا کہ آپ کو خلیفہ بننے کے بعد کوئی الہام کوئی کشف وغیرہ ہوا ہے میں نے کہا مجھے ابھی تک تو کچھ نہیں ہوا بس میں گزر رہا ہوں جس طرح بھی خدا تعالیٰ سلوک فرما رہا ہے، ٹھیک ہے۔ تو اس کے چند دن کے بعد ہی میں نے صبح کی نماز کے بعد کشفاً بڑے واضح طور پر ایک نظارہ دیکھا کہ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب لیٹے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے باتیں کر رہے ہیں اور میں وہ باتیں سن رہا ہوں اور فاصلہ بھی ہے۔ مجھے یہ علم ہے کہ لیٹے لندن میں ہوئے ہیں لیکن جس طرح فلموں میں دکھا دیا جاتا ہے قرب کہ ٹیلیفون کہیں دور سے ہو رہے ہیں اور سن رہا ہے گویا کہ اس قسم کے مزے کیمرہ ٹرک سے ہو جاتے ہیں۔ تو کشفاً یہ دیکھ رہا تھا کہ چوہدری صاحب اپنے بستر پہ لیٹے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے کچھ باتیں کر رہے ہیں اور میں سن بھی رہا ہوں اور اس کے ساتھ ایک ذہنی تبصرہ بھی ہو رہا ہے لیکن گویا میری آواز وہاں نہیں پہنچ رہی۔ اللہ تعالیٰ نے چوہدری صاحب سے یہ پوچھا کہ آپ کا کتنا کام باقی رہ گیا ہے تو چوہدری صاحب نے عرض کیا کہ کام تو چار سال کا ہے لیکن اگر آپ ایک سال بھی عطا فرما دیں تو کافی ہے۔ یہ سن کر مجھے بہت سخت دھکا سا لگا اور میں چوہدری صاحب کو یہ کہنا چاہتا تھا کہ آپ چار سال مانگیں خدا تعالیٰ سے یہ کیا کہہ رہے ہیں کہ ایک سال بھی عطا ہو جائے تو کافی ہے۔ مانگ رہے ہیں خدا سے اور کام چار سال کا بیان کر رہے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ ایک سال ہی کافی ہے۔ مجھے اس سے بے چینی پیدا ہوئی لیکن جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے اس نظارے میں میں اپنی بات پہنچا نہیں سکتا تھا صرف سن رہا تھا کہ یہ گفتگو ہو رہی ہے۔

وہ میں نے پھر دوسرے دن ہی چوہدری حمید نصر اللہ صاحب اور ان کی بیگم کو لکھ کے بھیج دیا اور مجھے اس سے تشویش پیدا ہوئی کہ ہو سکتا ہے خدا تعالیٰ لمبی زندگی نسبتاً دے دے لیکن کام کا صرف ایک سال ہی ملے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ہے۔ 1983ء میں آپ پر شدید بیماری کا حملہ ہوا اور اس وقت تک جو وہ کام کر سکے ہیں عملاً اس کے بعد پھر رفتہ رفتہ ان کو کام سے بالکل الگ ہونا پڑا یعنی

بھرپور کام صرف ایک سال توفیق ملی ہے۔ پھر آپ کو بیماری کی وجہ سے پاکستان جانا پڑا اور اس کے بعد پھر طبیعت گرتی چلی گئی ہے کمزور ہوتی چلی گئی ہے، پھر آخر پر صرف مطالعہ پر آ گئے تھے۔

9۔ زندگی کا وعدہ

اس کشف کے دو سال کے بعد دوبارہ ہوا ہے یعنی 82ء میں جب میں کراچی تھا تو فروری میں یہ مجھے اطلاع ملی کہ ابھی لاہور سے فون آیا ہے کہ اب تو کوئی بچنے کی صورت بظاہر نہیں رہی۔

اس وقت مجھے یہ یقین دل میں اللہ تعالیٰ نے ڈالا دعا بھی میں نے کی لیکن پھر رات رویاء میں خدا تعالیٰ نے دکھایا کہ ایک خط آیا ہے خدا تعالیٰ کی طرف سے جو چوہدری صاحب کی اس بیماری کے متعلق میں پڑھ رہا ہوں اور صرف ایک فقرہ ہے جس پر نظر جمی ہوئی ہے اور اس فقرے کا مفہوم یہ ہے کہ میں زندہ بھی کرتا ہوں اور بوجھ بھی اتار دیتا ہوں، مہیا بھی کر دیتا ہوں۔ یعنی یُحْیِیْ کا مضمون تھا۔ دونوں معنوں میں دوسری 'ہ' کے ساتھ بھی کہ میں مہیا بھی کرتا ہوں اور زندہ بھی کرتا ہوں۔ تو مجھے یہ خیال آیا کہ چوہدری صاحب کو ایک فکر دامن گیر ہے خدا تعالیٰ نے ساتھ اس کی بھی خوشخبری دے دی ہے اور یہ فکر تھی کہ انہوں نے جوصد سالہ جوبلی کے لئے چندہ لکھوایا تھا اس میں سے دو لاکھ پاؤنڈ ابھی ان پر قرض تھا، واجب الادا تھا۔

ان کا جو سرمایہ تھا وہ ایک ظالم نے قبضہ میں لے لیا اور بظاہر یہ نظر آتا تھا کہ اب اس سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔ اس کا یہ کہنا تھا کہ نقصان ہو چکا ہے میں ادا نہیں کر سکتا۔ بعض لوگوں کو بدظنی تھی کہ بہانہ بنایا گیا ہے چوہدری صاحب کی سادگی سے فائدہ اٹھایا گیا ہے اور کافی بڑی رقم اس کے پاس ضائع ہونے کا خطرہ تھا اور چوہدری صاحب توقع رکھ رہے تھے کہ وہاں سے پیسہ ملے تو میں یہ چندہ ادا کروں۔ چنانچہ جب میری آخری ملاقات ہوئی ہے اس وقت بھی اس کا طبیعت پر بہت بوجھ تھا۔ جب میں کراچی جانے لگا ہوں اس وقت بھی مجھ سے ذکر کیا علیحدگی میں کہ اس کے لئے دعا کریں کہ میری طبیعت پہ بہت ہی بڑا بوجھ ہے۔ تو اس رؤیا میں اللہ تعالیٰ نے جو مضمون

بتایا اس سے مجھے یہ بھی یقین ہو گیا کہ انشاء اللہ تعالیٰ ایک تو یہ کہ اس صورت میں تو اللہ تعالیٰ ان کو نہیں مارے گا اور جب تک وہ بوجھ نہیں اترتا اس وقت تک خدا تعالیٰ ضرور زندہ رکھے گا۔

چنانچہ خدا تعالیٰ نے غیر معمولی زندگی عطا فرمائی۔ پھر کئی خطرات پیدا ہوئے۔ کئی بحران آئے اور ڈاکٹروں کی نظر میں تو وہ ہر دفعہ یہی کہہ دیتے رہے کہ بس اب بچنے کی امید نہیں مگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے بچاتا رہا۔

پھر میرا یہاں آنا ہوا اور یہاں اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی کہ وہ پھنسی ہوئی رقم جس کے متعلق سب اس کو write off کر چکے تھے کہتے تھے اس کے نکلنے کی کوئی امید نہیں اس سلسلے میں کچھ کوشش کی توفیق عطا ہوئی اور ہمارے ماموں زاد بھائی ہیں رفیع الدین ایڈووکیٹ ان کو بھی خدا تعالیٰ نے کراچی سے یہاں بھجوا دیا اور بڑے قابل وکیل ہیں اور ان باتوں میں بڑے ماہر گفت و شنید کا فن بھی جانتے ہیں۔ چنانچہ ان کی کمپنی کے ذریعے جب وہ گفت و شنید ہوئی تو قانونی طور انہوں نے اس طرح ان کو قابو کر لیا کہ دو لاکھ سے کچھ زائد رقم ان سے مل گئی اور یہی وہ دو لاکھ تھا جو ان کو پریشان کئے ہوئے تھا۔ چنانچہ چند مہینے پہلے کی بات ہے کہ انہوں نے مجھے بتایا کہ الحمدللہ نہ صرف یہ کہ رقم ہمیں مل جائے گی کی بات نہیں وہ عمارت جو دو لاکھ سے زائد کی ہے وہ اب خدا کے فضل سے ہمارے قبضہ میں آ گئی ہے۔ اس خوشخبری میں یہ دونوں باتیں اکٹھی بیان ہوئی تھیں۔ تو پہلا دھڑکا تو مجھے اس بات کا خفیف سا ہوا کہ یہ کام تو ہو گیا ہے اب لیکن بہر حال خدا پھر بھی زندگی دیتا رہا اور جب تک چوتھے سال میں داخل نہیں ہوئے اس وقت تک خدا نے نہیں بلایا۔ چار سال مکمل تو نہیں ہوئے لیکن ان چار سال میں داخل ہو کر تیسرے مہینے میں تھے جبکہ اللہ تعالیٰ نے پھر ان کو واپس بلا لیا۔ آپ کی زندگی اپنے اندر کئی قسم کے نشان رکھتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کے کچھ سلوک تھے جو براہ راست ان پر ہمیشہ نازل ہوتے رہے کچھ خدا نے دوسروں کو بھی دکھایا، مجھے بھی دکھایا کہ میں اس شخص سے پیار کرتا ہوں۔

حضرت چوہدری صاحب کی والدہ محترمہ کی رؤیا

10۔ چیف جسٹس ظفراللہ خان

حضرت چوہدری صاحب فرماتے ہیں

''1934ء کے وسط میں میری والدہ نے ایک رؤیا میں دیکھا کہ جس کمرے میں ہیں اس کی کھڑکی میں سے بہت تیز روشنی آرہی ہے دیکھتے دیکھتے ایک قبہ نور کھڑکی کے باہر دائیں طرف سے بائیں طرف کو آہستہ آہستہ حرکت کرتا نظر آیا جب کھڑکی کے وسط میں پہنچا تو بڑی پر شوکت آواز میں یہ الفاظ سنائی دیئے۔

''ہووئے گا چیف جسٹس ظفراللہ خان نصراللہ خان دا بیٹا۔''

جب یہ قبہ نور کھڑکی کی بائیں حد تک پہنچ گیا تو اس کی حرکت پھر دائیں طرف شروع ہو گئی اور کھڑی کے وسط میں پہنچنے پر پھر ویسی ہی پُرشوکت آواز میں دوسری بار وہی الفاظ سنائی دیئے۔

''ہوئے گا چیف جسٹس ظفراللہ خان نصراللہ خان دا بیٹا۔'' (میری والدہ صفحہ 92)

11۔ خیر ہے۔

حضرت چوہدری صاحب فرماتے ہیں

'' یکم جنوری 1932ء کو میں قریباً گیارہ بجے قبل موٹر میں لاہور سے دلی کی جانب روانہ ہوا۔ دو بجنے میں بیس منٹ پر کرتارپور اور جالندھر کے درمیان موٹر کی ٹکر ایک چھکڑے کے ساتھ ہو گئی اور میرے چہرے پر شدید چوٹیں آئیں اسی حالت میں مجھے جالندھر کے ہسپتال میں لے جایا گیا۔ شام کے وقت ٹیلیفون پر لاہور اطلاع کی گئی والدہ صاحبہ اسی وقت روانہ ہو کر 11 بجے کے قریب جالندھر پہنچ گئیں۔

میری حالت کے متعلق تفاصیل معلوم کرنے کے بعد فرمایا کل جو میں اس قدر افسردہ تھی اس

کی وجہ یہ تھی کہ میں نے پرسوں رات کو ایک خواب دیکھا تھا جس کا میری طبیعت پر اثر تھا کہ سیاہ بادل اٹھا ہے جس سے بالکل اندھیرا ہوگیا ہے۔ پھر بجلی گری اور ساتھ ہی مطلع صاف ہوگیا ہے لوگ کہتے ہیں کہ خیر گزر گئی نقصان نہیں ہوا البتہ ساتھ کے مکان والوں کا نقصان ہوا ہے میں نے دیکھا ہے کہ تمہارے کمرے کے باہر کی دیوار پر جہاں بجلی گری تھی ایک سیاہ لکیر سی رہ گئی ہے اور کوئی نقصان نہیں ہوا۔ میں نے اس خواب دیکھنے کے بعد صدقہ دیا۔ لیکن طبیعت میں اطمینان نہیں تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے فضل سے تمہاری جان بخش دی۔‘‘

(میری والدہ صفحہ 68۔69)

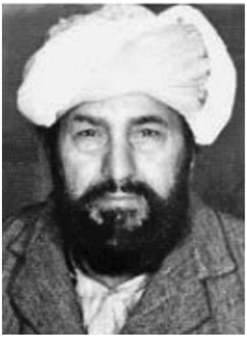

حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی صحابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے رؤیا وکشوف

12۔ پاکیزہ زندگی

جناب چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب بیرسٹری کی تعلیم کے لئے لنڈن گئے۔ سفر پر روانگی سے پہلے آپ حضور رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دعا کے لئے عرض کیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ لندن جا رہے ہیں۔ لندن شہر دنیا کی زیب و زینت کے اعتبار سے مصر سے بھی بڑھ کر ہے۔ آپ ہر صبح سورہ یوسف کی تلاوت کرتے رہنا۔ اور ہر شہر میں شرفاء کا طبقہ ہوتا ہے اپنے ہم جلیس شریف لوگوں کو بنانا۔

حضور کی ان نصائح پر عمل کرتے ہوئے جناب چوہدری صاحب نے لندن میں تعلیم کا زمانہ گذارا اور قریباً ہر روز سورہ یوسف کی تلاوت کرتے رہے۔ ان دنوں خواجہ کمال الدین صاحب

ووکنگ مسجد میں تھے۔ انہوں نے حضرت چوہدری نصر اللہ خاں صاحب رضی اللہ عنہ والد ماجد جناب چوہدری صاحب کی خدمت میں لندن سے خط لکھا کہ لندن شہر اس وقت زیب و زینت اور دلکشی میں مصر سے بڑھا ہوا ہے لیکن چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب اس میں حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح تقویٰ اور طہارت کا نمونہ پیش کر رہے ہیں۔ (حیات قدسی حصہ پنجم صفحہ 100)

13۔ میرا یوسف

جب جناب چوہدری صاحب ہندوستان کے مرکزی حکومت کے رکن کی حیثیت میں دہلی میں مقیم تھے تو میں نے ایک دن خواب میں دیکھا کہ حضرت چوہدری نصر اللہ خاں صاحب ؓ آپ کے کوٹھی کے برآمدہ میں کھڑے ہو کر قرآن کریم سے سورہ یوسف تلاوت فرما رہے ہیں اور بلند آواز سے کہتے ہیں کہ میرا یوسف۔ میرا یوسف۔ اور اشارہ اپنے صاحبزادہ یعنی چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی طرف کرتے ہیں۔ اس رؤیا سے میں نے جناب چوہدری صاحب کو اطلاع دے دی تھی۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ

14۔ اعلیٰ اعزازات

مجھے کئی دفعہ آپ کی نسبت بشارات ملی ہیں۔ جب آپ وائسرائے کی کونسل کے ممبر ہوئے تو اس سے پہلے مجھے بتایا گیا کہ آپ کامیاب ہو جائیں گے۔ اسی طرح آپ کے فیڈرل کورٹ کے جج بننے سے پہلے بھی میں نے خواب میں دیکھا کہ آپ کے سر پر ایک ایسی کلاہ رکھی گئی ہے جس کے کئی گوشے ہیں اور سب اطراف سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس رؤیا کا تعلق آپ کے بعد کے رفیع المنزلت عہدوں سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح جب آپ دہلی میں قیام فرما تھے تو میں نے آپ کی کوٹھی میں خواب دیکھا کہ آپ کے والد ماجد حضرت چوہدری نصر اللہ خاں صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ برآمدہ میں کھڑے ہیں اور ہاتھ میں قرآن کریم لے کر سورہ یوسف تلاوت کر رہے ہیں اور بار بار یہ فقرہ دوہراتے ہیں ''میرا یوسف۔ میرا یوسف''۔ اس خواب سے میں نے جناب چوہدری

صاحب کو اطلاع دے دی تھی۔ اور مجھے یقین تھا کہ آپ وزارت کے عہدہ پر ضرور فائز ہوں گے۔ فالحمدللّٰہ علٰی نعمہٖ۔ (حیات قدسی جلد 4 صفحہ 15)

عالمی عدالت انصاف کا جج بننے کی بشارت

''یہ ان دنوں کی بات ہے کہ جب عالمی عدالت میں ججی کی ایک اسامی خالی ہوئی تو جناب چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب بھی اس کے لئے بطور امیدوار کھڑے ہوئے۔ اس تعلق میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی طرف سے بعض صحابہ کو جس میں خاکسار حقیر خادم بھی شامل تھا۔ بوساطت سیدی حضرت مرزا بشیر احمد صاحب مدظلہ العالی دعا اور استخارہ کرنے کا ارشاد موصول ہوا۔

خاکسار بھی اس بارہ میں متواتر دعا اور استخارہ کرتا رہا۔ جس کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے مجھے الہاماً فرمایا گیا: فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ الْمَلِكِ الْمَلِيْكَ الْمُقْتَدِرِ

یہ الہام اپنے مفہوم کے لحاظ سے کامیابی کی بشارت دیتا تھا اور اس سے یہ اشارہ پایا جاتا تھا کہ آپ کی یہ کامیابی دینی و دنیوی اعتبار سے بہت بڑی عظمت اور شان رکھے گی لفظ ''صدق'' سے کامیابی یقینی طور پر ہونا ظاہر ہوتا ہے اور ''الملک'' کے لفظ سے دنیوی بادشاہت کی نسبت سے اعزاز اور ''الملیک المقتدر'' کے الفاظ سے اللہ تعالیٰ کی قدوس اور ذوالاقتدار ہستی کی نصرت اور برکت کی طرف اشارہ پایا جاتا تھا۔

چنانچہ محترم چوہدری صاحب ممدوح اس بشارت کے مطابق اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کے مقدسوں کی برکت سے عالمی عدالت کے جج کے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہوئے۔ اور آپ کو دنیوی اعزاز و مرتبہ کے علاوہ اس عہدہ پر فائز ہونے کے بعد خاص طور پر دینی خدمات سرانجام دینے کی بھی توفیق ملی۔ ''

(حیات قدسی جلد 4 صفحہ 158)

کلمۃ اللہ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی وفات پر ان کا ذکر خیر

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی وفات پر آپ کے اوصاف حمیدہ کا ذکر خصوصاً خطبہ جمعہ میں فرمایا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمۃ اللہ نے اس خطبہ جمعہ میں حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ صاحب کی سیرت وسوانح کا کئی پہلوؤں سے جائزہ لیا اور اور آپ کی خصوصیات کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ احباب کے لئے حضور کا یہ خطبہ جمعہ پیش خدمت ہے۔ (مرتب)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیات کریمہ تلاوت کیں:

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَانَتۡ لَہُمۡ جَنّٰتُ الۡفِرۡدَوۡسِ نُزُلًا خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا لَا یَبۡغُوۡنَ عَنۡہَا حِوَلًا قُلۡ لَّوۡ کَانَ الۡبَحۡرُ مِدَادًا لِّکَلِمٰتِ رَبِّیۡ لَنَفِدَ الۡبَحۡرُ قَبۡلَ اَنۡ تَنۡفَدَ کَلِمٰتُ رَبِّیۡ وَلَوۡ جِئۡنَا بِمِثۡلِہٖ مَدَدًا قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ یُوۡحٰۤی۔ (الکہف:108۔111)

اور پھر فرمایا:

قرآن کریم کی جو آیات میں نے تلاوت کی ہیں یہ سورۃ کہف سے لی گئی ہیں اور سورۃ کہف کی آخری چند آیات ہیں۔ ان آیات میں جو تین آیات ہیں ان میں بظاہر ایک مضمون کا دوسرے سے کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔ سرسری نظر سے دیکھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ ہر آیت میں ایک مختلف بات کی گئی ہے۔ حالانکہ ایک مسلسل مضمون ہے اور بڑا گہرا رابطہ رکھتا ہے۔

پہلی آیت میں مومنوں کا ذکر ہے وہ جو ایمان لائے اور عمل صالح کئے۔ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنات فردوس بطور مہمانی کے عطا ہوں گی۔ وہ ہمیشہ ہمیش کے لئے ان میں رہیں گے اور

کبھی بھی ان سے الگ نہیں ہوں گے۔ یعنی اس کا معنی محض جسمانی طور پر الگ ہونا نہیں بلکہ کبھی ان سے اکتائیں گے نہیں، کبھی ان جنتوں سے ان کا پیٹ نہیں بھرے گا، ان کی نظر نہیں بھرے گی اور ہمیشہ ان میں ان کے لئے لذتوں کے سامان رہیں گے، ان جنتوں سے وہ چمٹے رہیں گے، نہ نکالے جائیں گے نہ خود نکلنا چاہیں گے۔

اس کے بعد خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے محمد! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو یہ اعلان کر دے کہ اگر میرے رب کے کلمات کو لکھنے کے لئے سمندر سیاہی بن جاتے تو سمندر تو خشک ہو جاتے لیکن میرے رب کے کلمات ختم نہیں ہو سکتے تھے خواہ ہم ان ختم ہوئے سمندروں کی مدد کے لئے ویسے ہی اور سمندر لے آتے۔ یہ ایک اور مضمون ہے۔

اور ایک تیسرا مضمون یہ ہے کہ اے محمد! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ بھی اعلان کر دے کہ میں بھی تو تمہارے ہی جیسا ایک بشر تھا، یعنی بشر ہوں بھی اس کا معنی ہے لیکن مضمون کے ایک پہلو کے لحاظ سے یہ ترجمہ زیادہ درست بنتا ہے کہ یہ اعلان کر دے کہ میں بھی تمہاری ہی طرح کا ایک بشر ہی تو تھا۔ اور دیکھو وحی نے میری کیسی کایا پلٹ دی۔ تم جیسے انسانوں میں سے نکلا اور خدا کی وحی کا مورد بن گیا اور کس عظیم الشان مقام تک جا پہنچا لیکن یہ فضل الٰہی صرف میری ذات پر نہیں ہر کسی کے لئے ایک کھلی دعوت ہے، ایک صلائے عام ہے لیکن پھر میرے جیسا بننا پڑے گا۔ جو کچھ میں نے کیا ہے تم بھی وہی کرو اور وہ کیا ہے اگر مجھے دیکھ کر تمہارے دل میں بھی تمنا پیدا ہوئی ہے کہ ہم بھی ان بلند مقامات کو حاصل کر سکتے، ہم بھی اپنے رب کی لقا کو پا جاتے تو پھر تم بھی عمل صالح کر کے دکھاؤ اور خدا کا کوئی شریک نہ ٹھہراؤ۔ یہ مضمون بھی ایک الگ مضمون ہے اور بظاہر ان تینوں مضامین میں کوئی تعلق نظر نہیں آ رہا لیکن ان تینوں میں سے جو مرکزی آیت ہے اس کے مضمون پر زیادہ گہری نظر ڈالی جائے تو پھر دائیں اور بائیں کی آیات کا مضمون خوب کھل کے سامنے آ جاتا ہے۔

قرآن کریم اللہ کے کلمات کا ذکر فرما رہا ہے کہ خدا کے کلمات کبھی ختم نہیں ہو سکتے اور اس سورۃ

کا تعلق عیسائیت کے رد کے ساتھ ہے خصوصاً اس کی پہلی آیات اور اس کی آخری آیات عیسائیت سے ہی تعلق رکھتی ہیں اور عیسائیت کے رد کے مختلف پہلو ان آیات میں بیان فرمائے گئے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قرآن کریم میں کلمہ کہا گیا گویا اس بات کی تصدیق کی گئی کہ وہ کلام تھا لیکن کلام کن معنوں میں تھا اس پر روشنی نہیں ڈالی گئی۔ عیسائی تو کلام ان معنوں میں لیتے ہیں کہ وہ ایک منفرد حیثیت تھی جو خدا کی خدائی میں شریک تھا اور وہی کلام تھا اس کے سوا کوئی کلام نہیں تھا۔ قرآن کریم میں ایک دوسری جگہ کہہ کر بات کو واضح فرما دیا کہ خدا کے بے شمار کلمات ہیں ان کلمات میں سے ایک کلمہ مسیح بھی تھا۔ اور خدا کے کلمات نہ ختم ہونے والے ہیں اور مختلف رنگ میں کلمات کا اطلاق کر کے قرآن کریم نے بتایا کہ کلمہ کا مضمون بہت ہی وسیع مضمون ہے۔ ہر کلام جو کسی نبی پر نازل ہوتا ہے وہ بھی کلمات پر مشتمل ہوتا ہے۔ ہر وہ نیک شخصیت جو اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑ لیتی ہے اور ثبات قدم اختیار کرتی ہے اس کی شاخیں آسمان تک دراز ہوتی ہیں اور وہ خدا سے فیض پا کر نئے نئے روحانیت کے پھل خود بھی کھاتی ہے اور دنیا کو بھی دیتی ہے، اس کو بھی کلمہ فرمایا گیا۔ تو سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ کلمہ اگر اس کو انسانی معنوں میں لیا جائے تو وہ ایک ہے دو ہیں یا تین ہیں یا کس حد تک کلمات ہیں، پہلے تھے اور اب عطا ہونے بند ہو گئے ہیں یا آئندہ بھی جاری رہیں گے اور اسی طرح کلمہ ہر کلام الٰہی کے ہر جزو پر بھی صادق آتا ہے اور اس کے ہر معنی پر بھی لفظ ''کلمہ'' صادق آتا ہے۔

کلام میں خصوصیت کے ساتھ قرآن کریم کا بھی ذکر ہے اور قرآن کریم کو تو ایک دوات نہ سہی دو یا تین دواتوں میں یا درجن سیاہی کی دواتوں میں لکھا جا سکتا ہے۔ تو پھر یہ کہنا کہ کلام الٰہی کو اگر لکھنا شروع کرو تو سمندر خشک ہو جائیں اور پھر اور سمندر ہم لے کر آئیں اور وہ بھی خشک ہو جائیں اور کلام الٰہی ختم نہیں ہوگا۔ کلمات الٰہی ختم نہیں ہوں گے۔ اس کے کیا معنی ہیں؟ اس کے معنی یہی بنتے ہیں کہ ہر کلمہ کے اندر بے انتہا کلمات ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نشانات ہیں اور وسیع مضامین ہیں۔ اگر مضامین کے اعتبار سے کھولا جائے تو لامتناہی کلمات ہو جاتے ہیں۔

توکلام الٰہی کے بعد انبیاء کی ذات بھی کلمات کہلاتی ہے اور صرف حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نہیں بلکہ ہر نبی ایک کلمہ تھا اور خدا کے تمام نیک بندے کلمات ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس آیت میں جن مومنین کا ذکر ہے کہ ان کو جنات الفردوس عطا ہوں گی وہ ہمیشہ ہمیش ان میں رہیں گے نہ وہ کبھی ان سے تھکیں گے، نہ کبھی ان کو خدا کی طرف سے باہر نکالا جائے گا۔ یہ وہی کلمات ہیں جن میں کچھ کلمات کی وضاحت اگلی آیات میں کی گئی ہے اور خوشخبری حضرت اقدس محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ دی جارہی ہے کہ عیسائی تو ایک کلمے کے اوپر فخر کررہے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ منفرد تھا، ہم نے مسیح کو تو کلمہ کہا لیکن تجھے ہم کلمہ گر بنا رہے ہیں۔ تجھ سے بے شمار کلمات وجود میں آئیں گے اور وہ سارے مومنین جن سے لامتناہی جنتوں کے وعدے کئے جارہے ہیں، نہ ختم ہونے والی جنتوں کے وعدے کئے جارہے ہیں، وہ سارے کلمات الٰہی ہوں گے جو تجھے نصیب ہوں گے۔ پس یہ اعلان کہ میرے رب کے کلمات کبھی ختم نہیں ہوسکتے۔ اس کثرت سے اللہ تعالیٰ تجھے کلمات طیبات عطا فرمائے گا کہ ان کا پیدا ہونا بھی ختم نہیں ہوگا اور ان میں سے ہر وجود کے اندر معانی کے سمندر ہوں گے اور نیکیوں اور تقویٰ کے سمندر ہوں گے۔

یہ کیوں ہے؟ اس لئے کہ حضرت اقدس محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کے نتیجہ میں ان کو یہ نصیب ہونا تھا۔ چنانچہ اس طرف توجہ مبذول فرمانے کی خاطر تیسری آیت میں یہ اعلان کروایا گیا ہے کہ کلمہ گر تو میں ہوں تمہارے جیسا ہی بشر تھا، تمہاری ہی طرح کا ایک عام انسان تھا مگر جب مجھ سے تعلق جوڑا جائے۔ جب تم میری پیروی کرو اور جیسے نیک اعمال میں نے کئے ہیں ویسے تم بھی کرنے لگو اور جیسا توحید کو میں نے مضبوطی سے تھام رکھا ہے اس طرح تم بھی توحید کے ساتھ چمٹ جاؤ تو پھر یہ وحی الٰہی کی نعمت جو کلمہ بناتی ہے وہ تمہیں بھی نصیب ہونی شروع ہوجائے گی اور میں اس نعمت کو محض اپنی ذات تک محدود کرنے کے لئے نہیں آیا۔ میں تو اس نعمت کی طرف متوجہ کرنے کے لئے آیا ہوں تاکہ مجھے دیکھو اور تم میں شوق پیدا ہو اور تم میں محبت پیدا ہو، اللہ تعالیٰ

کی ذات کے ساتھ تعلق کی تمنا پیدا ہوا اور اس کے نتیجے میں تم نیک اعمال کرو، میری پیروی کرو، میری طرح موحد بن جاؤ یعنی جس حد تک تمہارے لئے ممکن ہے اور پھر دیکھو کہ خدا کے کلمات لامتناہی ہیں اور یہ کلمات کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔ اس کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے جو نعمتوں کی عطا کا سلسلہ ہے یہ بند نہ ہونے والا سلسلہ ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے اس زمانے میں اسی آیت کے ایک زندہ نشان کے طور پر پیش فرمایا اور حضرت اقدس محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوت قدسیہ نے اس زمانے میں بھی اثر دکھایا اور اس زمانے میں بھی آپؐ کی قوت نے ایک کلمہ گر پیدا کر دیا اور وہ سلسلہ جو بظاہر بند ہوتا دکھائی دے رہا تھا وہ خدا تعالیٰ نے پھر جاری فرما دیا پھر اس مقدس صحبت کے نتیجے میں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے منعکس ہوئی پھر بہت سے کلمات پیدا ہونے شروع ہوئے۔ عظیم الشان صحابہ ہیں جن میں سے ہر ایک کا وجود ایک کلمہ کی حیثیت رکھتا ہے اور ہر ایک کا وجود اپنے اندر اتنی گہرائی رکھتا ہے کہ عام انسانی نظر اس گہرائی کو پا سکے یا نہ پا سکے لیکن حقیقت میں ان کے باطن میں جو لازوال حسن اللہ تعالیٰ کی محبت کا جھلک رہا ہے وہ ایک نہ ختم ہونے والا سمندر ہے اور بسا اوقات یہ باتیں باطن ہی میں مخفی رہتی ہیں اور دنیا کی نظر میں سوائے اس کے کہ کوئی مجبوراً خدا تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیا گیا ہو اور مجبور ہو اظہار پر ورنہ اکثر ایسے لوگ خاموشی کے ساتھ آتے بھی ہیں اور گزر بھی جاتے ہیں اور انسانوں کی نگاہوں کا مرکز بھی نہیں بنتے اور یہ سلسلہ دیگر کلمات کے علاوہ اپنی ذات میں نہ ختم ہونے والا ایک سلسلہ ہے۔

مکرم ومحترم حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب جن کا وصال یکم ستمبر کو ہوا۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ آپ بھی اللہ تعالیٰ کے کلمات میں سے ایک کلمہ تھے اور ایک عظیم الشان مقام خدا تعالیٰ کی طرف سے آپ کو تقویٰ کا نصیب ہوا۔ جب میں یہ کہتا ہوں تو میں اس رنگ میں کہتا ہوں کہ گویا یہ میری دعا ہے اور جب خدا کے مومن بندوں کو اپنے فوت شدہ احباب اور بزرگوں کا ذکر خیر کرنے

کا حکم ہوتا ہے تو وہ بھی فتوے کے رنگ میں نہیں بلکہ دعا کے رنگ میں۔

کیونکہ جہاں تک آخری فیصلے کا تعلق ہے نیکی اور تقویٰ کا فیصلہ کرنا صرف خدا کا کام ہے۔ وہی عالم الغیب ہے، وہی عالم الشہادۃ ہے۔ وہ فرماتا ہے (النجم: 33) کہ تم نہ اپنے آپ کو متقی گردانا کرو نہ اپنے ساتھیوں اور احباب کے متعلق فتوے دیا کرو کہ وہ یقیناً متقی ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم ان کا خیر کے ساتھ ذکر کیا کرو، حسن ظن کے ساتھ ذکر کیا کرو۔ تو ان دونوں میں تضاد تو کوئی نہیں ہوسکتا۔ کلام الٰہی اور حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں کوئی تضاد نہیں۔ مراد صرف یہ ہے کہ اپنے بھائیوں، اپنے بزرگوں، اپنے دوستوں کا حسن ظن کے ساتھ ذکر کرو، خیر کے ساتھ ذکر کرو۔ ان معنوں میں کہ تم اللہ تعالیٰ سے یہ امید رکھتے ہو کہ ان کے بارے میں تمہارے اندازے سچ ہوں گے۔ اور اگر وہ سچ نہ بھی ہوں تو ان کے لئے مجسم دعا بن جاؤ اور اس طرح ذکر کرو کہ خدا تعالیٰ کی رحمت کی نظر پڑے اور تمہارے حسن ظن کو ان کی ذات میں سچا کر دکھائے۔

پس جب میں یہ کہتا ہوں کہ میں یقین رکھتا ہوں تو ایک دعا کے رنگ میں کہتا ہوں، جہاں تک میرا علم ہے اس علم کے اظہار کے طور پر کہتا ہوں۔ لیکن فتویٰ دینے کا نہ مجھے حق ہے نہ آپ کو حق ہے لیکن جہاں تک انسانی نظر کام کرتی ہے جہاں تک دور سے میں نے ان کی ذات کو دیکھا اور قریب سے ان کی ذات کو دیکھا، اس ذات کے متعلق علم حاصل کیا جو میری پیدائش سے پہلے بھی موجود تھی اور زندگی کا ایک بڑا حصہ گزار چکی تھی اور اس ذات کے متعلق بھی غور کیا جس نے میری زندگی کا وہ حصہ پایا جو ہوش کا زمانہ کہلاتا ہے اور علمی لحاظ سے بھی آپ کا جائزہ لیا، آپ کی کتب کا مطالعہ بھی کیا، آپ کے متعلق لکھنے والوں کی تحریروں کا بھی جائزہ لیا، آپ کے متعلق خدا تعالیٰ کے بندوں کے تاثرات کو بھی سنا اور بعض دفعہ آپ کی ایسی خوبیوں میں جھانکنے کا بھی موقع ملا جو عموماً لوگوں کی نظر سے پوشیدہ رہتی ہیں، خط و کتابت کا بھی موقع ملا اور ایسی حالت میں ان کو دیکھا جب کہ عموماً

انسان نظروں سے تو شرماتا ہے لیکن خط لکھتے وقت اپنی اندرونی کیفیات کو خود ظاہر کر دیا کرتا ہے تو ان سب جائزوں کے بعد میں یہ یقین رکھتا ہوں اور میں اس یقین کو خدا کے حضور ایک عاجزانہ عرض کے طور پیش کرتا ہوں کہ وہ ہمارے اس یقین کو سچا کر دکھائے کہ یہ ہمارے بہت ہی پیارے وجود، بہت ہی بزرگ ساتھی جو چند دن ہوئے ہمیں حزیں بنا کے رخصت ہوئے ہیں، یہ اللہ کی نظر میں بھی متقی ٹھہریں خدا کی بھی محبت اور پیار کی نظر ان پر پڑ رہی ہو یہ اپنے رب کے حضور حاضر ہوئے ہوں۔

آپ بھی قرآن کریم کی اس آیت کے مصداق اور ان تمام غلامانِ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گروہ کے جو اپنی اپنی جگہ یہ گواہی دیتے رہے کہ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقیناً کلمہ گر تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو نور پایا جو فیض آپ کو عطا ہوا وہ بھی حضرت اقدس محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت اور برکت کے نتیجے میں ہوا اور آپ کو بھی اسی فیض سے سیراب ہو کر آگے جاری کرنے پر مامور فرمایا گیا اس لحاظ سے نیابت رسول میں آپ بھی کلمہ گر بنائے گئے اور چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کو جو فیوض عطا ہوئے ان میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کے نشان جھلکتے ہیں اور اس بات کا سب سے بڑھ کر آپ کو احساس تھا اتنا شدید احساس تھا کہ وہ احساس ہر وقت ذہن پہ حاضر رہتا تھا۔

میں نے مختلف حیثیتوں سے آپ کا جائزہ لے کر دیکھا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ عشق اس احسان کے احساس کے ساتھ کہ میری زندگی کی کایا پلٹ دی ہے ہر وقت آپ کے ذہن پر سوار رہتا تھا۔ یہ انگلستان کی بات ہے کہ برمنگھم میں ایک دفعہ BBC1 کے نمائندے نے انٹرویو لیتے ہوئے اچانک آپ سے سوال کیا کہ آپ کی زندگی کا سب سے بڑا واقعہ کیا ہے؟ بے تکلف سوچنے کے لئے ذرہ بھی تردد نہ کرتے ہوئے آپ نے فوراً یہ جواب دیا کہ میری زندگی کا سب سے بڑا واقعہ وہ تھا جب میں اپنی والدہ کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کے مبارک چہرہ پر نظر ڈالی اور آپ کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ تھما دیا۔ اس دن کے بعد پھر آپ نے وہ ہاتھ کبھی واپس نہیں لیا، مسلسل ہاتھ تھمائے رکھا ہے اور جو عظمتیں بھی آپ کو ملی ہیں اس وفا کے نتیجے میں ملی ہیں، اس استقلال کے نتیجے میں ملی ہیں، نیکی پر صبر اختیار کرنے کے نتیجے میں ملی ہیں۔ تو دیا ہوا ہاتھ تھا پھر کبھی واپس نہیں آیا۔ ہمیشہ اپنے آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تابع فرمان کے طور پر زندہ رکھا۔ ہر میدان میں، ہر علم کے میدان میں، ہر جدوجہد کے میدان میں، ہر اندرونی تجربے کے میدان میں آپ پر یہ احساس غالب رہا کہ میں نے ایک اللہ کے مامور کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیا ہے اور جہاں تک میرا بس ہے، جہاں تک میرے اندر خدا کی طرف سے توفیق عطا ہوتی ہے میں اس کے تقاضے پورا کرتا رہوں گا اور خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ نہایت ہی عمدگی کے ساتھ نہایت ہی اہلیت کے ساتھ ان تقاضوں کو پورا کیا اور آپ کے حق میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ پیشگوئی پوری ہوئی جو بار بار اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی اور اس بار بار عطا ہونے میں بھی ایک کثرت کا نشان تھا جو آپ کو دیا گیا۔ فرماتے ہیں:

’’خدا تعالیٰ نے مجھے بار بار خبر دی ہے کہ وہ مجھے بہت عظمت دے گا اور میری محبت دلوں میں بٹھائے گا اور میرے سلسلہ کو تمام دنیا میں پھیلائے گا اور سب فرقوں پر میرے فرقہ کو غالب کرے گا اور میرے فرقہ کے لوگ اس قدر علم اور معرفت میں کمال حاصل کریں گے کہ اپنے سچائی کے نور اور اپنے دلائل اور نشانوں کی رو سے سب کا منہ بند کر دیں گے اور ہر ایک قوم اس چشمہ سے پانی پیئے گی اور یہ سلسلہ زور سے بڑھے گا اور پھولے گا یہاں تک کہ زمین پر محیط ہو جاوے گا۔ بہت سی روکیں پیدا ہوں گی اور ابتلاء آئیں گے مگر خدا سب کو درمیان سے اٹھا دے گا اور اپنے وعدہ کو پورا کرے گا اور خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ میں تجھے برکت پر برکت دوں گا یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے‘‘۔ (تجلیاتِ الٰہیہ، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 409)

یہ پیشگوئی مختلف رنگ میں مختلف وجودوں کی شکل میں پوری ہوتی رہی ہے مگر چوہدری ظفراللہ خان صاحب مرحوم کو خصوصیت کے ساتھ ظاہری طور پر بھی اس کو پورا کرنے کا اس رنگ میں موقع ملا کہ آپ نے اپنی سچائی کے نور اور اپنے دلائل اور نشانوں کی رو سے بسا اوقات سب کے منہ بند کر دیئے۔ سیاست کے میدان میں بھی، وکالت کے میدان میں بھی اور تبلیغ کے میدان میں بھی۔ ایسی عمدہ نمائندگی کی توفیق آپ کو عطا ہوئی کہ اپنے تو اپنے دشمن بھی بے ساختہ پکار اٹھے کہ اس بطل جلیل نے بلا شبہ غیروں کے منہ بند کر دیئے ہیں۔

مذہبی دنیا میں جو آپ کو تبلیغ کے علاوہ خدمت کی توفیق ملی اس میں جماعت کے بہت سے اہم مقدمات کو آپ نے اس عمدگی کے ساتھ چلایا، اس عمدگی کے ساتھ ان کی پیروی کی کہ بسا اوقات ایسے مشکل مقدمات تھے جن سے نکلنا ممکن نظر نہیں آتا تھا۔ گویا بعض موقعوں پر جماعت کے بعض افراد یوں لگتا تھا کہ مقدمے کے چنگل میں پھنس چکے ہیں لیکن بڑی حکمت، بڑی فصاحت و بلاغت بڑی قابلیت کے ساتھ آپ نے نمائندگی کے حق ادا کئے اور اس میدان میں عظیم الشان سہرے جیتے ہیں۔ پھر سیاست کی دنیا میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو عظیم خدمات سرانجام دینے کا موقع عطا فرمایا اور ہندوستان کی جو وکالت آپ نے انگریزی حکومت کے سامنے کی ہے وہ بھی تاریخ میں ہمیشہ سنہری حرفوں سے لکھی جائے گی اور کوئی مورخ جو تقویٰ اور دیانت سے کچھ بھی حصہ پا چکا ہو وہ چوہدری ظفراللہ خان صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ان خدمات کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ گول میز کانفرنس میں، اس کے علاوہ بہت سے مواقع آئے میں نے لسٹ تیار کروائی تو بہت لمبی ہو گئی تھی۔ اس لئے یہ تو اس چھوٹے سے خطبہ میں ممکن نہیں ہے۔ چوہدری صاحب کی ایک وسیع اور طویل اور بھرپور زندگی کے سارے پہلوؤں کا ذکر کر دیا جائے۔ میں تو ضمناً چند باتیں بیان کر رہا ہوں جو آپ کو دعا کی تحریک کے طور پر اور اس تحریص کے طور پر یاد دلا رہا ہوں کہ آپ میں سے بھی ویسے پیدا ہوں۔

میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جن آیات کی میں نے تلاوت کی ہے ان آیات میں لا متناہی ترقی کے رستے کھولے گئے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس سے بڑھ کر کوئی وجود متصور ہو ہی نہیں سکتا اور فرمایا اپنا ذکر کرنے کے بعد یہ بتا کر کہ خدا تم پر وحی نازل فرما رہا ہے سب کو صلائے عام دے دو اور کہہ دو کہ اب تم میں ہمت ہے تو آؤ ان رستوں کو اختیار کرو جن پر میں دوڑا تھا اور آؤ اور مجھے پکڑ کے دکھاؤ اور آؤ اور میری پیروی کر کے دکھاؤ اور یہ لا متناہی رستے ہیں کوئی روک نہیں ہے۔ کوئی مصنوعی حدیں ایسی نہیں ہیں جو تمہارے لئے حد فاصل ثابت ہوں اس لئے دوڑنے کی تمہیں اجازت ہے اور دوڑنے کی تمہیں دعوت ہے۔

لیکن ترقیوں کے لئے ان رستوں پر چلنا پڑے گا جو حضرت محمد مصطفی ﷺ نے طے کر کے دکھائے ہیں۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بڑھنے کی بھی کھلی اجازت ہے اور حد امکان کے لحاظ سے کوئی روک نہیں ہے اگرچہ یہ بھی بڑی وضاحت کے ساتھ لکھا گیا ہے کہ کبھی ایسا ممکن نہیں ہوگا کہ کوئی شخص آنحضور ﷺ کے پیچھے چلتے ہوئے آپ سے آگے نکل جائے لیکن روکا نہیں گیا بلکہ بلایا گیا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے مقام کے آخری ہونے کو مایوسی کے لئے استعمال نہیں فرمایا بلکہ دعوت عام کے طور پر استعمال کیا ہے، تحریص کے طور پر استعمال فرمایا ہے۔ تو آپ سے ادنیٰ جتنے بھی بندے ہیں ان کے رستوں پر چل کر ان سے آگے نکلنے کے تو امکان بھی موجود ہیں۔ تو امت محمدیہ کو کتنی عظیم خوشخبری دے دی گئی کہ اگر حضرت محمد مصطفی ﷺ کی عظمت بھی تمہیں ان رستوں پر دوڑ کر جدوجہد سے روک نہیں رہی تو چھوٹے چھوٹے، ادنیٰ، ادنیٰ غلام اس کے ان کو تم کیسے آخری سمجھو گے، کیسے تم مایوس ہو جاؤ گے کہ یہ اتنی بلندیوں تک جا پہنچے ہیں کہ ہم آگے نہیں بڑھ سکتے۔ فرمایا یہ کھلا ہوا رستہ ہے اور جہاں تک کلمات بننے کا تعلق ہے محمد مصطفی ﷺ چند کلمات بنانے نہیں آئے تھے۔ ایک یا دو یا تین یا چار یا دس عشرہ مبشرہ دے کر چلے جانے والے وجود نہیں تھے جو کلمات آپ ؐ کو عطا کرنے کی صلاحیت بخشی گئی ہے اگر تم اپنے حصہ کے حق ادا کرتے

رہو تو یہ صلاحیت لامحدود ہے۔

کہ اے محمدؐ! یہ اعلان کر کہ میرے رب کے کلمات جو مجھے عطا کئے جا رہے ہیں میرے رب کے کلمات اتنے وسیع ہیں یعنی خدا تعالیٰ کی طاقتیں اتنی لامحدود ہیں، یہاں کلمات کے معنی طاقتیں بھی بن جاتا ہے، خدا کے پاس ایسے لامحدود خزانے ہیں کہ اگر تم لینے والے بنو تو وہ خزانے کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔ گویا لامتناہی ترقیات کے رستے تمہارے لئے کھلے ہیں۔

تو میں اس لئے ذکر کر رہا ہوں کہ جہاں ایک طرف آپ کے دل میں دعا کی تحریک پیدا ہو وہاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس پیشگوئی پر نظر کرتے ہوئے جو میں نے پڑھ کے سنائی ہے۔ اور اس منبع فیض کی طرف نگاہ دوڑاتے ہوئے جنہیں خدا تعالیٰ نے محمدؐ کا نام آسمان سے عطا فرمایا تھا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس مبداء فیض کی طرف نگاہ کرتے ہوئے جسے قرآن کریم کہا جاتا ہے اور جس کے کلمات بھی نہ ختم ہونے والے ہیں آپ مایوسی کا کوئی خیال دل میں نہ آنے دیں۔

یہ وہم دل سے نکال دیں کہ ایک ظفر اللہ خان ہمیں چھوڑ کر جا رہا ہے تو آئندہ کے لئے ظفر اللہ خان پیدا ہونے کے رستے بند ہو گئے ہیں۔ بکثرت اور بار بار حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایسی عظیم الشان غلاموں کی خوشخبریاں دی گئی ہیں جو ہمیشہ آتے چلے جائیں گے اور ایک گزرے گا تو دوسرا اس کی جگہ لینے کے لئے آگے بڑھے گا۔ آپ اپنی ہمتوں کو بلند کریں۔ ان تقویٰ کی راہوں کو اختیار کریں جو حضرت چوہدری صاحب اختیار کرتے رہے، ان وفا کی خصلتوں سے مزین ہوں جن سے وہ خوب مزین تھے، وہ صبر اور وہ ہمت پیدا کریں جو آپ کی ذات کے خاصہ تھے اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور پیار میں اسی طرح رنگین ہو جائیں بلکہ اس سے بڑھ کر رنگین ہونے کی کوشش کریں جس طرح چوہدری صاحب کو اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کے خاص رنگ عطا فرمائے تھے۔ جماعت کے لئے تو ترقی کے کوئی رستے بند نہیں ہو سکتے۔ کسی ایک وصال کے بعد کوئی نہیں جو یہ کہہ

سکے کہ اب آئندہ ایسا پیدا نہیں ہوگا۔ وہ ایک ہی تھا جس جیسا پیدا نہیں ہوا نہ ہوسکتا ہے نہ ہوگا اور وہ ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں لیکن ایک ہونے کے باوجود لا متناہی کلمات پیدا کرنے کی صفات آپ کو بخشی گئی ہیں۔ پس ان کلمات میں سے آپ بھی تو بننے کی کوشش کریں۔

چوہدری صاحب کی ذات کے جو مختلف پہلو میں بیان کرنے چاہتا تھا وہ اتنے زیادہ وسیع نکلے کہ پھر مجھے ان میں سے بھی چند کا انتخاب کرنا پڑا اور جو چند کا انتخاب کیا ہے وہ بھی پوری طرح غالباً اس چھوٹی سی مجلس میں بیان ہو نہیں سکتے۔ آپ کو ایسی خدا تعالیٰ نے عظمت عطا فرمائی تھی کہ جتنے بھی منصب آپ کو ملتے تھے وہ منصب ہمیشہ آپ سے چھوٹے نظر آتے تھے اور وہ منصب کبھی آپ کو چھوٹا نہیں دکھا سکے۔ آپ کی ذات میں حوصلہ تھا، وسعت تھی اور کسی منصب پر بیٹھ کے یہ نہیں لگتا تھا کہ اس منصب نے آپ کو اونچا کر دیا ہے بلکہ حقیقت میں آپ ہمیشہ ان مناصب کو اونچا کرتے رہے۔ ان کے معیار کو بڑھاتے رہے، یہاں تک کہ وہ منصب جب آپ نے چھوڑے تو پہلے سے زیادہ بلند مقام پر دکھائی دیا کرتے تھے اور یہ خصوصیت عجز کے نتیجہ میں انسان کو عطا ہوا کرتی ہے۔

اگر گہری نظر سے آپ غور کریں تو عجز اور حوصلہ کی وسعت ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ ایک جاہل اور کم فہم سرسری نگاہ رکھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ سر اونچا کرنے کے نتیجہ میں بلندیاں بھی عطا ہوتی ہیں اور وسعتیں بھی عطا ہوتی ہیں لیکن فطرت انسانی سے واقفیت رکھنے والا جس نے قرآن کریم سے فطرت انسانی کے راز سیکھے ہوں وہ اس حقیقت کو خوب جانتا ہے کہ عجز ہی میں بلندی ہے اور عجز ہی میں وسعتیں ہیں اور یہ دونوں مضامین روزانہ پانچ وقت کی نماز کی ہر رکعت ہمیں بتاتی ہے۔ پہلے عجز کا اظہار ہم رکوع کی صورت میں کرتے ہیں اور وہاں سبحان ربی العظیم پڑھتے ہیں یعنی وسعتوں کی طرف خدا تعالیٰ ہمارے ذہن کو منتقل فرما دیتا ہے کہ تم جھکے ہو تو تمہیں وسعتیں نصیب ہوں گی کیونکہ

رب عظیم کے سامنے تم جھکے ہو اور دوسری حرکت جو ہم انکسار کی طرف کرتے ہیں جو ان حرکتوں کا وہ منتہا ہے سجدے کی حرکت ہے۔ اور وہاں خدا تعالیٰ ہمیں یہ سکھاتا ہے **سبحان ربی الاعلیٰ**۔ **سبحان ربی الاعلیٰ** تم جھکے ہو تو بلندیوں کی طرف جھکے ہو کیونکہ رب الاعلیٰ کی طرف جھکے ہو۔

چوہدری ظفراللہ خان صاحب عملاً ان دونوں باتوں سے، ان دونوں رازوں سے خوب واقف تھے۔ چنانچہ ان کی عظمتیں اور ان کی رفعتیں دونوں ان کو عجز کے نتیجے میں نصیب ہوئیں اور بے پناہ ان کے اندر خدمت دین کا جذبہ تھا اور کوئی دنیا کا منصب اس سے ان کو روک نہیں سکتا تھا۔ اور دنیا کے منصب کے نتیجے میں وہ اپنے آپ کو کبھی ایسا بلند سمجھتے ہی نہیں تھے کیونکہ ہمیشہ منصب دنیاوی ان کو چھوٹا نظر آیا کرتا تھا کہ اس کے مقابل پر دین کی خدمت نسبتاً ادنیٰ نظر آئے۔ یعنی وہ عجز جو عارف باللہ کا عجز ہوتا ہے، وہ عجز ہے جس کی بات میں کر رہا ہوں۔ چنانچہ دین کی خدمت میں آپ اپنی بلندی دیکھتے تھے، دین کی خدمت میں ہی آپ کی ساری عظمتیں تھیں۔

چنانچہ ہندوستان کی تاریخ کا ایک عجیب واقعہ ہے کہ 941ء میں آپ کو جب فیڈرل کورٹ آف جسٹس انڈیا کا جج مقرر کیا گیا ہے تو اسی زمانے میں حضرت مصلح موعود نے تحریک کی تھی کہ مضافات قادیان (اردگرد جو دیہات ہیں) ان میں تبلیغ کے لئے لوگ اپنے آپ کو پیش کریں تو فیڈرل کورٹ کا جسٹس 41ء اور 42ء میں اردگرد دیہات میں تبلیغ کے لئے باقی سب مبلغین کے ساتھ مل کے جایا کرتا تھا اور ایک لحظہ کے لئے بھی اس کو خیال نہیں آیا کہ میری اتنی بڑی شان ہے، میرا اتنا بڑا مقام ہے، کوئی دیکھے گا یا سنے گا تو کیا کہے گا یہ کیا کر رہا ہے۔ یعنی چھوٹے چھوٹے گاؤں ڈپئی اور بھینی اور اٹھوال اور بے شمار چھوٹے چھوٹے گاؤں تھے جن میں ایک عام خادم احمدیت کے طور پر شامل ہوا کرتے تھے اور فخر کے ساتھ، اس احساس کے ساتھ کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے سعادت نصیب ہو رہی ہے اور یہ تمنا محض ایسی خدمات کے لئے نہیں تھی جو عام حالات میں سہولت کے ساتھ ادا ہو سکتی ہے بلکہ نہایت خطرناک خدمات کے لئے بھی اسی قسم کی تمنا آپ

کے دل میں تڑپا کرتی تھی۔

جب کابل میں 1924ء میں حضرت نعمت اللہ خان صاحب کو شہید کیا گیا تو حضرت مصلح موعودؓ نے ان لوگوں کے نام طلب کئے جو تمام خطرات کو اچھی طرح بھانپتے ہوئے پھر وہ اس بات کا عہد کریں کہ وہ کابل میں جائیں گے اور ایک شہید کی بجائے وہ لوگ خدمات سرانجام دیں گے جو وہ شہید شہادت کی بنا پر مزید سرانجام نہیں دے سکا اور اس سلسلے کو ٹوٹنے نہیں دیں گے۔ یہ تھی اس کی روح اور جو نام پیش ہوئے اس وقت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ لاہور کے امیر تھے، نام پیش ہونے والوں میں سب سے پہلا آپ کا نام ہے جو الفضل میں شائع ہوا۔

اس نام کو پیش کرتے ہوئے آپ نے حضرت مصلح موعود کی خدمت میں جو خط لکھا ہے وہ خط ایسا خط ہے چونکہ وہ اپنے امام کو لکھ رہے تھے اس لئے باوجود طبیعت کی روکوں کے جن کا خود ذکر کر رہے ہیں نسبتاً زیادہ آسانی کے ساتھ کھل کر اپنی قلبی کیفیات کو ظاہر کر سکتے تھے۔ ایسے موقع پر آپ کی ذات کے اندر جھانکنے کا موقع ملتا ہے۔ تقویٰ کی کن راہوں سے آپ گزر رہے تھے؟ کیا آپ کے قلبی جذبات اور کیا آپ کی کیفیات تھیں؟ جب آپ نے اپنے نام کو پیش کیا ہے اور کس طرح پھر تنقیدی نظر ڈالی ہے اپنی زندگی پر، اپنی اندرونی کیفیات پر تجزیہ کیا ہے اس خوف کیساتھ کہ کہیں میں ریاکاری کا مظاہرہ تو نہیں کر رہا۔ یہ ساری باتیں اس خط سے آپ کو نظر آئیں گی یعنی اس خط کے آئینے میں آپ کو نظر آئیں گی۔

وہ لکھتے ہیں: ”سیدنا و امامنا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ میری زندگی آج تک ایسی ہی گزری ہے کہ سوائے اندوہ وندامت کے اور کچھ حاصل نہیں“۔

بڑی کامیاب زندگی آپ گزار رہے تھے سیاست میں بھی آپ کو دخل ہو چکا تھا، آپ کی قابلیت کا شہرہ ہندوستان میں بھی پھیل رہا تھا اور ہندوستان کے مسلمان باشعور حلقوں کی نگاہیں آپ کی طرف اٹھ رہیں تھیں اس ساری زندگی میں سے گذرتے ہوئے جو ماحصل تھا آپ کے اپنے

ذاتی تجزیہ کا اپنے آپ کو کس مقام پر دیکھ رہے تھے اس کا اظہار ہوتا ہے

’’سوائے اندوہ وندامت کے اور کچھ حاصل نہیں۔ میں اکثر غور کرتا ہوں کہ یہ بھی کوئی زندگی ہے کہ سوائے روزی کمانے کے کسی اور کام کی فرصت نہ ملے‘‘۔

حالانکہ امارت لاہور کے بھی بھرپور فرائض سرانجام دے رہے تھے اس وقت۔

’’اور دنیا کے دھندوں میں پھنسا ہوا انسان طرح طرح کے گناہوں میں مبتلا رہے آج یہ ایک خوش قسمت کہ محبوب حقیقی کے ساتھ وصال کی خبر آئی تو جہاں دل میں ایک شدید درد پیدا ہوا وہاں یہ بھی تحریک ہوئی کہ تمہارے لئے یہ موقع ہے کہ اپنی ناکارہ زندگی کو کسی کام میں لاؤ اور اپنے تئیں افغانستان کی سرزمین میں حق کی خدمت کے لئے پیش کرو۔ پھر میں اچانک رکا کہ کیا یہ محض میرے نفس کی خواہش نمائش تو نہیں کہ اس یقین پر کہ مجھے نہیں بھیجا جائے گا اپنے تئیں پیش کرتا ہوں اور میں نے اپنے ذہن میں ان مصائب اور مشکلات کا اندازہ کیا جو اس رستے میں پیش آئیں گی اور اپنے تئیں سمجھایا کہ فوری شہادت ایک ایسی سعادت ہے جو ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتی اور کیا تم محض اس لئے اپنے تئیں پیش کرتے ہو کہ جاتے ہی شہادت کا درجہ حاصل کرو اور دنیا کے افکار سے نجات حاصل کرلو۔ یا تمہارے اندر یہ ہمت ہے کہ ایک لمبا عرصہ زندہ رہ کر ہر روز اللہ تعالیٰ کے رستے میں جان دو اور متواتر شہادت سے منہ نہ موڑو۔ حضور انور میں کمزور ہوں، سست ہوں، آرام طلب ہوں لیکن غور کے بعد میرے نفس نے یہی جواب دیا ہے کہ میں نمائش کے لئے نہیں، فوری شہادت کے لئے نہیں، دنیا کے افکار سے نجات کے لئے نہیں بلکہ گناہوں کے لئے توبہ کا موقع میسر کرنے کے لئے، اپنی عاقبت کے لئے ذخیرہ جمع کرنے کے لئے، اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے اپنے تئیں اس خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ اگر مجھ جیسے نابکار گنہگار سے اللہ تعالیٰ یہ خدمت لے اور مجھے یہ توفیق عطا فرمائے کہ میں اپنی زندگی کے بقیہ ایام اس کی رضا کے حصول میں صرف کردوں تو اس سے بڑھ کر میں کسی نعمت اور کسی خوشی کا طلب گار نہیں۔ حضور میں مضمون نویس

نہیں اور حضور کی بارگاہ میں تو نہ زبان یارا دیتی ہے نہ قلم جیسے کسی نے کہا ہے

بے زبانی ترجمان شوق بے حد ہو تو ہو
ورنہ پیش یار کام آتی ہیں تقریریں کہیں

اس لئے اسی پر بس کرتا ہوں کہ جس وقت حضور حکم فرماویں افغانستان کو روانہ ہونے کے لئے تیار ہوں اور فقط حضور کی دعاؤں اور اللہ کی رضا کا طلبگار ہوں۔ والسلام حضور کا ادنیٰ ترین غلام۔ خاکسار ظفر اللہ خان 8 / نومبر 1924ء۔"

یہ آپ کا انکسار تھا یہ آپ کا جذبہ خدمت تھا اور اللہ کی ذات کے ساتھ محبت تھی، دراصل خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا خوف کہ جو آپ کے سر پہ سوار رہا کرتا تھا اور خدا تعالیٰ کے پیار کے حصول کی خواہش یہ وہ دو جذبات تھے جو چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کو ساری عمر ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف رواں دواں رکھتے رہے۔ یہ وہ قوت تھی جس سے آپ نے تمام عمر حرکت حاصل کی ہے۔ توانائی کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی محبت تھی اور یہ سرچشمہ جس کو نصیب ہو جائے اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے لامتناہی نعمتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں اور ہر قدم پر خدا تعالیٰ کی طرف سے راہنمائی نصیب ہوتی ہے۔ اللہ کا خوف ان معنوں میں کہ خدا کی محبت سے محروم ہونے کا خطرہ اور اللہ تعالیٰ کی محبت کی حرص ان معنوں میں کہ کچھ ایسے کام کرنے کی توفیق ملے کہ اللہ تعالیٰ محبت اور پیار سے ہمیں دیکھنے لگے۔ یہ دو بنیادی قوتیں ہیں جن سے مومن کو ہر ترقی نصیب ہوتی ہے اس کی دعائیں بھی اسی زور کے ساتھ اوپر اونچی بلند ہوا کرتی ہیں، اس کے کاموں کو رفعتیں ملتی ہیں، اس کی کوششوں کو پھل نصیب ہوتے ہیں۔ خطرات سے وہ بچایا جاتا ہے اور غیر معمولی تائید الٰہی کے نشان اس کو عطا کئے جاتے ہیں اور خدا کی راہ میں قربانی کے جو مختلف مظاہر ہیں خواہ اس کا نام آپ چندہ رکھ لیں، خواہ اس کا نام وقت کی خدمت، جان کی قربانی، عزت کی قربانی۔ یہی دو جذبے ہیں حقیقت میں جن کا نام تقویٰ ہے اور اسی تقویٰ سے یہ ساری نیکیاں پیدا ہوتی ہیں تبھی حضرت مسیح موعود علیہ

الصلوٰۃ والسلام کو خدا تعالیٰ نے الہاماً بتایا ’’اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے‘‘۔

(اخبار الحکم 31/اگست 1901ء، ملفوظات جلد 1 صفحہ 536)

آپ نے ایک شعر کہنے کے لئے ایک مصرعہ کہا کہ ہر اک نیکی کی جڑ یہ اتقا ہے۔ ایسا پیارا معرفت کا نقطہ تھا ابھی آپ دوسرا مصرع کہہ نہیں پائے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دوسرا مصرعہ الہام ہوا ’’اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے‘‘۔

تو جہاں تک میں نے جائزہ لیا ہے چوہدری ظفر اللہ خان صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تقویٰ کی جڑ سے ساری عمر اس طرح چمٹے رہے ہیں کہ (ابراہیم :25) کا مضمون دکھائی دیتا تھا۔ جڑوں کے لحاظ سے مضبوط تھے، ثابت قدم تھے، وفادار تھے۔ جو بات کہی اس پر قائم رہے۔ طبیعت میں کوئی دوغلہ پن نہیں تھا، زبان سے کچھ اور عمل سے کچھ اور، اس قسم کے تضاد کا آپ کی ذات میں کلیۃً فقدان تھا۔

چنانچہ اس کے بعد جو آپ کو خدمات کی توفیق ملی ہے وہ اس کا ایک طبعی نتیجہ تھا اس کو کسی اور جستجو کی ضرورت نہیں رہتی جس کو یہ دو چیزیں نصیب ہو جائیں یعنی تقویٰ کا یہ ماحصل مل جائے کہ خدا کی محبت کھونے کا خوف اور اس کی محبت حاصل کرنے کی تمنا اس کے لئے باقی سب چیزیں آسان ہو جاتی ہیں۔ باہر سے دیکھنے والوں کو لگتا ہے کہ بڑی قربانی ہو رہی ہے، بڑا زور مار رہا ہے، قدم قدم پہ اس کی تمناؤں کا خون ہو رہا ہے، مصیبتوں اور دکھوں میں مبتلا ہے لیکن ایسا انسان اندرونی کیفیت خود جانتا ہے کہ بس وہ پہلی دو چیزیں تھیں جو مشکل تھیں۔ فی الحقیقت تقویٰ کے مفہوم کو سمجھ کر اس سے چمٹ رہنا یہ ہے سب سے مشکل مقام بعد میں پھر سب منازل آسان ہو جاتی ہیں۔

حیرت انگیز زندگی ہے اتنی بھرپور ہے کہ چند دن ہوئے ہیں ایک MP ملنے کے لئے آئے، چوہدری صاحب کا افسوس کر رہے تھے۔ تو میں نے ان سے کہا کہ آپ تو ایک ذات کا افسوس کر رہے ہیں۔ وہ تو ایک ذات کے طور پر زندہ نہیں رہے، ان کے اندر تو کئی شخصیتیں زندہ

تھیں بیک وقت انہوں نے بہت سی زندگیاں گزاریں ہیں اور پھر خدا کے فضل سے لمبے عرصہ تک مسلسل کئی شخصیتیں ان کے اندر بھرپور زندگی گزارتی رہی ہیں۔ لوگ ان کو ایک خشک سیاست دان کے طور پر بھی دیکھتے رہے اور ساری عمر یہی سمجھتے رہے اور اس لحاظ سے بھی وہ سمجھتے تھے کہ انہوں نے بھرپور زندگی گزاری ہے لیکن کچھ لوگوں نے ان کو ایک صاحب دل کے طور پر، ایک نہایت ہی نازک جذبات رکھنے والے انسان کے طور پر بھی دیکھا، ایسا انسان جس کے اندر یہ طاقت نہیں تھی کہ کسی غریب کا دکھ برداشت کر سکے۔ جس کے حوصلے بلند ہونے کے باوجود یہ حوصلہ نہیں تھا کہ انسانیت کو سسکتا ہوا دیکھے اور بے حسی سے گزر جائے۔ ان پہلوؤں سے حوصلے کا قد بہت ہی چھوٹا تھا بلکہ زمین کے ساتھ بچھا ہوا تھا اور روحانی اصطلاح میں اور اسلامی اصطلاح میں عجز کے ایک یہ بھی معنی ہیں کہ جہاں تک دنیا کے دکھوں کا تعلق ہے ان کے احساس کے لحاظ سے اپنے حوصلوں کو پست کر دو تا کہ تم بھی رحمت للعالمین بن سکو۔ اس جہت میں جتنی بھی نیکیاں عطا ہوتی ہیں وہ اس قسم کے حوصلوں کی پستی سے عطا ہوتی ہیں۔

چنانچہ حیرت کی بات ہے کہ آپ نے جتنے خدمت خلق کے کام کئے ہیں دوسری ذمہ داریوں کے علاوہ ان کا شمار اگر کیا جائے تو میرے خیال میں ایک بھی انسان اس وقت ایسا نہیں ہے جو یہ کہہ سکے کہ میں نے وہ سارے شمار کر لئے ہیں کیونکہ کچھ ظاہر بھی تھے اور کچھ مخفی بھی تھے اور آپ کی خدمت کے کام اس کثرت کے ساتھ مختلف جہتوں میں پھیلے ہوئے تھے کہ عملاً کسی کے لئے اس وقت ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ شمار کر سکے۔ ان کا کاغذات میں ذکر نہیں ملتا ان کا ان ٹرسٹس میں ذکر نہیں ملتا جو ٹرسٹس انہوں نے قائم کئے تھے۔ اس کثرت کے ساتھ آپ نے غرباء کی خدمت کی ہے کہ ضمناً جب بعض اوقات مجھے واسطہ پڑتا تھا اس وقت یہ معاملہ دکھائی دیتا تھا۔ یعنی بعض ایسے غرباء تھے جنہوں نے خود آ کر ضمناً ذکر کیا کہ اس مصیبت، اس تکلیف میں مبتلا تھے چوہدری صاحب کو صرف اطلاع بھیجی اور اس کے نتیجے میں اس کے بعد پھر اس معاملے میں ہمیں کوئی فکر نہیں

ہوئی۔ غرباء، یتامیٰ، غریب مزدور، غریب کسان، مفلوج لوگ، بعض بیماریوں میں مبتلا، ہونہار طالب علم جو غریب تھے غرضیکہ اتنی جہتوں کے ساتھ آپ نے خدمت خلق کا کام کیا ہے اور اتنی جہتوں میں آپ نے خدمت خلق کا کام کیا ہے اور پھر یہی نہیں بلکہ اداروں کو بھی کھلے ہاتھ سے دیا کرتے تھے کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ساری زندگی کی کمائی ادھر خرچ ہو رہی ہے۔

اور پھر جب آپ جماعتی چندوں پہ نگاہ ڈالتے ہیں اور جماعتی خدمات پر نظر کرتے ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ ساری کمائی اس کے سوا کہیں خرچ ہی نہیں ہو رہی۔ ایسی وسیع حوصلگی کے ساتھ آپ نے چندے دیئے ہیں۔ اس وقت جولنڈن مشن کی ساری عمارتیں ہیں یہ ان کی ذاتی کوشش سے کلیۃً ذاتی آمد سے آپ نے یہ سارے مصارف ادا کئے ہیں۔ یہ مشن ہاؤس، یہ ہال یہ چھوٹا ہال عورتوں کے لئے یہ عمارت رہائشی یہ ساری خدا کے فضل کے ساتھ ان کو توفیق ملی۔ اور اپنے لئے ایک چھوٹا سا کمرہ رکھا ہوا تھا، بس اسی میں ان کی گزراوقات تھی اور وہ بھی آخر وقت تک نہیں رہی۔ جب جماعت کو ضرورت پیش آئی ہے آخر پہ یا شاید اس لئے کہ وہ سیڑھیاں نہیں چڑھ سکتے تھے زیادہ تو بہر حال وہ بھی چھوڑ کے چلے گئے تھے۔

اور اس کے علاوہ بھی مختلف وقتوں میں جب تحریکات ہوئی ہیں خصوصاً حضرت مصلح موعود کے زمانے میں جب ساری جائیداد پیش کرنے کی تحریک ہوئی اس وقت آپ ساری جائیداد پیش کرنے میں اولین میں سے تھے اور جس طرح کہ ان کے اندر تقویٰ اور نیکی تھی صاحب عزم تھے۔ اس خط سے بھی ظاہر ہے جو میں نے پڑھ کے سنایا ہے۔ جب آپ نے وقف کیا تھا تو مراد یہی تھی کہ ایک پائی کی جائیداد بھی میں اپنے لئے نہیں رکھوں گا اور وہ اس بات کے لئے تیار تھے۔ جن خطرات کے پیش نظر حضرت مصلح موعودؓ نے تحریک کی وہ خطرات پیش نہیں آئے۔ اس لئے وہ جائیداد نہیں لی گئی یہ مجھے علم ہے لیکن اس کے علاوہ بھی جب بھی جتنی ضرورت پیش آئی ہے کبھی ایک لمحہ کا بھی تردد آپ نے محسوس نہیں کیا بلکہ کوشش یہ ہوتی تھی کہ حضرت مصلح موعودؓ خود معین کر دیں اس طرح لے لیں

جیسے آپ کی چیز ہو یہ کیفیت تھی آپ کے چندوں میں جو ہمیشہ اسی طرح رہی۔

اور سیاست کی بھرپور زندگی تو اتنی وسیع زندگی ہے کہ اس میں سے ساری باتوں کا ذکر تو ویسے ہی ممکن نہیں۔ قوموں پر جو احسان کرنے کی خدا تعالیٰ نے آپ کو توفیق عطا فرمائی کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئی میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ کثرت سے دوسرے بھی برکت حاصل کریں گے اور ہر ایک قوم اس چشمہ سے پانی پئے گی۔

خدا تعالیٰ نے آپ کو ایک ایسے مقام پر پہنچایا جہاں واقعۃً ہر قوم نے اس سرچشمے سے پانی پیا۔ یعنی United Nations کی آپ کو صدارت نصیب ہوئی اور وہ دور United Nations کی تاریخ میں اگر کسی ایک تعریف کے ساتھ یاد کیا جائے تو وہ United Nations کا اخلاقی دور کہلائے گا۔ تمام اسلامی، اخلاقی قدروں کو آپ نے وہاں نافذ کیا ہے۔ اور وہ ایک دور تھا جبکہ دہریہ سیاست دان بھی جو United Nations میں حصہ لیا کرتے تھے وہ بھی احترام سے اور سنبھل کر بیٹھا کرتے تھے اور کوئی بدخلقی کی بات نہیں کیا کرتے تھے۔ یہ جو Booing یا تماشہ بینی اور تحقیر کے الفاظ استعمال کرنا، غصہ میں آپے سے باہر ہو جانا یہ ساری حرکتیں اس وقت United Nations میں مفقود تھیں اور قرآن کریم کی تلاوت کرنا اور قرآن کریم سے استنباط کرنا اور اخلاقی تعلیم دیتے چلے جانا قطع نظر اس کے کہ کوئی مانتا بھی ہے کہ نہیں آپ کو یا قرآن کریم کو یہ آپ کا شیوہ تھا۔ ایسی جرات خدا نے عطا فرمائی تھی اور بات میں ایسی عظمت تھی کردار کے نتیجے میں کیونکہ بات کو عظمت تو کردار سے نصیب ہوا کرتی ہے لفاظی سے نہیں ہوا کرتی کہ اس کے نتیجہ میں غیروں پر بھی رعب بیٹھتا تھا۔

چنانچہ ایک دفعہ چوہدری صاحب نے مجھ سے خود ذکر کیا بے تکلفی کی باتیں ہو رہی تھیں کھانے پر کہ حیرت ہوتی تھی کہ وہ لوگ جن کا دین سے کوئی تعلق نہیں، مذہب سے کوئی تعلق نہیں، میرے ساتھ خدا تعالیٰ نے ان کو اچھا سلوک کرنے کا پابند فرما دیا کیونکہ وہ ہر بات اللہ تعالیٰ کا احسان سمجھتے

تھے اس لئے ذکر ہمیشہ اسی رنگ میں کیا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک خاص فضل ہے احسان ہے کہ اس نے ان کے دل میں ایک رعب سا ڈال دیا تھا اور وہ میری باتوں کو مانتے تھے حالانکہ بظاہر کوئی حق نہیں تھا میرا اس طرح ان کو آداب کے پابند کرنے کا۔

پریذیڈنٹ کی حیثیت معلوم ہے معروف ہے لیکن سیاست کی دنیا میں جو توقعات کی جاتی ہیں ایک پریذیڈنٹ کے رعب داب کے متعلق وہ عملاً نہیں ہوا کرتا۔ آزاد ممالک ہیں، طیش میں آئیں تو سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ کون بیٹھا ہے، نظم وضبط کیا ہوتا ہے اور وقت کی پابندی کروانا یہاں تک بھی آپ کو وہاں آداب سکھانے پڑے اور بلاشبہ اس وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ کلام ایک ذات میں بھی پورا ہوا ہے۔ ویسے تو بکثرت ایسے احمدی ہیں جن سے قوموں نے فائدے اٹھائے ہیں لیکن وہاں ایک ذات میں یہ ساری باتیں اکٹھی ہوگئیں۔ ایک سرچشمے سے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلامی پر فخر کیا کرتا تھا تمام اقوام عالم نے فائدہ اٹھایا اور سیراب ہوئیں۔

اور پھر قوموں کی بھرپور خدمت میں آپ کو خدا تعالیٰ نے ایسے ایسے مواقع نصیب فرمائے کہ وہ وقت ایسا تھا جبکہ نئی تاریخ کی شکلیں بن رہی تھیں۔ یہ جو آج کی جدید تاریخ ہے اس کی بنیادیں ڈالی جارہی تھیں۔ اس دور میں جب کہ آپ کو United Nations میں پیش ہونے کا موقع عطا فرمایا اللہ تعالیٰ نے ایک ممبر کی حیثیت سے، ایک نمائندے کی حیثیت سے یا بعدازاں ایک صدر کی حیثیت سے۔ چنانچہ ایک لمبے دور تک جب آپ پاکستان کے وزیر خارجہ بنے ہیں اُس وقت سے United Nations کی صدارت تک پہنچنے کے درمیان تک کا جو عرصہ ہے یہ عرصہ ایک بہت ہی اہم عرصہ ہے جس میں نئی تاریخ بن رہی تھی۔

چنانچہ آپ کو موقع ملا عربوں کی خدمت کا فلسطین کے معاملے میں اور ایسی عظیم الشان خدمت کی توفیق ملی کہ عرب اٹھ اٹھ کر آپ کے ہاتھ چومتے تھے، بڑے بڑے سربراہ اور اپنے

اپنے ممالک میں بڑی عظمتوں کے مالک اور اس بات پر فخر کرتے تھے۔ اس قدر محبت تھی، اتنا پیار تھا کہ جوان میں سے وفادار تھے۔ انہوں نے آخر دم تک اس کو نبھایا ہے۔ صرف فلسطین کا معاملہ نہیں تھا۔ مورا کو (مراکش) کی خدمت کی توفیق ملی، Tunisia (تیونس) کی خدمت کی توفیق ملی، Jordan (اردن) کی خدمت کی توفیق ملی اور اس کے علاوہ بکثرت دیگر ممالک تھے، سوڈان کی خدمت کی توفیق ملی۔ بکثرت تھے صرف مسلمان ممالک ہی نہیں بلکہ بہت سے دیگر ممالک بھی جن کے حق میں آپ نے باتیں کہیں، جن کے حق حاصل کرنے میں آپ نے مدد کی۔ مسلمان ممالک میں آپ کو انڈونیشیا کی خدمت کی بھی توفیق ملی۔

United Nations میں آپ کی تقاریر کا جو ریکارڈ ہے وہ دو سال قبل میں نے بڑی محنت سے کوشش کر کے وہ حاصل کر لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے خدا نے ایک سبیل بنا دی اور صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کے ذریعے وہ سارا ریکارڈ مجھے مل گیا ہے کیونکہ خواہش یہ تھی کہ چوہدری صاحب کی ان تاریخی خدمات کو وقتاً فوقتاً دنیا کے سامنے پیش کیا جاتا رہے کیونکہ بعض لوگ تو خیر بھول جاتے ہیں بعض لوگ نئی الٹی باتیں ایجاد کر لیا کرتے ہیں۔ یعنی جہاں مسلمان ممالک کی خدمت کی ہے وہاں یہ الزام لگانے والے بھی بدقسمت ہیں کہ مسلمان ممالک کے مفاد کے خلاف کوشش کی نعوذ باللہ من ذالک تو میں نے تو اس نیت سے اس کو اکٹھا کیا تھا لیکن اب جب اس کو وقتاً فوقتاً دنیا کے سامنے پیش کرنے کا موقع ملے گا تو جو اپنی معصومیت میں بھولے ہوئے ہیں ان کو بھی یاد تو آئے گا کہ کوئی ایک ایسا انسان ایک درویش صفت خدا کا بندہ تھا جس نے ملکوں اور قوموں کی بے لوث خدمتیں کی ہیں۔ بہر حال یہ تو بہت ہی ایک لمبی فہرست ہے اور لمبا ذکر ہے۔

میں اپنے ذاتی تاثرات بیان کر رہا تھا اور وہ میں اسی پر پھر بات ختم کرنی چاہتا ہوں کہ چوہدری صاحب کے ساتھ میری خط و کتابت بھی بہت رہی ہے اور میں جانتا ہوں کہ بہت ہی نرم دل تھا، اللہ تعالیٰ کی خشیت تھی اور خشوع و خصوع تھا۔ مجھے آپ کے ساتھ اکٹھے نماز پڑھنے کی بھی

توفیق ملی ہے۔ کبھی میں لاہور جاتا تھا تو ہمیشہ بڑی محبت سے بلایا کرتے تھے اور کبھی یہ ہو نہیں سکتا تھا کہ وہ لاہور میں ہوں اور میں ملے بغیر یا آپ کے ساتھ کھانا کھائے بغیر یا آپ کے ساتھ کچھ وقت گزارے بغیر واپس جاسکوں کیونکہ مجھ میں ان کے شکوے کی ہمت نہیں تھی اور وہ اس بات پر یقینا بہت شاکی ہوجاتے تھے۔ اس لئے جب ہم نماز پڑھتے تھے تو مجھے کہا کرتے تھے کہ تم نماز پڑھاؤ اور اس وقت جو ان کی کیفیت ہوتی تھی قریب سے وہ صرف سننے کا سوال نہیں وہ محسوس ہونے لگتی تھی۔ عجیب خشوع وخضوع تھا ان کی نمازوں میں اور ہر لفظ جو ادا کرتے تھے ایک ایک لفظ موتی کی طرح سجا کر خدا کے حضور پیش کیا کرتے تھے۔ گویا التحیات للہ کے مفہوم سمجھ رہے ہیں جانتے ہیں کہ عبادت تبھی قبول ہوگی اگر تحفہ کے طور پر پیش کریں گے ورنہ بے معنی ہوجائے گی۔

پھر وہ پرائیویٹ مجلسوں میں جو گفتگو ہوا کرتی ہے۔ مختلف پہلوؤں سے ان کی طبیعت میں جھانکنے کا موقع ملا۔ پھر خط وکتابت کے ذریعے جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے ان کے خطوط ایسے ہیں بڑے سنبھال کے میں نے رکھے ہوئے ہیں لیکن چونکہ ان کا مزاج نہیں تھا کہ لوگوں کو ان کی بعض اندرونی کیفیات کا پتہ چلے۔ صرف چند دوستوں کے ساتھ چند آدمیوں سے وہ خطوں کے وقت بے تکلف ہوجاتے تھے اور ہر خط میں ان کی انکساری کا پہلو اتنا حیرت انگیز ہے کہ جو خط پڑھنے والے کو شرمندہ کر دیا کرتا تھا۔ بے حد عجز اور انکساری اسی وجہ سے ان کے ساتھ مجھے خاص اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک تعلق عطا ہوا ہوا تھا۔

جب خلافت کے بعد خدا تعالیٰ نے مجھے پہلا کشف دکھایا ہے تو تعجب کی بات نہیں کہ پہلے کشف میں چوہدری ظفر اللہ خان صاحب ہی دکھائے گئے اور وہ بھی ایک عجیب کشف تھا میں حیران رہ گیا کیونکہ اس قسم کی باتوں کی طرف انسان کا ذہن عموماً جا ہی نہیں سکتا۔ ایک دن یا دو دن خلافت کو گزرے تھے تو کسی نے پوچھا کہ آپ کو خلیفہ بننے کے بعد کوئی الہام کوئی کشف وغیرہ ہوا ہے میں نے کہا مجھے ابھی تک تو کچھ نہیں ہوا بس میں گزر رہا ہوں جس طرح بھی خدا تعالیٰ سلوک فرما

رہا ہے، ٹھیک ہے۔ تو اس کے چند دن کے بعد ہی میں نے صبح کی نماز کے بعد کشفاً بڑے واضح طور پر ایک نظارہ دیکھا کہ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب لیٹے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے باتیں کر رہے ہیں اور میں وہ باتیں سن رہا ہوں اور فاصلہ بھی ہے۔ مجھے یہ علم ہے کہ لیٹے لندن میں ہوئے ہیں لیکن جس طرح فلموں میں دکھا دیا جاتا ہے قرب کہ ٹیلیفون کہیں دور سے ہو رہے ہیں اور سن رہا ہے گویا کہ اس قسم کے مزے کیمرہ ٹرک سے ہو جاتے ہیں۔ تو کشفاً یہ دیکھ رہا تھا کہ چوہدری صاحب اپنے بستر پہ لیٹے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے کچھ باتیں کر رہے ہیں اور میں سن بھی رہا ہوں اور اس کے ساتھ ایک ذہنی تبصرہ بھی ہو رہا ہے لیکن گویا میری آواز وہاں نہیں پہنچ رہی۔ اللہ تعالیٰ نے چوہدری صاحب سے یہ پوچھا کہ آپ کا کتنا کام باقی رہ گیا ہے تو چوہدری صاحب نے عرض کیا کہ کام تو چار سال کا ہے لیکن اگر آپ ایک سال بھی عطا فرما دیں تو کافی ہے۔ یہ سن کر مجھے بہت سخت دھکا سا لگا اور میں چوہدری صاحب کو یہ کہنا چاہتا تھا کہ آپ چار سال مانگیں خدا تعالیٰ سے یہ کیا کہہ رہے ہیں کہ ایک سال بھی عطا ہو جائے تو کافی ہے۔ مانگ رہے ہیں خدا سے اور کام چار سال کا بیان کر رہے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ ایک سال ہی کافی ہے۔ مجھے اس سے بے چینی پیدا ہوئی لیکن جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے اس نظارے میں میں اپنی بات پہنچا نہیں سکتا تھا صرف سن رہا تھا کہ یہ گفتگو ہو رہی ہے۔

وہ میں نے پھر دوسرے دن ہی چوہدری حمید نصر اللہ صاحب اور ان کی بیگم کو لکھ کے بھیج دیا اور مجھے اس سے تشویش پیدا ہوئی کہ ہوسکتا ہے خدا تعالیٰ لمبی زندگی نسبتاً دے دے لیکن کام کا صرف ایک سال ہی ملے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ہے۔ 1983ء میں آپ پر شدید بیماری کا حملہ ہوا اور اس وقت تک جو وہ کام کر سکے ہیں عملاً اس کے بعد پھر رفتہ رفتہ ان کو کام سے بالکل الگ ہونا پڑا یعنی بھرپور کام صرف ایک سال توفیق ملی ہے۔ پھر آپ کو بیماری کی وجہ سے پاکستان جانا پڑا اور اس کے بعد پھر طبیعت گرتی چلی گئی ہے کمزور ہوتی چلی گئی ہے، پھر آخر پر صرف مطالعہ پر آ گئے

تھے۔ اور چار سال تو اس وقت کے بعد نہیں ملے لیکن یہ بھی اللہ تعالیٰ کی عجیب شان ہے کہ جو شدید بیماری کا حملہ ہوا ہے جس پہ ڈاکٹروں نے کہا کہ بچنے کے کوئی آثار نہیں ہیں۔ یہ اس کشف کے دو سال کے بعد دوبارہ ہوا ہے یعنی 82ء میں جب میں کراچی تھا تو فروری میں یہ مجھے اطلاع ملی کہ ابھی لاہور سے فون آیا ہے کہ اب تو کوئی بچنے کی صورت بظاہر نہیں رہی۔

اس وقت مجھے یہ یقین دل میں اللہ تعالیٰ نے ڈالا دعا بھی میں نے کی لیکن پھر رات رویاء میں خدا تعالیٰ نے دکھایا کہ ایک خط آیا ہے خدا تعالیٰ کی طرف سے جو چوہدری صاحب کی اس بیماری کے متعلق میں پڑھ رہا ہوں اور صرف ایک فقرہ ہے جس پر نظر جمی ہوئی ہے اور اس فقرے کا مفہوم یہ ہے کہ میں زندہ بھی کرتا ہوں اور بوجھ بھی اتار دیتا ہوں، مہیا بھی کر دیتا ہوں۔ یعنی یُحْیِیُ کا مضمون تھا۔ دونوں معنوں میں دوسری 'ہ' کے ساتھ بھی کہ میں مہیا بھی کرتا ہوں اور زندہ بھی کرتا ہوں۔ تو مجھے یہ خیال آیا کہ چوہدری صاحب کو ایک فکر دامن گیر ہے خدا تعالیٰ نے ساتھ اس کی بھی خوشخبری دے دی ہے اور یہ فکر تھی کہ انہوں نے جو صد سالہ جوبلی کے لئے چندہ لکھوایا تھا اس میں سے دو لاکھ پاؤنڈ ابھی ان پر قرض تھا، واجب الادا تھا۔

ان کا جو سرمایہ تھا وہ ایک ظالم نے قبضہ میں لے لیا اور بظاہر یہ نظر آتا تھا کہ اب اس سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔ اس کا یہ کہنا تھا کہ نقصان ہو چکا ہے۔ میں ادا نہیں کر سکتا۔ بعض لوگوں کو بدظنی تھی کہ بہانہ بنایا گیا ہے چوہدری صاحب کی سادگی سے فائدہ اٹھایا گیا ہے اور کافی بڑی رقم اس کے پاس ضائع ہونے کا خطرہ تھا اور چوہدری صاحب توقع رکھ رہے تھے کہ وہاں سے پیسہ ملے تو میں یہ چندہ ادا کروں۔ چنانچہ جب میری آخری ملاقات ہوئی ہے اس وقت بھی اس کا طبیعت پر بہت بوجھ تھا۔ جب میں کراچی جانے لگا ہوں اس وقت بھی مجھ سے ذکر کیا علیحدگی میں کہ اس کے لئے دعا کریں کہ میری طبیعت پہ بہت ہی بڑا بوجھ ہے۔ تو اس رؤیا میں اللہ تعالیٰ نے جو مضمون بتایا اس سے مجھے یہ بھی یقین ہو گیا کہ انشاء اللہ تعالیٰ ایک تو یہ کہ اس صورت میں تو اللہ تعالیٰ ان کو نہیں مارے

گا اور جب تک وہ بوجھ نہیں اترتا اس وقت تک خدا تعالیٰ ضرور زندہ رکھے گا۔

چنانچہ خدا تعالیٰ نے غیر معمولی زندگی عطا فرمائی۔ پھر کئی خطرات پیدا ہوئے۔ کئی بحران آئے اور ڈاکٹروں کی نظر میں تو وہ ہر دفعہ یہی کہہ دیتے رہے کہ بس اب بچنے کی امید نہیں مگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے بچاتا رہا۔

پھر میرا یہاں آنا ہوا اور یہاں اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی کہ وہ پھنسی ہوئی رقم جس کے متعلق سب اس کو Write off کر چکے تھے کہتے تھے اس کے نکلنے کی کوئی امید نہیں اس سلسلے میں کچھ کوشش کی توفیق عطا ہوئی اور ہمارے ماموں زاد بھائی ہیں رفیع الدین ایڈووکیٹ ان کو بھی خدا تعالیٰ نے کراچی سے یہاں بھجوا دیا اور بڑے قابل وکیل ہیں اور ان باتوں میں بڑے ماہر گفت و شنید کا فن بھی جانتے ہیں۔ چنانچہ ان کی کمپنی کے ذریعے جب وہ گفت و شنید ہوئی تو قانونی طور انہوں نے اس طرح ان کو قابو کر لیا کہ دو لاکھ سے کچھ زائد رقم ان سے مل گئی اور یہی وہ دو لاکھ تھا جو ان کو پریشان کئے ہوئے تھا۔ چنانچہ چند مہینے پہلے کی بات ہے کہ انہوں نے مجھے بتایا کہ الحمدللہ نہ صرف یہ کہ رقم ہمیں مل جائے گی کی بات نہیں وہ عمارت جو دو لاکھ سے زائد کی ہے وہ اب خدا کے فضل سے ہمارے قبضہ میں آ گئی ہے۔ تو وہ ایک چونکہ اس خوشخبری میں یہ دونوں باتیں اکٹھی بیان ہوئی تھیں۔ تو پہلا دھڑکا تو مجھے اس بات کا تھوڑا سا خفیف سا ہوا کہ یہ کام تو ہو گیا ہے اب لیکن بہر حال خدا پھر بھی زندگی دیتا رہا اور جب تک چوتھے سال میں داخل نہیں ہوئے اس وقت تک خدا نے نہیں بلایا۔ چار سال مکمل تو نہیں ہوئے لیکن ان چار سال میں داخل ہو کر تیسرے مہینے میں تھے جبکہ اللہ تعالیٰ نے پھر ان کو واپس بلا لیا۔

آپ کی زندگی اپنے اندر کئی قسم کے نشان رکھتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کے کچھ سلوک تھے جو براہ راست ان پر ہمیشہ نازل ہوتے رہے کچھ خدا نے دوسروں کو بھی دکھایا، مجھے بھی دکھایا کہ میں اس شخص سے پیار کرتا ہوں۔ اس لئے جب میں یقین سے کہتا ہوں تو کچھ یہ پہلو بھی ہے یقین کا کہ

(النجم:33) خدا تو بہر حال تقویٰ کو جانتا ہے۔ وہ جب یہ سلوک فرماتا ہے کہ غیروں کو بھی اس کے تقویٰ کے نشان دکھانے لگے اور اپنی محبت اور پیار کے نشان دکھانے لگے تو پھر یہ امید اور یہ حسن ظن کہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت اور پیار کا سلوک کرے گا ایک اور منزل میں داخل ہو جاتے ہیں۔

ہمیں دعا کرنی چاہئے کہ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کے اوپر اللہ تعالیٰ بے شمار رحمتیں نازل فرمائے۔ ان کی اولاد پر، ان کی نسلوں پر، ان کے عزیزوں پر، ان سب پر جو آپ کو پیارے تھے اس رنگ میں بھی رحمتیں نازل فرمائے کہ ان کی خوبیاں اختیار کرنے کی توفیق بخشے۔

جماعت احمدیہ کو اس وصال پر صدمہ تو ہے بڑا گہرا صدمہ ہے لیکن اس صدمے کے نتیجے میں مہمیز کا سا اثر ہونا چاہئے مایوسی کا اثر نہیں ہونا چاہئے۔ خدا تعالیٰ کی رحمتیں بے شمار ہیں وسیع ہیں اس کی عطا کے دروازے کوئی بند نہیں کر سکتا اور جن راہوں میں وہ کھلتے ہیں وہ لامتناہی راہیں ہیں۔ اس لئے آپ کو اگر خدا ظفر اللہ خان نہیں بنا سکتا تو اپنی اولاد کو بنانے کی کوشش کریں اور اولاد در اولاد کو یہ بتاتے چلے جائیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ایک نہیں دو نہیں بکثرت ایسے غلام عطا فرمائے گا جو عالمی شہرت حاصل کریں گے۔ جو علم و فضل کے مضامین میں حیرت انگیز ترقیات حاصل کریں گے جو بڑے بڑے عالموں اور فلسفیوں کے منہ بند کر دیں گے اور قومیں ان سے برکت پائیں گی۔ ایک قوم یا دو قوم بھی نہیں کل عالم کی قومیں ان سے برکت پائیں گی۔ تو خدا کرے کہ بکثرت اور بار بار ہم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس پیشگوئی کو پورا ہوتے دیکھیں۔ دوسروں ہی میں نہیں اپنوں میں بھی، غیروں کے گھروں میں نہیں اپنے گھروں میں بھی ہم اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ اس عظیم پیشگوئی کو پورا ہوتا دیکھیں۔

خطبہ ثانیہ کے دوران فرمایا:

ابھی انشاء اللہ جمعہ کے بعد حضرت چوہدری صاحب کی نماز جنازہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ آپ کو تو ہر وقت یہ لگن رہتی تھی کہ میں کب اپنے ان پیاروں

کے پاس حاضر ہوں جو دوسری دنیا میں ہیں۔ یہ ذہن میں میرے ایک بات آئی تھی وہ اس وقت پہلے خطبہ میں بیان کرنی بھول گیا۔ یہ بھی ایک بڑا نمایاں حصہ تھا کردار کا کہ موت کے لئے ہر وقت تیار تھے اور اس ذکر سے ذرہ بھر بھی جذبات میں ہیجان پیدا نہیں ہوتا تھا۔ Matter of fact ایک روزمرہ کا واقعہ جس طرح ہوتا ہے ہر صبح ہر شام ہر دوپہر کو تیار ہوا کرتے تھے ہر رات کو تیار سوتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ مجھے تو خیال ہی نہیں آتا کبھی کہ یہ کوئی ایسی بات ہے جس کا کوئی انسان فکر کرے۔ لوگ خوابیں دیکھتے ہیں مجھے بتاتے ہیں میں کہتا ہوں ٹھیک ہے جب بلائے اچھا ہے اور یہ بھی کہا کرتے تھے کہ میرے تو اکثر پیارے ادھر بیٹھے ہیں جن سے ملنے کی تمنا ہے۔ تو اس میں ڈرنے کی کون سی بات ہے۔ یقین کامل اور پھر یہ واقعہ کہ جن سے سب سے زیادہ آپ کو عشق اور محبت تھا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ سلم اور اس کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور پھر والدہ جو بہت ہی بزرگ عظیم عورت تھیں اور وہ والد بھی۔ ذاتی اور روحانی تعلقات میں یہی ان کی محبتوں کا خلاصہ تھا اور یہ اس دنیا کے لوگ تھے۔ وہ تو یہاں رہتے ہوئے بھی ایک عالم بقا میں رہ رہے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ ان پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے۔ وہ تو خوش ہیں اور خوش رہیں گے۔ انشاء اللہ ہمیں خدا کے گھر سے یہی امید ہے۔ اللہ پسماندگان کو بھی خوش رکھے اور ان کو بھی وہ نعمتیں عطا فرمائے۔ آمین۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 6؍ستمبر 1985ء بمقام بیت الفضل لندن)

* * *

کیا شخص تھا کہ بانٹنے آیا تھا رنگ و نور
تاریکیوں کا نام جہاں سے مٹا گیا

ثاقب زیروی

سادگی، میانہ روی اور انکساری کی منفرد شان

قدرت ثانیہ کے ناظم سے مثالی وابستگی اور اطاعت کا مثالی نمونہ

(حضرت سیّدہ مہر آپا صاحبہ کے قلم سے)

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب عاجزی اور انکساری کا پیکر تھے۔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کی محبت اور اس کی خاطر قربانی کا جذبہ تو کوٹ کوٹ کر ان کے اندر بھرا تھا۔ قدرت ثانیہ کے تمام مظاہر سے بے انتہا عشق رکھتے تھے۔ جماعت کے لئے انتہائی غیرت وحمیّت کے ساتھ مخلوقِ خدا کی ہمدردی اور بے لوث خدمت بھی ان کا طُرہ امتیاز تھی۔ آپ بلا امتیاز تمام حاجت مندوں کا بہت خیال رکھنے والی عظیم شخصیت تھے۔ ان کے متعلق جو واقعات مجھے یاد ہیں وہ لکھ رہی ہوں۔

ہمارے مستقل طور پر قادیان آنے سے بہت پہلے کی بات ہے ایک دفعہ جلسہ سالانہ کے پرحسبِ معمول ہم لوگ چار پانچ دن کے لئے قادیان آئے ہوئے تھے۔ جلسہ کے پروگرام کے دوسرے یا تیسرے دن جب ابّا جان حضرت سیّد عزیز اللہ شاہ صاحب گھر آئے تو برسبیل تذکرہ فرمانے لگے کہ مجھے ان لوگوں پر حیرت ہے جو سٹیج کے ٹکٹوں اور حلقہ خاص کی ٹکٹوں کے لئے بڑی جدّ جہد کرتے ہیں اور عذرِ لنگ یہ پیش کرتے ہیں کہ ہمیں چونکہ پروگرام اچھی طرح سنائی نہیں دیتا اس لئے ہمیں ضرور سٹیج پر یا حلقہ خاص میں جگہ ملنی چاہئے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن میں نے آج دیکھا ہے کہ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب جلسہ گاہ میں سٹیج کے سامنے نیچے زمین پر بیٹھے ہوئے تھے جس پر صرف پرالی بچھی ہوئی تھی اور وہ پورے انہماک سے جلسہ کی کاروائی سُن رہے تھے۔ اِس واقعہ سے ان کی اِنکساری کی شان اور نظامِ سلسلہ کے احترام کی رُوح اور فدائیت کا جذبہ خوب آشکار ہوتا ہے۔

آپ کی قدرتِ ثانیہ کے آسمانی نظام سے وابستگی مثالی تھی اور ائمہ سِلسلہ احمدیہ سے محبت بھی مثالی اور نہ صرف دینی امور میں آپ ان سے راہنمائی حاصل کرتے اور اس کما حقہ عمل پیرا ہونے کو فلاحِ دارین کے لئے ضروری سمجھتے بلکہ عام دنیوی معاملات میں بھی سیدنا حضرت فضل عمر سے اکثر مشورہ کرتے رہتے۔ جب آپ کے ہم وطن مخالفین نے انصاف کا خون کرتے ہوئے آپ کے خلاف زبان طعن دراز کرنے میں انتہا کردی اس وقت بھی آپ حضرت فضلِ عمر کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ سے مشورہ اور راہنمائی کے طلبگار ہوتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے حد نوازا اور موسلا دھار بارش کی طرح باران رحمت کا آپ پر نزول ہوا۔ یہ آپ کے اُس ایمان اور یقین اور محبت وخلوص کا نتیجہ تھا جو آپ کو خدا تعالیٰ کے ان برگزیدہ بندوں سے تھا۔

آپ بے حد سادہ طبیعت کے مالک تھے۔ باوجود بے حساب مال ومنال عطا ہونے کے کبھی اپنی ذات پر خرچ نہ کیا اور نہ ہی کبھی دینی مفاد پر دنیوی مفاد کو ترجیح دی۔ جہاں بھی اور جس قدر بھی جائیداد بنائی وہ سلسلہ کو ہی دے دی۔ قادیان میں بھی انکی کوٹھی تھی پھر ربوہ میں بھی آپ نے کوٹھی بنوائی۔ ان کے بنانے کا مقصد بھی یہی تھا کہ بیرونی دنیا سے جو لوگ سلسلہ احمدیہ کی تحقیق سے آتے ہیں ان کے مناسب حال رہائش کے لئے یہ عمارتیں کام آئیں۔ اپنی زبان اور اپنے تمدن سے انکو گہرا تعلق اور لگاؤ تھا۔ سادگی بہت پسند تھی۔ اپنے وطن کا لباس پہننے میں انکو خاص خوشی اور طمانیت محسوس ہوتی تھی۔ جب کبھی اپنے ہم وطنوں کو دوران گفتگو انگریزی اردو اور پنجابی ملا کر بولتے ہوئے سنتے تو وہیں ٹوک دیتے فرماتے ”میاں! سیدھی طرح اپنی زبان میں بات کرو۔ یہ بھی کوئی بات ہے کہ دو لفظ انگریزی کے اور دو پنجابی یا اردو کے لئے اور ایک نئی زبان بنا ڈالی۔ آپ خاص طور پر نوجوانوں کو سمجھانے کی غرض سے ضرور ٹوکتے۔ آج کل اکثر لوگ اپنی زبان میں بات کرتے کرتے بلا ضرورت انگریزی کے الفاظ استعمال کرتے ہیں اور اس بات کو فیشن میں داخل سمجھتے ہیں۔ مگر حضرت چوہدری صاحب کو یہ طریق بالکل پسند نہ تھا۔ کھانے پینے میں بڑی سادگی تھی۔

اوّل تو ذیابطیس کی بیماری کی وجہ سے غذا ویسے ہی مختصر تھی مگر آپ اس معاملہ میں پھر بھی سختی سے پرہیز کرتے۔ اپنی کوٹھی تعمیر ہونے سے قبل جب کبھی آپ حضرت فضل عمر سے ملاقات کے لئے آتے اور مرکز سلسلہ میں قیام فرماتے تو اپنے جس گھر میں حضور کی باری ہوتی آپ بھی اسی گھر کے مہمان ہوتے۔ جب کبھی مجھے آپ کی میز بانی کا موقعہ ملتا میں آپ کی بیماری کے مدّنظر غذا تیار کرواتی۔ ایک دفعہ آپ نے حضور سے کہا ”کہ مہر آپا میرے کھانے کا بہت تکلف سے اہتمام کرتی ہیں۔ صرف ایک آدھ ڈش اور سلاد ہی میرے لئے کافی ہوتی ہے۔ جب حضور نے اندر آ کر مجھے بتایا تو میں نے کہا جب انکی خراک صرف WHITE MEAT تک محدود ہے تو پھر اس میں کچھ نہ کچھ تنوع تو ضرور ہونا چاہئے۔

حضرت فضل عمر کے سفر یورپ میں آپ تمام وقت حضور کے ساتھ ساتھ رہے۔ حضور کا تمام کام اپنے ہاتھ سے کرتے۔ آپ کا سامان خود اُٹھاتے رہے کیونکہ وہاں ہمارے ہاں کی طرح سامان اُٹھانے کے لئے قُلی وغیرہ عام نہیں ہوتے۔ اوّل تو وہ لوگ اس قدر سامان سفر میں ساتھ رکھتے ہی نہیں۔ یہاں سے روانگی سے قبل بھی چوہدری صاحب بڑے اسرار سے یہی پیغام بھجواتے رہے سامان تھوڑا لے جائیں وہاں اسکی ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔ مگر تھوڑا تھوڑا کر کے بھی سامان اچھا خاصا ہو گیا۔

دوران سفر جب وینس (اٹلی) پہنچے تو وہاں نہ کوئی قلی تھا نہ مزدور۔ حضرت چوہدری صاحب نے تمام سامان اپنے کندھوں پر اُٹھا اُٹھا کر کار سے ’گنڈولے‘‘ تک پہنچایا۔ اور مسکراتے ہوئے کہا ”دیکھا میں نہ کہتا تھا کہ اس قدر سامان نہ لے جائیں۔ خیر بیبیوں کو پتہ تھا کہ ظفر اللہ خان ساتھ ہے خود ہی سامان اُٹھا تا پھرے گا۔ چوہدری صاحب نے تو یہ بات مزاحاً کہی تھا مگر مجھے یہ احساس ہوا کہ ان پر یہ اتنا بوجھل کام آن پڑا ہے۔ وہ تو اپنے حبیب حضرت فضل عمر کے عشق و محبت میں اپنی ذات سے بے نیاز ہو کر سب کام کر رہے تھے۔ اس زمانہ میں کسی کو دو چار پیسے مل جائے یا اعلیٰ تعلیم

حاصل کر لے تو وہ اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھنے لگتا ہے۔ مگر چوہدری صاحب کو کمال سلیم فطرت ملی ہوئی تھی۔ آپ کو دیکھ کر حیرت ہوتی تھی کہ اتنی بڑی شخصیت اور انکسار کا یہ عالم!

سارے سفر یورپ کے دوران میں نے گوشت کو ہاتھ نہ لگایا چاہے وہ گوشت (یہودیوں کا ذبیحہ) ہی ہو جن کا کھانا شرعاً جائز ہے۔ روزانہ چوہدری صاحب ہم لوگوں کے متعلق پوچھتے کہ ہر ایک کیا چیز کھانا پسند کرے گا تاکہ وہی چیز منگوالی جائے۔ میں نے ایک دفعہ کہہ دیا کہ میرے لئے تو صرف مچھلی یا کوئی سبزی کافی ہے گوشت میں قطعی طور پر نہیں کھاؤنگی۔ آپ نے اسی وقت فارسی کا ایک شعر پڑھا۔ شعر بہت عارفانہ تھا جس سے میری حد سے زیادہ احتیاط بے معنی ہو کر رہ جاتی تھی۔ میں نے کہہ تو دیا کہ میں کوشش کرونگی مگر طبیعت نہ مانی اور میرا اسی طرح گزارہ ہوتا رہا۔

آخر اس احساس کے تحت کہ میں گوشت کی کوئی چیز نہیں کھا رہی چوہدری صاحب نے حضور سے کہا کہ حضور" میں حسب سابق شرع کو ملحوظ رکھتے ہوئے مہر آپا کے لئے ایک خاص ڈش کا انتظام کرتا ہوں۔ انکو وہ ضرور پسند آ جائے گی۔ یہ کہہ کر آپ نے اُس ڈش کا آرڈر دیا جب وہ ڈش تیار ہو گئی تو چوہدری صاحب نے حضور سے کہا یہ خاص طور پر مہر آپا کے لئے بنوائی گئی ہے۔ ان سے کہیں کہ اب تو کھالیں۔ ڈش دیکھنے میں خوش منظر تھی مگر میرا دل کسی طور پر راضی نہ ہوا اور میں نے ڈش چپکے سے چھپا دی۔

اسی طرح آسٹریا میں ایک دفعہ کھانے کا وقت ہوا تو ہم ہوٹل میں گئے چوہدری صاحب نے میرے لئے بھی انڈوں کا سوپ منگوایا۔ انہیں معلوم نہ تھا کہ مجھے یہ اچھا نہیں لگتا۔ جب چوہدری صاحب کو پتہ چلا کہ میں وہ نہیں پی رہی تو آپ نے خود وہ پیالہ اپنے پاس منگوالیا۔ اور "زرمی خورم" کہتے ہوئے وہ پی لیا۔ مطلب یہ تھا کہ آخر اس پر رقم اٹھی ہے وہ کیوں ضائع ہو۔ آپ کو ضیاع اور فضول خرچی ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔

ایک بار وینس میں چوہدری صاحب نے ہم مستورات کے لئے کھلے سمندر کے سیر کا انتظام

کیا۔ مقصد یہ تھا کہ ہماری ذہنی تھکاوٹ دور ہو۔ کیونکہ ہم لوگ سارا وقت ہی حضور کی بیماری کی وجہ سے بڑے دباؤ کا شکار رہتے تھے۔

بہر حال صاحبزادی امۃ الجمیل، امۃ المتین اور مَیں سیر کے لئے گئے۔ سیر کے دوران چوہدری صاحب بہت سے اہم تاریخی مقامات دکھاتے چلے گئے۔ اور ساتھ ساتھ ان کا تاریخی پس منظر بھی بتاتے چلے گئے۔ اس تاریخی سفر میں چوہدری صاحب نے جس طرح اپنے آقا کی خدمت کی اس کا اجر تو خدا کے پاس ہے مگر ہمارے دلوں میں بھی انکی قدر اور عظمت بہت بڑھ گئی۔ بڑے بے نفس انسان تھے، بے لوس اور بے ریا۔ اللہ تعالیٰ انہیں حضور کے قدموں میں جگہ دے۔ اور انکی روح کو سکون بخشے۔ آمین۔

(بحوالہ ماہانہ خالد ربوہ دسمبر 1985ء و جنوری 1986ء صفحہ 31 تا 33)

◆

خلوص وعشق ووفا کا نکھار

حضرت بابا جی ظفراللہ خان

مثالی رضائی باپ کی مثالی محبت وشفقت

(محترمہ صاحبزادی امۃ الجمیل صاحبہ بنت حضرت فضل عمر)

حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب میرے رضائی والد تھے اور مَیں انہیں بابا جی کہا کرتی تھی۔ وہ یقیناً ایک مثالی باپ تھے اور میرے ساتھ ان کی شفقت اور پیار کا تعلق شہد کی طرح شیریں اور سمندر کی طرح گہرا تھا۔ انکی دل موہ لینے والی محبت ہمیشہ مجھ پر نچھاور ہوتی رہی۔

آقا اور غلام کا پُرخلوص تعلق

ابا جان حضرت فضل عمر اس پیار کے تعلق سے خوب واقف تھے اور اس رضائی رشتے کا بھی بہت احترام کرتے تھے۔ ایک دفعہ مجھ سے فرمایا ''یہ بچے بہت عظیم والدہ کی بہت عظیم اولادہیں اور سب کا احترام تم پر لازم ہے''۔ پھر فرمایا ''بے جی (والدہ حضرت چوہدری صاحب) بڑے بلند مقام کی حامل تھیں۔ جب وہ تشریف لاتی تو مَیں احتراماً کھڑا ہو جاتا۔''

پیار اور محبت کی یہ آگ دونوں طرف بھڑکی ہوئی ہوتی تھی اور بابا جی بھی پورے دل اور پورے جان سے حضور پر فدا تھے۔ آقا اور غلام کا یہ سچا، پُرخلوص اور نکھرا نکھرا تعلق اس الٰہی جماعتوں ہی کا خاصہ ہے۔

ایک دفعہ حضرت بابا جی حضرت فضل عمر کے ساتھ سندھ تشریف لے گئے۔ آموں کا موسم تھا۔ حضور آموں کی کاشیں چکھ کر بابا جی کے پلیٹ میں رکھ رہے تھے اور فرمایا کہ ''چوہدری صاحب

آپ کو شوگر ہے میں یہ نہیں چاہتا کہ میری خواہش کی وجہ سے آپ کی صحت پر برا اثر پڑے۔ میں عمدہ قسم کی آم کی کاشیں آپ کی پلیٹ میں رکھ رہا ہوں آپ صرف وہی کھائیں۔ حضرت بابا جی نے صرف وہی چند کاشیں کھائیں جو حضور نے آپ کی پلیٹ میں رکھیں۔

میں نے حضرت ابا جان کو اور حضرت بابا جی کو ایک پلیٹ میں کھاتے ہوئے بھی دیکھا۔ اس کا میری طبیعت پر بہت گہرا اثر ہوا کہ حضرت ابا جان کو حضرت بابا جی کے ساتھ کس قدر محبت ہے۔ اس محبت کی جہ سے میں نے بھی آپ سے بے انداز محبت کی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مجھے کئی بار دونوں کو کھانا کھلانے کا موقعہ دیا۔ جب بھی حضرت بابا جی تشریف لاتے تو حضرت ابا جان مجھے بلوا کر کہتے کہ آج چوہدری صاحب کھانے پر آئیں گے۔ کھانا تم پیش کرنا۔ اس طرح اللہ نے اپنے فضل سے مجھے اپنے دونوں پیاروں کی خدمت کرنے کا موقعہ دیا۔

جب آپ حضرت فضل عمر کے ساتھ سندھ تشریف لے گئے تو حضرت فضل عمر نے فرمایا چوہدری صاحب آج ہم گھوڑے پر سیر کریں گے۔ شام کو گھوڑا تیار کر کے پہنچا دیا گیا۔ حضرت بابا جی بھی وہاں موجود تھے۔ حضور جب گھوڑے پر سوار ہونے لگے تو آپ نے پاؤں رکاب میں نہ ڈالا بلکہ کاٹھی کو پکڑ کر سوار ہونے لگے تو حضرت بابا جی نے عرض کی کہ ”حضور آپ نے پاؤں رکاب میں نہ ڈالا“۔ حضرت ابّا جان نے فرمایا میں نے پاؤں رقاب میں کبھی نہیں ڈالا۔ میں تو کاٹھی پکڑ کر سوار ہوتا ہوں۔ اور اس کے ساتھ ہی گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ اتنے میں حضرت بابا جی نے بلند آواز میں دعائیں پڑھنی شروع کر دیں۔ آپ کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ آپ کو کچھ گھبراہٹ ہے۔ حضرت ابّا جان حضرت بابا جی سے مخاطب ہوئے تو آپ نے نگاہ اُٹھاہ کر کے حضور کی طرف دیکھا اور بہت بلند آواز میں کئی بار الحمدللہ الحمدللہ پڑھا۔ اور حضرت فضل عمر سے عرض کی کہ حضور کے گھوڑے پہ سفید ساٹن ہے۔ بہت احتیاط لازم ہے۔

مزاج شناسی کا خصوصی وصف

حضرت باباجی حضور کے مزاج اور طبیعت کو بہت اچھی طرح سمجھتے تھے۔ جب حضرت ابّا جان علاج کی غرض سے یورپ تشریف لے گئے تو حضرت باباجی سفر میں آپ کے ہمراہ تھے۔ ایک روز لندن میں دوپہر کے کھانے پر حضرت ابّا جان نے حضرت باباجی سے فرمایا چوہدری صاحب بیماری کی وجہ سے بھاری کپڑے استعمال نہیں کرسکتا۔ آپ جمیل کو ساتھ لے جائیں اور میرے لئے ایک ہلکا سوئٹر اور ایک ہلکا اور کوٹ خرید لائیں۔ حضرت باباجی نے عرض کہ ”حضور! ایک بات کہنے کی اجازت چاہتا ہو۔ حضرت ابا جان نے فرمایا ”جی چوہدری صاحب فرمائیے۔“۔ حضرت باباجی نے اپنا سوئٹر اُتارا اور فرمایا ”حضور یہ سوئٹر بہت ہلکا ہے۔ اگر آپ اسے پسند فرمائیں تو اسے استعمال کریں۔“ حضرت ابا جان نے فوراً یہ سوئٹر پہن لیا اور فرمایا ”چوہدری صاحب یہ تو بہت آرام دہ سوئیٹر ہے۔“ جب حضور نے سوئٹر پہن لیا تو حضرت باباجی کے چہرہ کی خوشی الفاظ میں بیان نہیں کی جاسکتی۔ انہوں نے عرض کیا ”حضور یہ سوئٹر جب آپ نے کسی کو دینا ہو تو مجھے واپس دے دیجئے۔“ حضرت ابّا جان نے فرمایا ”چوہدری صاحب بہت اچھا۔“ (غالباً حضرت ابّا جان نے استعمال کے بعد حضرت باباجی کو ہی دیا)۔ پھر میں حضرت باباجی کے ساتھ اور کوٹ خریدنے کی غرض سے بازار چلی گئی۔ بہت تلاش کے بعد ایک جگہ سے حضور کی حسب خواہش ایک اور کوٹ مل گیا۔ لیکن اسکی قیمت بہت زیادہ تھی۔ اور باباجی اس قیمت پر لینے کے لئے تیار نہ تھے۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا ”اس قیمت پر حضرت صاحب یہ کوٹ کبھی استعمال نہیں کریں گے۔“ مگر میرے بہت اسرار پر حضرت باباجی نے کوٹ خرید لیا اور مجھ سے فرمانے لگے کہ قیمت کے بارے میں آپ خود حضور کو جواب دہ ہوں گی۔ جب اور کوٹ حضور کی خدمت میں پیش کیا گیا تو حضور نے اسکی عمدگی اور ہلکے پن پر خوشندگی کا اظہار کیا اور پھر باباجی سے اس کی قیمت کے بارے میں پوچھا تو حضرت باباجی نے مجھے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ جواب دیں۔ جب میں نے کوٹ کی قیمت بتائی تو حضور بہت

ناراض ہوئے اور حضرت بابا جی سے فرمایا ’’چوہدری صاحب آپ یہ کوٹ اُتار لیں میں اسے استعمال نہیں کروں گا۔ اس رقم میں کسی یتیم بچے کی تعلیم یا کسی بیوہ کے گھر کا خرچ چل سکتا ہے‘‘۔ آپ کی صحت کی وجہ سے مجھے خیال تھا کہ آپ بوجھل چیز استعمال نہیں کرسکتے۔ مَیں نے حضرت ابا جان سے کہا کہ آپ یہ کوٹ واپس نہ کریں۔ آپ نے بڑے غصہ میں فرمایا ’’میں اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دونگا۔ کہ مَیں نے اتنا قیمتی کوٹ استعمال کیا‘‘۔ حضرت بابا جی کے چہرے پہ جب میری نگاہ پڑی تو میں نے محسوس کیا کہ حضرت بابا جی حضرت ابّا جان کی ناراضگی کی وجہ سے بہت تکلیف محسوس کر رہے ہیں۔ اس پر میں نے بہت اسرار سے یہ اور کوٹ حضور کو پہنا دیا اور یہ عرض کی کہ ابّا جان آپ کو تندرستی حاصل ہوگی تو انشاء اللہ بہت سے یتیم تعلیم حاصل کریں گے اور بیواؤں کے گھر چلتے رہیں گے۔ چنانچہ آپ وہ اور کوٹ اپنے استعمال میں لے آئے اور وہی کوٹ میرے ایک خواب کی بنا پر میرے کندھوں پر ڈالا۔ (الحمدللہ یہی اور کوٹ قدرت ثانیہ کے چوتھے مظہر حضرت مرزا طاہر احمد صاحب نے جلسہ سالانہ 1982ء، 1983ء کے دوران استعمال فرمایا۔)

میانہ روی اور فضول خرچی میں حدِّ فاصل

یورپ کے سفر دوران جب حضرت بابا جی نے دیکھا کہ میں حضرت ابا جان سے کسی چیز لینے کی خواہش کرتی ہوں تو اس بات کو ناپسند فرماتے۔ ایک دکان پر ایک ہینڈ بیگ مجھے بہت پسند آیا میں نے حضرت ابّا جان سے اسے خریدنے کا اظہار کیا اور کہا کہ مجھے بہت پسند ہے لے دیں۔ حضور نے فرمایا کہ لے لو۔ آپ جب جیب سے رقم نکالنے لگے تو حضرت بابا جی نے فرمایا حضرت یہ ہینڈ بیگ بہت قیمتی ہے جمیل نہیں لے گی۔ ایک طرف میرا شوق اور دوسری طرف حضرت بابا جی کا روکنا، کچھ دیر تو حضور کھڑے رہے پھر فرمایا چوہدری صاحب اس قیمت پر لینا پسند نہیں کرتے میری طرف سے تو اجازت ہے لیکن تم ان کی خواہش کا احترام کرو اور اسے مت خریدو۔ مجھے نہ لینے کا افسوس تو بہت ہوا مگر میرے پیارے حضرت ابا جان کا حکم تھا کہ تم چوہدری صاحب کی خواہش کا

احترام کرو۔ بے انتہا پیار کرنے والے باپ نے اپنی بیٹی کی خواہش کا تو احساس نہ کیا لیکن چوہدری صاحب کی مرضی کو مقدّم رکھا۔ اپنے پیارے ظفر کے لئے کس قدر پیار اور احترام آپ کے دل میں تھا۔ میری دلی دُعا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اِس جہان میں انکی دوستی، پیار و محبت و شفقت اور اعتماد کو قائم رکھا اگلے جہان میں بھی دونوں ایک ساتھ ہوں۔

اس واقعہ کے چند روز بعد حضرت باباجی اولاد کی بہتر تربیت اور سادگی پر گفتگو فرما رہے تھے۔ آپ کُرسی سے اُٹھے الماری سے اپنا ایک سُوٹ نکالا اور مجھے فرمایا یہ دیکھو یہ دو سُوٹ میں نے 1936ء میں بنوائے تھے اس پر میں نے کہا باباجی یہ سُوٹ تو عمر میں مجھ سے بھی ایک سال بڑا ہے، میں نے کہا کہ آپ نیا سُوٹ کیوں نہیں لے لیتے؟ آپ نے فرمایا کہ انسان کے پاس صرف ضرورت کی چیزیں ہونی چاہئیں فالتو اشیاء فضول خرچی میں شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ بھی اسے پسند نہیں فرماتا۔

نہایت پیاری اور قابل رشک دوستی

لندن میں حضرت ابا جان نے کئی بار فرمایا کہ کریلے گوشت کھانے کو جی چاہتا ہے۔ برادرم مکرم عبداللطیف خان مرحوم جو سفر میں حضور کے ہمراہ تھے بہت کوشش کے بعد کریلوں کا ایک ڈبّہ لے آئے۔ اُسی روز میں نے کریلے گوشت تیار کئے۔ جب کھانا میز پر چُنا گیا تو اس کی اطلاع حضرت ابّا جان اور حضرت باباجی کو دی گئی آپ دونوں تشریف لے آئے۔ جب کھانا شروع ہوا تو حضور نے پہلا نوالہ لے کر کھانا چھوڑ دیا۔ حضرت باباجی نے حضور کی خدمت میں عرض کی کہ حضور آج کریلے گوشت ہیں آپ نے کھانا کیوں چھوڑ دیا ہے؟ حضور نے حضرت باباجی سے فرمایا پہلا نوالہ لینے پر مجھے یوں محسوس ہوا کہ اس کو تیار کرنے میں میری مریم (امّ طاہر حضرت مریم بیگم صاحبہ) کے ہاتھ لگے ہیں کریلوں کا مزہ بالکل انہیں ہاتھوں کا ہے۔

جب مجھے یہ باتیں یاد آتی ہیں تو میں سوچتی ہوں کہ حضرت ابا جان ہر قسم کی باتیں حضرت بابا جی سے کرتے تھے۔ اپنے گھر کی باتیں بھی آپ سے کہہ دیتے۔ حضرت ابا جان کو حضرت بابا جی پر بھرپور اعتماد تھا۔ اپنے دل کی تمام باتیں آپ سے کہہ دیتے۔ بہت ہی پیاری اور قابل رشک دوستی تھی آقا اور درویش مرید کے درمیان۔

وقت کی پابندی کا ایک سبق

پھر حضور زیورچ تشریف لے گئے۔ حضرت بابا جی نے بعد میں آنا تھا۔ جب ان کے آنے کا وقت قریب آیا تو حضرت ابا جان نے مجھے بُلا کر فرمایا کہ چوہدری صاحب پہنچ رہے ہیں کمرے کی چابی لے جاؤ اور اس کو درست کرو۔ میرے کمرے میں داخل ہوتے ہی ایک دو منٹ بعد حضرت بابا جی تشریف لے آئے۔ سلام کے بعد آپ نے فرمایا کہ آپ کیا کر رہی ہیں میں نے عرض کیا کہ حضرت ابا جان نے فرمایا تھا کہ کمرہ درست کرو اور چیک کرو کہ ضرورت کی تمام چیزیں موجود ہیں۔ حضرت بابا جی نے میرا یہ جواب سن کر فرمایا کہ مَیں تو پہنچ گیا ہوں اور آپ اب کمرہ درست کر رہی ہیں۔ میں نے عرض کی کہ کمرہ تو تیار ہی تھا صرف حضرت ابّا جان کے حکم کے مطابق آئی ہوں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ یہ کام وقت پہ ہونے چاہئے۔ حضرت بابا جی کی بات سے مجھے یہ احساس ہوا کہ یہ وقت کی پابندی کا ایک سبق ہے۔ مَیں نے اوپر جا کر حضرت ابّا جان کی خدمت میں عرض کی کہ کمرہ تو صاف تھا آپ نے مجھے بھجوا دیا۔ مگر حضرت بابا جی نے مجھے یہ فرمایا ہے۔ مجھے بابا جی کا یہ کہنا کچھ بُرا بھی محسوس ہوا جس کا اظہار میں نے حضرت ابّا جان سے کیا۔ حضرت ابا جان نے فرمایا کہ تمہیں محسوس نہیں کرنا چاہئے جیسا میں تمہارا باپ ہوں ویسا ہی وہ بھی تمہارے والد ہیں۔

رضائی رشتہ کی اور زیادہ قریبی رشتہ میں تبدیلی

میری بیٹی عزیزیہ سعدیہ کا رشتہ حضرت بابا جی کے بڑے نواسے عزیزم محمد فضل صاحب کے

ساتھ ہوا۔ اس کی وجہ زیادہ تو حضرت ابا جان اور حضرت بابا جی کا باہمی پیار و محبت و دوستی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے میرے رضائی رشتہ کو اور زیادہ قریبی رشتہ میں تبدل کر دیا۔ الحمدللہ آپ دونوں کے پیار و محبت کو اللہ تعالیٰ نے بھی قبول فرمایا اور حضرت بابا جی کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے بہشتی مقبرہ میں بھی اپنے پیارے کے قدموں میں جگہ عطا فرمائی۔ الحمدللہ۔

دعاؤں کا مستحق خوش نصیب

ایک جلسہ کے دنوں میں ہمارے یہاں مہمان ٹھہرے ہوئے تھے۔ جلسہ کے دوران ظہر کے وقفہ میں جب مہمان کھانا کھانے آئے تو ان میں سے ایک نے کہا کہ بی بی مبارک ہو میں نے خیر مبارک ہو کہنے کے بعد ان سے پوچھا بات بھی تو بتائیں اس پر انہوں نے کہا کہ آج حضرت بابا جی اجلاس کی صدارت کر رہے تھے۔ جب آپ فارغ ہو کر اسٹیج سے اترے تو ایک نوجوان حضرت بابا جی کی خدمت میں حاضر ہوا اور چند مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے اپنے لئے خصوصی دعا کی درخواست کی۔ آپ نے اس نواجوان سے اس کا نام پوچھا اور کہا کہ ان شاء اللہ دعا کروں گا اللہ تعالیٰ آپ کی تمام مشکلات دور فرمائے۔ مَیں الفضل میں دعا کی درخواستیں پڑھتا ہوں مگر ہر ایک کا نام لے کر دعا کرنا مشکل ہے۔ اس لئے میں مجموعی طور سب کے لئے دعا کرتا ہوں اس مَیں آپ کو بھی یاد رکھوں گا۔ پھر آپ ایک قدم آگے بڑھے اور فرمایا ہاں ایک انسان ایسا ہے جس کا نام لے کر اس کو اس کے بچوں کو ہمیشہ ہر نماز اور سجدہ میں یاد رکھتا ہوں۔ جب بابا جی نے یہ کہا تو جو مہمان آپ کے ہمراہ تھا اُس نے آگے بڑھ کر پوچھا وہ کون خوش نصیب ہے۔ آپ نے فرمایا امۃ الجمیل اور ان کے بچے۔ اُس مہمان نے واپس آ کر مجھے کہا کہ میں نے حضرت بابا جی سے یہ سوال اس لئے پوچھا کہ مجھے یقین تھا کہ وہ خوش نصیب مَیں ہوں گا لیکن حضرت بابا جی کی زبان سے آپ کا اور آپ کے بچوں کا نام نکلا۔

اصول پسندی کی انتہا

دس بارہ سال پہلے کا واقعہ ہے کہ حضرت باباجی جلسہ کے لئے ربوہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ آپ میرے گھر بھی تشریف لائے بیٹھنے کے کمرے میں سلام دعا اور خیریت معلوم کرنے کے بعد مَیں آپ کی اجازت سے کافی لینے کے لئے باہر نکلی تو کیا دیکھتی ہوں کہ آپ بھی باہر تشریف لے آئے تو میں نے عرض کی کہ باباجی کہاں جارہے ہیں۔ آپ نے کہا بی بی بیٹھنے کے بعد میری نظر بورڈ پر پڑی جس میں لکھا تھا ''ضروری التماس! جُوتے اتار کر تشریف لائیں۔'' یہ بورڈ ہماری گیلری میں پڑا ہوا تھا میں نے کہا باباجی یہ بورڈ آپ کے لئے نہیں ہے بلکہ یہ تو اُن لوگوں کے لئے ہے جو مٹی والے جوتے لے کر کمروں میں آجاتے ہیں۔ آپ تو گاڑی میں تشریف لائے ہیں۔ میرے اصرار کے باوجود آپ نے جوتے اتار دئے۔ اور فرمایا اصول سب کے لئے ایک ہونا چاہیے۔ میں نے عرض کی کہ آپ کو جوتے پہنتے ہوئے تکلیف ہوگی مگر آپ نے یہ بات پسند نہیں فرمائی اور جُوتے اتار کر کمرے میں تشریف لائے۔ آپ کے اس عمل سے میری طبیعت پر بڑا بوجھ محسوس ہوا مگر آپ نے پسند نہ فرمایا کہ آپ اپنے اور کسی دوسرے فرد میں کسی قسم کا فرق رکھیں۔ آپ تمام بنی نوع انسان کو برابر سمجھتے تھے۔

خدا تعالیٰ نے آپ کو زندگی میں اس قدر درجات عالیہ عطا فرمائے لیکن اس کے باوجود آپ نے اپنی بیٹی کے گھر ایک تختی پہ لکھے ہوئے اصول کے خلاف عمل کرنا پسند نہ فرمایا۔

ایک دیرینہ خواہش اور اس کی پذرائی

جب آپ نومبر کے وسط میں پاکستان تشریف لاتے تو آپ کا قیام لاہور میں اپنی پچھلی کوٹھی میں ہوتا۔ مَیں ہمیشہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتی اور دعا کی درخواست کرتی اور جب مارچ میں آپ کی واپسی ہوتی تو پھر ایک بار اللہ تعالیٰ آپ سے ملاقات کا وقت عطا فرماتا۔

1982ء میں مَیں نے آپ سے فون پر ملاقات کے لئے وقت دینے کی درخواست کی۔ تو آپ نے شام پونے چار بجے ملاقات کا وقت دیا۔ میں اپنی بڑی بیٹی عزیزہ یاسمین کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔

ہم دونوں وقتِ مقررہ پر پہنچیں۔ سلام کے بعد دعا کی درخواست کی جی میں کچھ باتیں تھیں جو عرض کیں۔ تین منٹ کے بعد واپسی کی اجازت چاہی۔ فرمایا ’’نہیں آپ بیٹھئے، ایک پیالی کافی میرے ساتھ پیجئے۔‘‘ میں نے عرض کی بابا جی چائے تو مَیں پی کر آئی ہوں۔ آپ میرے جواب پر مسکرائے اور فرمایا میرے ساتھ نہیں اُدھر میں نے عرض کی نہیں بابا جی مجھے آپ کے ساتھ پی کر زیادہ خوشی ہوتی مگر اس وقت طبیعت نہیں چاہ رہی۔‘‘

مجھے اُن کے معمور الاوقات ہونے کا پورا احساس تھا۔ مَیں نے پھر واپسی کی اجازت چاہی۔ آپ نے فرمایا نہیں اور بیٹھیے۔ کافی دیر آپ نے گفتگو فرمائی اس دوران آپ آنحضرت ﷺ اور بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی باتیں کرتے رہے اور اولاد کی تربیت کے بارے میں بہت کچھ فرمایا۔ مَیں نے وقت دیکھا تو کوئی آدھ یا پون گھنٹہ گذر چکا تھا مَیں نے آپ سے پھر اجازت چاہی اور کہا کہ آپ کے قیمتی وقت کا احساس ہے اب جانے کی اجازت فرمائیں۔ حضرت بابا جی کھڑے ہوگئے اُن کے ساتھ ہم بھی کھڑے ہوگئے۔ میں نے حضرت بابا جی کی خدمت میں عرض کیا بابا جی مَیں نے کبھی کسی خواہش کا اظہار نہیں کیا اگر اجازت ہو تو کروں۔ آپ نے فوراً فرمایا کہیے؟ میں نے عرض کی دعا تو آپ ہمیشہ ہی ہمارے لئے کرتے ہیں لیکن میری بڑی خواہش ہے کہ آپ میرے بچوں کے سر پر ہاتھ پھیریں اس لئے کہ آپ کے ہاتھ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے ہاتھوں میں کئی دفعہ گئے ہوں گے۔ اس پر بابا جی نے میری بیٹی یاسمین کو اپنے سینہ سے لگایا اس کے سر پر پیار دیا اور کافی دیر تک لگائے رکھا۔ مَیں آپ کے چہرہ کی طرف دیکھ رہی تھی آپ کے ہونٹ ہل رہے تھے یعنی یہ کہ آپ ساتھ ہی دعا بھی کر رہے تھے۔ پھر آپ نے میرے ماتھے اور سر پر پیار کیا۔ میرے

دونوں ہاتھ کافی دیر تک اپنے ہاتھوں میں تھامے رکھے اور اس دَوران مسلسل دعا کرتے رہے۔

دروازہ پر پہنچ کر حضرت باباجی نے خود دروازہ کھولنا چاہا مَیں نے عرض کی باباجی یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ آپ میرے لئے دروازہ کھولیں۔ آپ نے فرمایا کہ آپ کو علم نہیں کہ آپ کس کی پوتی اور کس کی صاحبزادی ہیں میرے اصرار کے باوجود آپ نے خود دروازہ کھولا اور بڑے پیار سے رخصت کیا۔ جب کار مڑنے لگی تو مَیں نے پیچھے مڑ کر دیکھا کہ حضرت باباجی اُسی جگہ پر کھڑے تھے جہاں سے اپنی بیٹی کو رخصت کیا تھا۔

مُول سے بیاج پیارا

ایک دفعہ شام کے وقت میں کوٹھی گئی ہوئی تھی۔ واپسی پر امۃ الحیٔ میری بیٹی عزیزہ سعدیہ کو حضرت باباجی سے ملوانے کے لئے لے گئی۔ مَیں عزیزہ عائشہ سے جو آپ کی نواسی ہے باتیں کر رہی تھی جب سعدیہ واپس آئی تو مَیں نے عزیزہ عائشہ سے کہا کہ ابّا کو سلام اور پیار کہنا اور کہنا کہ خالہ نے کہا ہے کہ آپ اپنی بیٹی کی بہو کو تو ملے اور اپنی بیٹی کو نہیں بلایا۔ عزیزہ عائشہ نے اپنی امی کو یہ پیغام دیا کہ خالہ جاتے ہوئے ابّا جان کو یہ پیغام دے گئی ہیں۔ امۃ الحیٔ نے ابّا کو یہ بات بتائی اس پر آپ نے فرمایا کہ جمیل سے کہنا کہ ''مُول نالوں بیاج پیارا۔'' امۃ الحیٔ نے کہا کہ جمیل تو دارالذکر چلی گئیں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ یہ پیغام فون پر دے دو۔ امۃ الحیٔ نے بتایا کہ فون دفتر میں ہوتا ہے اس وقت بند ہے اس پر عزیزہ عائشہ کو ابّا کا یہ پیغام دے کر دارالذکر بھیجا۔ عزیزہ عائشہ سے سُن کر مَیں نے کہا کہ ابّا سے کہنا کہ مَیں آپ کے ایک پیارے کا مُول اور ایک کا بیاج ہوں۔ جب میرا یہ پیغام پہنچا تو اگلے روز مجھے بلوایا اور اپنے پاس بیٹھنے کا موقعہ دیا۔ الحمدللہ۔

آخری علالت

آپ جب لندن سے پاکستان مستقل تشریف لائے تو میری بہن نے فون پر آپ کی آمد کی

اطلاع دی اور یہ بھی بتایا کہ آپ بہت کمزور نظر آتے ہیں۔ چند روز بعد مَیں آپ سے ملنے کے لئے گئی۔ مَیں نے آپ کو دیکھا تو میری صحت پر آپ کی کمزوری صحت کا بڑا اثر ہوا۔ بعد میں اکثر ربوہ سے فون پر آپ کی صحت کے بارے میں دریافت کرتی رہی۔

اللہ تعالیٰ نے آخری بیماری کے دوران تین راتیں حضرت باباجی کے پاس رہنے کا موقع عطا فرمایا۔ ابّا کے پاس مَیں اور امۃ الحئی رات دن بیٹھتے تھے۔ جب ہم دونوں کافی رات کے بعد کمرے میں سونے کے لئے جاتے تو نصیب اللہ کمرے میں باباجی کے پاس آجاتے۔ مَیں اپنے بستر سے بار بار اٹھ کر جاتی اور باباجی کو دیکھتی یہاں تک کہ فجر کا وقت ہو جاتا۔ حضرت باباجی جب آرام فرماتے تھے تو سانس بہت آہستہ لیتے تھے۔ کبھی یہ احساس نہ ہوا کہ کوئی سو رہا ہے۔ اس وجہ سے مَیں کئی بار یہ دیکھنے کے لئے کے سانس ٹھیک آرہا ہے اپنا ہاتھ آپ کے ناک کے قریب کر کے سانس محسوس کرتی۔

میری طبیعت بہت زیادہ حساس ہو چکی تھی کیوں کہ مَیں اپنے پیارے ابّا کا دُکھ دیکھ چکی تھی اور بار بار یہی دعا کرتی تھی کہ الٰہی میری بہن کو اس غم سے دُور رکھیو۔ یہ وقت تو ہر انسان پر آتا ہے لیکن کوئی انسان اپنے پیارے کے لئے کبھی یہ نہیں چاہتا۔

مجھے جتنی بھی دعائیں یاد تھیں وہ تمام پڑھ کر مَیں بار بار آپ پر پھُونکتی اور اللہ تعالیٰ کے حضور گڑ گڑا، گڑ گڑا کر یہ دعا کرتی اے اللہ ان کی زندگی اور صحت میں برکت عطا فرمایہ تو حضرت مسیح موعود کے صحابہ میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے یہ بھی دعا کرتی کہ اے اللہ ان کو اور حضرت اقدس کے صحابہ کو سلامتی کے ساتھ لمبی زندگی عطا فرمائیو تا کہ یہ ہستیاں صد سالہ جوبلی کی رونقوں میں مزید رونق و رعنائیاں پیدا کریں۔ اور یہ ہستیاں امام جماعت کے دائیں و بائیں بیٹھ کر حضرت بانئ سلسلہ احمدیہ کے پیارے واقعات اپنی زبانِ مبارک سے بیان فرمائیں۔

میں نے آپ کی تمام بیماری کے دوران صرف اور صرف ایک بات سُنی اور وہ یہی کہ ”نماز کا

وقت ہوگیا۔‘‘؟ ’’مجھے نماز پڑھادو۔‘‘

ہمیشہ باجماعت نماز پڑھنی پسند فرمائی۔ میرے دیکھنے میں یہ بات بھی آئی کہ آپ یہ چاہتے تھے کہ ہمیشہ باوضو رہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ کے گھر میں نماز باجماعت کا نہایت مناسب انتظام تھا۔

(بحوالہ ماہانہ خالد ربوہ دسمبر 1985ء وجنوری 1986ء صفحہ 31 تا 33)

◆

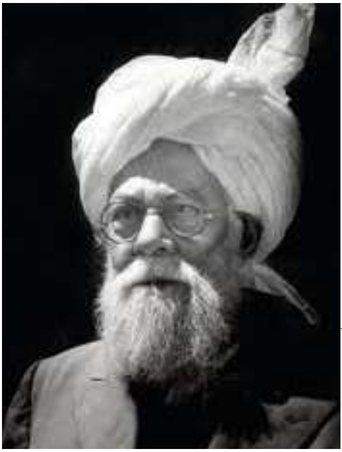

ان سے مجھے تین وجہ سے محبت ہے۔

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ عنہ حضرت ظفر اللہ خان صاحب کے بارہ میں فرماتے ہیں۔

’’مجھے ان سے تین وجہ سے محبت ہے۔ ایک تو ان کے والد کی وجہ سے جو نہایت مخلص احمدی تھے۔۔۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ان میں ذاتی طور پر بھی اخلاص ہے۔ اور آثار وقرآئن سے ظاہر ہے کہ وہ اپنے آپ کو دین کی خاطر ہر قربانی کے لئے تیار رکھتے ہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے علم عقل اور ہوشیاری دی ہے اور وہ اور زیادہ ترقی کی قابلیت رکھتے ہیں۔‘‘

(رسالہ خالد دسمبر 1985 وجنوری 1986 صفحہ 39)

میں بیان نہیں کرسکتی کہ ان کی مسکراہٹ کتنی دلکش ہوتی تھی

باپ بیٹی کے پیار میں گندھے ہوئے تعلقات کی دلگداز داستان

محترمہ امۃ الحیٔ صاحبہ

بنت حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خاں صاحب کا خصوصی انٹریو

سوال: آپ نے بحیثیت باپ حضرت چوہدری صاحب کو کیسا پایا۔؟

جواب: خدا تعالیٰ نے گیارہ سال کی عمر میں میرے پیارے ابّا کو حضرت بانئ سلسلہ احمدیہ کی زیارت کی سعادت عطا کی۔ اور یوں احمدیت میں ایک معصوم بچے کے عشق کا آغاز شروع ہوا۔ اور ایک ایسی زندگی شروع ہوئی جس کا عنوان یہ عہد تھا کہ مَیں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا۔ مجھ سے یا بچوں سے کسی سے تقریباً روز خواہ کتنا ہی مصروف دن کیوں نہ گذرا ہو فرمایا کرتے تھے کہ ”دیکھو ہوتا بس وہی ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے انسان کی کوئی حقیقت نہیں“ اور پھر کوئی واقعہ سنا دیتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ ”زندگی ایک تیز دھار کی مانند ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ بڑا رحم کرنے والا ہے چاہے تو آسان بنادے ہر حالت میں رضائے الٰہی پر رہنا چاہیے اور تقویٰ کو مضبوطی سے پکڑے رہنا چاہیے۔ دعاؤں میں ہر وقت لگے رہنے کی عادت ڈالنے کی کوشش کرنی چاہیے جیسے جیسے اپنے خدا کو دیکھو گے سارے معاملے خدا خود ہی سلجھاتا چلا جائے گا۔ یہ بہت فرماتے تھے، بچوں سے کہ، دیکھو اپنی سوچ کو غلط طرف نہ جانے دو۔ غلط سوچ کو فوراً وہیں کچل دو۔ اگر ایسا ہو جائے تو سمجھو کہ آدھا عمل تو ہو گیا۔ سارے دن میں انہیں آدھہ گھنٹہ یا ایک گھنٹہ ہی صرف اپنے لئے ملتا۔ تو خواہ کسی بھی موضوع پر بات ہو رہی ہوتی آخر دین ہی دنیا پر غالب آتا تھا۔

خدا تعالیٰ نے اس عاجز درویش بندے کو دین و دنیا کے بہترین نعمتوں سے نوازا، عشقِ الٰہی میں فنا ہونا سکھلایا تو پھر ذرا سوچئے کہ ایسا شخص جب اپنی اولاد سے محض اللہ اور اللہ کے رسول کی خاطر محبت کرے تو کیسی عجیب محبت ہوگی۔ بخدا ایک پیار کی نظر ایک چھوٹا سا فقرہ یا ایک ہلکی سی مسکراہٹ ہی دیوانہ بنا دینے کے لئے کافی ہوتی تھی اور مَیں دل ہی دل میں درود پڑھتی رہتی تھی۔

سوال: حضرت چوہدری صاحب کی بیماری کے آخری ایام کے بارے میں کچھ بتائیں؟

جواب: آخری بیماری میں ایک دن مجھ سے بڑی سنجیدگی سے مگر بہت ہی پیاری باتیں کر رہے تھے۔ میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا ”اے کاش میرے دل کا یہ حال نہ ہوتا آپ کے بغیر جینا مشکل ہو جائے گا۔ فوراً بولے DARLING COMPLETE YOUR STATEMENT مَیں نے فوراً توبہ اور استغفار کیا اور کہا ”اللہ میرے لئے کافی ہے اور ہمیشہ زندہ رہنے والا دوست ہے۔ مَیں ذرہ حقیر اور اُس کے بے شمار فضل مجھ پر میرا وہ مطلب نہیں تھا۔ آپ نے فوراً فرمایا I KNEW BY THE GRACE AND MERCY OF ALLAH

ایک مہینہ اور دس دن کی اس بیماری میں پہلے پانچ دن تو آپ مکمل بے ہوش رہے پھر جب ہوش میں آئے تو ظہر کا وقت تھا۔ میاں محمد سلمہ کو آواز دی۔ میاں محمد سلمہ پاس ہی تھا کہا ”جی ابّا السلام علیکم آپ کی کیسی طبیعت ہے؟“ فرمایا ”کیا وقت ہے۔“ میاں محمد سلمہ نے بتایا تو کہا کہ مجھے ظہر و عصر کی نمازیں جمع کر کے پڑھا دو۔ اس دوران میں ہم سب اللہ کا شکر ادا کر رہے تھے۔ چنانچہ عزیزم محمد میاں سلمہ نے انہیں نمازیں پڑھا دیں۔

یہ محض اللہ تعالیٰ نے آسمان سے صبر اتارا تھا بلکہ ان کی گرتی ہوئی صحت بلکہ ٹمٹماتی ہوئی زندگی نے ان کے کمرے کا جو ماحول بنا رکھا تھا اس کے برداشت کرنا میرے لئے ناممکن ہو رہا تھا۔

پھر اُس دن کے بعد عجیب دور شروع ہوا۔ میرے ابّا کے وصال سے کوئی سات آٹھ گھنٹہ قبل ہر روز کئی کئی دفعہ انہیں مکمل ہوش آجاتا۔ وہ گرمئ عشقِ الٰہی سے پگھل رہے ہوتے تھے۔

آنکھوں سے آنسوؤں کی مکمل برسات جاری ہوتی تھی وہ سمجھتے تھے کہ جو وہ دیکھ رہے ہیں وہ مَیں بھی دیکھ رہی ہوں لیکن ایسا تو نہیں تھا سوائے ایک دفعہ کے۔ یہ لکھواتے ہوئے بھی میری جان پگھل رہی ہے۔ مَیں بیان نہیں کر سکتی اُن کی ایک مسکراہٹ کو کہ وہ کیسی دلکش تھی جب انہوں نے سامنے دیکھتے ہوئے فرمایا ’’تو چلئے‘‘ میری طرف دیکھا اور فرمایا ’’انہیں بٹھاؤ میری تیاری مکمل ہے۔‘‘ مَیں نے کہا ’’جی‘‘ پھر بے اختیار میرے آنسو جاری ہو گئے۔ بے شمار دفعہ فرماتے تھے کہ محمد میاں سلمہ سے کہو حضور سے اجازت لے کر میرے پاس چلے آئیں۔ میاں محمد سلمہ جو پاس ہی ہوتے کہتے ’’ابّا مَیں آپ کے پاس ہی ہوں دیکھیں میری طرف یہ رہا۔ مصطفیٰ میاں سلمہ اور عائشہ بیگم سلمھا کو بھی بہت پیار کرتے اور پھر حد درجہ شفقت سے اُن سے باتیں کرتے رہتے۔ یہاں تک کہ پھر بے ہوشی شروع ہو جاتی۔ ایک دن فرمایا محمد میاں سلمہ سعدیہ کہاں ہے؟ مَیں نے کہا ابّا محمد میاں کی دلہن تو اکثر وقت آپ کے پاس رہتی ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ بہت خدمت کرنے کی اُس کو توفیق مل رہی ہے۔ اس کے لئے دعا کریں آپ پڑنانا بننے والے ہیں فوراً جواب دیا

YES I KNEW اللہ فضل فرمائے۔

تقریباً ہر روز ابراہیم میاں سلمہ کو بلاتے بہت پیار کی باتیں اس سے کیا کرتے تھے۔ ہمیشہ اس سے کہا کرتے تھے کہ تم میرے لئے دعا کرو کیوں کہ مجھے تمہارے لئے بہت دعائیں کرنے کی توفیق ملتی ہے۔ آخری دن تو ابراہیم سلمہ سارا دن کے لئے اُن کے کمرے میں اُن کی پلنگ پر ہی رہے۔ مکرم ڈاکٹر وسیم احمد صاحب بھی آخری وقت ہم سب کے ساتھ ہی رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں بہت عظیم خدمت کا موقعہ عطا فرمایا اور وہ گویا ابّا کی اولاد میں شامل ہو گئے۔ میرے ابّا اُن کے لئے بہت دعائیں کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین۔ احمدیت سے ڈاکٹر صاحب کو بہت محبت تھی۔ اور ماشاء اللہ وہ اپنے علم میں بھی کمال مہارت رکھتے ہیں۔

اپنی آخری بیماری میں جب پانچ دن کی متواتر بے ہوشی کے بعد ابّا کو ہوش آیا تو اُسی دن کی

بات ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے السلام علیکم کہا اور طبیعت پوچھی۔ ابّا نے ہاتھ آگے بڑھایا اور مصافحہ کیا اور فرمایا’’ آپ نے میری بڑی خدمت کی ہے۔ جزا کم اللہ احسن الجزا فی امان اللہ۔‘‘ مَیں محترم ڈاکٹر صاحب کی بے لوث خدمات کی وجہ سے اُن کو اپنی عاجزانہ اور درمندانہ دعاؤں میں بفضلہٖ تعالیٰ کبھی نہیں بھُولتی آگے بھی اللہ تعالیٰ اسی طرح کی توفیق عطا فرماتا چلا جائے گا۔ میرے ابّا کا کلمہ طیبہّ کا بیج جو اُن کے پُرنور سینہ میں رات دن لگا رہتا تھا۔ (اور میری بے شمار یادیں اس سے وابستہ ہیں۔) وہ مَیں نے ڈاکٹر صاحب کو ابّا کی وفات کے ایک ماہ بعد دے دیا تھا۔ یہ عظیم تبرک مَیں اپنے لئے رکھنا چاہتی تھی مگر وہ ڈاکٹر وسیم صاحب کے لئے مقدر تھا۔ اللہ تعالیٰ انہیں مبارک کرے۔ آمین۔

مرض الموت کے آخری ہفتہ میں آپ بہت سنجیدہ ہو گئے اور چہرے پر ایسا اثر رہنے لگ گیا اگر بیہوش بھی ہوتے تو کچھ کہنے سے پہلے ہم لوگوں کو گھبراہٹ ہوتی کہ کہیں ہوش آ گیا تو طبیعت پر ناگوار نہ گذرے۔ اس عرصہ میں جب بھی ہوش آیا تو صرف حضور کے بارے میں پوچھا کرتے۔ میری طرف دیکھتے رہتے مَیں اُنہیں بوسہ دیتی مگر کچھ نہ کہتے۔ عائشہ کی عادت بھی میری طرح تھی۔ ایک دن میں نے عرض کی کہ مَیں ترس گئی ہوں خدا کے لئے کچھ تو کہیے تو فرمایا Darling the century is over پھر اشارے سے مجھے قریب کیا اور میرے رخسار پر پیار کیا۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کو معلوم ہے نہ کہ میں احمدیت کے عظیم الشان قافلہ کی ایک مشت غبار بھی نہیں ہوں پھر باپ بیٹی کا ضبط کچھ دیر کے لئے ٹوٹ گیا۔

ابّا کے وصال سے چار یا پانچ دن پہلے ظہر اور عصر کے درمیان کا وقت تھا۔ مکمل بے ہوشی تھی ہم سب شدید پریشان تھے۔ سب اُن کے پاس ہی تھے کہ اُنہوں نے اچانک بلند آواز سے کلمہ طیبہ پڑھا مگر آنکھیں نہیں کھولیں۔ وہی کیفیت بے ہوشی قائم تھی۔ مَیں نے جگانے کی کوشش کی مگر حالت میں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہوئی۔ میاں محمد سلمہ اور عائشہ سلمہا نے بلڈ پریشر، بلڈ شوگر، اور عملِ

تنفس فوراً چیک کیا بفضلہٖ تعالیٰ سب کچھ ٹھیک تھا۔ عجیب وقت تھا مجھے گذشتہ باتیں یاد آرہی تھیں کہ ایک دن مئی کے مہینہ میں مجھے بُلایا اور فرمایا ''یا چار دن یا چار ہفتے یا چار مہینے اس سے زیادہ وقت اب نہیں۔'' اور بعد میں مجھ سے بہت سی باتیں کرتے رہے۔ مَیں اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں کرتی رہی اور اُن کے پیروں میں بیٹھ گئی۔ میں نے کہا آپ کو یاد ہے اللہ تعالیٰ نے جو میرے دل میں القا کیا تھا۔

''تیرے قدموں کے نیچے میری جنت ہے۔''

آپ دُعا کررہے تھے کرتے رہے اور اپنا دستِ شفقت میرے سر پر رکھا ہوا تھا۔

آخری لمحات

یکم ستمبر کی صبح جب اللہ جلّ شانہ کی منشاء پوری ہونے کا وقت قریب آرہا تھا اُس وقت پلنگ کے بائیں طرف ڈاکٹر وسیم احمد صاحب اور میاں محمد صاحب سلمہ کھڑے تھے۔ پاؤں کی طرف مصطفیٰ سلمہ اور میری پیاری امیّ اور قریب ہی کمرہ میں نصیب سلمہ اللہ بھی کھڑے تھے اور دائیں طرف عائشہ سلمھا اور محمد میاں کی دلہن اور زہرہ بیگم جو میری عزیز ترین سہیلی اور میری رشتہ دار بھی ہیں کھڑے تھے۔ ابّا بالکل سامنے دیکھ رہے تھے۔ آنکھوں میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے دو تیز روشنیاں نظر آرہی ہیں۔ چہرہ پرنور کا یہ عالم تھا کہ بیان نہیں ہوسکتا۔ مَیں نے نبض دیکھنی چاہی تو محترم ڈاکٹر وسیم احمد صاحب نے کہا نبض نہیں ہے۔ مَیں آنکھوں میں دیکھ رہی تھی کہ میرے دل میں اتنی شدّت سے یہ خواہش پیدا ہوئی کہ مَیں اُن کے مُنہ کے ساتھ اپنا مُنہ لگا کر دعائیں کرلوں تا کہ یہ سانس بھی خالی نہ جائیں ایک ایک سانس درود اور اپنے رب کی کبریائی اور عظمت میں لپٹ جائے۔ میرے رب نے مجھے ایسا کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ ابّا کی سانسوں کو مَیں اپنے منہ پر محسوس کررہی تھی وہ احساس یک لخت ختم ہوگیا۔ مَیں نے اپنا مُنہ ہٹایا اور مکرم ڈاکٹر صاحب سے پوچھا ''کیا اللہ کی رضا پوری ہوگئی۔''؟ ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا۔ ''جی ہوگئی ہے۔ ہم سب نے

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا۔

راضی ہیں اُسی میں جس میں تیری رضا ہو

صاحبزادی امۃ الجمیل صاحبہ جو حضرت فضل عمر کی صاحبزادی اور حضرت مرزا طاہر احمد صاحب امام جماعت احمدیہ کی چھوٹی بہن ہیں اور کمترین کی رضائی بہن بھی ہیں انہیں ابّا سے بے پناہ محبت تھی اور ہے جو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور میرے ابّا گھر سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہونے کے کوئی بیس منٹ پہلے ان کے پاس پہنچ گئیں ورنہ عمر بھر بے قرار رہتیں۔

سوال: حضرت چوہدری صاحب نے آپ کی شادی پر آپ کو کیا نصیحت کی تھی۔؟

جواب: میرے رخصتی والے دن میرے ابّا نے مجھ سے فرمایا کہ

”دیکھو اگر تمہاری طبیعت میں کسی بات کی وجہ سے کوئی بوجھ پیدا ہو جائے تو مجھے کچھ نہ بتانا۔ میرے سامنے ایسی ہی ہشاش بشاش نظر آنا۔ تم تو جانتی ہو مَیں تمہاری تکلیف برداشت نہیں کر سکتا اور پھر ہم دونوں نے مختلف بشری پریشانیوں اور زندگی کے نشیب و فراز کے فلسفہ پر کافی باتیں کی ہوئی ہیں تم میرے خیالات جانتی ہو اور مَیں تمہارے خیالات سے واقف ہوں۔ ہم دونوں کا ایک ہی بات پر ایمان ہے کہ ہر مشکل کا علاج صرف دعا ہی ہے۔ ایک بات یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ دعاؤں کو بہت سننے والا ہے مَیں نے تمہارے لئے بہت دعائیں کی ہیں اور دعائیں کرنے کے مختلف طریقے اختیار کئے ہیں۔ ہر قسم کے حاجت مندوں کو مَیں نے اپنی دردمندانہ اور عاجزانہ دعاؤں میں الگ الگ تقسیم کیا ہوا ہے۔ ایک گروپ کے لئے جب دعا کر لیتا ہوں تو پھر اپنے رب سے عرض کرتا ہوں ایک تیرا یہ بندہ جو کہ ایسا ہے، ایسا ہے اس کی اک بیٹی ہے اس کی ایک بیٹی ہے لاہور چھاونی میں رہتی ہے نام ہے امۃ الحئی...“

سوال: حضرت چوہدری صاحب آپ کے پاس جب مستقل رہائش کے لئے لاہور تشریف لائے تو کوئی خاص ہدایات اگر دی ہوں تو بیان فرمایئے۔

جواب: جی ہاں میرے ذمہّ دو نہایت اہم ذمہ داریاں کی ہیں۔ اللہ کے فضل سے اُنہیں کے الفاظ میں بیان کرتی ہوں۔

"میرے پاس آیئے بیٹھے۔ بہت قریب ہو کے بیٹھئے۔ دو باتیں مَیں آپ کے سپرد کرنے والا ہوں۔ مَیں نے بہت دعا بھی کی ہے خدا تعالیٰ آپ پر رحم کرے اور آپ کو بہترین توفیق عطا فرمائے کہ نہایت خوش اسلوبی سے اور وفا سے جب تک مَیں ہوں اپنے فرض نبھا سکیں۔ آمین یا رب العالمین۔

پہلی بات: میری نمازوں کی ادائیگی ہے۔ اوّل وقت پر جماعت کے ساتھ پڑھنے کا انتظام کیجئے۔ میری جو حالت ہے وہ تو آپ دیکھ رہی ہیں۔ اِس وقت کے بعد یہ کلیۃً آپ کی ذمہ داری ہوگی کہ میری نمازیں بروقت ادا ہوں جب تلک میرے ہوش سلامت رہیں نمازوں کا وقت آپ مقرر کر دیں۔

دوسری بات: مَیں ایک ایک دن گن گن کر گذارتا رہا ہوں کہ کب تمہارے گھر جاؤں گا۔ الحمد للہ دیکھ لو اللہ تمہارے ابّا کو لے آیا۔ اب تم پر لازم ہے کہ مجھے چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤ گی اور جتنا ممکن ہو سکے اپنا وقت میرے پاس گذارو گی۔ اور کبھی کسی بہت ہی ضروری کام سے باہر جانا ہو تو کم از کم تین دن پہلے مجھے اطلاع دینی ہوگی تا کہ مَیں اپنے آپ کو تمہاری جدائی کے لئے تیار کر لوں۔ مصطفیٰ میاں سلمہ اور عائشہ بیگم سلمہا جب کالج سے واپس آئیں تو ہوم ورک میرے کمرے میں ہی کیا کریں۔ ہم سب اکھٹے دوپہر کا کھانا اور رات کا کھانا کھایا کریں گے۔ انشاء اللہ۔ ابراہیم میاں سلمہ جب چاہے میرے پاس آ سکتا ہے اور جتنی دیر وہ چاہے ٹھہر سکتا ہے۔"

میری اماّں کی طرف دیکھ کر فرمایا۔ "اگر آپ بھی اس پروگرام میں شامل ہو جائیں تو یہ مجھ پر بڑی عنایت ہوگی۔"

اس عرصہ میں ایک محتاط اندازے کے مطابق مَیں صرف پانچ دفعہ گھر سے باہر گئی ہوں جبکہ

ایک دفعہ اُنہوں نے گاڑی بھیج کر مجھے واپس بلا لیا۔

اللہ کے فضل سے نہایت تسلی بخش انتظام ہو گیا۔ نمازیں پڑھانی تو مصطفیٰ میاں سلمہ کے سپرد کر دیں۔ وہ اللہ کے محض فضل و کرم سے 14 نومبر 1983ء سے لے کر 17 ستمبر 1984ء تک بڑے سنوار کر اور مستعدی سے یہ فرض ادا کرنے کی توفیق پاتے رہے۔

میرے ابّا کی صحت اتنی خراب رہنے لگ گئی کہ مصطفیٰ میاں سلمہ نے تقریباً رات اور دن علاج معالجہ کے تمام ممکنہ فرائض ادا کرنے شروع کر دئے۔

نصیب اللہ سلمہ میرے پاس 1974ء سے رہتے ہیں وہ میرے بچوں کی طرح ہی ہیں۔ انہیں بھی مصطفیٰ میاں سلمہ کے ساتھ ڈیوٹی پر لگا دیا گیا۔ میرے ابّا کا دیرنہ خاص ملازم محمد اسماعیل بھی حاضر رہتا تھا اور یہ عاجزہ بھی جتنا وقت دن کو ممکن تھا ابّا کی خدمت میں رہتی۔ جب طبیعت زیادہ خراب ہوئی تو پھر میرا معمول بن گیا کہ ابّا کے پاس سارا وقت گذارا کرتی تھی۔ نرسنگ کے بعض فرائض مَیں نے اپنے ذمہّ لے رکھے تھے۔ وہ آخری وقت تک میں سرانجام دیتی رہی۔

17 ستمبر 1984ء کو مصطفیٰ میاں سلمہ جب اپنی تعلیم کے لئے انگلستان روانہ ہوئے۔ نمازوں کی ادائیگی کے فرائض نصیب اللہ سلمہ کے سپرد کر دیئے گئے اور ادویات میرے سپرد ہو گئیں اور نرسنگ کے فرائض بھی میرے اور نصیب اللہ سلمہ کی ذمہ داری ہو گئے۔ اسماعیل کے ذمہ کھانا کھلانے کا کام رہ گیا۔ تقریباً ہر کھانے کے وقت مَیں موجود ہوتی تھی یا پھر میری امی عائشہ کے سپرد بلڈ پریشر، شوگر کا ٹیسٹ اور انسولین کے ٹیکے لگانے کی ذمہ داری ہوئی۔، بلڈ شوگر کا ٹیسٹ روزانہ دو دفعہ کرنا ہوتا تھا سوائے اسکے کہ رات کو ضروت پڑ جائے جو تقریبا روزانہ کا معمول تھا۔

نصیب اللہ سلمہ کی غیر حاضری میں عائشہ سلمھا ابّا کے پاس رات کو ہوتی تھی اور نمازیں اس کے ابوّ پڑھاتے تھے۔ ابا کا کھانا اماّں سامنے تیار کرواتی تھیں۔

سوال: *حضرت چوہدری صاحب کے قیام لاہور کے دوران اس نے ملاقات کے لئے*

کیا طریقہ رائج تھا؟

جواب: جب لاہور گھر میں تشریف فرما ہوتے تھے تو ملاقاتوں کے تعیین اور وقت مقرر کرنا میرے اور میرے میاں کے سپرد ہوا کرتا تھا۔ جب آپ مستقل طور پر یہاں گھر میں تشریف لے آئے تو طبیعت چونکہ ناساز رہتی تھی اس لئے یہ انتخاب کرنا کہ کن صاحب سے ملاقات خرابی صحت کے باوجود بھی ضروری تھی یہ ذمہّ داری میری تھی۔ یہ بڑے مشکل فیصلے ہوا کرتے تھے کسی کو انکار کرنا (خصوصاً اُن لوگوں کو جن کے بارے میں شک نہیں ہوسکتا تھا کہ کسی دنیاوی فائدہ کے لئے ملنا چاہتے ہیں بلکہ صرف بانئ سلسلہ احمدیہ کے ایک صحابی کی صرف ایک بار زیارت کرنا چاہتے ہیں۔) ناممکن ہو جاتا تھا۔

خدا کے بے شمار فضل و کرم ہوں میرے ابّا اپنے گھر میں عاجز اور محبت کرنے والی اولاد میں موجود ہوں اور ان کی ذاتی خدمت کرنے والوں میں اُن کی بیٹی داماد (جو اُن کے بھتیجے بھی ہیں) اور اُن کے نواسے اور نواسی کے علاوہ متعدد ملازمین پر مشتمل سٹاف اور بعض عزیز و اقارب جو قریباً تمام دن حاضر رہا کرتے تھے سب موجود تھے تو پھر خدا تعالیٰ کی اُن عظیم مہربانیوں میں کسی باہر کے آدمی کو تکلیف دی جاتی۔ اس کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ الحمدللہ۔ کلیۃً خود افرادِ خانہ کو یہ فرض ابّا جان کی خواہش کے مطابق سرانجام دینے کی توفیق ملی۔

سوال: اپنی جائیداد کے بارے میں حضرت چوہدری صاحب نے آپ سے کیا فرمایا؟

جواب: 1963ء میں ایک دن لندن میں تھی کہ ایک دن ابّا مجھ سے ملنے تشریف لائے تو اُن کے چہرے پر عجیب اثر تھا میں سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ عرض کیا کیا بات ہے؟ فرمایا تخلیہ میں تم سے خاص بات کرنی ہے چنانچہ ہم دونوں کمرے سے باہر آ گئے۔ فرمایا

’’وہ جو ہوتے ہیں نا جن کے کپڑوں پر پیوند لگے ہوئے ہوتے ہیں اور بالوں میں دھول ہوتی ہے وہ اللہ کے بڑے لاڈلے ہوتے ہیں۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے بہت مال و دولت عطا کی مگر مَیں

نے اپنے لئے یا تمہارے لئے کچھ نہ رکھا۔ مَیں آج تم سے یہ اجازت لینے آیا ہوں کہ آئندہ بھی اپنے اللہ سے ایسا ہی کرنے کی توفیق مانگتا رہوں گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہیں اے جانِ ظفر کچھ نہ ملے گا۔ مَیں نے تمہیں اور بچوں کو اللہ کے سپرد کیا اور وہ بہت کافی ہے کیا تمہیں منظور ہے؟“

میں اُن سے لپٹ گئی اور بہت پیار کیا پھر ضبط ٹوٹ گیا۔... مَیں نے عرض کیا ”میری جان! مجھے ہر رنگ میں منظور ہے بس اپنے رحم سے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور آپ کو آخری سانس تک یہ توفیق ملتی چلی جائے۔ میرا رزّاق میرا رب ہے اور وہ میرے لئے کافی ہے۔“

سوال: حضرت چوہدری صاحب کے قدرت ثانیہ سے محبت کا کوئی ایک واقعہ بیان کریں۔

جواب: ہم باپ بیٹی میں اس فلسفہ پر تقریباً روزانہ ہی بات ہوا کرتی تھی کہ درحقیقت ساری رحمتیں نبوت کے سرچشمہ سے پھوٹتی ہیں اور اسی کے تابع قدرتِ ثانیہ کا نظام اللہ تبارک و تعالیٰ کا ایک عظیم احسان ہے اور اس کی کمال اطاعت اور فرمانبرداری ہی لازم ہے۔ یہی قادر و کریم کا حکم ہے۔

اب مَیں اس ضمن میں ابّا کی قدرتِ ثانیہ سے وابستگی کا ایک واقعہ بیان کرتی ہوں۔

حضرت فضل عمر نے ایک بار میری پیاری امّاں سے فرمایا کہ اب امۃ الحئی کی شادی کر دینی چاہیے کیونکہ بعض لوگوں کی وجہ سے میری طبیعت پر بڑا بوجھ ہے۔ بعض اصرار کرتے ہیں کہ اس رشتہ کی اگر اجازت دے دیں تو ہماری بات بن سکتی ہے۔ چوہدری صاحب کے پاس جب جاتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ میری امۃ الحئی کی شادی تو ہو چکی ہے احمدیت سے۔ فلاں لوگ آئے تھے پہلے بھی کئی بار آ چکے ہیں۔ اب کی بار آئے تو مَیں نے کہا اگر تو آپ نے میری بیعت کی ہے تو مَیں حکم دیتا ہوں امۃ الحئی سے نہیں بلکہ اُس کی خالہ زاد بہن طلعت جو جنرل نذیر احمد صاحب کی بیٹی ہے اپنے لڑکے کی شادی کر لیں۔ جہاں تک امۃ الحئی کا سوال ہے اگر مَیں چاہوں تو مَیں آپ کو یہ بھی کر کے دکھا سکتا ہوں۔ یہ پہرہ دار جو اس دروازہ کے باہر کھڑا ہے مَیں اپنی امۃ الحئی کی شادی اس سے

کردوں کیوں کہ امۃ الحیٔ نے میری بیعت کی ہوئی ہے۔ ابّا کو جب یہ بات اماں نے بتائی تو فوراً ابّا نے فرمایا ''تو پھر کردینی تھی۔'' اطاعت کا کیسا دلفریب نظارہ ہے۔

سوال: حضرت چوہدری صاحب کے تجہیز و تکفین کے انتظامات کی کچھ تفصیل بیان کریں؟

جواب: جس کمرہ میں ابّا جان کی وفات ہوئی یہ کمرہ امی جان کا ہے اِس کا نقشہ مَیں نے 1960ء میں بنایا تھا۔ حضرت مرزا ناصر احمد صاحب امام جماعت احمدیہ حضرت خالہ جان منصورہ بیگم صاحبہ آخری سات سال میں جب بھی لاہور تشریف لاتے تو اسی کمرے میں قیام فرماتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ بہت خوبصورت جگہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسی کمرہ میں ایک اور خوبصورت چاند جلوہ افروز ہوا یعنی حضرت مرزا طاہر احمد صاحب امام جماعت احمدیہ بمع حضرت آپا آصفہ صاحبہ تشریف لائے اور قیام فرمایا۔ اس کمرہ کا کل رقبہ تقریباً ایک ہزار مربع فٹ ہے اور یہ تین حصوں پر مشتمل ہے ایک بڑی لاؤنج، ایک چھوٹی لاؤنج اور پھر بیڈ روم۔ میرے ابّا امی اور مَیں نے اس کمرے کا ابّا کی رہائش کے لئے انتخاب کیا اور یوں ابّا گیسٹ ہاؤس سے بڑی حویلی کے اس کمرے میں منتقل ہوئے۔

اسی کمرے کی تاریخ میں یکم ستمبر 1985ء کی صبح بھی آئی ۔ مَیں نے محمد میاں سلمہ، مصطفیٰ میاں سلمہ مکرم ڈاکر وسیم احمد صاحب نصیب سلمہ اور عبد المالک صاحب کو ابّا کے اس آخری غسل دینے کے فرائض سونپے۔ مَیں نے مکرم طاہر احمد ملک صاحب قائد مجلس خدام الاحمدیہ ضلع لاہور کو پیغام بھیجا کہ وہ جلد از جلد اس عاجز سے ملنے کے لئے تشریف لے آئیں۔ مَیں پردہ کے پیچھے کھڑی ہوئی تھی میں نے اُن سے عرض کیا کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہاں کتنا سامان ہے۔ آپ میرے ابّا کا پلنگ بیڈ سائڈ میزیں اور اُن کے لیمپ اور باقی تمام سامان جو آپ کی طرف حصہ میں رکھا ہوا ہے۔ اسے ہمارے گیسٹ ہاؤس میں اپنی نگرانی میں حفاظت سے رکھوا دیں اور قالینوں کو بھی۔ ملک صاحب نے کہا کہ آپ فکر نہ کریں یہ کام میں فوراً کروانا شروع کردیتا ہوں چنانچہ انہوں نے

وہ انتظام کروا دیا۔ **جزاك الله۔** غسل کا انتظام بھی کمرہ میں ہی ہوا۔ جس لاؤنج میں میرے ابّا ابدی نیند سو رہے تھے اُس کمرے میں ادویات اور کرسیاں پہلے سی ہی نہایت قرینے سے رکھی ہوئی تھیں۔ یہ سارا سامان میری سہیلی زہرہ بیگم اور ایک خادمہ نے مجھے معلوم نہیں کتنے لوگوں کے ساتھ مل کر وہاں سے ہٹایا اور میرے گرمیوں کے استعمال والے کمرے کو جانے والی گلی میں رکھوا دیا۔ مَیں نے صرف اپنے ابّا کی ٹوپی، گھڑی، کنٹیکٹ لینز کی ڈبیہ اور مُشک کے عطر کی شیشی اور قرآن کریم اور اُن کی ایک گدی خود اپنے کمرہ میں جا کر رکھی۔ سلیپر میں پہلے ہی بھجوا چکی تھی۔ الماری جو 14 فُٹ چوڑی ہے اُس میں امی کی چیزیں ہوا کرتی تھیں اور ایک چھوٹے سے حصہ میں میرے ابّا کا سامان ہوا کرتا تھا اُس حصہ کو سربمہر کر دیا گیا۔ مَیں سارا وقت وہیں رہی محمد میاں سلمہ اور مصطفیٰ سلمہ نے میرے ابّا کے کپڑے جو انہوں نے اُس وقت پہن رکھے تھے وہ مجھے لا کر دئے۔

دونوں بچوں کی آنکھوں کا رنگ سُرخ ہو رہا تھا لیکن ذرّہ ذرّہ اپنے رب کی رضا پر راضی تھا۔

ساری تیاری مکمل ہو گئی حضور کے حکم کے ماتحت تدفین کے وقت کا فیصلہ بھی ہو گیا اور لاہور سے ربوہ لے جانے کے انتظامات بھی ہو گئے۔ شفا میڈیکوز لاہور کی تین ائیر کنڈیشنڈ ایمبولینس گاڑیوں میں سے جس گاڑی میں میرے پیارے ابّا کا جسد عنصری لاہور سے ربوہ لے جایا گیا اُس گاڑی میں میرے دونوں بیٹوں محمد میاں اور مصطفیٰ میاں کے علاوہ شفا میڈیکوز کے مالک چوہدری سمیع اللہ صاحب بھی موجود تھے۔ جو خود اس گاڑی کو چلا کر لے گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں یہ سعادت نصیب فرمائی۔ جزاک اللہ۔

اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے میرے جن عزیز ومحترم بھائیوں کو اپنے اس عاجز پیارے بندے کی دن رات دل جان سے خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائی وہی سمیع وبصیر خدا اُنہیں اس کی بہترین جزاء عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔ خاکسار ان سب کی نہایت ہی ممنون ہے بفضل اللہ 1974ء سے ان سب کے لئے دعاؤں کی توفیق مل رہی ہے اور دعا گو ہوں

کہ آئندہ بھی ایسے ہی توفیق ملتی رہے جب تک مجھے رہنا ہے۔ آمین۔ خاکسار مختلف انتظامات کی توفیق پانے والوں کی بھی بہت ممنون ہے۔

میں ابّا کے بارے میں بہت سے موضوعات پر بفضلہٖ تعالیٰ بہت کچھ کہہ سکتی ہوں لیکن وقت کی کمی کے پیشِ نظر صرف چند دنوں کی کچھ باتیں بتائی ہیں تاکہ اُن کی گھریلو زندگی اور آخری ایّام کی ایک جھلک میرے وہ عزیز بھائی اور بہنیں اس انٹرویو کو پڑھ کر دیکھ سکیں اور ہمیں اُن کے نقشِ قدم پر چلنے کی اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(رسالہ خالد دسمبر 1985ء جنوری 1986ء صفحہ 43 تا 51)

◆

گفتار میں تھا کھِلتی بہاروں کا بانکپن
رفتار سے ہواوں کو چلنا سکھا گیا

ثاقب زیروی

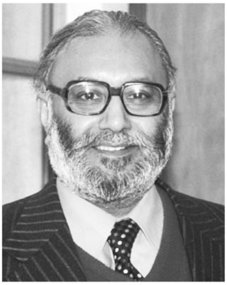

میری خوش نصیبی کی ایک درخشندہ علامت

پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب

کے اثر وجذبات میں ڈوبے ہوئے تاثرات

خوش بختی کی علامت کے طور پر مجھے اپنی زندگی میں جن عظیم الشان شخصیتوں سے متعارف ہونے کا شرف حاصل ہوا ان میں سے ایک حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب تھے۔

میں نے چوہدری صاحب موصوف کو پہلی مرتبہ 1933ء کے جلسہ سالانہ کے موقع پر دیکھا۔ اُس وقت میری عمر آٹھ سال کے لگ بھگ تھی۔ اُن کی اُس وقت کی شکل وصورت اب بھی میرے ذہن میں محفوظ ہے۔ اور ذہنی طور پر اب بھی میرے آنکھوں کے سامنے ہے۔ اُن کی مَن موہنی شخصیت میں بَلا کی جاذبیت تھی۔ میرا خیال ہے کہ چوہدری صاحب کو پہلی مرتبہ مجھ سے جان پہچان اُس وقت ہوئی جب والد محترم نے میرے مستقبل کے بارے میں بذریعہ خط اُن سے مشورہ طلب کیا۔ اُن کا جواب آیا کہ میں عزیز کے لئے دعا کروں گا اور ساتھ ہی خط میں تین نصیحتیں بھی تحریر فرمائیں۔ پہلی نصیحت یہ تھی کہ مجھے اپنی صحت کا دھیان رکھنا چاہیے کیوں کہ ترقیات کا سارا دارومدار صحت پر ہے۔ دوسری نصیحت حصولِ تعلیم سے متعلق تھی اور وہ یہ کہ کلاس میں اگلے روز جو لیکچر دئے جانے متوقع ہوتے ہیں ان سے کما حقہ مستفید ہونے کے لئے ایک دن پہلے ہی اپنے طور پر بھی ان کے بارے میں تسلی کر لینی چاہیے۔ اور یہ کہ جو کچھ بھی دن بھر پڑا گیا اُسے اُسی روز دہرا لینا چاہیے تا کہ وہ ہمیشہ کے لئے ذہن میں محفوظ ہو جائے۔ تیسری نصیحت یہ فرمائی کہ مجھے اپنے ذہن میں وسعت پیدا کرنی چاہیے۔ جب کبھی کسی تعلیمی سفر پر جانا ہو یا سیر وتفریح کے لئے سفر کا موقع پیدا ہو ذہنی وسعت کے تعلق میں پیش آمدہ سفر سے ضرور اسفاتدہ کرنا چاہیے کیونکہ مختلف مقامات

کے سفر میں انسان کو دلچسپیوں کے دائرہ میں وسعت پیدا کرنے کا موجب بنتے ہیں۔

ذاتی طور پر میرا پہلا رابطہ ان سے اُس وقت ہوا جب اکتوبر 1946ء میں مَیں نے کیمبرج یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے انگلستان کا سفر اختیار کیا۔ ہمارا جہاز جس کا نام پی اینڈ فرینکونیا تھا لور پول میں لنگر انداز ہوا۔ وقت صبح کا تھا۔ شدید سردی اور کہر ہر طرف چھائی ہوئی تھی، ایسے وقت اور ایسے موسم میں چوہدری صاحب اپنے بھتیجے سے ملنے کے لئے وہاں آئے ہوئے تھے جو فرینکونیا جہاز میں میرا ہم سفر تھا۔ اُس زمانہ میں چوہدری صاحب ہندوستان کے وفاتی عدالت کے جج تھے۔ جب ہم جہاز سے اُترے تو ہمارے بھاری بکس جس میں مَیں نے حساب کی بھاری کتابیں بھر رکھی تھیں، کسٹم والوں کے شیڈ میں پڑے ہوئے تھے۔ جنگ کے حالات کی وجہ سے وہاں اُن دنوں قلی ناپید تھے۔ چوہدری ظفراللہ خاں صاحب نے مجھ سے کہا کہ بکس کو ایک طرف سے تم پکڑو اور دوسری طرف سے مَیں پکڑتا ہوں۔ ہم مل کر اس کو ٹرین تک لئے چلتے ہیں جو مسافروں کی منتظر ہے۔ ایک ناچیز طالب علم کے لئے یہ بہت حیران کُن اِستقبال تھا کیونکہ اُسے اس سے قبل اتنی عظیم شخصیت کی طرف سے اپنے مرتبہ و مقام سے اس درجہ بے نیازی کے مظاہرے کا پہلے کبھی تجربہ نہیں ہوا تھا۔

ہم نے لندن تک اکٹھے ہی سفر کیا۔ سفر کے دوران وہ مجھے بتلاتے رہے کہ انگلستان کہ دیہی علاقہ میں کیا حُسن پنہا ہے۔ وہ برطانیہ کے دیہی علاقوں کے قدرتی مناظر کے بے حد دلداہ تھے۔ موسم سرد تھا۔ انہوں نے یہ دیکھ کر کہ سردی کے زیر اثر مجھے کسی قدر کپکپی طاری ہے۔ اپنا ایک گرم کوٹ جو بہت دبیز اور موٹا تھا مجھے عنایت کیا۔ یہ کوٹ چالیس سال تک زیر استعمال رہنے کے باوجود آج بھی گھر کے اندر قابل استعمال حالت میں موجود ہے۔

میری دوسری ملاقات ان سے 1951ء میں ہوئی جب وہ پاکستان کے وزیر خارجہ تھے اور پرنسٹن انسٹی ٹیوٹ میں جو اعلیٰ تعلیم کی ایک درسگاہ ہے تشریف لائے تھے۔ میں اُس وقت اس

ادارے کا فیلو تھا۔ مَیں نے ان کی صحبت میں دو دن گذارے۔ وہ اُس وقت اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں شرکت کے لئے آئے ہوئے تھے۔ مجھے اُس وقت اُن کی معیت میں مشرقی ساحل پر بعض تاریخی مقامات دیکھنے کا بھی شرف حاصل ہوا۔ اقوام متحدہ کے فورم میں فلسطین کے عربوں، لیبیا، مراکش، اور کشمیر کی حمایت میں ان کے جو زبردست معرکے انتہائی بلند پایہ حریفوں سے ہو رہے تھے ان کے پیشِ نظر میرے ذہن میں جو غالب تصور ان کے بارے میں اُس وقت اُبھرا وہ یہ تھا کہ وہ ایسے شخص نہیں جو ہنسی خوشی زک پہنچانے کا کوئی موقع حریفوں کے ہاتھ آنے دیں۔

ان کی شخصیت کو اچھی طرح سمجھنے کا موقع اُس وقت ملا جب 1973ء میں وہ بین الاقوامی عدالت کے صدر کی حیثیت سے ریٹائر ہو کے مسجد فضل لندن کے احاطہ میں رہائش پذیر ہوئے۔ میری رہائش بھی قریب کی کیمپین روڈ پر تھی۔ انہوں نے ازراہِ نوازش میری یہ پیشکش منظور کر لی تھی جب مَیں لندن میں ہوں تو اتوار کے دن وہ ناشتہ میرے ساتھ کریں۔ ناشتہ کی دعوت بس ناشتہ تک ہی محدود ہوتی تھی کیونکہ وہ دن بھر قرآن کریم، احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور دیگر گراں مایہ دینی کتب کے انگریزی تراجم کرنے میں مصروف رہتے تھے۔ ان کے روزمرہ کے کام کا آغاز بڑی باقاعدگی سے صبح نو بجے شروع ہو جاتا تھا۔ اتوار کو بھی وہ کام کرتے تھے اور ان کے کام میں کوئی مداخلت ممکن نہ تھی۔

ناشتہ پر ہونے والی یہ ملاقاتیں بڑی یادگار نوعیت کی تھیں۔ ان مواقع پر انکی زندگی کے بعض واقعات کا تذکرہ چھڑ جاتا تھا۔ جن کو انہوں نے اپنی کتب اور ان میں سے بھی بالخصوص اپنی آخری تصنیف ''سرونٹ آف گاڈ'' میں بڑی خوبصورتی اور خوش اسلوبی سے قلمبند کیا ہے لیکن اس کتاب میں وہ تفاصیل موجود نہیں جو ان مواقع پر بیان کرتے تھے۔ مثال کے طور پر کتاب مذکورہ کے صفحہ 67 تا 69 میں مسٹر چرچل کے ساتھ معرکہ آرائی کی کہانی بیان کرتے ہیں لیکن کہانی کی ابتدائی حصوں کا انہوں نے ذکر نہیں کیا جب کہ انڈین پارٹی کے سردار بُوٹا سنگھ نے عجیب ترنگ میں آکر مسٹر چرچل پر جرح کی اور اس کے نتیجہ میں تفنن طبع کا مواد پیدا ہوا۔ اُس کی طرف بھی اُنہوں نے

کوئی اشارہ نہیں کیا اُن کی طرز نگارشات میں جو عجیب حلاوت پائی جاتی ہے اُس کو واضح کرنے کے لئے میں اس جگہ بطور مثال ایک واقعہ پیش کرتا ہوں جو ان کی کتاب میں مذکور ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

’’ جائنٹ سیلیکٹ کمیٹی کے پبلک اجلاس میں 1933ء میں موسم بہار میں شروع ہوئے۔ اس کمیٹی کے سامنے مختلف نوعیت کے بہت سے گواہ پیش ہوئے۔ جن میں ہندوستانی اور انگریز سب ہی شامل تھے اور وہ مختلف نقطہ ہائے نظر اور مفاد کی نمائندگی کرتے تھے۔ کمیٹی نے ان کے بیانات سُنے اور ان پر جرح کی۔ اس کمیٹی کی کارروائیوں میں شمولیت نہایت ہی معلومات افزا ثابت ہوئی۔ کمیٹی کے سامنے جو گواہ پیش ہوئے ان میں سب سے زیادہ ممیز وممتاز مسٹر (بعد ازاں سر) ونسٹن چرچل تھے۔ ان پر جرح کا سلسلہ چار روز تک جاری رہا۔ قرطاس ابیض میں جو تجاویز پیش کی گئی تھیں وہ ان کے سخت مخالف تھے اور مکمل طور پر ان کو رد کرنے کے حق میں تھے۔ ان کے نزدیک یہ تجاویز برطانیہ پر عائد ہونے والی ذمہ داریوں سے پہلوتہی تھیں۔ اس سلسلہ میں سوالات کی جو بوچھاڑ اُن پر کی گئی اس کے نتیجہ میں وہ اپنے مؤقف سے ایک انچ بھی اِدھر اُدھر نہ ہوئے۔ اس کارروائی کے دوران کبھی اُن کی آنکھوں میں خاص قسم کی چمک پیدا ہوتی اور کبھی مسکراہٹ کھیلتی کبھی وہ اپنے سگار کو ایک خاص انداز سے جُنبش دیتے۔ ہر چند کہ اندازِ تخاطب ایسا تھا کہ لفظ لفظ سے تہذیب وشرافت ٹپکتی تھی لیکن کیا مجال کہ جو اپنے مؤقف سے بال برابر بھی اِدھر اُدھر ہوئے ہوں۔ سوالات کرنے والے اپنے مطلب کی کوئی بات ان کے مُنہ سے نہ کہلوا سکے۔ تمام جرح کرنے والوں کے بالمقابل وہ اپنے نقطہ نظر پر مضبوطی سے جمے رہے۔

پورے ایک دن یہ ڈرامہ دیکھنے کے بعد مسلم لیگ کے مندوب نے محسوس کیا کہ مسٹر چرچل جیسے زبردست مدّ، مقابل پر جرح کرنے کا کوئی مفید نتیجہ برآمد نہ ہوگا۔ دوسرے دن سیکریٹری آف سٹیٹ نے میٹنگ شروع ہونے ہونے سے قبل برسبیل تذکرہ اس مندوب (یعنی چوہدری محمد ظفر اللہ خاں سے پوچھا ’’کیا آپ کا ارادہ ہے کہ مسٹر چرچل سے کوئی سوالات پوچھیں۔‘‘؟ اس نے

جواباً کہا ”نہیں جناب ایسا کرنا سعی لاحاصل کے مترادف ہوگا۔“ مندوب نے سوچا مسٹر چرچل یو این او کے سب سے زیادہ ہوشیار مغرور مناظر ہیں ان کی مبالغہ تقریروں کے حوالہ سے جس میں انہوں نے ہندوستان کو ڈومنین سٹیٹ (نو آبادی کا درجہ) دئے جانے کی حمایت کی ہے اُن پر گرفت کرنے کی کوشش بے فائدہ ہوگی۔ کیا آج دیکھا نہیں کہ وہ کس طرح ایسے سوالوں سے دامن بچا کر نکل جاتے ہیں۔ ٹھیک ہے وہ ڈومنین سٹیٹ کے حامی ہیں لیکن ڈومنین کا درجہ الگ چیز ہے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی اجازت ہونا اور اختیارات کو عملی جامہ پہنانے کا اہل قرار پانا الگ بات ہے۔ ہندستان کو نو آبادی کا درجہ تو پہلے ہی حاصل ہے پیرس کی امن کانفرنس میں اس نے وفد بھیجا۔ معائدہ ورسائی پر اس کے دستخط ثبت ہیں۔ لیگ آف نیشنز کا بھی وہ رُکن ہے۔ یہ تو ہوا سٹیٹس لیکن ان کے نزدیک ہندوستان ابھی اس قابل نہیں ہوا کہ وہ ایک نو آبادی کی حیثیت سے ذمہ داری سنبھال کر انہیں ادا کر سکے۔ ان کا خیال ہے کہ ہندستان ہنوز ابھی اُسی حال میں ہے جس حال میں وہ اُس وقت تھا جب وہ (مسٹر چرچل سوبالٹرن سیکنڈ لیفٹیننٹ) کے طور پر بنگلور میں خدمات سرانجام دے رہے تھے۔

مسلم لیگی مندوب سے اس صورت حال پر غور کیا۔ اس کی جرح کرنے کی باری شام کے اجلاس کا وقت ختم ہونے سے ایک گھنٹہ قبل آئی (جرح کرتے ہوئے) اس کا انداز مؤدبانہ تھا۔ لہجہ بھی تعظیم وتکریم کا آئینہ دار اور یوں ظاہر ہوتا تھا کہ وہ معذرت خواہانہ لہجہ میں بات کر رہا ہے۔ مسٹر چرچل بہت محتاط تھے۔ کبھی کبھار بادل ناخواستہ ایک آدھ رعایت دینے پر آمادہ نظر آتے لیکن اس کے ساتھ اگر مگر اور بشرطیکہ کی حد بندیاں لگا کر بچاؤ کی صورت پیدا کر لیتے۔ جب مسٹر چرچل نے دیکھا کہ انہیں مجبور کیا جا رہا ہے کہ کسی طرح وہ اپنے مؤقف سے ہٹ جائیں تو وہ سوالوں کے براہ راست جواب سے گریز کرنے لگے۔ اس کے نتیجہ میں سوال کو دوبارہ زیادہ محتاط انداز میں پیش کرنے کی ضرورت پیدا ہو جاتی۔ ایک دفعہ جب ان پر سوال کیا گیا تو ان سے بچنے کے لئے طرح

دے کر نئی سمت میں نکل گئے۔ اور جب سوال گُھما پھرا کر زیادہ محتاط طریقہ سے دُہرایا گیا تو وہ بڑی ہوشیاری سے دوسری جانب نکل گئے۔ اس پر سوال کرنے والے کے انداز میں پہلے سے زیادہ نرمی اور خوش خلقی پیدا ہوگئی بلکہ وہ عاجزانہ رنگ اختیار کر گئی اور اس نے مسٹر چرچل سے کہا ’’میں معافی کا خواستگار ہوں۔ مجھے ایک مشکل درپیش ہے۔ انگریزی میری مادری زبان نہیں ہے۔ مَیں اپنے مافی الضمیر کو ادا کرنے میں دو مرتبہ ناکام رہا ہوں۔ آپ مجھے اجازت دیں کہ میں ایک کوشش اور کر دیکھوں۔؟‘‘ فراخدلانہ جواب ملا ’’ضرور ضرور‘‘۔ تیسری بار سوال اس رنگ میں کیا کہ بچ نکلنا محال تھا۔ اس کے بعد سوال کرنے والا اور گواہ دونوں محتاط ہو گئے۔ اتنے میں کمیٹی کا وقت ختم ہو گیا اور اجلاس برخاست ہو گیا۔ اگلے دن صبح پھر سوالات کا سلسلہ شروع ہوا اور قریباً ایک گھنٹہ جاری رہا۔ سوال کرنے والے نے ممتاز گواہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنی جرح ختم کی تو اس گواہ نے کہا ’’مائی لارڈ مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ مسٹر ظفر اللہ خان کے بارے میں مَیں نے کبھی نہیں دیکھا کہ انہیں انگریزی نہ جاننے کی وجہ سے کوئی دقت پیش آئی ہو۔‘‘ جب چوتھے روز کے اختتام پر مسٹر چرچل پر جرح پایہ تکمیل کو پہنچی تو کمیٹی نے جس رنگ میں تالیاں بجائیں وہ نعرہ تحسین کا رنگ رکھتی تھیں۔ مسٹر چرچل اپنی جگہ سے اٹھے اور مسلم سوال کنندہ کے پاس آئے اس کو ہاتھ سے پکڑ کر جھنجھوڑا اور ایک خاص انداز سے غرّاتے ہوئے کہا۔ ’’تم نے کمیٹی کے سامنے مجھے دو گھنٹہ بڑی مشکل میں ڈالے رکھا۔‘‘ سوال کنندہ نے ان کے غرّانے کو بنظر استحسان اس طرح قبول کیا کہ گویا اسے اعزاز کے رنگ میں شاباش کا سزاوار گردانا جا رہا ہے۔ اس نے اسے دوستی کی علامت سمجھا۔ کمیٹی کے آئندہ کے اجلاسوں میں جب بھی عظیم المرتبت وزیر اعظم سے ملاقات ہوتی تو وہ ہر بار اپنے خطوط یا تقریروں پر مشتمل ایک عدد جلد عنایت کرتے۔ ان کتابوں پر جو الفاظ وہ اپنے قلم سے رقم کرتے ان کا سلسلہ کچھ اس طرح شروع ہوا۔ ’’برائے ظفر اللہ خان منجانب ڈبلیو ایس چرچل‘‘ پھر اس ترقی پذیر انداز میں تبدیلی آئی اور لکھا جانے لگا کہ ’’ظفر اللہ خان کے نام منجانب

ڈبلیو ایس چرچل‘‘ ’’میرے دوست ظفر اللہ کے لئے منجانب ڈبلیو ایس چرچل‘‘ ’’ظفر اللہ کے لئے اس کے دوست ڈبلیو ایس چرچل کی طرف سے‘‘ منجملہ بہت سی خوبیوں کے اس عظیم المرتب وزیر اعظم کی ذات فراخ دلی کے وصف سے بہمہ وجہ مزین تھی۔ ‘‘

سب سے حیران کُن بات یہ تھی کہ چوہدری صاحب کا حافظہ کسی بھی غلطی سے یکسر مبرّا تھا۔ جو واقعات پچاس ساٹھ سال قبل اُن کے ساتھ گزرے ہوتے ان کے بارے میں نہ صرف اشخاص اور افراد کے ناموں کی حد تک بلکہ تاریخ دن اور معین وقت کے متعلق بھی ان کی یادداشت بالکل درست ہوتی۔ مجھے یاد ہے کہ بڑی مسرت ہوتی کہ وہ کس طرح لیبیا، مراکش تیونس اور الجیریا کی آزادی کے حصول کے سلسلہ میں اقوام متحدہ میں بڑی طاقتوں سے اپنی جھڑپوں کے واقعات سُنایا کرتے تھے۔ (تفصیل ان کی کتاب ’’سرونٹ آف گاڈ‘‘ کے صفحہ 179 تا 182 پر درج ہے) اسی طرح جب وہ شاہ فیصل کے ذاتی مہمان کی حیثیت سے حج کرنے مکہّ مکرمہ گئے تو اس واقعہ کی دلوں کو گرما دینے والی تفصیل ہماری درخواست پر کئی مرتبہ انہوں نے بیان کی۔ اُن کی اپنی زندگی کے ان واقعات کو دُہرانے میں جو چیز نمایاں ہو کر سامنے آئی تھی وہ ہے اُن کی روحانی عظمت، اُن کی حُبِّ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جو غایت درجہ احترام کی آخری حدود کو پہنچی ہوئی تھی اور اللہ تعالیٰ کی ذات اور اُن کی مشیّت پر کامل بھروسہ اور توّکل۔ اسی طرح سے فارسی اشعار بالخصوص مولانا رومی کے صوفیانہ کلام سے جو دیوان شمس تبریز کی شکل میں موجود ہے ان کا دلی لگاؤں کا اظہار ہوتا تھا۔ وہ اس دیوان کے بہت سے اشعار بغیر کسی دقّت کے زبانی سُنا سکتے تھے۔

چوہدری صاحب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات بابرکت سے جو عشق تھا اُس کا ایک مثالی واقعہ میں سُنائے دیتا ہوں۔ ایک مرتبہ اُن کو کمر درد کی شکایت ہوگئی اور وہ وانڈز ورتھ کے ہسپتال میں صاحبِ فراش ہونے پر مجبور ہوگئے۔ مَیں اُن سے ملنے کے لئے ہسپتال میں گیا اور اپنے ساتھ امام ترمذی کی لکھی ہوئی کتاب شمائل ترمذی لے گیا جس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی روزمرّہ کی زندگی،

خدّ و خال، لباس روزانہ کی مصروفیت اور حضور کی دعائیں اور پبلک زندگی کے حالات درج ہیں۔ مَیں نے اُن کو کہا کہ اگر اللہ کو منظور ہوا تو مَیں کسی وقت اِس کتاب کا انگریزی میں ترجمہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ مَیں نے وہ کتاب ان کے پاس چھوڑ دی اور ٹریسٹے چلا گیا۔

قریباً دو ماہ گذرنے کے بعد مَیں واپس انگلستان آیا اور چوہدری صاحب سے ملنے کے لئے ان کی رہائش گاہ گیا تو انہوں نے شمائل ترمذی کے انگریزی ترجمہ کی ایک مطبوعہ جِلد مجھے پیش کی۔ یہ ترجمہ دو ماہ کے قلیل عرصہ میں مکمل ہو کر طبع بھی ہو گیا تھا اور ازراہ نوازش اس کا انتساب میرے نام کے ساتھ کیا گیا۔ جس تیز رفتاری سے چوہدری صاحب نے یہ کام سرانجام دیا اس پر مجھے بڑی حیرت ہوئی میں نے غایت درجہ نرمی سے کسی قدر احتیاط سے کہا مَیں خود اس کا ترجمہ کرنا چاہتا تھا تا کہ یہ سعادت میری مغفرت کا موجب بن سکے۔ اس پر انہوں نے کہا ''شاید مستقبل قریب میں تمہیں اس کام کے لئے وقت نہ ملتا اس لئے میں نے خیال کیا کہ جب تک ہسپتال میں رہنے پر مجبور ہوں میرے وقت کا بہترین مصرف یہ ہوسکتا ہے کہ میں اِس کتاب کا ترجمہ کر ڈالوں۔''

مجھے آخری بار اُن کا ہمسفر ہونے کا موقع اُس وقت ملا جب اُنہیں مملکت مراکش کی اکیڈمی کے افتتاحی اجلاس میں شرکت کے لئے اکیڈمی کے مستقل سیکریٹری ڈاکٹر احمد تابئ بن ہما نے مدعو کیا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ چوہدری صاحب دعوتِ طعام کے موقع پر شاہ حسن کے پہلو میں ان کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ اور اس کے بعد ایک اور تقریب میں مَیں نے دیکھا کہ شاہ موصوف بذاتِ خود چوہدری صاحب کی طرف ایسے انداز میں ذاتی توجہ دے رہے تھے کہ کسی اور کی طرف مَیں نے اس انداز سے شاہ موصوف کو متوجہ ہوتے نہیں دیکھا۔ یہی نظارہ سیاست دانوں، فوجی جرنیلوں طلباء اور دوسرے لوگوں کے ساتھ ملاقات کے دَور میں دیکھنے میں آیا جو اُن کا نام سُن کر اُن کی خدمت میں خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لئے کھنچے چلے آتے تھے۔

میں نے پہلے ذکر کیا ہے کہ چوہدری صاحب حاجتمندوں کے لئے بہت فراخدل تھے بلکہ ان

کی فراخدلی قابلِ اعتراض حد تک پہنچی ہوئی تھی۔ شاید لوگوں کو اس بات کو پورا علم نہ ہوا لیکن یہ حقیقت ہے کہ ریٹائرمنٹ کے بعد انہوں نے زندگی بھر کا اندوختہ رفاہی کاموں کے لئے وقف کر دیا تھا۔ اس کا بڑا حصہ مسجد فضل کے امام اور دیگر رہائشی فلیٹس کی از سرنو تعمیر اور محمود ہال کے تعمیر پر صرف کیا گیا۔ بقیہ حصہ جو پانچ لاکھ ڈالر کے قریب تھا انہوں نے ایک رفاہی فاؤنڈیشن قائم کی جو ''ساؤتھ فیلڈ ٹرسٹ'' کے نام سے موسوم ہے۔ اور تعلیمی اغراض کے لئے روپیہ صرف ہوتا ہے۔

ایک اتوار کو جب اُنہوں نے ناشتہ کی دعوت قبول فرماتے ہوئے ہمیں میزبانی کا شرف بخشا میرے بھائی نے ان سے شکوہ کیا کہ وہ اپنی ذاتی ضروریات کو عمومی طور پر نظرانداز کر رہے ہیں تو انہوں نے فرمایا ''مَیں نے ہدایت دی ہے کہ میری سالانہ پینشن جو قریباً بتیس ہزار ڈالر ہوتی ہے اس فاؤنڈیشن کے اکاؤنٹ میں براہ راست جمع کرا دی جائے جو مَیں نے قائم کیا ہے۔ اس پینشن کا کوئی حصہ مَیں اپنے پاس نہیں رکھتا۔ البتہ میں نے اس ٹرسٹ سے یہ معاہدہ کر لیا ہے کہ وہ مجھے ذاتی اخراجات کے لئے سات پونڈ ہفتہ وار ادا کرے گا نیز سال میں ایک بار جلسہ سالانہ میں شمولیت کے لئے پاکستان جانے کا اکانومی کلاس کا کرایہ بھی دے گا۔'' اس کے ساتھ ہی انہوں نے فرمایا ''مَیں جانتا ہوں کہ اللہ کی عنایت سے مَیں ایک اچھا ایڈووکیٹ ہوں لیکن ایک عدالتی مقدمہ میں مَیں ہمیشہ ہار جاتا ہوں اور وہ مقدمہ ہوتا ہے جس میں مَیں اپنی ذات کے لئے خود وکالت کی کوشش کرتا ہوں۔''

ان کے دل میں دین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے محبت کا اتنا شدید جذبہ موجزن تھا اور وہ اس کے ناموس کے لئے اس قدر غیرت رکھتے تھے کہ کوئی شخص ان کی محفل سے اس جذبہ سے سرشار ہوئے بغیر نہیں اٹھ سکتا تھا۔ یہ بات سب جانتے ہیں کہ انہوں نے اپنی زندگی کے آخری سال قرآن کریم، احادیث کی بیس جلدوں اور بانی سلسلہ عالیہ کی کتب کے تراجم میں صرف کر دئے اور اس طرح یک وتنہا انگریزی زبان میں قرآن علوم کی ایک لائبریری تیار کر ڈالی۔ یہ سب جیسا کہ وہ خود

کہتے ہیں کہ اس لئے ممکن ہوا کہ درجہ بدرجہ ماہ وسال کے گزرنے کے ساتھ خدا تعالیٰ کی ہستی کا شعور محض ایمانی کیفیت کی بجائے ایک تجرباتی حقیقت کے طور پر پختہ سے پختہ تر ہوتا چلا گیا۔

انہیں اپنی والدہ ماجدہ سے جو مدّت ہوئی فوت ہو چکی ہیں جس قدر محبت تھی اس کا اور جو سبق انہوں نے اپنی والدہ سے سیکھے ان کا وہ ہمارے سامنے اکثر تذکرہ کیا کرتے تھے۔ وہ اپنی کتاب صفحہ 297 پر اپنی والدہ کے یہ الفاظ نقل کرتے ہیں کہ

''جس آدمی کو ہم پسند کرتے ہیں اس سے مہربانی کوئی نیکی نہیں ہے نیکی یہ ہے کہ ہم ان لوگوں سے مہربانی کا سلوک کریں جن کو ہم ناپسند کرتے ہیں۔''

اس طرح وہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ

''دوستی، وہ ہے جو ہمیشہ قائم رہے وقتی دوستی دوستی نہیں ہوتی۔''

وہ خود اکثر یہ بات کہا کرتے تھے کہ خدا تعالیٰ کے اس ارشاد کو ذہن میں لاؤ جس میں فرمایا:

اگر تم میری نعمتوں کو نفع بخش کام میں صرف کرو گے تو مَیں یقیناً انہیں کئی گنا بڑھاؤں گا لیکن اگر تم ان کا غلط استعمال کرو گے ان سے لاپرواہی برتو گے تو میری سزا بھی یقیناً سخت ہے۔''

(8/14) میرے پاس اس نوٹ کو ختم کرنے کا اس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں کہ مَیں اُن کی کتاب ''سرونٹ آف گاڈ'' کے آخری حصہ کا ایک مؤثر اقتباس پیش کروں جہاں وہ اپنے متعلق کہتے ہیں

''خادمِ عوام (پبلک سرونٹ) ہونے کی حیثیت سے اس کی کاروباری مصروفیات کا خاتمہ اس وقت ہوا جب بین الاقوامی عدالت میں اس کی دوسری معیاد اختتام کو پہنچی۔ اس نے بار ایٹ لاء 21 سال کی عمر میں کیا۔ پھر وکیل کی حیثیت سے 21 سال کام کیا۔ ہندوستان اور پاکستان میں 14 سال انتظامی عہدوں پر فائز رہا۔ قومی اور بین الاقوامی عدالتوں میں 21 سال جج کے فرائض ادا کئے۔ تین سال سفارتی کام کئے۔ اس کو بہت سے اعزازات ملے لیکن وہ اعزاز جو اسے اب حاصل ہوا ہے وہ سب سے زیادہ قابل احترام ہے۔ اور اس کے لئے سب سے زیادہ اطمینان کا

موجب بھی۔ وہ اب صرف خدا کا خادم ہے اور اس کی عزّت کے لئے سب تعریف خدا تعالیٰ کو ہی سزاوار ہے۔ اس کی ایک ہی تمنا اور ایک ہی خواہش ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کا مہربان آقا اس سے راضی ہو جائے اور اُس وقت تک کہ وہ اسے اپنی نوازش اور مہربانی سے اِس دنیائے دوں میں رکھنا پسند کرے اُسے ایک موقع فراہم کرتا رہے جن کے ذریعہ سے اسے اس کی مخلوق کی خدمت بجا لانے کی توفیق ملے اور اسے وہ صلاحیت اور قوّت عطا کرے جس سے وہ خدمت اس رنگ میں ادا ہو جو اس کی جناب میں قبول کے لائق ہو۔ اس کے پاس تو اپنی کوئی ایسی چیز نہیں جو اس (خدا) کی خدمت میں لگائی جا سکے۔ یہ زندگی، صلاحیتیں، قابلیتیں، ذرائع، رشتہ دار، دوست احباب سب کچھ اسی کی عطا ہیں۔ وہ تمام خداداد عطایا کو اس کی خدمت میں صرف کر سکے اس کی رضا حاصل کر سکے اور بنی نوع انسان کی سچی خدمت کر سکے۔ اپنی ذات کے لئے اس کی صرف یہی خواہش ہے کہ وہ اپنے مہربان خالق و مالک کو پالے۔ اس کو اپنے ربّ کریم سے رحم، بخشش اور درگذر کی اُمید ہے۔ خدا کرے کہ وہ اس کی بے شمار خطاؤں، کوتاہیوں، کمزوریوں، بُرائیوں، گناہوں، نافرمانیوں اور زیادتیوں کو اپنی رحمت کی چادر میں چھپائے رکھے اور دُنیا و آخرت کی ذلّت سے بچالے۔ خدا کرے کہ اُس کی تمام ناپاکیاں دُور ہو جائیں تا کہ وہ (رب العزّت) جب پیغام اجل بھیجنا پسند کرے تو موت اس بے حقیقت دُنیا سے حقیقی زندگی میں باسہولت منتقلی کا ذریعہ ثابت ہو اور اعتقادی ایمان حق الیقین اور انتہائی طاقت میں تبدیل ہو جائے۔ آمین والحمدللہ رب العالمین۔''

(بحوالہ رسالہ خالد دسمبر 1985ء جنوری 1986ء صفحہ 53 تا 60)

◆

دو لازوال نقش

مکرم ثاقب زیروی صاحب

سچ تو یہ ہے کہ حضرت چوہدری صاحب جیسی برگزیدہ شخصیت پر کچھ لکھنا تو دراصل اپنی ہی عزت افزائی ہے ورنہ وہ مجھ جیسے کوتاہ فہم کی تعریف وتوصیف کے محتاج نہیں۔ یہ لکھنا تو دراصل دُنیا والوں اور احمدیت کی آئندہ نسلوں کو یہ بتانے کے لئے ہے کہ خدائے عزّ وجل نے شجر احمدیت کو کیسے کیسے نفیس ایمان اور ایقان کی حلاوت ولذّت اور محبت وشفقت کی مٹھاس سے بھرپور پھل عطا کئے تھے جن کی خوشبو نے ایک عالم کو مہکا دیا۔

میرا دین

ستمبر 1974ء میں جماعت احمدیہ کے بارے میں آئین میں ترمیم کا اعلان ہو چکا تھا۔ دل از حد بوجھل تھا اور چاہتا تھا کہ معاملہ گومگو نہ رہے۔ جماعت کے بنیادی واقعات اہل وطن کے سامنے جامع ومانع صورت میں آنے ضرور چاہئیں۔ مگر یہ مقالہ کون لکھے؟ اور کس کے قلم سے نکلے؟ دیر تک سوچنے کے بعد دھیان جماعت کے مقتدر اور واجب التعظیم بزرگ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی طرف گیا جو خوش قسمتی سے ان دنوں پاکستان میں ہی تھے۔ مَیں نے اپنی خواہش اور تجویز کا ذکر برادرم چوہدری حمید نصر اللہ خاں سے کیا۔ انہوں نے میری تجویز پسند کی اور حضرت چوہدری صاحب نے ہمارے دو ایک دفعہ کے بالواسطہ وبلا واسطہ تذکروں کے بعد حامی بھر لی اور فرمایا:

”مگر لکھے گا کون مَیں خود تو اب لکھ نہیں سکتا۔ بعض اوقات ایک لمبا خط لکھنا بھی دوبھر ہو جاتا ہے۔ آپ مسلسل کتنی دیر لکھ سکتے ہیں۔ مَیں اَملاء کرا دوں گا۔“

عرض کیا ’’مجھے گیارہ گھنٹے مسلسل لکھنے کا تجربہ تو ہے‘‘ فرمایا تو کل چار بجے آجائیں۔ مَیں آپ کا انتظار کروں گا۔ اور مَیں اگلے دن بعد دوپہر پونے چار بجے بنگلہ پر پہنچ گیا اور میرے پہنچتے ہی حضرت کے خادم خاص اسماعیل نے اندر اطلاع کر دی۔

ایک لطیفہ بھی

اتنے میں مجھے یاد آیا کہ مَیں اپنے ساتھ پان نہیں لایا۔ اور یہ نشست لمبی ہوگی۔ ویسے بھی لکھتے وقت ’’پان‘‘ میری کمزوری ہے۔ مَیں نے ڈیوٹی پر موجود خادم عبدالمالک صاحب سے پان مہیا کرنے کے لئے کہا جو مُسکرا کے پاس سے گذر گئے اور جا کر عزیزہ محترمہ امۃ الحئی صاحبہ سے کہہ دیا کہ ثاقب صاحب نے پان منگوائے ہیں۔ اُنہوں نے کچھ پان لگوا کر بھجوا دیئے۔ عبدالمالک صاحب کی مسکراہٹ کا راز اگلے دن کھلا جب معلوم ہوا کہ ایک دن پہلے چوہدری صاحب ڈیوٹی پر موجود خدام سے تربیتی گفتگو کے دوران انہیں نہ صرف سگریٹ سے باز رہنے کی تلقین کر چکے تھے بلکہ پان خوری سے اجتناب کا مشورہ بھی دیا تھا۔

ٹھیک چار بجے مَیں کاغذ قلم سنبھال کر اور حضرت چوہدری صاحب شیلف سے نکال کر قرآن مجید اپنے سامنے رکھ دینے کے بعد لکھنے لکھانے کے لئے تیار ہی ہوئے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی اور کوٹھی کا خادم کابل خاں ہاتھوں میں پانوں کے تھلیا لئے اندر داخل ہوا اور آتے ہی کہا ’’لیجئے ثاقب صاحب پان‘‘ اس منظر نے ایک لمحہ کے لئے مجھے چکرا ہی تو دیا تھا تاہم مَیں نے اس بات کو لطیف بنانے کے لئے کہا ’’کابل خان پہلے حضرت چوہدری صاحب کو پیش کرونا۔‘‘ حضرت یہ سُن کر متبسم ہوئے اور فرمایا

’’ثاقب صاحب! یہہ تھوڑا اے کہ پان میرے کمرے وچ آ گئے نے۔‘‘

مَیں نے عرض کیا مَیں تو خیر لڑکپن سے ہی عادی ہوں اور لکھتے وقت مجھے پان کی زیادہ ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ ویسے کبھی کبھار اس کا شوق فرما لینے میں کوئی حرج بھی نہیں اس کا پتّا دل کو

تقویت دیتا ہے۔ سُپاری منہ کی رطوبتیں زائل کرتی ہے۔ کتھا گلے کو صاف کرتا ہے اور چُونا... مُسکرا کر فرمایا:

''اچھا جناب مَیں سمجھ گیا ہاں کہ تُسی لکھدے وقت پان کھان دے عادی اُو پر ہُن تبلیغ نہ فرماؤ۔

تُسی کھاندے جاؤ میں دیکھدا رہواں گا۔''

اور شاید اس لئے وہ میری اس کمزوری کو قابل معافی سمجھتے تھے اس کے بعد جب کبھی بھی مجھے چائے یا کھانے پر یاد فرمایا برادرم چوہدری حمید نصر اللہ صاحب خود ہی فرما دیتے تھے کہ ''لیجئے ہم نے کھانا کھلا دیا ہے باقی آپ کے ذمہ ہے۔''

اس لطیفہ کے بعد کوئی چار بج کر پانچ منٹ پر حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب املاء کے لئے لَب کُشا ہوئے اور فرمایا اس مضمون کا عنوان ہوگا **''میرا دین''** جس کے بعد مسلسل چار گھنٹہ اِملاء کا سلسلہ جاری رہا اور برجستگی اور نستعلیق پن کے ساتھ کہ حضرت بہ دَوران اِملاء نئے پیروں کے بارے میں بھی بتاتے کہ اب نیا پیرا شروع کیجئے۔ یُوں محسوس ہوتا تھا کہ کوئی ایسا مضمون لکھوا رہے ہیں جو اُن کے نوک بر زبان ہے۔ نہ کوئی فقرہ دوبارہ لکھوایا نہ کسی ''لفظ'' کو تبدیل کرنے کی ضرورت محسوس کی اور نہ سارے عرصہ میں ایک دفعہ بھی دریافت فرمایا کہ پہلے کیا لکھا تھا۔ مضمون ابتداء میں جس رفتار کے ساتھ لکھوانا شروع کیا تھا اُس رفتار میں آخر تک ذرا جھول نہ آیا۔ اِملاء کروانے کی رفتار صرف اُس وقت دھیمی ہوتی تھی جب کوئی آیت کریمہ لکھوانی ہوتی تھی کیونکہ آپ آیت قرآنی اور اُن کو ترجمہ باقاعدہ قرآن مجید سے دیکھ کر لکھواتے تھے۔ اس اِملاء کے وقت صرف دو مواقع ایسے آئے کہ مَیں نے لکھتے لکھتے آپ کی طرف 'بھویں' اُٹھا کر دیکھا جس پر آپ نے دونوں دفعہ فرمایا

اس وقت تو آپ یہی لفظ لکھ لیجئے مضمون کو صاف کرتے وقت بے شک بدل دیجئے گا۔

دیدہ باید

لکھنے لکھوانے کا یہ سلسلہ ختم ہوا تو ہم کھانے کی میز پر آ گئے۔ کُرسی پر بیٹھتے ہی فرمایا کہ مَیں تو تین چار دن میں واپس جانے والا ہوں۔ آپ اسے اسی ہفتہ عشرہ میں صاف کر ہی لیں گے۔ ضمنی عناوین بھی خود ہی لگا لیں۔'' مَیں نے کہا'' حضرت مَیں نے زیر ترتیب شمارے کی کاپی صرف اس مضمون کے لئے رکوا کر رکھی ہے اور مضمون کاتب کو آپ کی آخری توثیق کے بعد ہی دیا جائے گا۔ انشاء اللہ العزیز اس کا مسودہ کل صبح ناشتہ کے وقت آپ کی خدمت میں پیش کر دیا جائے گا۔ میری یہ بات سُن کر ایک ناقابل یقین تاثر کے حامل تبسم کے ساتھ فرمایا'' دیدہ باید''

کھانے کے بعد کافی کا دور چلا اس کے بعد کچھ'' حالات حاضرہ'' پر باتیں ہوتی رہیں۔ جب محفل برخواست ہوئی اور مَیں نے مصافحہ کے ہاتھ بڑھایا تو'' مصافحے'' سے نوازتے ہوئے فرمایا'' اس وقت گیارہ بجے ہیں'''' جی ہاں'' مَیں نے عرض کیا مگر فوری طور پر میرا دھیان اس طرف نہ گیا کہ آج حضرت نے'' وقت' کا ذکر کیوں فرمایا ہے۔

مَیں گھر پہنچتے ہی لکھنے بیٹھ گیا۔ ضمنی عنوان دیئے۔ جن'' الفاظ'' پر مَیں نے لکھتے وقت بھَوں اٹھائی تھی اُن کے نیچے لکیر کھینچ کر متبادل الفاظ بھی لکھ دئے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے نماز فجر سے کوئی آدھ گھنٹہ قبل مضمون مکمل ہو گیا اور اسی صبح کو ناشتہ کے وقت حضرت چوہدری صاحب کے ہاتھوں میں تھا۔ آپ نے متبادل الفاظ کو پسند فرمایا اور لکیروں کے اُوپر لکھے الفاظ قلم زن فرما دئے اور بغیر کسی اور تبدیلی کے'' اوکے'' لکھ کر واپس فرما دئے اور مضمون مجھے واپس بھجوا دیا۔

یہ مضمون حضرت چوہدری صاحب کی پاکستان موجودگی میں ہی'' لاہور'' میں شائع ہو گیا جس کے بعد جماعتی جرائد و رسائل نے اپنے اوراق میں دُہرایا۔ بعض جماعتوں نے اس خوشنما و مصوّر پمفلٹ بھی شائع کئے اور یوں یہ آواز پاکستان کے کونے کونے تک پہنچ گئی۔ حضرت

چوہدری صاحب لندن روانہ ہونے لگے تو مَیں نے مضمون کے حامل شمارے کی 30 کاپیوں کا ایک پیکٹ احباب انگلستان کے استفادہ کے لئے ساتھ کر دیا۔ جہاز پر سوار ہونے سے قبل احباب سے مصافحہ فرماتے ہوئے (جب میری باری آئی) تو اس عاجز کو معانقہ سے نوازتے ہوئے فرمایا:

''اب تو مَیں پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ثاقب صاحب بس واجبی سا سوتے ہیں۔ اللہ آپ کو اپنی امان میں رکھے۔''

دوسری بے چین رات

اور اب جو اُس کریم النفس کا ذکر چھڑ ہی گیا ہے تو اس کی اس عاجز پر شفقت اور محبت کا ایک اور واقعہ بھی سماعت فرمالیجئے۔ ''لاہور'' میں ستمبر 1974ء تک پاکستان بھر میں جماعت احمدیہ کے ارکان پر توڑے جانے والے مظالم کا ''روزنامچہ'' شائع ہونے پر بھٹو حکومت نے پبلیشر ''لاہور'' (اس عاجز) اور لاہور کے ''پرنٹر'' کے خلاف ''ڈیفنس آف پاکستان رولز'' کے تحت تھانہ قلعہ گوجر سنگھ (لاہور) میں دو مقدمات رجسٹر کروا دیئے۔ جن میں دونوں کو 24۔24 سال کی سزا ہو سکتی تھی۔ ہم نے پتہ لگنے پر ہائی کورٹ میں ضمانت قبل از گرفتاری کیلئے رِٹ درخواست دائر کر دی جو ایک ڈیویژن بینچ میں لگ بھی گئی مگر ہائی کورٹ کے پاس ''ڈی پی آر'' کے تحت قائم کئے جانے والے مقدمات میں ضمانت منظور کرنے کا اختیار باقی نہ رہا تھا۔ جج صاحب ہر تاریخ پر ایڈوکیٹ جنرل سے ہمیں گرفتار نہ کئے جانے کی یقین دہانی حاصل کر کے ہمیں اگلی تاریخ دیتے۔ یہاں تک کی اُن کی مروّت کا مزید امتحان لیتے رہنے کے بجائے ایک دن ہم نے اپنی درخواست واپس لے لی اور معاملہ اپنے رب پر چھوڑ دیا۔

اب مقدمات بھی قائم تھے اور گرفتاری بھی نہیں ہوئی تھی مگر اس کا خدشہ ہمہ وقت ہمرکاب رہتا تھا۔

گرفتاری کے لئے

11 فروری 1977ء کو دوپہر کے وقت تین چار پولیس افسر ایک دم دفتر میں دَر آئے اور بتایا کہ آج ہم ایک خصوصی بالائی حکم کے تحت آپ کو گرفتار کرنے کے لئے آئے ہیں۔ مَیں اُن کے ساتھ ہولیا۔ منشی صاحب کو مَیں نے چند احمدی وکلاء کے نام لکھوادئے تھے کہ اگر اچانک ایسی اُفتاد آن پڑے تو اُن میں سے جو بھی مل جائے اُسے مطلع کریں۔ راستے میں پرنٹنگ پریس سے جناب محمد شفیع کو بھی ساتھ لینا تھا کیونکہ بطور پرنٹر وہ بھی میرے رفیق ملزم تھے۔ انہیں لے کر جب ہم تھانہ میں پہنچے تو چوہدری اعجاز نصر اللہ خان، مرزا نصیر احمد، چوہدری ادریس نصر اللہ خاں، جناب لطیف مبشر اور قریشی محمود احمد صاحب مرحوم پہلے ہی تھانہ میں پہنچ چکے تھے۔ ایس ایچ اُو صاحب نے بتایا کہ چونکہ تھانہ قلعہ گوجر سنگھ میں کوئی حوالات نہیں ہے اور آپ کو سول لائنز کے تھانے میں بھجوایا جائے گا اس لئے گرفتاری مغرب کے بعد ڈالی جائے گی لیکن نہ جانے یہ ان کی اپنی کوئی ہدایت تھی یا مزید کوئی ہدایت کے مغرب کے وقت انہوں نے ہم سے کہا کہ

’’ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ آپ آج کی رات اپنے اپنے گھر میں گذاریں اور کل صبح ساڑھے نو اور دس بجے کے درمیاں خود ہی تھانے آجائیں ہمارے اہل کار آپ کے گھروں میں گئے تو سو باتیں بنیں گی اور بے شک آنے سے قبل ٹربیونل میں ضمانت وغیرہ بھی دیتے آئیں۔‘‘

تھانے سے واپسی پر راستہ میں مَیں نے ’’شاہنواز میڈیکل سٹور‘‘ سے برادرم چوہدری حمید نصر اللہ خاں صاحب کو فون کیا تا کہ اگر ممکن ہو تو وہ حضرت امام جماعت احمدیہ کی خدمت میں دعا کی درخواست کر دیں لیکن جانے فون میں کیا خرابی تھی مَیں نے تین چار دفعہ فون کیا ہر دفعہ وہ عقبی بنگلہ میں جا ملتا اور جواب میں مَیں حضرت چوہدری صاحب کی آواز سُن کر چونگا رکھ دیتا جب کہ چارو ناچار پانچویں مرتبہ مَیں نے معذرت کے بعد مجملاً حضرت چوہدری صاحب کو ساری رام کہانی سُنائی جس کے بعد مجھے یُوں آواز آئی کہ اُن کے لرزتے ہوئے ہاتھ سے ریسیور گر گیا۔

ساری رات لاہور کا اگلا شمارہ تیار کرنے میں گزر گئی۔ پرچہ کی تکمیل کے بعد نوافل کے دوران اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مجھے طمانیت عطا فرمادی اور مَیں نماز فجر کے بعد ایسا سویا کہ سوا آٹھ بجے آنکھ کھلی۔ 9 بجے کے قریب مکرم ومحترم محمد شفیع صاحب بھی پہنچ گئے۔ کار میں بستر اور دیگر سامان رکھ کر لیکن مَیں نے ان کے اصرارِ بیحد کے باوجود اپنے ساتھ ایسا کوئی سامان لے جانا اپنے رب پر بے اعتمادی کے مترادف سمجھا۔ راستہ میں انہوں نے اشارۃً دو ایک دفعہ کہا کہ ’’تمہیں کوئی خواب آ گئی ہو گی اور تم اُس پر جمے ہوئے ہو۔‘‘ مَیں نے کہا بھائی جان خوابوں کے علاوہ بھی کئی مختلف انداز ہیں مولا کریم کے اپنے بندوں کو سکون بخشنے کے۔ ہو سکتا ہے کہ ’’میری تفہیم‘‘ درست نہ ہو۔ پھر بھی مجھے اُس جلیل وقدیر پر بے اعتمادی کی جرائت نہیں۔ بھیجنا تو اُنہوں نے ہمیں خیر سول لائنز کے تھانہ میں ہی ہے نہ۔ اگر ضرورت پڑ ہی گئی تو کسی کے ہاتھوں پیغام بھجوا کر گھر سے بستر منگوا لوں گا۔ ہمارے پریس میں پہنچنے کے پانچ منٹ بعد ہی برادران مرزا نصیر احمد صاحب اور چوہدری **اعجاز نصراللہ خاں** پہنچ گئے۔ مَیں نے اُن سے کہا کہ آپ جا کر ایس ایچ اُو صاحب سے پوچھ آئیں کہ ہم حاضر ہو جائیں؟ دونوں بھائی گئے اور جب واپس آئے تو اُن کے ہاتھوں میں مٹھائی کا ایک ڈبہ اور ہونٹوں پر یہ خوشخبری تھی کہ

چوہدری اعجاز نصراللہ صاحب

’’گرفتاری نہیں ہوگی انسپکٹر صاحب نے بتایا ہے کہ آج ساڑھے آٹھ بجے بھٹو صاحب کے سیاسی مشیر (جناب محمد حیات تمن) کا فون آ گیا ہے کہ گرفتار نہ کیا جائے۔ فالحمدللہ‘‘

مَیں کوئی ساڑھے دس بجے کے قریب دفتر پہنچا تو منشی صاحب نے بتایا کہ آپ کے آنے تک ’’شاہنواز میڈکل سٹور‘‘ سے ایک پٹھان چپراسی تین دفعہ آ چکا ہے تیسری دفعہ ہو کر گیا ہے۔ مَیں نے کہا تو مَیں میڈیکل سٹور سے ہو آؤں۔ کہنے لگے کہ دس پندرہ منٹ انتظار کر لیں میرا خیال ہے وہ پھر آئے گا اور واقعی عجائب خان پندرہ منٹ بعد پھر آ گیا اور کہا کہ بڑے چوہدری صاحب کا ہر بیس

منٹ کے بعد فون آتا ہے کہ جا کر دیکھو کیا ثاقب صاحب دفتر آ گئے ہیں؟

مَیں نے کہا ’’جا کر میری طرف سے عرض کرنا کہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے معامل ٹل گیا ہے مَیں ان شاء اللہ شام کو حاضر ہو کر تمام تفاصیل عرض کروں گا۔‘‘ مَیں کوئی چار بجے کے قریب دفتر سے اُترا تو نیچے حضرت کا ڈرائیور کھڑا تھا اُس نے کہا کہ ’’بڑے چوہدری صاحب نے کہا ہے کہ آج شام کا کھانا آپ اُن کے ساتھ کھائیں گے۔ مَیں نے کہا ’’بہت اچھا مَیں آ جاؤں گا۔‘‘ کہنے لگا۔ ’’نہیں جی مَیں آپ کو ساڑھے چھ بجے خود لینے آؤں گا یہ بھی انہی کا حکم ہے۔‘‘

مجھے کار گھر سے اٹھا کر عقبی بنگلے کے دروازے کے سامنے جا کر کھڑی ہوئی تو گاڑی کی آواز سُنتے ہی وہ سراپا شفقت و محبت انسان بنگلے سے باہر آ گیا اور میرے کار سے اُترتے ہی مجھے اپنے سینے سے لگا لیا اور کہا

’’زندگی میں یہ دوسری بے چین رات تھی جب میں اطمینان سے سو نہ سکا اور رات بھر اپنے رب سے یہی کہتا رہا کہ مولا کریم! ثاقب نے صرف یہی تو کیا ہے کہ تیری جماعت پر توڑے جانے والے مظالم کی تفصیل چھاپ دی ہے دُنیا والوں اور احمدیت کی آئندہ نسلوں کی آگہی کے لئے۔‘‘

مَیں نے نگاہ اوپر اٹھائی تو اُس کریم النفس کی آنکھیں اشکوں سے لبریز تھیں عرض کیا مولا کریم نے آپ کی دعائیں قبول تو فرما لیں اب یہ آنسو کیسے؟ فرمایا ’’یہ تشکر کے آنسو ہیں۔‘‘

اللہ کروڑ کروڑ جنت نصیب کرے اپنے اس اطاعت گزار بندے کو جو اپنے سے چھوٹوں سے اور مجھ جیسے تر دامنوں سے بھی بلا استحقاق بے پناہ محبت کرتا تھا۔ ان کی باتوں میں بھی حلاوت تھی مگر اُس کے ذکرِ خیر میں بھی کچھ کم شیرنی نہیں۔

(رسالہ خالد دسمبر 1985ء جنوری 1986ء صفحہ 61 تا 65)

❋

ایک ہمدمِ دیرینہ کی یادوں کے چند خوش رنگ پھول

شیخ اعجاز احمد صاحب

(محترم شیخ اعجاز احمد صاحب محترم شیخ عطا محمد صاحب مرحوم کے فرزند ارجمند اور علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کے حقیقی بھتیجے تھے۔ آپ کو حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی شاگردی ہی کا نہیں بلکہ ہمدم دیرینہ ہونے کا خصوصی شرف بھی حاصل ہے۔ آپ نے ادارہ خالد کی درخواست پر جو اپنی حسین یادوں کے پھول عنایت کئے ہیں وہ قارئین کی خدمت میں پیش ہیں۔)

دادوستد کے کھرے

حضرت چوہدری صاحب لین دین کے بہت کھرے تھے۔ ان کی طبیعت کسی کا ایک پائی بھی زیر بار احسان ہونا گوارا نہ کرتی تھی۔ برسوں کے بے تکلف دوستوں کو بھی اگر کسی کام کے انصرام کے لئے فرماتے تو اس سلسلہ میں کچھ خرچ ہوا ہوتا تو اصرار کے ساتھ ادا کرتے تھے۔ میرے ساتھ تو حساب چلتا رہتا تھا کیوں کہ میرے ذریعہ ایک فرد کی مالی مدد کی جاتی تھی۔ ایک دفعہ پاکستان واپس آنے پر میرا حساب دیکھ کر فرمایا اس حساب میں ایک فروگزاشت ہے۔ کراچی سے جاتے ہوئے مَیں نے تمہیں کچھ خطوط پوسٹ کرنے کے لئے دئے تھے۔ ان میں کچھ ڈاک خرچ آیا ہوگا وہ اس حساب میں شامل نہیں۔ مجھے تو یاد بھی نہیں تھا کہ وہ کتنے خطوط تھے اور اُن پر کتنا خرچ آیا تھا لیکن وہ مُصر تھے کہ ان پر جو کچھ خرچ آیا ہوا ہے وہ حساب میں شامل کیا جائے۔ مَیں نے عرض کیا مجھے تو یاد نہیں کتنے خطوط تھے۔ آپ کا حافظہ ماشاء اللہ بلا کا ہے اگر اس معمولی رقم کی ادائیگی پر آپ کو اصرار ہے تو آپ ہی یاد کریں کہ کتنے خطوط تھے اور ان کا حساب کرلیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسے ہی کیا۔

قدرت کا عطا کردہ کمپیوٹر

ان کا حافظہ واقعی حیرت انگریز تھا۔ ان کی خود نوشت سوانح عمری تحدیث نعمت اس کا بیّن ثبوت ہے کیوں کہ اس کا تقریباً ایک ہزار سے زائد صفحہ کا مسودہ چوہدری صاحب نے محض اپنی یادداشت سے قلم برداشت لکھا ہے۔ ان کے ایک بے تکلف ملنے والے کو جب ایسا باور کرنے میں تامّل ہوا تو فرمایا ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ آپ کتاب میں سے کسی ایک واقعہ کے متعلق دریافت کر کے آزمالیں۔ مَیں اس کی تفاصیل زبانی بیان کردوں گا چنانچہ وہ صاحب تجربہ کرنے کے بعد قائل ہو گئے۔

حافظہ اور یادداشت کا کمال کے گذشتہ واقعات کی تفصیل واقعہ کی تاریخ اور متعلقہ اشخاص کے ناموں تک محدود نہ تھا بلکہ اُن کے دماغ میں تو قدرتی کیمرہ یا کمپیوٹر لگا معلوم ہوتا تھا۔ اس کمپیوٹر کی کارگزاری کی دو مثالیں جو یاد آتی ہیں بیان کر دیتا ہوں۔

آواز کے ذریعہ شناخت

عملی زندگی کی ابتدا میں بیرسٹری کی پریکٹس کے ساتھ ساتھ انہوں نے دو تین سال لاء کالج لاہور میں جز وقتی لیکچرار کا کام بھی کیا۔ مَیں ان دنوں لاء کالج میں پڑھتا تھا۔ چوہدری صاحب جب ہمیں رومن لاء پڑھاتے تھے کلاس میں ڈیڑھ دوسو طالب علم تھے۔ لیکچر شروع کرنے سے پہلے لیکچرار طلباء کی حاضری نوٹ کرتے ہیں جس کا باقاعدہ ریکارڈ رکھا جاتا ہے۔ یہ اس کے امتحان میں شمولیت کے لئے ضروری تھا کہ طالب علم ہر مضمون کے لیکچروں میں ایک مقررّہ تعداد میں حاضر رہا ہے۔ بایں وجہ طالب علم حاضری لگوانے کا بہت اہتمام کرتے تھے۔ دوسرے اساتذہ کے لیکچروں میں حاضری لگوانے میں کوئی دشواری نہ ہوتی تھی اگر ”زید“ کسی دن لیکچر میں حاضر نہیں تو اس کا نام پکارے جانے پر اس کے دوست ”بکر“ present کہہ دیتا لیکچرار کی نظر رجسٹر پر ہوتی ہو presnet کا لفظ سن کر زید کا حاضر ہونا نوٹ کر لیتا تھا۔ چوہدری صاحب کی کلاس میں ایسا ہونا

ممکن نہ تھا۔ شروع شروع میں کوشش کی گئی جو کامیاب نہ ہوئی۔ ان کی کلاس میں اگر زید کی بجائے بکر present کہہ دیتا تو جیسے وہ ہر ایک کی آواز پہچانتے ہوں فرماتے well zaid please stand up (مہربانی فرما کر زید کھڑے ہو جائیں) اب زید صاحب وہاں ہوں تو کھڑے ہوں زید کی غیر حاضری کا بھانڈا پھوٹ جاتا تھا۔ دو چار بار ایسا ہوا تو سمجھ لیا گیا کہ اس لیکچرار کے ساتھ یہ حربہ کامیاب نہیں ہوسکتا۔

کے آمدی و کے پیر مرشدی

ابتدا میں اقوام متحدہ کے اجلاس نیویارک سے کچھ میل فاصلہ پر باہر لیک سکس میں ہوتے تھے۔ جب چوہدری صاحب اقوام متحدہ کے اجلاس کے لئے جاتے تو ان کا قیام نیویارک میں ہوتا۔ اس لئے اجلاس میں شمولیت کے لئے ہر روز لیک سکس موٹر پر جانا ہوتا۔ پاکستان مشن کی موٹر کار کی ڈرائیور ایلمو نامی ایک حبشی تھا۔ ایک دن لیک سیکس جاتے ہوئے ایلمو نے ایک غلط موڑ کاٹا۔ چوہدری صاحب نے ایلمو کو اس کی غلطی کی طرف توجہ دلائی۔ وہ نیویارک کا رہنے والا عرصہ سے وہاں ڈرائیونگ کرنے والا بھلا راستوں سے ناواقفیت کو کیسے تسلیم کر لیتا۔ بڑے فخر سے کہنے لگا Mr.Minster i know my job (منسٹر صاحب میں اپنا کام خوب جانتا ہوں) مطلب تھا کہ آمدی و کے پیر شدی۔ مَیں ان راستوں سے بخوبی واقف ہوں۔ آپ میرے کام میں دخل اندازی نہ کریں۔ کچھ دور جا کر اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا تو کھسیانی ہنسی سے کہنے لگا Sorrey Mr Minster i was wrong (مسٹر منسٹر صاحب افسوس ہے مَیں غلطی پر تھا۔)

مرتا کیا نہ کرتا

چوہدری صاحب کو وقت کی پابندی کا بڑا احساس تھا خود بھی وقت کے سخت پابند تھے اور دوسروں سے بھی پابندی کراتے۔ شروع شروع میں تو اس اچھی عادت پر عمل پیرا ہونے میں مجھے بہت کوفت محسوس ہوتی۔ اب پابندی وقت کی عادت ہوگئ ہے اور بعض دفعہ اس عادت پر عمل پیرا

ہونے کی وجہ سے خفت اٹھانی پڑتی ہے۔ قیام دہلی کا واقعہ ہے کہ چوہدری صاحب نے کسی معاملہ پر غور کرنے کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی میَں اس کا ایک رکن تھا۔ سردیوں کے دن تھے۔ کمیٹی کے ایک اجلاس میں چوہدری صاحب نے دوسرے اجلاس کے لئے صبح کے آٹھ بجے کا وقت مقرر کیا۔ میَں نے ذرا تاخیر سے وقت مقرر کرانے کے لئے پوچھا ’’یہ وقت تبدیل نہیں ہوسکتا۔‘‘ فرمایا ’’کیوں نہیں ہوسکتا۔‘‘ اور صبح کے آٹھ بجے کے بجائے سات بجے کا وقت مقرر فرما دیا۔ مرتا کیا نہ کرتا صبح سات بجے پرانی دہلی سے نئی دہلی آنا پڑا۔

جوانوں کے جوان

چوہدری صاحب کو جوانی میں ذیابطیس کا مرض لاحق ہوگیا تھا۔ خدا کے فضل سے 93 سال کی عمر پائی۔ آخری ڈیڑھ سال کے باوجود ذیابطیس کے باجود ان کی صحت قابل رشک تھی۔ جن کی وجہ اُن کی باقاعدگی کی عادت تھی۔ معالج دوا یا خوراک کے سلسلہ میں جو ہدایات دیتے۔ وہ ان پر پوری طرح عمل پیرا ہوتے۔ 90 سال کی عمر تک چاک و چوبند رہے۔ 1963ء میں خاکسار عالمی ادارہ خوراک و زراعت سے منسلک تھا۔ اس ادارہ کی ایک کانفرنس کے موقع پر واشنگٹن جانے کا اتفاق ہوا۔ کانفرنس کے اختتام پر تین چار ہفتوں کی چھٹیاں لے کر نیویارک گیا۔ چوہدری صاحب اس وقت اقوام متحدہ میں پاکستان کے مستقل نمائندہ تھے۔ میَں اُن کے یہاں ٹھہرا۔ اُن کی رہائش ایک اپارٹمنٹ میں تھی جو پاکستانی مشن سے دو تین میل کے فاصلہ پر تھا۔ وہ ہر صبح پارک میں دو تین میل سیر کرتے ہوئے پیدل دفتر میں جاتے۔ میرے لئے پیدل چلنا ہمیشہ مشکل رہا ہے۔ ناچار مجھے بھی ساتھ پیدل چلنا پڑتا۔ وہ تیز چلنے کے عادی تھے۔ صحت کے نقطہ نظر سے بھی اُنہیں روز Brisk Walk کرنا ہوتی تھی۔ میرے لئے ان کے ساتھ چلنا دہری مصیبت ہوتی تھی۔ مشن کے دفتر پہنچے۔ ان کا کمرہ تیسری منزل پر تھا۔ انہوں نے سیڑھیوں کا رُخ کیا۔ میَں پہلے ہی ہانپتے کانپتے پہنچا تھا۔ ان کو سیڑھیوں کی طرف جاتے دیکھ کر پوچھا اس عمارت میں کوئی لفٹ نہیں؟ ہنس

کر فرمایا۔ ''ہاں ہے۔ اُس کونوں میں بوڑھوں کے لئے۔ تم اُس میں آجاؤ۔'' یہ کہہ کے وہ تو سیڑھیاں چڑھ گئے اور مَیں نے لفٹ میں سوار ہو کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ سڑھیاں چڑھنے کی زحمت سے بچ گیا۔

دعاؤں کی فہرست

چوہدری صاحب کو جلد سو جانے کی عادت تھی کیونکہ نماز تہجد کے لئے اٹھنا ہوتا تھا۔ ان کی تہجد کی نماز بہت وقت لیتی تھی اس لئے کہ دعاؤں کی فہرست بہت لمبی ہوتی تھی اور وہ دن بدن اور لمبی ہوتی جا رہی تھی۔ کسی سے دعا کرنے کا وعدہ کر لیتے تو جب تک دعا کی قبولیت کی خبر نہ مل جاتی دعا جاری رکھتے۔ ایک صاحب نے اُن سے اولاد کے لئے دعا کی درخواست کی۔ یہ اُن کے لئے دعا کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے دُعا قبول فرما لی لیکن ان صاحب نے چوہدری صاحب کو مطلع نہ کیا۔ پانچ چھ سال بعد ان صاحب کے کوئی عزیز انہیں ملنے آئے۔ چوہدری صاحب نے اُن سے پوچھا کہ اُن صاحب کے یہاں اولاد ہوئی یا نہیں؟ تو بتلایا گیا کہ اللہ کے فضل سے ان کے دو بیٹے ہیں۔ اس پر آپ نے اس شخص کا قصہ سنایا کہ جس کی بیوی نے بھینس دوہتے وقت بھینس کے سامنے کھڑا رہنے کو کہا تا کہ محبت مادری میں بھینس زیادہ دودھ اتارے بیوی دودھ لے کر چلی گئی اور فرمانبردار شوہر تعمیل حکم میں کٹا پکڑے بیٹھے رہے۔ فرمایا ہم تو کٹا پکڑے بیٹھے رہتے ہیں۔ جب تک دعا کے لئے کہنے والے شخص اطلاع نہ دیں کہ دعا قبول ہو گئی۔

ایسے دعا گو بزرگوں کی دعاؤں سے اب ہم محروم ہو گئے ہیں۔ آیئے ہم سب بارگاہ ربّ العزت میں چوہدری صاحب کے درجات کی بلندی کے لئے دعا کریں اور کرتے رہیں۔

(رسالہ خالد ربوہ دسمبر 1985ء وجنوری 1986ء صفحہ 67 تا 70)

◆

اللہ تعالیٰ کا عبدِ شکور

محترم چوہدری محمد ظہور احمد صاحب باجوہ

حضرت چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب مرحوم و مغفور کو قادیان کے جلسہ سالانہ کے موقع پر دور سے دیکھنے کا موقع ملتا رہا۔ قریب سے دیکھنے کا پہلا موقع اس طرح ملا کہ مَیں گورنمنٹ کالج فیصل آباد کا طالب علم تھا اور چوہدری صاحب وائسرائے ہند کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر کی حیثیت سے وہاں تشریف لے گئے۔ مَیں بھی تھا۔ سرکاری افسران اور سیاسی لوگ جمع تھے۔ چوہدری صاحب نے سب سے ہاتھ ملایا۔ مغرب کی نماز کے لئے تشریف لائے اور نماز کے بعد احباب جماعت قطاروں میں کھڑے ہو گئے۔ چوہدری صاحب نے سب کے ساتھ مصافحہ کیا۔ میرے ساتھ ایک دوست کھڑے تھے۔ ان سے پوچھا کہاں کہ رہنے والے ہیں؟ انہوں نے بتایا تو فرمایا اپنے ماموں زاد بھائی کی برات میں جاتے وقت ہم لوگ آپ کے گاؤں میں ٹھہرے تھے۔ مکئی کا موسم تھا بھٹے کھانے یاد ہیں۔ پھر پوچھا یہاں کیا کرتے ہیں؟ جواب دیا گورنمنٹ کالج میں پڑھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا زمینداروں سے لوہار ترکھان کا مستقبل زیادہ روشن ہے۔ کوئی کام سیکھیں اُس وقت کالج کے لڑکوں نے چوہدری صاحب کا یہ مشورہ دل سے ناپسند کیا مگر مَیں تھوڑی سی زرعی اراضی کا مالک ہونے کی حیثیت میں چوہدری صاحب کی آج سے پچاس سال پہلے کہی ہوئی بات کو حرف بحرف پورا ہوتے دیکھ رہا ہوں۔ ایک طبقہ چاند ستاروں پر کمندیں ڈال رہا ہے اور دوسرا گروہ اپنی بقاء کی خاطر تحفظات کے بھیک کے لئے سرگرداں ہے۔

درود شریف کی برکت سے

حضرت چوہدری صاحب کو اور قریب سے دیکھنے کا موقعہ اس طرح میسر آیا کہ مَیں دسمبر

1945ء میں اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے انگلستان گیا۔ حضرت مولانا جلال الدین شمس صاحب وہاں موجود تھے۔ چوہدری صاحب اپنے چھوٹے بھائی محترم چوہدری عبداللہ خاں صاحب مرحوم امیر جماعت احمدیہ کراچی کو ٹانگ کے اپریشن کے لئے وہاں لائے تھے۔ چوہدری صاحب کا قیام اپنے دیرینہ جرمن دوست ڈاکٹر آسکر برونلر (DR.Oscar Bronnler) کے ہاں تھا۔ مگر ان کے بھائی ہمارے پاس رہے۔ جنگ عظیم کے بعد کا زمانہ تھا۔ بے شمار انگریز فوجی زخمی ہو کر آرہے تھے۔ چوہدری صاحب نے اپنے دوستوں سے رابطہ پیدا کر کے کسی ہسپتال میں داخلہ کی کوشش کی مگر منزل قریب نظر نہ آئی۔ چوہدری عبداللہ خاں صاحب کو تکلیف زیادہ تھی۔ ایک دن چوہدری صاحب غیر متوقع طور پر تشریف لائے۔ انتہائی خوش تھے۔ بار بار اللہ تعالیٰ کی حمد کر رہے تھے۔ محترم شمس صاحب نے پوچھا کہ اس خوشی کی وجہ کیا ہے۔؟ فرمایا رات مایوسی کی حالت میں بہت دعا کا موقع ملا۔ مَیں نے سُن رکھا تھا کہ روحمپٹن (Roehampton) میں ہسپتال ہے جہاں ٹوٹے ہوئے اعضاء کا اعلاج ہوتا ہے اور مصنوعی اعضا بھی لگائے جاتے ہیں۔ مَیں بغیر واقفیت کے وہاں چلا گیا۔ سارا راستہ بس درود شریف پڑھتا رہتا۔ وہاں جا کر انچارج ڈاکٹر کو ملا۔ اپنا تعارف کرایا۔ عبداللہ خان کی کیفیت بیان کی اور اب تک علاج کی رپورٹ دکھائی۔ ڈاکٹر رپورٹ پڑھ رہا تھا اور مَیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر درود شریف پڑھ رہا تھا۔ ڈاکٹر نے سر اٹھایا اور کہا

Sir Zafrulla although hard pressed i will admit you

مَیں نے شکریہ ادا کیا اور کمرہ سے باہر نکل کر لان میں سجدہ شکر بجا لایا۔ پھر بھائی سے کہا کہ عبداللہ خاں تیار ہو جا ہسپتال آرام دہ نظر نہیں آتا مگر ہمیں تو علاج سے غرض ہے۔ چوہدری عبداللہ خاں صاحب کا اس ہسپتال میں اپریشن ہوا گھٹنہ کے جوڑ میں پن ڈال کر ٹانگ سیدھی کر دی۔ پھر وہ ٹانگ جھکا نہیں سکتے تھے مگر کہا کرتے تھے کہ جو تکلیف میں نے سالہا سال دیکھی ہے اس کے مقابلہ میں جنت میں ہوں۔ اس کے بعد ایک لمبا عرصہ تک بڑی مصروف زندگی گزاری۔ چوہدری

عبداللہ خان صاحب جب صحت یاب ہو کر وطن واپس آ گئے تو چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب کچھ دیر اور انگلستان میں رہے۔ آپ دوستوں کو اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کے طور پر اپنے بھائی کے ہسپتال میں داخلہ کا واقعہ سنایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ دوستوں کا سہارا کام نہ آیا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر دورد بھیجنے کی برکت سے مشکل مرحلہ آسان ہو گیا۔ کئی دفعہ خطبات جمعہ میں بھی احباب کو تلقین کیا کرتے تھے کہ انسان کام میں مصروف ہوتے ہوئے بھی زبان سے درود بھیج سکتا ہے لیکن اگر زبان بھی مصروف ہو تو فارغ اوقات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر دورود وسلام سے بڑھ کر کوئی عبادت اللہ کے یہاں قبول نہیں۔

نصف پینس بچانے کے لئے

ان دنوں صاحبزدہ مرزا منصور احمد صاحب بھی وہاں موجود تھے۔ اکثر چوہدری صاحب کے برادر چوہدری عبداللہ خان صاحب کی عیادت کے لئے ہسپتال جایا کرتے تھے۔ جو بس ایک طرف جایا کرتی تھی اس کے مشن ہاؤس کے قریب دو سٹاپ تھے ایک لٹن گرو Lytton Grove اور دوسرا West Hill۔ پہلا نسبتاً قریب تھا اگرچہ فاصلہ میں نہایت معمولی فرق تھا۔ پہلے سٹاپ سے کرایہ دو پینس تھا اور دوسرے سے ڈیڑھ پنس ہم عموماً لٹن گرو کے بس سٹاپ سے سوار ہوتے تھے۔ چوہدری صاحب اگر مشن ہاؤس سے ہو کر ہسپتال جا رہے ہوں تو ویسٹ ہل بس سٹاپ سے سوار ہوتے تھے کیونکہ نصف پینس کی بچت ہوتی تھی۔ ہسپتال میں جب بھی اکٹھے ہوتے تو چوہدری صاحب ہمیں نصیحت کرتے کہ تھوڑے الاؤنس میں کفایت شعاری سے رہنا سیکھو۔ ہسپتال میں عموماً اکھٹا ہونے سے چوہدری صاحب دریافت کرتے کہ کون سے بس سٹاپ سے بس لی۔ ان کے سوال کرنے پر ایک دن صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب نے کہا کہ لٹن گرو بس سٹاپ سے سوار ہونے کی وجہ فضول خرچی نہیں بلکہ محض اس لئے کہ شہر جاتے ہوئے اسی سٹاپ سے سوار ہونے کی عادت ہے اس لئے غیر ارادی طور پر ادھر کا رخ ہو جاتا ہے۔ ویسے آدھے آدھے پینس کا حساب بھی

نہیں رکھا جا سکتا۔ چوہدری صاحب کی اپنی رائے دھونسے کی عادت نہ تھی محض توجہ ہی دلایا کرتے تھے۔ صرف اتنا کہا کہ عادت کا غلام نہیں ہونا چاہیے۔

چوہدری صاحب کا حافظہ بلا کا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی بات اُن کو بھولتی نہ تھی۔ عموماً جن راہوں پر ان کا آنا جانا ہوتا تھا۔ ان راستوں پر بسوں کے کرایہ کا ان کو علم ہوتا تھا۔ یہ بھی کہ کہاں کہاں تک زمین دوز ریلوے سے سفر کرنا ہے اور کہاں بس میں بلکہ کرایہ کی بچت کی پیش نظر ریلوے اور بس کا سفر ملا کر کیا کرتے تھے۔ جس دن ان کی وفات کی خبر آئی مَیں صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب کے پاس بیٹھا تھا۔ تو انہوں نے کہا کہ ڈیڑھ دو پنس والی بات یاد ہے۔ ایک سہانے خواب کی طرح وہ زمانہ یاد آ گیا اور چوہدری صاحب کی بے تکلّف مجالس بھی۔

نعمائے الٰہی کی قدردانی

یہ اس وقت کی بات ہے جب لندن میں اشیائے خوردنی کی کمی کی وجہ سے راشننگ کا نظام جاری تھا اور ایک ہفتہ کے لئے صرف ایک کلو دودھ ملتا تھا۔ ایک دفعہ مشن ہاؤس میں کھانے کی میز پر بیٹھے تھے۔ ہر چیز موجود تھی سوائے دودھ کے چائے پلانے والا پریشانی کی عالم میں اندر باہر آ جا رہا تھا۔ محترم مولانا شمس صاحب نے پوچھا کیا بات ہے۔ چائے میں کیا دیر ہے؟ جواب آیا دودھ پھوٹ گیا ہے۔ چوہدری صاحب نے فرمایا کہاں ہے وہی لے آؤ۔ جواب ملا پھینک دیا ہے چوہدری صاحب نے فرمایا انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری کرتا ہے۔ پھٹے ہوئے دودھ اور دہی میں فرق کیا ہے۔ یہی نہ کہ ایک میں انسان کا عمل دخل ہے دوسرے میں نہیں۔ مگر انسان ایک کو ضائع کر دیتا ہے اور دوسرے کو شوق سے کھاتا ہے۔ پھر اپنا ایک واقعہ سنایا کہ مَیں چند دن کے لئے لندن سے باہر گیا ہوا تھا۔ اس دوران میرے میزبان ڈاکٹر آسکر برونلز کو باہر جانا پڑا وہ باہر جانے سے پہلے گھر میں رکھی اشیائے خوردنی کی ایک فہرست میز پر رکھ گئے۔ مَیں واپس آیا تو دیکھا کہ دہی پر اُلّی لگی ہوئی ہے۔ مَیں نے وہ ہٹا کر کھالی۔ جو دوست چائے پلا رہے تھے۔ انہوں نے حیرت

سے کہا چوہدری صاحب آپ نے اُلّی لگی ہوئی دہی کھالی۔ محترم چوہدری صاحب نے بڑے پیار سے جواب دیا ہاں کھالیا اگر ڈاکٹر فلیمنگ وہی چیز آپ کو پنسلین کے نام سے پیش کرے تو آپ بھی بڑے شوق سے کھالیں گے۔

ایک دفعہ حضرت چوہدری صاحب کے کھانے میں اور دوستوں کے ساتھ مَیں بھی تھا۔ اور چوہدری صاحب کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ کوئی چیز چوہدری صاحب سے گر گئی۔ مگر اسی اثناء میں انہوں نے گری ہوئی چیز اٹھالی۔ مَیں نے کہا یہ رہنے دیں یہاں سے اور لے لیں۔ فرمایا کیا یاد نہیں بچپن میں اگر کوئی کھانے کی چیز گر جاتی تھی تو مائیں کہا کرتی تھیں کہ اٹھا کر پھونک مار کر کھالو اور ہم بچپن میں ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ اب اللہ کی نعمت کیوں پھینک دی جائے۔ ہمیشہ اِنۡ شَکَرۡتُمۡ کے نتیجہ میں ملنے والے فضلوں کے حصول کی خواہش کرنا چاہیے۔

اکرامِ ضیف

1970ء میں جماعت احمدیہ کے تیسرے امام حضرت مرزا ناصر احمد صاحب یورپ اور مغربی افریقہ کے دروہ پر تشریف لے گئے۔ مجھے بھی حضور کے قافلہ میں شمولیت کی سعادت نصیب ہوئی۔ چوہدری صاحب ان دنوں بین الاقوامی عالمی عدالت کے صدر تھے۔ ہیگ میں مجھے اور چوہدری محمد علی صاحب سابق پرنسپل تعلیم الاسلام ہائی کالج کو چوہدری صاحب کا مہمان بننے کا شرف حاصل ہوا۔ مشن ہاؤس میں رات کے کھانے سے فارغ ہو کر چوہدری صاحب کے ساتھ ان کے فلیٹ کے لئے روانہ ہوئے۔ منزل پر پہنچ کر چوہدری صاحب نے کار سے اتر کر جلدی سے ہمارے بیگ اٹھا لئے۔ چوہدری محمد علی صاحب نے کہا کہ یہ کیا آپ نے کمال کر دیا۔ ہم آپ کے بچوں کی طرح ہیں فرمایا ”بس اتنی بات ہے کیا اَکۡرِمُوۡا اَوۡلَادَکُمۡ کا ارشاد رسول بھول گئے اور مجھے اکرامِ ضیف سے بھی محروم کرنا چاہتے ہو۔ دیر کافی ہو چکی تھی چوہدری صاحب نے ہمیں ہمارا کمرہ دکھایا اور پوچھا ناشتہ میں کیا پسند ہے اور ناشتہ کس وقت کرتے ہیں؟ مَیں نے کہا آپ فکر نہ کریں ہم خود کرلیں گے۔

چوہدری صاحب نے کہا اس وقت مَیں میزبان ہوں۔ یہ میرا فرض ہے۔ پھر چوہدری صاحب اپنے کمرہ میں تشریف لے گئے۔ صبح میری آنکھ کھلی تو مَیں نے آہستہ سے چوہدری محمد علی صاحب سے کہا نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ وضو کر لیں۔ چوہدری صاحب نے اسی طرح سرگوشی کے عالم میں کہا کہ مَیں رات کو دو دفعہ غسل خانہ جانے کے لئے اٹھا ہوں۔ چوہدری صاحب کو عبادت کرتے ہی دیکھا ہے۔ خدا معلوم سوتے کب ہیں؟ رات کو ہم نے ناشتہ کے لئے جو وقت بتایا تھا۔ عین اُسی وقت چوہدری صاحب نے دستک دی اور فرمایا ناشتہ تیار ہے ناشتہ کر لیں۔ مَیں کورٹ کے لئے تیار ہوں۔ ہم نے ناشتہ کیا تو چوہدری صاحب تشریف لے آئے اور فرمایا تیار ہو جاؤ۔ مَیں اٹھ کر برتن دھونے لگا تو چوہدری صاحب نے آگے ہو کر میرے ہاتھ پکڑ لئے اور فرمایا آپ مہمان ہیں۔ مَیں نے عرض کیا کہ یورپ مَیں تو مہمان میزبان کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ چوہدری صاحب نے کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ مَیں سالہا سال سے اکیلا رہا ہوں۔ مجھے علم ہے مگر مَیں یورپین نہیں ہوں اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر دھونا یاد نہیں؟ چوہدری صاحب نے اصرار سے ہمارے برتن خود صاف کئے۔ اور دو تین سینڈوچ لپیٹ کر اپنی جیب میں رکھ کر کہا That will do for my lunch یہ میرا دوپہر کا کھانا ہے اور ہمیں ساتھ لے کر عدالتِ انصاف کی طرف روانہ ہو گئے۔

سچی خیر خواہی

محترم چوہدری عبداللہ خان صاحب مرحوم سنایا کرتے تھے کہ ان کے بھائی محترم چوہدری شکر اللہ خان صاحب مرحوم ایک دفعہ قتل کے مقدمہ میں ماخوذ ہو گئے۔ بڑے بھائی جان یعنی چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب ان دنون ملک سے باہر تھے ان کو اطلاع دی گئی۔ ہم پُر امید تھے کہ وہ کسی بڑے افسر کو اشارہ کر دیں گے تو بھائی کی خلاصی ہو جائے گی۔ بڑی انتظار کے بعد ان کا خط آیا کہ آپ کے خط سے بڑی تکلیف ہوئی۔ شکر اللہ خان مجھے بہت ہی پیارا ہے۔ مَیں اس کے

لئے دعا ہی کر سکتا ہوں۔ اگر فی الواقع اس نے جرم کیا ہے تو میری محبت یہ تقاضہ کرتی ہے کہ اُس کو اِس کی سزا دنیا میں ہی مل جائے۔ اس کی بخشش کا سامان ہو جائے۔ مَیں آخرت کے حساب اور کتاب اور سزا کے تصور سے بھی ڈرتا ہوں۔ اس جرم کا حساب اللہ تعالیٰ اُس جہاں میں نہ لے۔ آپ سب دعائیں کریں۔ مَیں بھی دعا کرتا رہوں گا۔ شکر اللہ بھی اللہ کے حضور گڑ گڑائے اور اپنے ناکردہ گناہوں کی معافی طلب کرے۔ بعض اوقات کسی اور وجہ سے انسان پکڑا جاتا ہے۔ چوہدری عبداللہ صاحب نے بتایا کہ مقدمہ کی سماعت کے دوران ہی بھائی جان ملک واپس تشریف لے آئے حالات دریافت کئے مگر کوئی قانونی یا دوسرا مشورہ نہ دیا سوائے دعا کے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا بھائی جان شکر اللہ صاحب نے اس مصیبت سے مخلصی پائی۔

مَیں نے ایک بار چوہدری صاحب سے آٹوگراف کی درخواست کی۔ چوہدری صاحب نے کاپی میں یہ تحریر فرمایا

عاشقِ جوزیار شوئے عاشق مہر پارنہ

Zafrulla 23.10.46

یا ارحم الراحمین تو اپنے اس عبد شکور کو، جس کا نام ماں باپ نے ظفر اللہ خان رکھا اور تو نے اپنے بے پایاں فیض سے اسے ہر لحاظ سے اس دنیا میں ظفر مند کیا اب جب کہ وہ تیرے حضور حاضر ہو چکا ہے۔ اپنے احسان، فضل اور رحمت سے نجات یافتہ گروہ میں شامل فرما۔ آمین ثم آمین۔

❋

دینِ خدا کی آرزو تھی مقصدِ حیات
پہنچا جہاں بھی پیار کا دریا بہا دیا

ثاقب زیروی

درختِ وجود کی ایک سرسبز شاخ

مکرم جناب راجہ غالب احمد صاحب

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب سے خاکسار کی پہلی ذاتی ملاقات 1935ء میں ہوئی۔ میری عمر اس وقت سات سال کے قریب تھی۔ مَیں اپنے والد محترم راجہ محمد علی صاحب اور حضرت نواب محمد دین صحابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہمراہ حضرت چوہدری محمد علی صاحب کے دیدار سے مشرف ہوا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب والد صاحب نے میرا تعارف کروایا تو چوہدری صاحب نے والد صاحب سے فوراً ایک سوال کیا۔ ’’راجہ صاحب آپ نے ان کا یہ نام کیسے رکھا۔ آپ نے رکھا ہے یا حضور نے۔؟‘‘ محترم والد صاحب نے قدرے تامل اور جھجک کے ساتھ صرف اتنا کہا کہ چوہدری صاحب مَیں نے یہ نام اپنی ایک خواب کی بناء پر حضور کی خدمت میں تجویز کیا تھا اور حضور نے اسے منظور فرما لیا تھا کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے قول کے مطابق اللہ تعالیٰ کی صفات ’’غالب‘‘ کا حضور کی بعثت سے ایک گہرا تعلق ہے۔

نو سال بعد

میری ذاتی ملاقات حضرت چوہدری صاحب سے 1944ء میں نو سال کے عرصہ کے بعد ہوئی۔ خاکسار اس وقت تعلیم الاسلام ہائی اسکول قادیان کا طالب علم تھا۔ اور بورڈنگ ہاؤس میں رہائش پذیر تھا۔ موسم سرما کی ایک دوپہر کو قریباً تین بجے چند ہم عمر طلباء ایک کمرے میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ مَیں بھی اُن میں شامل تھا۔ اتنے میں حضرت چوہدری صاحب اپنی مخصوص ترکی ٹوپی پہنے ایک جوان کے ساتھ اچانک ہمارے کمرے میں داخل ہوئے۔ کچھ طالب علم

ہراساں ہو گئے۔ بہر حال حضرت چوہدری صاحب نے اپنا تعارف کروایا۔ پھر اپنے ساتھی جن کا نام شاید مسٹر وید تھا اور چوہدری صاحب کے زیر تربیت تھا، کا تعارف کروایا۔ پھر ہم طلباء سے فرداً فرداً نام پوچھنے لگے خاکسار نے جب اپنا بتایا تو فوراً بتایا کہ آپ سے پہلے بھی ملاقات ہو چکی ہے لاہور میں آپ کے والد صاحب اور نواب محمد دین صاحب کے ساتھ۔'' خاکسار کا محترم چوہدری صاحب کی یادداشت کا یہ پہلا تجربہ تھا۔ یہ سُن کر میرے اوسان خطا ہو گئے کہ ایسا بھی ممکن ہے کہ وہ شخص جو بے پناہ منہمک رہتا ہے وہ ایک سات سال بچہ سے ملاقات کا واقعہ جس کو گزرے ہوئے بھی نو سال کا عرصہ گزر چکا ہو۔ اپنی ''شعوری یادداشت'' میں محفوظ رکھے۔ اور بغیر یاد کروائے از خود روزمرہ کے طور پر استعمال کرسکتا ہے۔ یہ یادداشت اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں میں سے جو حضرت چوہدری صاحب کی زندگی میں ان کی ذاتِ باری کی طرف سے مسلسل بارش کی طرح برستی رہیں ایک نعمتِ خاص تھی جس سے ان کی قوت شعور و تعقّل اور استدلال و تدبّر کی تشکیل و تعمیر ہوئی اور اسی یادداشت نے حضرت چوہدری صاحب کی شخصیت کی تعمیر میں ایک بنیادی کردار ادا کیا۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ حضرت چوہدری صاحب کی یادداشت کے طفیل ان گنت معلومات واقعات حادثات تعلقات اور امکانات اور ان کے بے شمار باہمی روابط چوہدری صاحب کے حضور دست بدست غلاموں کی طرح ہر وقت حاضر رہتے تھے۔ اور چوہدری صاحب اپنی بے پناہ حاضر دماغی کی بدولت اپنی وکالت، سیاست اور بلاغت و دعوت الی اللہ کے شعبوں میں ان سے وہ کام لیتے تھے جو ہر عام و خاص کے لئے کسی طرح ممکن نہیں۔

ایں سعادت بروز بازنیست

ہاں تو جب چوہدری صاحب نے موجودہ طلباء سے ذاتی تعلق فرداً فرداً حاصل کر لیا تو پھر ہم سے مخاطب ہوئے کہ آپ لوگوں نے ہمارے یہاں آنے پر کوئی چیز اچانک چھپا دی تھی وہ کیا تھا؟ ہم سب حیران تھے کہ چوہدری صاحب نے کمرہ میں داخل ہوتے ہی یہ کس طرح مشاہدہ کر لیا کہ

ہم نے کوئی چیز چھپائی ہے۔ فی الواقع جب حضرت چوہدری صاحب تشریف لائے تھے تو ہم سب طلباء تازہ گاجریں کھا ہی نہیں رہے تھے بلکہ چر رہے تھے۔ اور وہ گاجروں کا تھبہ ہم نے جلدی سے بستر میں چھپا دیا تھا۔ حضرت چوہدری صاحب نے فوراً بستر کی تلاشی لی اور گاجروں کا تھبہ برآمد کر لیا اور فرمانے لگے کہ انہیں چھپانے کی تو کوئی ضرورت نہیں تھی یہ تو آپ لوگوں کی صحت کے لئے بہت اچھی ہیں اور پھر ہماری حوصلہ افزائی کے لئے ایک گاجر کا ٹکڑا توڑ کر کھایا اور ایک مسٹر وید کو دیا اور ہمیں کہا کہ ”آپ اپنی گاجروں سے انصاف کریں اور ہمیں اب اجازت دیں کیوں کہ مَیں نے وید صاحب کو ابھی اور قادیان کے کئی مقامات دکھانے ہیں۔“ یہ تھا حضرت چوہدری صاحب کا مشفقانہ رویہ۔

تمہیں حیرت کیوں ہے؟

اسی شام ہوسٹل میں خاکسار کی ملاقات محترم خلیل احمد ناصر صاحب سے ہوئی۔ مَیں نے اُن سے چوہدری صاحب سے ملاقات اور دوپہر کے واقعہ کا ذکر کیا۔ اور ان کی یادداشت پر اپنی حیرت کے اظہار کے ساتھ اس بات کا بھی ذکر کیا کہ مسٹر وید کمیونسٹ ہیں ان کو جماعت احمدیہ سے دلچسپی کس طرح پیدا ہو گئی۔؟ دوسرے دن نماز مغرب خاکسار حسب معمول مسجد مبارک میں حضرت مصلح موعود کی امامت میں ادا کر کے جب فارغ ہوا تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب اس عاجز کے پاس تشریف لائے اور فرمانے لگے مسٹر وید کے قادیان آنے پر تمہیں حیرت کیوں ہے؟ تمہاری اس حیرت کا کل رات خلیل احمد ناصر نے ذکر کیا تھا اس لئے مَیں نے مناسب سمجھا کہ تمہیں یہ بتا دوں ہم نے ہر ایک کو دعوت دینی ہے۔ اس میں کسی مفروضے کی بنا پر ایک طبقہ سے پرہیز کر لینا واجب نہیں۔ اس واقعہ سے خاکسار نے اور بھی سبق سیکھے۔ لیکن ایک شدید اثر دل اور دماغ پر یہ تھا کہ ہمارے بزرگ ہم سے کس قدر محبت اور شفقت اور اخلاص بھرا تعلق نہ صرف قائم کرتے ہیں بلکہ اس کو نبھانے کے لئے تردد بھی کرنا پڑے تو

کرتے ہیں۔ محترم چوہدری صاحب نے خاکسار کو ’’ مسجد مبارک ‘‘ کے انبوہ کثیر میں تلاش کر کے خاکسار کی ایک دماغی الجھن کو دور کرنے کے لئے اس شام محض للہ تکلیف اٹھائی۔ اللہ تعالیٰ اُنہیں بہترین رنگ میں اس کی جزا دے آمین۔ ورنہ خاکسار کی بساط کیا تھی جماعت نہم کا تعلیم الاسلام سکول کا ایک حقیر سا طالب علم ہی تو تھا اور تو کچھ نہ تھا پھر بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی کی نظرِ شفقت نے خاکسار کو اُس شام مسجد مبارک میں مغرب کی نماز کے بعد ایک خاص شام اور حسن و احسان سے نوازا۔

رفاقت کی شام

یہ شام خاکسار کو اس لئے بھی ہمیشہ یاد رہے گی کہ جب خاکسار سے حضرت چوہدری صاحب گفتگو فرما رہے تھے تو ان کو دیکھ کر حضرت مولانا شیر علی صاحب بھی تشریف لے آئے۔ حضرت چوہدری صاحب نے خاکسار کا تعلق از خود حضرت مولانا شیر علی صاحب سے تعارف کروایا اور بتایا کہ مَیں راجہ محمد علی کا بیٹا ہوں حضرت مولانا کمال شفقت سے خاکسار سے بغل گیر ہو گئے۔ اور اس طرح حضرت چوہدری صاحب ایک طرح سے مولانا شیر علی صاحب کے سپرد کر کے خود وہاں سے رخصت ہو گئے۔

اس شام حضرت مولانا نے خاکسار سے کہا کہ اگر تم عشا کی نماز کے بعد مسجد مبارک میں ٹھہر سکتے ہو تو چند منٹ ہر روز عشاء کی نماز کے بعد مجھ سے ایک حدیث یاد کر لیا کرو اور حدیث کا سیاق و سباق بھی مَیں تمہیں بتا دیا کروں گا۔ یہ وہ رفاقت کی شام تھی جس نے اس ناچیز کو حضرت بانئ سلسلہ احمدیہ کے دو نہایت ہی ممتاز اور جلیل القدر صحابہ سے نہ صرف ملوایا بلکہ ان کے فیضان صحبت سے مشرف ہونے کی خاص سعادت بخشی۔ محض اللہ تعالیٰ کا خاص فضل اور اس کا احسان تھا۔ حضرت مولانا کے درس حدیث کا یہ سلسلہ محض حضرت چوہدری صاحب کے شفقت کی وجہ سے رونما ہوا اور حسن و احسان کی ایک مشعل دوسری مشعل سے روشن ہوئی یہ وہ ستارے تھے جو اپنے مدار پر ہر لحظہ

سرگرمِ عمل رہتے تھے اور جن اجسام اور وجود پر ان کی نگاہِ نور و التفات بظاہر حادثاتی طور پر یا واقعاتی طور پر پڑ جاتی تھی ان کی کایا پلٹ کا سلسلہ بھی اسی لمحہ شروع ہو جاتا تھا۔ کیونکہ یہ وہ ستارے تھے جن پر چوہدویں کے چاند کی چاندنی چاروں طرف برس چکی تھی۔ اور اسی چاندنی میں اُن کی ڈوبی ہوئی نظریں جب ہم جیسے رُوسیاہ پر پڑتی تھیں تو نور و قلب نظر میں ہیئتی تبدیلی کا ہونا بہر حال مقدر ہوتا تھا۔

اجازت لینا ضروری ہے

تیسرا واقعہ جس کا ذکر کرنا یہ عاجز ضروری خیال کرتا ہے وہ اغلباً 1966ء کا ہے۔ خاکسار کے سب سے چھوٹے بھائی عزیزم کرنل راجہ باسط احمد صاحب کی شادی لاہور میں ہونا قرار پائی۔ موسم سرما میں حضرت چوہدری صاحب لاہور تشریف لائے ہوئے تھے۔ محترم والد صاحب (محترم علی محمد خان صاحب) بھی لاہور میں خاکسار کے یہاں تشریف لائے ہوئے تھے۔ والد صاحب نے ارشاد فرمایا کہ ایک دعوت نامہ حضرت چوہدری صاحب کو مَیں بھجوا دوں۔ خاکسار نے عرض کیا کہ اگر آپ مناسب خیال کریں تو خاکسار یہ دعوت نامہ خود محترم چوہدری صاحب کی خدمت میں جا کر پیش کر دے۔ والد صاحب نے فرمایا نہیں اس کی ضرورت نہیں نہ جانے اُن کی کیا مصروفیات ہوں اور تمہارے جانے سے شاید یہ تاثر پیدا ہوا کہ ہم سب ہر رنگ میں ان کی شمولیت ضروری خیال کرتے ہیں۔ اور کوئی صورت تکلّف کی نکل آئے جس میں ان کے لئے تکلیف کا پہلو ہو۔ تم یہ دعوت نامہ بذریعہ ڈاک بھجوا دو۔ اتنا ہی کافی ہے خاکسار نے حسب ارشاد تعمیل کر دی۔ جس شام دعوتِ ولیمہ تھی اُسی شام خاکسار کو قریبا پانچ بجے حضرت چوہدری صاحب نے فون کیا اور ارشاد فرمایا کہ میرے ساتھ ایک مہمان بھی ہوں گے جن کو آپ کی طرف سے شمولیت کی دعوت تو نہیں لیکن ان کو اس شام مَیں نے کھانے پر بُلایا ہوا ہے تو کیا مَیں انہیں بھی دعوتِ ولیمہ میں اپنے ساتھ لا سکتا ہوں۔ خاکسار نے عرض کیا کہ آں مکرم کا تشریف لانا اور اپنے مہمان کو ساتھ لانا اس سے بڑھ کر اعزاز

ہمارے لئے اور کیا ہوگا فرمانے لگے اجازت لینا بہرحال ضروری تھا۔

حضرت چوہدری صاحب سے خاکسار کو ملاقات کی شرف یابی 1976ء کے بعد 1985ء تک ہر سال ایک یا دو دفعہ ضرور میسر آ جاتی تھی۔

اُلجھن سے رہائی

خاکسار کی بیٹی کی شادی فروری 1979ء میں ہوئی۔ حضرت چوہدری صاحب حسب معمول موسم سرماں میں لاہور میں قیام فرما تھے۔ خاکسار نے مکرم چوہدری حمید نصر اللہ خاں صاحب کی وساطت سے حضرت چوہدری صاحب کی خدمت میں شادی کی تقریب میں شمولیت کی درخواست کی جو آپ نے محض ازراہ شفقت قبول فرمائی اور شادی کی تقریب میں شمولیت اختیار فرمائی۔ خاکسار نے یہ بھی درخواست کی ہوئی تھی کہ حضرت چوہدری صاحب اس تقریب میں دعا کروائیں گے۔ اس شادی میں کسی حد تک غیر متوقع طور پر حضرت بانئ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے ایک جلیل القدر پوتے نے بھی محض شفقت اور اپنے مخصوص خاندانی حسن و احسان کو ملحوظ رکھتے ہوئے شمولیت فرمائی۔ جب دعا کا وقت آیا تو خاکسار اس الجھن میں تھا کہ مَیں نے تو حضرت چوہدری صاحب سے دعا کے لئے کہا ہوا تھا اور اب ایک نئی صورت درپیش ہے۔ اس کا ذکر میں نے مکرم چوہدری حمید نصر اللہ صاحب سے بھی کر دیا۔ آپ نے کہا کہ کوئی حرج نہیں آپ محترم صاحبزادہ صاحب سے دعا کے لئے کہہ دیں۔ لیکن خاکسار کی طبیعت میں کچھ حجاب ہی رہا۔ تھوڑی دیر بعد حضرت چوہدری صاحب کے پاس سے گزرا تو حضرت چوہدری صاحب نے ازخود حضرت میاں صاحب کی طرف اشارہ کیا۔ اور خاکسار کی الجھن کو بغیر کہے سُنے نہایت حکیمانہ انداز میں دور فرما دیا۔ ہاتھ سے ایک خوبصورت مگر خفی سے اشارہ سے لفظوں اور جملوں کے تکلف کے بغیر نہایت ہی احسن طور پر رہائی دے دی۔ دعا کے بعد خاکسار کو اشارہ سے بلایا اور میرے ایک غیر از جماعت دوست سے متعارف کروانے کے لئے کہا۔ خاکسار نے عرض کیا وہ تو آپ سے اچھی طرح متعارف ہیں۔ فرمایا

نہیں آپ انہیں اپنے حوالہ سے متعارف کروائیں۔ خاکسار نے اس ارشاد کی تعمیل کی ان سے مل کر فرمانے لگے اب آپ سے ایک نیا تعارف ہوا ہے اور انشاء اللہ اس کے نتائج نیک ہوں گے۔ وہ دن اور آج کا دن یہ ایک حقیقت ہے کہ اس غیر از جماعت دوست کی اس دن سے عملی اور اخلاقی حالت اور جماعت کے ساتھ روابط کا ایک نیا دور شروع ہو گیا اور اب تک اس میں خیر و برکت کا پہلو ہی نکلا ہے۔ انشاء اللہ آئندہ بھی ہو گا۔

ایک خواب

اُسی شام ایک دوست نے اپنا ایک خواب مجھے سُنایا جو حضرت چوہدری صاحب کو ایک دن پہلے سنا چکا تھا۔ اُس مخلص احمدی دوست کا خواب کچھ یوں تھا کہ حضرت چوہدری صاحب اپنا ایک فاؤنٹین پن اس احقر کو عطا فرما رہے ہیں۔ اس خواب کا جب حضرت چوہدری صاحب سے ذکر ہوا تو بقول اُس دوست کے حضرت چوہدری صاحب نے فرمایا ممکن ہے راجہ صاحب (اس احقر) کو بھی سلسلہ کی خدمت کا کوئی موقع مل جائے۔ اس خواب کے شاید ایک سال بعد تیسرے امام حضرت مرزا ناصر احمد صاحب نے ازراہِ شفقت فضل عمر فاؤنڈیشن کا ایک ممبر بنایا تو خاکسار نے خیال کیا کہ اس فاؤنڈیشن کے صدر حضرت چوہدری صاحب ہیں اور یہ خواب اسی رنگ میں پورا ہو گیا ہے۔ لیکن اس خواب کا ایک اور رنگ ابھی پورا ہونا مقدّر تھا۔ حضرت چوہدری صاحب کے آخری علالت کے ایام میں اور وفات سے متعلق ایک آدھ کام میں خاکسار کو بھی شرکت کی توفیق نصیب ہوئی جس سے اس خواب کے مبشر اور صادق ہونے کی تصدیق ہو گئی۔

اس پچاس سال کے عرصہ میں خاکسار نے جس حد تک حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان کی زندگی کا مطالعہ اور تجزیہ اپنے ذاتی مشاہدہ سے کیا۔ اس کا ماحاصل یہ ہے کہ آپ حضرت بانئ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے سدا بہار درختِ وجود کی ایک سرسبز شاخ تھے جو نہایت پیوستگی کے باعث خوب پھلی

پھولی۔ جس کے خوش رنگ پھولوں اور ان کی مسحور کن مہک نے تمام اکنافِ عالم میں بسنے والی اقوام اور ملل کے مشامِ جاں کو اس شان سے معطر کیا کہ وہ فرطِ مسرت سے جھوم اٹھیں اور اس کی تعریف میں رطب اللسان ہوئے بغیر نہ رہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کی اولاد کو بھی ہر رنگ میں وہی سرسبزی اور شادابی نصیب فرمائے اور وہی سرفرازی بخشے۔ آمین۔

(رسالہ خالد دسمبر 1985ء جنوری 1986ء صفحہ 76 تا 80)

✻

نئی دنیا

حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحبؓ نے 26 مئی 1941ء کو آل انڈیا ریڈیو سے نشری تقریر میں فرمایا:

”نئی دنیا کی بنیاد صرف اور صرف اخلاق فاضلہ کی بنیاد پر ہوگی اور اسی وقت یہ نئی دنیا قائم ہوگی۔ جب بنی نوع انسان یہ فیصلہ کرلیں گے کہ حکومتیں بھی اخلاق کے تابع رہیں اور مختلف ناموں اور بہانوں سے ضابطہ اخلاق کو پامال کرنے کی کوشش نہیں کریں گی۔ جب تمام بنی نوع انسان یہ مسلک اختیار کرلیں گے اور جن سے اس بارہ میں کسی قسم کی غلطی ہو گی وہ اپنی اصلاح کریں گے تب یقیناً ایک ایسا نظام قائم ہوگا جو پائیدار ہوگا اور جس میں چھوٹے بڑوں کا کوئی امتیاز نہ ہوگا۔“

(رسالہ خالد دسمبر 1985ء و جنوری 1986ء صفحہ 82)

محترم جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال

چیف جسٹس لاہور ہائیکورٹ کا خراج عقیدت

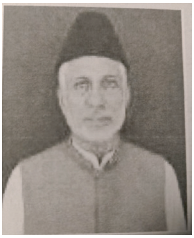

وہ میرے بہت شفیق بزرگ تھے۔ انہوں نے عالمی ایوانوں میں مجھے اعتماد کے ساتھ بولنے کی تربیت دی۔

انٹرویو: ۔عبدالسمیع خان صاحب

سوال: چوہدری صاحب سے آپ کے تعلقات کا آغاز کب ہوا اور ان کے ساتھ آپ کے کیسے مراسم تھے؟

جواب : میری ان سے جان پہچان تو بچپن سے ہی تھی کیونکہ وہ میرے والد کے Colleague رہ چکے تھے۔ پھر میرے ایک اور عزیز ہیں شیخ اعجاز صاحب ۔ وہ ان کے بہت قریبی دوست تھے۔ اِس وجہ سے میری ان سے بچپن سے ہی صاحب سلامت تھی اور وہ مجھ سے ہمیشہ بڑی شفقت کے ساتھ پیش آتے رہے۔ ان کے اور میرے تعلقات اس قسم کے تھے جیسے ایک بزرگ کے تعلقات اپنے جونیئرز کے ساتھ ہوتے ہیں۔ میرے ان کے ساتھ ذاتی مشورے بھی ہوتے رہتے تھے۔ یوں کہہ لیجئے کہ میرے لئے وہ ایک شفیق بزرگ کی طرح تھے یا جیسے ایک چچا کی حیثیت ہوتی ہے۔ میرے کالج کے زمانے کی بات ہے وہ کبھی شملہ جاتے تو مجھے بلوا بھیجتے اور احوال پوچھتے کہ پڑھائی کیسی ہو رہی ہے۔

سوال: آپ چوہدری صاحب سے آخری ایاّم میں بھی ملتے رہے ہیں ان دنوں میں کوئی خاص بات اُن سے ہوئی ہو؟

جواب: جی ہاں۔ چوہدری صاحب آخری ایاّم میں جب کبھی بھی لاہور تشریف لاتے (جب تک وہ صحت مند رہے) ان کا یہ معمول تھا کہ ایک دفعہ دوپہر کا کھانا ضرور میرے ساتھ کھاتے تھے یا مجھے بلوا بھیجتے عموماً رات کے کھانے پر میں ان کے ہاں جاتا تھا اور یہ معمول کئی سال تک برقرار رہا یہاں تک کہ آخری دور میں وہ بیمار تھے تو میں پتہ کرواتا رہا کہ کیا چوہدری صاحب کی صحت اجازت دیتی ہے کہ وہ تشریف لا سکیں مگر وہ بہت کمزور ہو گئے تھے اور ان کے لئے میری دعوت قبول کرنا ممکن نہ تھا۔

سوال: بحیثیت وکیل اور جج چوہدری صاحب کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: چوہدری صاحب اپنے زمانے کے ایک بہت ہی اہم وکیل تھے اور اسی طرح وہ فیڈرل کورٹ آف انڈیا کے جج بھی رہے۔ اس حیثیت سے بھی ان کا اپنا مقام تھا۔ عالمی عدالت کے جج بھی رہے مگر ان کو بحیثیت جج کے اتنے قریب سے دیکھنے کا موقع نہیں ملا اور نہ مَیں وکالت میں ان کا ہم عصر تھا اور نہ ہی کبھی ان کی عدالت میں پیش ہوا کیوں کہ اس وقت تو میں کم سِن تھا۔ میں ان کے اس دور سے زیادہ واقفیت نہیں رکھتا۔ مگر ان کا نام اس ضمن میں بہت معروف ہے اور وہ ہمارے EMINENT (ذی مرتبت وذی شان) ججز میں سے ایک تھے اور قانون پر ان کی گہری نظر تھی۔

اقوامِ متحدہ میں انہوں نے اسلامی ممالک کی آزادی کے لئے جو کردار ادا کیا وہ ایک وکیل ہونے کی حیثیت سے تھا۔ باقی مقررین تو اب بھی لکھ کر تقریریں کرتے تھے اور پندرہ منٹ سے زیادہ کوئی بولتا نہیں مگر چوہدری صاحب چار چار پانچ پانچ گھنٹے نوٹس کی مدد سے تقاریر کرتے رہے۔ یہ کوئی آسان کام نہیں اور شاید ایک سیاستدان ایسا نہ کر سکتا ہو جب تک کہ وکیل کے طور پر اس کی ٹریننگ نہ ہو۔ یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ ان کی اصل شخصیت ایک بہت قابل وکیل کی تھی۔

سوال: چوہدری صاحب کے کسی خاص فیصلہ کا ذکر کرنا آپ پسند کریں گے؟

جواب: اِس وقت تو ان کا کوئی خاص فیصلہ میری نگاہ میں نہیں ہے۔ اصل میں اس کے فیصلے انڈین فیڈرل کورٹ سے متعلق ہیں اور بعد کے مسائل اتنی الگ نوعیت کے تھے کہ ہمیں اِس زمانے میں اتنے پُرانے کیسز کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ مگر اس سے یہ مطلب نہیں کہ ان کی EMINENCE (امتیازی شان) نہیں ہے۔ وہ ایک EMINENT جج تھے لیکن اِس وقت میری نگاہ میں ان کا کوئی مخصوص فیصلہ نہیں ہے۔

سوال: آپ کو اقوامِ متحدہ میں چوہدری صاحب کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا ہے اس دور کی کوئی قابلِ ذکر بات بیان فرمائیں؟

جواب: 1960ء سے لے کر 1963ء تک میں پاکستان کے مندوب کی حیثیت سے اقوامِ متحدہ میں کام کرتا رہا۔ اس دوران دو مرتبہ ایسی صورت ہوئی یعنی 1961ء، 1962ء میں جبکہ چوہدری صاحب ہمارے سفیر تھے کہ انہوں نے مجھے اپنا ALTERNATE (متبادل) بنایا ہوا تھا جس وقت وہ کسی اہم مصروفیت کی وجہ سے اپنی سیٹ پر نہیں ہوتے تھے تو مَیں اُن کی جگہ پر بیٹھتا تھا۔ عالمی عدالت کے جج کی حیثیت سے ان کے دوسری دفعہ انتخاب کے وقت بھی میں وہیں تھا اور ہم نے ان کے حق میں مہم چلائی۔ پھر وہ دور آیا جب انہوں نے جنرل اسمبلی کے سربراہ کی حیثیت سے کام کیا۔ اس وقت بھی ہم نے ان کے حق میں لابنگ کی۔

اقوامِ متحدہ میں میرے قیام کے دوران انہوں نے یقینی طور پر کوشش کی کہ عالمی معاملات میں مجھے GROOM (یعنی ان کے نشیب وفراز اور رموز ونکات سے بہرہ ور) کیا جائے اور میں سمجھتا ہوں کہ اب جو میرا بہت سارا وقت باہر کے ممالک میں گزرتا ہے کانفرنسز کے سلسلہ میں یا یہ کہ میں بعد میں اقوامِ متحدہ میں بھی جاتا رہا ہوں تو اس قسم کے بین الاقوامی اداروں میں اعتماد کے ساتھ بولنا اور بغیر نوٹس کے بولنا اس کی مجھے انہی سے تربیت ملی۔ اب مجھے نہ نوٹس کی ضرورت پڑتی ہے اور نہ ہی مجھے کوئی ہچکچاہٹ محسوس ہوتی ہے۔

سوال: وزیرخارجہ کی حیثیت سے چوہدری صاحب نے کیسی خدمات سرانجام دیں؟

جواب: ان کا اور میرا تعلق اس زمانہ میں محض اسی قسم کا تھا جیسے ایک بزرگ کی ایک بچے کے ساتھ شفقت یا مناسبت ہوتی ہے۔ تحریک پاکستان سے ان کا جو تعلق تھا اس کے بارہ میں مَیں زیادہ نہیں جانتا کیونکہ میں اس دور سے شناسا نہیں ہوں البتہ یہ ضرور ہے کہ جب وہ پاکستان کے وزیر خارجہ بنے تو اس حیثیت سے ان کی خدمات اپنی جگہ پر ایک مثال کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس دور میں پاکستان کی پالیسی یہ تھی کہ اقوام متحدہ میں ہم ایسا طریق کار اختیار کریں کہ جتنے محکوم مسلم ممالک ہیں اس کو سامراجی طاقتوں سے آزادی حاصل ہو جائے۔ اور دوسری پالیسی یہ تھی کہ اگر دو مسلم ممالک کے آپس میں اختلافات ہوں تو اس میں ہم اپنا رویہ متوازن رکھیں۔ اور یہ اس دور کی بات ہے جب قریباً سارے کے سارے عرب ممالک بالخصوص شمالی افریقہ کے مسلم ممالک فرانسیسی استبداد یا اطالوی استبداد کے پنجے میں جکڑے ہوئے تھے۔ یہ سن ساٹھ کے لگ بھگ کی بات ہے جس میں مَیں چوہدری صاحب کے ساتھ کام کرتا رہا ہوں۔ انہوں نے الجزائر، مراکش تیونس وغیرہ کی آزادی کے لئے جو کام کیا وہ اپنی مثال آپ ہے اور اس اعتبار سے پاکستان کی خارجہ پالیسی کو عملی جامہ پہنانے میں اُن کی بڑی خدمات ہیں۔

اس وقت اقوامِ متحدہ میں بڑی لمبی لمبی تقریریں ہوا کرتی تھیں۔ چوہدری صاحب اور کرشنا مینن کا لمبی تقاریر کرنے کا ریکارڈ تھا۔ چوہدری صاحب نوٹس کی مدد سے بولتے تھے کبھی انہوں نے لکھی ہوئی تقریر پڑھ کر نہیں سنائی۔ ان کی تقریر چار گھنٹے بھی چل سکتی تھی اور چھ گھنٹے بھی۔ اسلامی ممالک کی آزادی میں انہوں نے بڑی CONTRIBUTION کی ہے۔ وہ اقوامِ متحدہ میں ایک بہت معروف شخصیت تھے۔

سوال: چوہدری صاحب کے اخلاق و کردار کے متعلق آپ کے مشاہدات کیا ہیں؟

جواب: چوہدری صاحب بڑے بااخلاق اور اصول کے پکے تھے اور ان کے اصول اس قسم

کے تھے کہ مثلاً طوفان ہو، آندھی ہو، بارش ہو، کسی بھی قسم کا موسم ہو وہ صبح کی سیر ضرور کرتے تھے اور سیر کرتے ہوئے اتنی تیز چلتے تھے کہ میں اگر ان کے ساتھ ہوتا تو ان کے ساتھ قدم ملانا مشکل ہو جاتا تھا۔ انہیں جوانی میں ذیابطیس کی تکلیف ہوگئی تھی۔ ان کے معالج نے انہیں کہا کہ اگر تم اپنی زندگی کو منظم کرلو گے تو پھر تمہارے لئے یہ بیماری مشکل کا باعث نہیں بنے گی لیکن اگر معمول کوئی نہ رہا تو نقصان اُٹھاؤ گے۔ چنانچہ انہیں جوانی کے ایّام سے ہی پابندیٔ وقت کی عادت پڑ گئی تھی۔ وہ رات کو دس بجے معمول کے دفتری کام ختم کر کے آرام کرتے تھے۔ اسی طرح وہ دفتر میں سب سے پہلے پہنچتے تھے۔ اگر میٹنگ نو بجے رکھی ہوئی ہے تو نو بجنے میں ایک منٹ پر وہ مقررہ جگہ پر پہنچ جاتے تھے۔

دیگر معاملات میں سادگی ان کا مخصوص شعار تھی۔ میرا خیال ہے کہ انہوں نے جتنے منصب سنبھالے ہیں بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جنہوں نے اتنی ساری ذمّہ داریاں بیک وقت اٹھائی ہوں۔ پھر اتنی لمبی عمر پائی ہو۔ مختلف اَدوار بھی دیکھے ہوں اور مختلف مناصب پر بھی فائز رہے ہوں لیکن اس کے باوجود ان کے جاننے والوں کو یہ علم ہے کہ وہ کتنے منکسر المزاج تھے ان کی انکساری اور ان کا عجز اپنی جگہ ایک مثال تھا۔

سوال: کیا آپ کو چوہدری صاحب کے ساتھ کسی سفر کا موقع ملا۔ کوئی خاص امر بیان فرمائیں؟

جواب: میرے ان کے ساتھ طویل سفر تو نہیں ہوئے جیسے پاکستان سے امریکہ۔ البتہ یہ ہوتا تھا کہ ہم جن ایّام میں امریکہ میں تھے یعنی یو۔ این۔ او میں، تو اگر وہ کہیں مدعو ہوتے اور کوئی اہم شخصیت میزبان ہوتی اور وہ جگہ نیویارک سے دو تین گھنٹے کے فاصلہ پر ہوتی تو مجھے ساتھ لے جاتے۔ سفر کے دوران ایک خصوصی بات یہ ہوتی کہ حالتِ سفر میں وہ گاڑی میں بھی مقررہ عبادت ضرور بجا لاتے اور اس کے بعد ہر موضوع پر گفتگو کرتے تھے۔ اپنی جوانی کے دور کی باتیں کرتے

تھے۔ اپنی والدہ سے انہیں بڑی محبّت تھی۔ ماں کا ذکر کرتے ہوئے عمر رسیدہ ہونے کے باوجود ہمیشہ جذباتی ہو جاتے تھے۔

ان کی طبیعت میں شگفتگی بھی بہت تھی مذاق کرتے تھے۔ اور یہ پُرانے لوگوں کی ایک خاصیّت تھی۔ اصول کا پکّا ہونا، انکسار اور عجز ہونا اور اس کے باوصف کسی ایسی شخصیت کے ساتھ جس طرف عام طور پر ذہن نہ جائے جذبات کو وابستہ رکھنا، ان کی طبیعت کا خاصہ تھا۔ پھر ماں کے ذکر پر ان کی آنکھیں کیوں ڈبڈبا نہ آتیں وہ جابر قاہر قسم کے بزرگ نہ تھے بلکہ بڑے حلیم الطبع اور شگفتہ مزاج تھے۔

سوال: علامہ اقبال کے ساتھ چوہدری صاحب کے کیسے تعلقات تھے؟

جواب: اِس کا ذکر میں نے علامہ کی سوانح عمری میں کیا ہے جو میں نے تین جلدوں میں لکھی ہے۔ ان کا ساتھ صرف ایک گول میز کانفرنس میں ہوا ہے۔ چوہدری صاحب نے اپنی سوانح عمری، تحدیث نعمت، خود مجھے بھیجی تھی۔ میرے پاس اس کا پہلا ایڈیشن ہے۔ لیکن فی الاصل ان کی خودنوشت سوانح عمری اتنی زیادہ طویل ہو گئی تھی کہ اس کا اختصار کرنا پڑا اصل مضمون کئی ہزار صفحات پر پھیلا ہوا تھا اس میں سے چوہدری بشیر احمد صاحب اور شیخ اعجاز احمد صاحب نے بعض حصّوں کا انتخاب کیا لیکن پھر مزید اختصار کرنا پڑا۔ بہرحال اس میں بھی چوہدری صاحب نے علامہ کے ساتھ اپنے تعلق اور وابستگی کا ذکر کیا ہے۔ علامہ کے اپنے بھتیجے شیخ اعجاز احمد صاحب ان کے بہت عزیز اور قریبی دوست تھے بلکہ عقیدۃً بھی انہی کے مدرسہ فکر کے تھے تو اس لئے بھی وابستگی تھی۔

سوال: چوہدری صاحب کے ساتھ آپ کو کوئی یادگار واقعہ پیش آیا؟

جواب: ایک واقعہ میرے ذہن میں آ رہا ہے۔ وہ ایسا خاص تو نہیں مگر میرے لئے بڑا اہم تھا۔ واقعہ یہ ہوا کہ اقوام متحدہ کا ایک اجلاس اتنا طویل ہو گیا کہ رات کے ساڑھے گیارہ بج گئے اور چوہدری صاحب کی جیسے عادت تھی جب رات زیادہ ہو جاتی تھی تو چلے جایا کرتے تھے تا کہ معمول

کی عبادت کے بعد آرام کر سکیں کیونکہ انہیں صبح جلد اُٹھنا ہوتا تھا۔ وہ مجھے اپنی جگہ بٹھا گئے۔ مَیں نے سوچا تقریریں ہو رہی ہیں آرام سے سُنتے رہیں گے اور اگلے روز چوہدری صاحب کو تفصیل بتا دیں گے فلاں نے یہ کہا اور فلاں نے یہ کہا۔

تھوڑی دیر بعد ایک رُوسی مندوب نے ایک مسئلہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ ہم پاکستان کو تنبیہہ کرتے ہیں اور یہ کہ نتائج کا ذمہ وار پاکستان ہوگا۔ میں نے ریکارڈ صاف رکھنے کے لئے صاحب صدر سے جواب دینے کی اجازت چاہی اور یہ میرا پہلا موقع تھا کہ مَیں اِس طرح جواب دے رہا تھا۔ روسی مندوب بڑا تجربہ کار تھا۔ مجھے خوف یہ تھا کہ روس سُپر طاقت ہے اس کو جواب دیتے ہوئے کہیں میں زیادہ سخت زبان استعمال نہ کر جاؤں۔ چنانچہ میں نے اس کا جواب دیا۔ رُوسی مندوب نے پھر اس پر تقریر کی اور میں نے پھر اس کا جواب دیا۔ تین چار دفعہ کے بعد صدر نے یہ مکالمہ بند کروا دیا مگر اس کے بعد بھی اور ایک بڑی طاقت کو شاید ایسا جواب دینا مناسب نہ ہو۔ رات مجھے اسی پریشانی میں نیند بھی نہ آئی کہ چوہدری صاحب اس کا جواب زیادہ مناسب طور پر دیتے۔

اگلے دن صبح جب میں چوہدری صاحب سے ملا تو پیشتر اس کے کہ میں اپنے تذبذب کا اظہار کرتا (وہ صورت شناس بہت تھے) فوراً بھانپ گئے اور مجھے کہنے لگے کہ رات کو ٹی وی پر یو۔ این۔ او کی کاروائی کی تفصیل کے دوران تمہاری تقریر سُنی اور مجھے بیحد پسند آئی۔ میرے لئے ان کا اتنا کہہ دینا ہی کافی تھا اور مجھے تسلّی ہوگئی کہ میں نے درست جواب دیا تھا۔ یہ بھی تعجّب کی بات ہے کہ وہ رات کو اپنے اس فرض سے بھی غافل نہ تھے اور اپنے کمرے میں ہی ٹی۔ وی پر جواب سُنتے رہے۔

ڈاکٹر صاحب آپ کا بہت شکریہ!

(رسالہ خالد دسمبر 1985ء جنوری 1986ء صفحہ 91 تا 95)

ان سے مل کر یہی تأثر ذہن میں ابھرتا تھا کہ اس شخص کی تعظیم ہم پر واجب ہے۔ سابق چیف جسٹس پاکستان محترم جسٹس انوار الحق صاحب کی طرف سے تعظیم و احترام کے جذبات کا پُرخلوص اظہار

چوہدری صاحب موصوف کی یاد داشت، پابندی وقت، شفقت، شگفتہ مزاجی اور دوسری قابل رشک صفات کا تذکرہ

انٹرویو: فہیم احمد لاہور

سوال: چوہدری ظفر اللہ خان صاحب سے آپ کی پہلی ملاقات کب ہوئی۔ کیا اس ملاقات نے آپ پر کوئی خاص تأثر چھوڑا؟

جواب: چوہدری صاحب سے میری پہلی ملاقات 1948ء میں ہوئی جب میں راولپنڈی میں ڈپٹی کمشنر تھا۔ مجھے کراچی سے دفتر خارجہ نے مطلع کیا کہ پاکستان کے وزیر خارجہ چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب اسلامی ممالک کا دورہ کرنے کے بعد مری آرہے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ اہل علم و دانش کے سامنے اپنے دورہ کے تأثرات بیان کریں۔ چنانچہ ڈپٹی کمشنر کی حیثیت سے میں نے مری کے ایمبیسڈر رہال میں ایک تقریب کا اہتمام کیا اس میں چیدہ چیدہ اور نمایاں حیثیت کے افراد مدعو تھے۔

چوہدری صاحب نے قریباً دو گھنٹے بغیر نوٹس کے بہت ہی شستہ اردو میں تقریر کی۔ اور ان

جملہ اسلامی ممالک کے متعلق (جن کا وہ دورہ کر کے آئے تھے) اپنے تأثرات بیان کئے اور تفصیل سے بتایا کہ کس طرح انہوں نے ان اسلامی ممالک کو پاکستان کے قیام اور اس کے محرکات و عوامل سے آگاہ کیا تاکہ وہ اقوام متحدہ میں مسئلہ کشمیر اور دوسرے مسائل پر پاکستان کی حمایت کریں۔ اس وقت چوہدری صاحب کی شخصیت، لیاقت اور انکی شفقت کا جو اثر میرے قلب و ذہن پر مرتسم ہوا وہ آخر وقت تک قائم رہا۔

سوال: بعد میں چوہدری صاحب سے آپ کے تعلقات کیسے رہے؟

جواب: وقتاً فوقتاً جب وہ باہر سے پاکستان آتے تو لاہور میں کسی تقریب میں اکثر ان سے ملاقات ہو جاتی تھی۔ بار ایسوسی ایشن یا کسی دوسری تنظیم کی طرف سے ان کو ڈنر وغیرہ پر بلایا جاتا تھا۔ وہاں بھی ملاقات کا موقع مل جاتا۔ کئی دفعہ نجی محفلوں میں بھی ان سے ملاقات ہوئی۔ کبھی وہ مجھے ٹیلیفون کر دیتے تو میں ان کی خدمت میں حاضر ہو جاتا اور انکی بزرگی کا تقاضا بھی یہی تھا اور اگر کبھی میں لندن گیا اور وہ وہاں موجود ہوتے تو ہمیشہ یہ دستور رہا کہ میں ٹیلیفون کے ذریعہ انہیں اطلاع دیتا کہ میں لندن آیا ہوا ہوں اور ملاقات کرنا چاہتا ہوں وہ اکثر اس بات پر زور دیتے کہ میں ان کے ساتھ کھانا کھاؤں۔

آخری سالوں میں چونکہ وہ ضعیف ہو گئے تھے اور علیل بھی رہتے تھے اس لئے وہ کسی مشترکہ دوست کے ہاں کھانے کا انتظام کرتے تھے اور ہم لوگ وہاں جمع ہوتے تھے چوہدری صاحب ہمیشہ میرے ساتھ بڑی شفقت سے پیش آتے رہے۔

سوال: چوہدری صاحب کے اخلاق و کردار کا کوئی نمایاں پہلو جس کا آپ کو بطور خاص تجربہ ہوا ہو؟

جواب: ایک تو ان کی شفقت اور محبت کا تأثر ہے وہ عمر میں مجھ سے پچیس سال بڑے تھے۔ اس دوران ایک نسل کا فرق پڑ جاتا ہے باپ بیٹے کا بھی بسا اوقات اتنا ہی فرق ہوتا

ہے۔ اس کے باوجود جب ہم ان سے بات چیت کرتے تو وہ ہمیشہ وزنی دلائل کے ساتھ اپنے نقطہ نظر کی تشریح کرتے تھے تحکمانہ انداز نہیں ہوتا تھا کہ جو میں نے کہہ دیا وہی درست ہے اسے تسلیم کرو اس پر عمل پیرا ہو۔ ان کا یہ طریق بھی نہ تھا کہ نوجوانوں کو کم عقل سمجھ کر ان سے تفصیلی بات نہ کی جائے ایک اور چیز جو مَیں نے ان میں دیکھی وہ یہ تھی کہ انکی یادداشت بہت زبردست تھی۔ حقائق، اعداد و شمار، واقعات، دن، تاریخ اور ان لوگوں کے نام جن کے ساتھ ان کو واسطہ پڑا ہو یہ سب چیزیں انہیں تفصیل کے ساتھ یاد رہتی تھیں۔ اور لندن میں تو اکثر اوقات ان کے ساتھ یہ مذاق رہتا تھا کہ میں انہیں اپنے بیٹے کے گھر سے ٹیلیفون کیا کرتا اور ان سے کہتا کہ آپ میرا فون نمبر نوٹ کر لیں تو فرماتے کہ تمہارا وہی نمبر نہیں جو پچھلے سال تھا۔ اور پھر وہ نمبر بتا دیتے۔ حالانکہ وہ نمبر خود مجھے اپنی نوٹ بک سے دیکھنا پڑتا تھا۔

وہ چھوٹوں کو بھی اپنے مذاق میں شامل کرتے تھے۔ چنانچہ ایک ہمارے مشترکہ دوست تھے S.M.BURQ وہ عمر میں مجھ سے کافی بڑے تھے انکی سروس کے دوران چوہدری صاحب سے انکے مراسم تھے۔ چوہدری صاحب نے انہیں پیش کش کی کہ بہت سے لوگ فارن سروس میں آ گئے اور سفیر بن کر ریٹائر ہوئے۔ چوہدری صاحب کے ساتھ بھی ان کے تعلقات دیر تک قائم رہے۔ جب مَیں اور چوہدری صاحب لندن میں اکٹھے ہوتے تو برق صاحب کو ضرور شامل کرتے اور چوہدری صاحب باوجود عمر میں بڑے ہونے کے برق صاحب سے مذاق کرتے رہتے تھے۔ شگفتگی اور مزاح کی حس ان میں ہمیشہ قائم رہی۔

ایک اور چیز وقت کی پابندی تھی جو بھی وقت دیتے اس پر پہنچ جاتے۔ ایک دفعہ لندن میں مجھے آپ کے ساتھ کہیں جانا تھا وہ میرے مکان پر مجھے لینے کے لئے آ گئے۔ چوہدری صاحب انور کاہلوں صاحب کے ساتھ کار میں تھے۔ میں نے کہا چوہدری صاحب آپ نے کیوں تکلیف کی ہم خود آپ کے پاس پہنچ جاتے تو کہنے لگے تم میرے مہمان کی حیثیت سے آ رہے تھے تو میں نے

سوچا کہ مَیں خود آ کر آپ کو اپنے ہمراہ لے چلوں۔ انور کاہلوں صاحب کہنے لگے آپ کو پتہ نہیں ہمارا پونے آٹھ بجے پہنچنے کا پروگرام تھا چوہدری صاحب نے سات بجے سے مجھے کہنا شروع کر دیا کہ تم مجھے لیکر انوار صاحب کے پاس پہنچو وقت کی پابندی کے متعلق میری عمر بھر کی روایات تم آج مجھے لیٹ کروا کر توڑ دو گے۔

بظاہر یہ ایک چھوٹی سی بات ہے لیکن اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی کو کس طرح منظم کیا ہوا تھا اس عمر میں اگر وہ تھوڑا سا لیٹ بھی ہو جاتے تو کوئی حرج نہیں تھا مگر انہوں نے اسے بھی گوارا نہ کیا۔

سوال: تحریک پاکستان میں چوہدری صاحب کی خدمات کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: قائداعظم نے چوہدری صاحب پر بہت اعتماد کیا اور یہ بات بعید از قیاس ہے کہ قائد اعظم اس اعتماد میں حق بجانب نہ ہوں۔ قائداعظم نے چوہدری صاحب کو باؤنڈری کمشن کے سامنے کیس پیش کرنے کے لئے منتخب فرمایا اور مسلم لیگ کے بہت بنیادی اہمیت کے معاملات میں ان پر بھروسہ کیا اور چوہدری صاحب نے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے جو کچھ بھی وہ کر سکتے تھے اس میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اب یہ تو انگریزوں اور ہندوؤں کی ملی بھگت تھی کہ انہوں نے گورداسپور کی ایسی تقسیم کر دی کہ کشمیر کی قسمت کا معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا۔

سوال: وزیر خارجہ کی حیثیت سے چوہدری صاحب نے پاکستان کے لئے کیسی خدمات سر انجام دیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے ان کو طویل زندگی عطا کی اور ہر قسم کی قابلیت سے نوازا۔ تقسیم ہندوستان کے وقت وہ فیڈرل کورٹ آف انڈیا کے جج تھے اور اگر وہ اسی شعبہ سے متعلق رہتے تو شاید وہ پاکستان کی سپریم کورٹ کے پہلے چیف جسٹس ہوتے۔ مگر قائداعظم نے اپنی بصیرت یا اپنی ضروریات کے مدّنظر ان کے سپرد وزارت خارجہ کا قلم دان کیا۔

میں سمجھتا ہوں کہ اقوام متحدہ میں وزیر خارجہ کی حیثیت سے انکار رکھاؤ اور کردار بہت شاندار تھا۔ وہ ہمارے مستقل نمائندے بھی رہے اور جنرل اسمبلی کے صدر بھی۔ انہوں نے اسلامی ممالک اور تیسری دنیا کے ممالک میں پاکستان کو متعارف کرانے کے لئے بہت اہم کردار ادا کیا۔ اسی طرح کشمیر کے کیس کے لئے وہ سالہا سال کوشش کرتے رہے اور اس مسئلہ کے لئے ساری دنیا کی حمایت حاصل کرنے کی خاطر انہوں نے بہت عظیم کارنامہ سرانجام دیا۔

سوال: چوہدری صاحب کی شخصی زندگی اور ان کی مجالس کے بارے میں کچھ بیان فرمائیں؟

جواب: تقسیم برصغیر سے قبل ہمارے جو چند وکلاء نمایاں حیثیت کے حامل تھے۔ ان میں چوہدری صاحب کا شمار چوٹی کے وکیلوں میں ہوتا تھا اور اسی بناء پر ان کو بہت اعلیٰ مناصب دئے گئے۔ مزید برآں انکی شخصیت بھی پُروقار تھی۔ قدرت کی طرف سے ہر کسی کو یہ ہمہ گیری ودیعت نہیں ہوتی باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑا صاحب مرتبت بنایا تھا۔ وہ بڑے ملنسار تھے اور بڑے ہی منکسر المزاج تھے۔

جتنے لوگوں سے ان کا تعلق پیدا ہوا مجھے یہ احساس ہے کہ انہوں نے آخر دم تک اس تعلق کو پورے خلوص کے ساتھ نبھایا اور کسی کو یہ احساس نہیں دلایا کہ میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوں۔ اس عمر میں پہنچ کر انسان کے مزاج میں چڑ چڑا پن پیدا ہو جاتا ہے مگر وہ اس سے یکسر مبرّا تھے۔ تحمل، بردباری اور شگفتگی آخر تک قائم رہی۔ دنیا کے خطّے اور وہاں کے لوگوں سے انکی واقفیت تھی۔ انکی گفتگو اور مجلس اتنی دلچسپ ہوتی تھی کہ آدمی اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا تھا پھر ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ قانون، فلسفہ اور تاریخ کا ہی نہیں جملہ مذاہب کا بھی انہوں نے مطالعہ کیا ہوا تھا خاص طور پر اسلام پر تو انکی بہت گہری نظر تھی اور اس موضوع پر انہوں نے کتابیں بھی لکھی تھیں۔

طبیعت بہت سادہ تھی۔ آخری حصّہ عمر میں تو بہت ہی سادگی سے زندگی بسر کی۔ جس فلیٹ میں آپ رہائش پذیر تھے وہ صرف دو کمروں پر مشتمل تھا۔ باقی وسیع و عریض عمارت اپنی جماعت کے

لئے وقف کر دی تھی۔ ابھی میں نے جس واقعہ کا ذکر کیا ہے کہ چوہدری صاحب مجھے ساتھ لے جانے کے لئے میرے ہاں خود آ گئے اور میں نے عرض کیا کہ ہم خود وہاں آ جاتے تو انہوں نے یہ بھی کہا کہ وہاں تو میں اکیلا رہتا ہوں اور کوئی نوکر وغیرہ بھی نہیں ہے۔ میں وہاں آپ کی خدمت نہ کر سکتا۔ اپنا ناشتہ تو میں خود تیار کر لیتا ہوں اور امام صاحب کے گھر سے کھانا منگوا لیتا ہوں۔ مگر آپ کی دعوت تو نہیں کر سکتا تھا۔ لاہور میرے گھر آئیں گے تو وہاں آپ کی بہت خدمت کروں گا۔

ان کا لباس بھی بہت پرانے وقتوں کا ہوتا تھا حالانکہ وہ عالمی سطح کے سیاستدان تھے۔ میری مرحومہ بیوی بھی میرے ساتھ تھیں وہ یہ سب کچھ دیکھ کر بہت متاثر ہوئیں۔

جب بھی چوہدری صاحب سے ملاقات ہوتی تو یہی تاثر ذہن میں ابھرتا تھا کہ اس شخص کی تعظیم ہم پر واجب ہے۔ اور یہ سب ان کی شفقت، محبت اور قابلیت کا ردّعمل تھا۔ انکی ذہنی بیداری بھی بہت تھی۔ نوّے 90 سال کے بزرگوں کی خدمت میں لوگ حاضر تو ہوتے ہیں مگر یہی سمجھتے ہیں کہ ان سے کچھ حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ مگر چوہدری صاحب کی یادداشت، قوّت استدلال اور ذہنی بیداری آخر وقت تک قائم رہی۔ اور ان کے پاس بیٹھ کر آدمی کو لطف آتا تھا کہ اتنا طویل تجربہ والا انسان ہمیں کچھ دے رہا ہے۔ جو شخص پہلے نہ بھی جانتا ہوا نکے کارناموں کا علم بھی نہ رکھتا ہو اس کو بھی معلوم ہو جاتا تھا کہ یہ بڑا وسیع علم رکھنے والا شخص ہے۔ خدا نے انہیں گفتگو اور تقریر کا فن خاص طور پر عطا کیا تھا۔

(رسالہ خالد دسمبر 1985ء جنوری 1986ء صفحہ 96 تا 80)

◆

لگتا تھا دیکھنے میں جو انسان کم سخن
جب بولنے پہ آیا زمانے پہ چھا گیا
ثاقب زیروی

باؤنڈری کمیشن میں آپ نے بڑی ذہانت، فراست اور محنت سے مسلم لیگ کا کیس پیش کیا

عرب دنیا میں پاکستان کا پہلا تعارف آپ ہی کی ذات کے حوالہ سے ہوا

سردار شوکت حیات صاحب

محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کیلئے محترم سردار شوکت حیات صاحب کے عقیدت بھرے جذبات

ملاقات: مکرم فضیل عیاض احمد صاحب

تحریک پاکستان کے سرگرم کارکن اور مشہور مسلم لیگی لیڈر محترم جناب سردار شوکت حیات صاحب نے نمائندہ خالد کے ساتھ ایک ملاقات میں محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی خوبیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا کہ

”ان جیسے قابل اور اعلیٰ پائے کے وکیل پاکستان میں بہت کم پیدا ہوئے ہیں۔ بہت بلند پایہ وکیل ہونے کے ساتھ انہیں خدا کی طرف سے تقریر کا ملکہ بڑی فیاضی کے ساتھ عطا کیا گیا تھا۔ بڑی رواں اور اثر وجذب میں ڈوبی ہوئی تقریر کرتے تھے۔ ان کی کئی تقریریں گھنٹوں جاری رہتی تھیں۔ طویل تقریر کے دوران وہ اصل موضوع کو فراموش نہیں ہونے دیتے تھے۔ بہت سی تفاصیل بیان کرنے کے بعد اپنے اصل نقطہ پر واپس آ جاتے تھے بحیثیت ایک منفرد اور ممتاز مقرر ان کی شخصیت سے مجھے بڑا لگاؤ رہا ہے۔ اور اب بھی ہے۔“

سردار صاحب نے بتایا کہ

”چوہدری صاحب سے میری پہلی ملاقات اس زمانہ میں ہوئی جب میں علی گڑھ اسکول میں

پڑھتا تھا اور اپنے والد صاحب کے ساتھ لاہور آیا تھا۔ وہ میرے والد صاحب کے دوست تھے میں بھی ان سے بے تکلف ہو گیا۔ چوہدری صاحب کی یہ خوبی تھی کہ وہ ہر عمر کے آدمی کے ساتھ گھل مل جاتے اور اس کے مذاق کے مطابق باتیں کرتے“

زمانہ طالبعلمی کی یادوں کو تازہ کرتے ہوئے آپ نے مزید بتایا کہ

”مجھے بچپن میں پہلا تحفہ چوہدری صاحب کی طرف سے ہی ملا اور اس کی تقریب یوں ہوئی کہ میں نے ایک دفعہ ان سے اپنے کرکٹ کھیلنے کے شوق کا ذکر کیا اس کے چند دن بعد وہ انگلستان گئے تو وہاں سے کرکٹ کے موضوع پر ایک ضخیم معلوماتی کتاب انہوں نے مجھے تحفہ کے طور پر بھیجی وہ فی الواقعہ مجھ پر بہت مہربان تھے اور ان کا اور میرا تعلق چچا اور بھتیجے کا تعلق تھا۔“

”چوہدری صاحب سے مختلف مواقع پر ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ مختلف موضوعات پر ان سے گفتگو بھی ہوئی بڑا صائب مشورہ دیتے تھے۔ ہمارا اختلاف رائے بھی ہوا مگر ان کی قابلیت اپنی جگہ مسلمہ ہے۔“

”چوہدری صاحب نے بڑی ذہانت، فراست اور محنت کے ساتھ باؤنڈری کمیشن میں مسلم لیگ کا کیس پیش کیا اور عرب دنیا میں تو پاکستان کا پہلا تعارف ہی چوہدری صاحب کی ذات کے حوالہ سے ہوا جبکہ انہوں نے پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ ہونے کی حیثیت سے اقوام متحدہ میں عربوں کے حقوق کے لئے جدوجہد کی اور اسرائیل کے قیام کی مخالفت میں بہت زوردار تقاریر کیں۔“

آپ نے فرمایا:

”چوہدری صاحب کو مذہبی اقدار سے بہت لگاؤ تھا۔ انہوں نے ساری عمر موقع میسر ہونے کے باوجود شراب کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔ سگریٹ سے بھی احتراز کیا نہ ہی دوسری لغویات میں حصّہ لیا۔ وہ بے معنیٰ بات نہیں کرتے تھے سبق آموز واقعات سناتے رہتے تھے۔ مذہبی تعلیمات کی بڑی سختی کے ساتھ پیروی کرتے تھے۔ ان کے اندر وہ ساری خوبیاں موجود تھیں جو ایک صحیح اور

سچے (باخدا انسان) میں ہونی چاہئیں۔ وہ بڑے ملنسار تھے اور ان کی سرشت میں وفاداری کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اپنے پرانے تعلقات کو ہمیشہ یاد رکھتے تھے۔“

سردار صاحب نے کہا:

”آدمی ان کے اخلاق کے کس کس پہلو پر بات کرے وہ تو بڑے اعلیٰ اور ارفع انسان تھے۔“ چوہدری صاحب کے ایک وصف کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

”مجھے ان کی حیرت انگیز سادگی پر بڑا تعجب ہوا چند سال پیشتر جب وہ انگلستان میں مقیم تھے تو میں ایک دفعہ ان سے ملنے گیا۔ ان کی رہائش احمدیہ مشن کے ساتھ ایک بہت چھوٹے سے کمرہ میں تھی انہوں نے خود ہی چائے بنا کر پلائی۔ وہ اپنا بستر بھی خود ہی ٹھیک کرتے تھے۔ کسی دوسرے کی مدد کے طالب نہیں ہوتے تھے۔

ان کی زندگی بہت ہی سادہ تھی۔ کوئی دوسرا آدمی انہیں دیکھ کر یہ محسوس نہیں کر سکتا تھا کہ یہ عالی مرتبت انسان ہے اور بین الاقوامی عدالت کا صدر رہا ہے۔

انتہائی سادگی

برادرم مکرم عبدالکریم مقیم لندن نے ایک دفعہ مجھ سے بیان کیا کہ حضرت چوہدری صاحب نے ایک دفعہ ان کی بڑی بیٹی عزیزہ صادقہ کو اپنی ایک قمیص بھجوائی کہ اس کا کالر پھٹ چکا ہے اسے اُلٹ دیں جب کئی دن گزر گئے اور قمیص درست ہو کر نہ آئی تو حضرت چوہدری صاحب نے فرمایا کہ قمیص ابھی تک درست ہو کر واپس کیوں نہیں آئی اس پر عزیزہ نے جواب دیا کہ اس قمیص کا کالر تو پہلے ہی الٹایا جا چکا ہے اس سے مزید الٹانے کی کوئی صورت نہیں۔ روایت محترم مولانا محمد احمد صاحب جلیل۔

(بحوالہ رسالہ خالد دسمبر 1985ء جنوری 1986ء صفحہ 72)

چوہدری صاحب فی الحقیقت بہت عظیم انسان تھے

محترمہ شہزادی عابدہؒ

محترمہ شہزادی عابدہ سلطان آف بھوپال کے قلبی تاثرات

ان کی پوری زندگی اور شخصیت

بے حد قابلِ احترام تھی

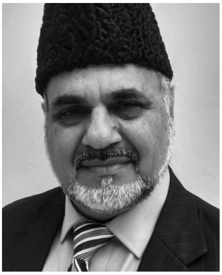

وسیم احمد ظفر صاحب

مرتبہ: مکرم وسیم احمد ظفر صاحب۔ ملاقات: راجہ سعید احمد

سوال: چوہدری ظفر اللہ خان صاحب سے آپ کی ملاقات کب اور کیسے ہوئی؟

جواب: چوہدری صاحب سے میری ملاقات بھوپال میں ہوئی تھی جب کہ وہ نواب صاحب کے بلانے پر بھوپال میں سروس کے سلسلہ میں آئے تھے اور صرف ملاقات ہی نہیں ہوئی بلکہ ان سے اور ان کے خاندان سے گہرے تعلقات استوار ہو گئے تھے۔ غالباً وہ چار پانچ سال وہاں رہے۔ قریباً روزانہ ملاقات ہوتی تھی اور وہ ہمارے گھر کے فرد محسوس ہوتے تھے۔

سوال: آپ کے والد صاحب (نواب بھوپال) کے حضرت چوہدری صاحب کے ساتھ کیسے مراسم تھے اور چوہدری صاحب نے ان کے قانونی مشیر کی حیثیت سے کیسی خدمات سر انجام دیں؟

جواب: وہ ان پر بے حد اعتماد کرتے تھے۔ اور ان کا تعلق ایسا تھا جیسا بڑے بھائی سے ہوتا ہے۔ وہ چوہدری صاحب کی اعلیٰ شخصیت سے بے حد متأثر تھے۔ ان کے دل میں یہ خواہش

پیدا ہوئی کہ سر ظفر اللہ جیسے عظیم انسان شہر یار کو اپنے بچے کی طرح زیر تربیت لے لیں تو یہ اس کی بہت بڑی خوش نصیبی ہو گی۔ انہوں نے اپنی اس خواہش کا مجھ سے ذکر بھی کیا۔ لیکن سر ظفر اللہ کے لئے یہ کیسے ممکن ہو سکتا تھا وہ تو قیام پاکستان کی جدو جہد میں بیحد مصروف تھے۔ ان کے بھوپال میں ایڈوائزر بنوانے کا اصل مقصد بھی یہی تھا کہ وہ نواب صاحب کے ساتھ مل کر حصول پاکستان کی جدو جہد میں اندرونی طور پر خدمات سر انجام دیں۔ اور اس طرح پاکستان اور بھوپال کے مشترکہ مفادات کی حفاظت کے سلسلہ میں قانونی اقدامات بروئے کار لائیں۔ بہر حال اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سر ظفر اللہ سے نواب صاحب کے مراسم کتنے قریبی اور گہرے تھے اور وہ ان کا کس قدر احترام کرتے تھے۔

سوال: یہ سوال اکثر ذہنوں میں اٹھتا ہے کہ چوہدری صاحب جیسے عظیم قانون دان کو بھوپال میں مشیر مقرر کرنے کی کیوں ضرورت پیش آئی؟ کیا آپ اس کی وضاحت کرنا پسند فرمائیں گی؟

جواب: اگر پاکستان اور بھوپال کے مشترکہ مفادات کی حفاظت کا مسئلہ درپیش نہ ہوتا تو سر ظفر اللہ جیسے عظیم اور لائق انسان کو بھوپال کی ریاست میں ایڈوائزر مقرر کرنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ جس عظیم انسان نے قانون کے میدان میں عالمگیر شہرت حاصل کی اور یونائیٹڈ نیشنز میں اقوام عالم کی سر براہی کا فریضہ ادا کیا اسے کیا ضرورت پڑی تھی کہ وہ بھوپال کی ریاست میں ایڈوائزر بنتا۔ مقصد ایک ہی تھا کہ مطالبہ پاکستان کے خلاف جو قانونی حجتیں نکالی جاتی ہیں سر ظفر اللہ اپنی غیر معمولی قانونی دسترس کے بل پر انکا توڑ کریں۔ یہ کام انہوں نے بڑے خلوص اور بڑی خوبی اور خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ اُس زمانہ میں میرے والد صاحب چیمبر آف پرنسز کے چانسلر تھے۔ اس حیثیت میں جملہ والیان ریاست کی طرف سے ان کے کندھوں پر بہت بڑی ذمہ داری عائد تھی۔ اُدھر وہ (نواب صاحب بھوپال) پاکستان کے زبردست حامی تھے اور

ان کی پوری کوشش یہ تھی کہ زیادہ سے زیادہ علاقہ پاکستان میں آجائے۔ اس سلسلہ میں ظفراللہ خان صاحب نے ان کے ایڈوائزر کے طور پر بہت اہم جذبات سرانجام دیں۔ میں سمجھتی ہوں کہ اگر وہ نہ ہوتے تو اس ضمن میں چنداں کامیابی نہ ہوتی۔

سوال: پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ کی حیثیت سے چوہدری صاحب نے جو خدمات سر انجام دیں ان کے بارہ میں آپ کے کیا تأثرات ہیں:۔

جواب: وزیر خارجہ کی حیثیت سے بھی سرظفراللہ نے بہت شاندار خدمات انجام دیں لیکن مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ان کی ان خدمات کو فی زمانہ گردانا نہیں جاتا زمانہ ہی کچھ ایسا آ گیا کہ نیکی کی قدر مفقود ہو کر رہ گئی ہے۔ درحقیقت اہل پاکستان نے اپنی آزادی اور خودمختاری کی حقیقی قدر نہیں پہچانی۔ وہ کسی فرد کی کیا قدر کریں گے۔ وہ خواہ سرظفراللہ ہوں یا نواب بھوپال ہوں یا کوئی اور۔

سوال: کیا آپ سمجھتی ہیں کہ یہ جو ریاستوں کا الحاق پاکستان سے ہوا ہے وہ سرظفراللہ خان صاحب کی مساعی کی وجہ سے ہوا۔؟

جواب: جونا گڑھ کا الحاق جہاں تک مجھے یاد ہے وہ خالصۃً ظفراللہ خان صاحب کی کوششوں کا نتیجہ تھا کیونکہ اور جو ریاستیں تھیں وہ کٹ آف تھیں، ان کا پاکستان سے ملنا مشکل تھا۔ مثلاً بھوپال جو اتنا زیادہ پاکستان کے لئے کام کر رہا تھا وسطی ہندوستان میں ہونے کی وجہ سے اس کا پاکستان سے کوئی رابطہ نہیں ہوسکتا تھا اس لئے بھوپال رہ گیا مگر جونا گڑھ کا الحاق ہوسکتا تھا تو چوہدری صاحب نے اس معاملہ میں جو محنت کی اور والیان ریاست کی راہنمائی کرتے ہوئے انہوں نے کوشش کی اور تعلقات قائم کئے اسکی نظیر ملنا مشکل ہے۔

سوال: تحریک پاکستان میں چوہدری صاحب کی جو خدمات آپ کے ذہن میں ہیں وہ بیان فرمائیں؟

جواب: حقیقت یہ ہے کہ وہ پاکستان کے لئے بے حد کوشاں رہے اور بہت زبردست کوششیں کیں، دن اور رات وہ اسی کوشش میں لگے رہتے تھے، بھاگتے پھرتے تھے کبھی اس والئ ریاست سے ملے کبھی اس رئیس سے ملے کبھی ہمارے والد صاحب کے ساتھ جو اُس وقت چیمبر آف پرنسز کے چانسلر تھے۔ صلاح مشورے ہو رہے ہیں اور کبھی ذاتی حیثیت سے دوستانہ گفتگو ہو رہی ہے۔ بہرحال انہوں نے پاکستان کے قیام میں بے انتہا کوشش اور بے انتہا محنت کی ہے جس کی نظیر معدودے چند لوگوں کے سوا ملنی محال ہے۔

سوال: چوہدری صاحب اور جماعت احمدیہ نے حصول واستحکام پاکستان کے ضمن میں جو خدمات سرانجام دیں تو کیا قوم نے ان کو وہ مقام دیا جس کے وہ مستحق تھے؟

جواب: نہیں دیا اور مجھے اس کی بے حد شرمندگی بھی ہے ہونی تو نہیں چاہیئے کیونکہ میرا تو ان واقعات سے کوئی دور کا تعلق بھی نہیں ہے۔ مگر جس طرح چوہدری صاحب اور ان کی پوری جماعت کے خلاف آئینی اقدام کرایا گیا وہ میرے لئے بہت تکلیف دہ ہے۔ میرا اپنا ذاتی خیال یہ ہے کہ وہ شخص جو کلمہ پڑھ لیتا ہے اور جو علی الاعلان اس کا اعلان کرتا ہے کہ لا الٰہ اِلا اللہ محمد رسول اللہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی امت سے باہر نہیں نکالا جا سکتا اور اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ عبداللہ بن ابی جو منافقوں کا سردار کہلاتا ہے اس کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حسن و احسان کا سلوک روا رکھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متبع ہونے کی حیثیت سے ہمیں بھی ایسا ہی کرنا چاہیئے۔

سوال: چوہدری صاحب کو بحیثیت انسان آپ نے کیسا پایا؟

جواب: بہت عظیم انسان تھے اور بہت زبردست انسان تھے اور انسان ہی کی حیثیت سے میرے دل میں ان کی عزّت۔ وزرائے خارجہ روز آتے چلے جاتے ہیں حکومتیں بدلتی رہتی ہیں۔ وزرائے اعظم نئے نئے آتے ہیں اصل چیز تو انسانیت ہوتی ہے اور یہ صفت چوہدری

صاحب میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اور وہ اتنے مخلص اور باخدا انسان تھے کہ باوجود اس کے بعض طبقوں کی طرف سے مذہب کی آڑ میں ان کی شدید مخالفت کی گئی۔ میرے خیال میں اتنی عالمِ اسلام کی خدمت کسی اور نے نہیں کی جتنی انہوں نے کی ہے۔

سوال: اقوامِ متحدہ میں بھی آپ کو چوہدری صاحب کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا وہاں ان کے کردار اور مصروفیات کے بارہ میں اپنے مشاہدات اور تاثرات بیان فرمائیں؟

جواب: 1954ء میں اقوامِ متحدہ میں پاکستان کے نمائندہ وفد میں مجھے بھی شمولیت کا موقع ملا۔ چوہدری صاحب ہر کھانے پر کہیں نہ کہیں مدعو ہوتے تھے۔ شاید ہی انہوں نے اپنی قیام گاہ پر کوئی کھانا کھایا ہو۔ چونکہ وہ مجھ سے اچھی طرح واقف تھے، قدر کرتے تھے اس لئے ہر دعوت میں جانے سے پہلے وہ مجھ سے ضرور پوچھ لیتے تھے کہ اگر آپ چلیں تو مجھے خوشی ہوگی تو میں ساتھ جاتی تھی اور مجھے بھی خوشی ہوتی تھی کیونکہ وہ جو وہاں تقریریں کرتے تھے۔ وہ قرآنی علوم و معارف سے لبریز ہوتی تھیں اور طرزِ بیان ایسا دلکش ہوتا تھا کہ ہر بات لوگوں کے دل میں راسخ ہو جاتی تھی جو لوگ آتے تھے وہ دین کے متعلق ان سے باتیں سننے کو آتے تھے۔ پاکستان کے متعلق تو جو کچھ انہیں کہنا ہوتا تھا وہ اسمبلی کے باقاعدہ اجلاس میں کہتے تھے مگر یہ جو جگہ جگہ انکی دعوتیں ہوتی تھیں یہ پاکستان سے متعلق امور کے علاوہ اس لئے بھی ہوتی تھیں کہ وہ بڑے پُراثر طریقے سے مذہب کو لوگوں کے سامنے پیش کرتے تھے اور لوگ اس سے متاثر ہوتے تھے اور میں بھی بہت متاثر ہوتی تھی۔ میں نے نہیں سنا کہ کبھی بھی انہوں نے ہمارے عقائد کے خلاف ایک لفظ بھی کہا ہو۔ میں حیران ہوں کہ انہوں نے اتنی جان توڑ کوشش کی اور ان کی عمر اس وقت عنفوان کی نہیں تھی وہ جوان نہیں تھے وہ ضعیف تھے۔ اس ضعیفی میں انہوں نے اتنی بھاگ دوڑ کی اور اپنی صحت کی یا کسی چیز کی پرواہ نہیں کی اور پاکستان کا نام روشن کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی اور اتنا زیادہ انہوں نے دین کا نام پھیلایا امریکہ میں جتنے دن ہم رہے ہیں مجلس اقوام میں جو میں

نے دیکھا میں اس سے بے حد متاثر ہوئی مزید برآں بہت سی روحانی باتیں، قرآن کی آیات اور احادیث اور ان کی تفاسیر جو میرے علم میں نہیں تھیں وہ میں نے ظفر اللہ صاحب سے سنیں۔

اسی دوران ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے میرے دل میں ان کی عظمت اور بڑھا دی۔

اس سال میں پہلی بار امریکہ گئی تھی۔ اس لئے دل میں خوف بھی تھا اور کچھ عجیب سے خیالات تھے کہ میں کہاں آ گئی ہوں۔ اس وفد میں میں تنہا عورت تھی۔ لہذا جب امریکہ پہنچ کر ایک ہوٹل میں ٹھہری تو وہاں دل نہیں لگا۔ انگریزوں سے تو کسی قدر مانوس تھی مگر وہاں اجنبیت محسوس ہوئی۔ امریکنوں کے اخلاق و کردار انگریزوں سے بہت مختلف ہیں۔ اس لئے بڑی بیزاری کی کیفیت طاری رہی لہذا دو تین دن کے بعد دل میں خیال آیا کہ ہمارا اقوام متحدہ کا پاکستانی دفتر یہاں ہے تو وہیں جا کے کوئی کمرہ تلاش کر لوں اور اس کمرے میں جا کے سو جایا کروں۔ اس وجہ سے میں نے اس دفتر کا اوپر سے لے کر نیچے تک خاموشی سے معائنہ کیا کہ اس میں اگر کوئی مناسب کمرہ ایک طرف مل جائے تو میں یہیں رہا کروں بجائے اس کے کہ مَیں ہوٹل میں جا کر رہوں۔ چوتھی منزل کے اوپر ایک بہت ہی چھوٹا سا کمرہ تھا اس میں ایک ٹوٹا پھوٹا سا پلنگ پڑا تھا اور دوسری عام ضروریات بھی اچھی طرح مہیا نہ تھیں تو میں نے یہ حالت دیکھ کے یہ سمجھا کہ غالباً یہاں چوکیدار رہتا ہو گا تو میں نے پوچھا کہ بھئی یہ کس کا کمرہ ہے تو معلوم ہوا کہ یہاں پاکستان کے وزیر خارجہ رہتے ہیں۔ مجھے تو بڑا تعجب ہوا مَیں حیران دیکھتی رہی یقین نہ آتا تھا۔ میں نے کہا کیا یہاں چوہدری ظفر اللہ خان رہتے ہیں تو کہنے لگے جی ہاں۔ مجھے تو بہت بُرا لگا میں نے کہا کہ یہ کیا ہے ان کو اتنا الاؤنس ملتا ہے اتنی تنخواہ ملتی ہے ان کے سارے اخراجات گورنمنٹ ادا کرتی ہے اور یہ ایسی پھٹیچر جگہ میں پڑے ہوئے ہیں اور یہ بات ہماری بدنامی کا باعث ہے کہ ہمارا وزیر خارجہ اس طرح پڑا ہوا ہے تو میں نے پوچھا اور کہا کہ ملاقات وغیرہ کہاں کرتے ہیں تو کہنے لگے کہ وہ تو دفتر میں کر لیتے ہیں اگر کوئی ملنے آئے تو دفتر کے کمرے میں جا کے ملتے ہیں یہاں

کوئی نہیں آتا یہاں تو وہ رات کو آ کر سو جاتے ہیں اب مجھے بہت بُرا لگا چونکہ میرے اور ان کے بہت بے تکلفی کے اور برسوں پرانے تعلقات تھے۔ چنانچہ پہلی فرصت میں مَیں نے ان سے بہت جھگڑا کیا میں نے کہا ظفر اللہ صاحب آپ کو کوئی عار محسوس نہیں ہوتی کہ آپ اس طرح پڑے ہوئے ہیں تو ہنسنے لگے اور کہنے لگے کہ ''آپ اس سے کیا سمجھیں؟'' میں نے کہا کہ میں یہی سمجھی کہ آپ سارا پیسہ بچاتے ہیں اور کسی اچھی جگہ میں نہیں رہتے آپ ایسی بیہودہ جگہ میں رہتے ہیں اگر کوئی سنے یا دیکھے تو کیا کہے کہ پاکستانی وزیر خارجہ اس حالت میں زندگی بسر کرتا ہے تو ہنسے اور کہنے لگے کہ دیکھئے کہ میں اپنی ذات پر صرف دو ڈالر یومیہ خرچ کرتا ہوں خواہ وہ ٹیکسی میں خرچ ہو جائیں، کیونکہ میں سگریٹ نہیں پیتا، شراب نہیں پیتا کچھ نہیں کرتا میرے تو اخراجات کچھ بھی نہیں اور آپ دیکھ رہی ہیں کہ صبح، دوپہر، شام کا کھانا مجھے مل ہی جاتا ہے دعوتوں وغیرہ کے ذریعہ، تو مجھے کیا ضرورت ہے کہ میں ہوٹل میں جا کے اخراجات کروں حالانکہ میں بہترین ہوٹل میں ٹھہر سکتا ہوں اور گورنمنٹ مجھے تمام اخراجات دیگی۔ مجھے جو الاؤنس ملتا ہے میں ان میں سے صرف دو ڈالر یومیہ اپنے لئے رکھتا ہوں باقی تمام رقم میں رفاہی کاموں کے لئے دے دیتا ہوں۔

میرے دل میں ان کے لئے بڑی عزت پیدا ہوئی کہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنی زندگی کی پوری کمائی کو اپنے عقیدہ اور ایمان کی خاطر خرچ کر دیتے ہیں۔ اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ کتنا ہی دیتے جاؤ ان کا پیٹ ہی نہیں بھرتا غرض اس واقعہ نے میری نظروں میں ان کو اور بھی اونچا کر دیا۔

سوال: کوئی ایسا واقعہ بھوپال میں قیام کے دوران جو آپ کو ہمیشہ یاد رہے انکی کوئی خوبی یا کوئی ایسا کام جس سے آپ بہت متاثر ہوئی ہوں؟

جواب: میں تو ظفر اللہ خان صاحب کے پورے کریکٹر سے بہت متأثر تھی میرے لئے

ممکن نہیں ہے کہ میں کسی ایک واقعہ کا خاص طور پر تذکرہ کر کے کہوں کہ میں اس بات سے متأثر ہوئی ہوں۔ ان کی تو پوری زندگی اور شخصیت میرے لئے بہت قابلِ عظمت تھی۔ وہ فی الحقیقت ایک بہت عظیم انسان تھے۔

سوال: آپ کو چوہدری صاحب کی وفات کا کیسے علم ہوا اور آپ نے کیا محسوس کیا؟

جواب: اس وقت میں اپنے بیٹے کے پاس اسلام آباد گئی ہوئی تھی انہوں نے مجھ سے بہت ہی تشویش کے ساتھ کہا کہ ظفر اللہ خان صاحب بیمار ہیں اور شدید بیمار ہیں تو ہم نے تار وغیرہ دی اور معلومات حاصل کیں کہ کیا ہوا ہے اور ان کی بیماری نے بہت تشویش پیدا کی۔ میرا دل بھی چاہا کہ میں واپس جاتے ہوئے لاہور ٹھہر کر ان کی عیادت کرلوں اور اگر اجازت مل گئی تو دیکھ لوں گی مگر ان کی وفات ہوگئی یہ بھی میرے بیٹے نے ہی مجھے بتایا وہاں اسلام آباد میں ہی اور وہیں سے ہی ہم نے تار وغیرہ دیئے اور پھر جانے کو دل بھی نہ چاہا کہ اب کہاں جائیں کس کے پاس جائیں تعلقات تو ظفر اللہ صاحب کے ساتھ تھے۔ وہی نہ رہے تو اب کیا کریں دل کو یوں معلوم ہوا کہ ایک عظیم ہستی دنیا سے اٹھ گئی۔

سوال: اگر چند جملوں میں چوہدری صاحب کی پوری زندگی کا احاطہ کرنا ہو تو؟

جواب:

He was a great man and a great Scholar of islam and other religions and a very sinceir person who was very competent to be the president of pakistan.

(رسالہ خالد دسمبر 1985ء جنوری 1986ء صفحہ 103 تا 107)

◆

’’ان کے پائے کا کوئی انسان میں نے آج تک نہیں دیکھا‘‘

’’حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے انہیں بے پناہ عشق تھا‘‘

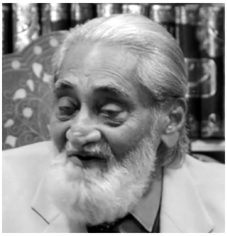

جناب افضل حیدر

جناب افضل حیدر رکن پاکستان بار کونسل کے مشاہدات کا نچوڑ

چوہدری صاحب کے میرے والد سیّد محمد شاہ صاحب کے ساتھ بڑے گہرے تعلقات تھے اور دونوں کا ایک دوسرے کے ہاں بہت آنا جانا تھا۔

چوہدری صاحب نے سیالکوٹ میں ہمارے ہی مکان میں پریکٹس کا آغاز کیا۔ وہ بڑے منکسر المزاج اور پُرخلوص انسان تھے۔ دوستوں سے بہت پیار کا تعلق رکھتے تھے۔ ان میں انسانی اقدار کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں۔ ان کے پائے کا کوئی انسان میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ چوہدری صاحب ایک عظیم انسان تھے۔ ہر مخاطب کے لحاظ سے ان کا رویہ بہت اعلیٰ اور قابلِ قدر ہوتا تھا۔

ان کی مجلس میں معاشرے کے اُونچے اور نیچے دونوں طبقوں کے لوگ ہوتے تھے مگر کسی کو یہ شکوہ نہیں ہوسکتا تھا کہ حسبِ مراتب اس کی قدر نہیں کی گئی۔ ان کے گاؤں سے آنے والا پٹواری بھی ان کے گھر سے ویسا ہی خوش جاتا تھا جیسا کوئی مرکزی وزیر۔

چوہدری صاحب سادگی اور بے تکلّفی کا مرقّع تھے مگر اس کے ساتھ ہی ان کی طبیعت میں نفاست اور مناسبت بھی بہت تھی۔ مثلاً کپڑے قیمتی نہ ہوتے مگر صاف سُتھرے اور بے شکن۔ سُوٹ پہنتے یا شلوار قمیص پر شیروانی زیب تن کرتے۔ یہ چیز ان کی اصول پسندی کا بھی بیّن ثبوت ہے۔ وہ اپنے مذہبی عقائد پر بڑی سختی سے قائم تھے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انہیں بے پناہ عشق تھا مجھے اکتوبر کے مہینہ کا ایک دن آج بھی یاد ہے اور اس موقع کی تصویر بھی میرے پاس محفوظ ہے۔ جب محترم چوہدری صاحب اور میرے والد صاحب گلبرگ میں چوہدری بشیر احمد کی کوٹھی پر سارا دن بیٹھے رہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت اور شان کے متعلق آپس میں باتیں کرتے رہے اور اس موقع پر مسلسل فارسی اور اُردو کے اشعار ایک دوسرے کو سُناتے رہے۔ میں کئی دفعہ ان کے پاس گیا ہر دفعہ ان کا انہماک ترقی پر ہی پایا۔ دونوں کی آنکھیں بار بار ڈبڈبا جاتی تھیں اور شدّت جذبات کی وجہ سے ان کا گلا رُندھ جاتا تھا اور بات جاری نہیں رکھ سکتے تھے۔ وہ دن مجھے کبھی نہیں بھولتا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکرِ مبارک پر چوہدری صاحب کی آنکھوں سے آنسو بہتے دیکھ کر میں کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ کیا قادیانی واقعی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان کے منکر ہیں۔ اس دن کا نظّارہ میرے لئے عجیب تجربہ ہے جسے میں فراموش نہیں کر سکتا۔

چوہدری صاحب نے مجھے ایک بار خاص طور پر یہ نصیحت کی تھی کہ کسی انسان کے ساتھ صرف دل سے پیار کرنا کافی نہیں اس محبّت اور پیار کا اظہار بھی ہونا چاہیئے تا کہ اس دوسرے شخص کو معلوم ہو کہ فلاں کی محبّت مجھے حاصل ہے۔ یہ علم اس آدمی کی خود اعتمادی کو تقویت پہنچاتا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ انسانی رشتوں کو مضبوط کرنے کے لئے خواہ وہ برابری کے معیار پر ہوں یا حاکم و محکوم کے تعلقات ہوں یہ طریق بہت اہم اور ضروری ہے کیونکہ یہ سو قسم کی بدظنیوں کو جلانے اور نیک جذبات پیدا کرنے کا محرّک ہے۔

(رسالہ خالد دسمبر 1985ء جنوری 1986ء صفحہ 108 تا 109)

◆

جادو وہ جو سر چڑھ کو بولے

کانگریسی وکیل کو چوہدری صاحب کے دلائل کا لوہا ماننا پڑا

مکرم پروفیسر سعود احمد خان صاحب۔ ربوہ

یہ تو ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کو قائداعظم محمد علی جناح نے بحیثیت صدر آل انڈیا مسلم لیگ مسلمانوں کی طرف سے پنجاب میں باؤنڈری کمیشن کے سامنے مغربی پاکستان کی مشرقی سرحد قائم کرنے کے لئے بطور وکیل مقرر کیا اور آپ نے بہت خوبی کے ساتھ اس قومی فریضہ کو سرانجام دیا۔ ایسے تمام لوگوں نے جو کسی نہ کسی کمیشن کے ساتھ منسلک ہوئے یا پنجاب ہائی کورٹ میں جا کر انکو بحث سننے کا موقع ملا اس حقیقت کو فراخ دلی کے ساتھ تسلیم کیا کہ حضرت چوہدری صاحب نے نہ صرف وکالت کا حق ادا کیا بلکہ اپنی لیاقت کا سکّہ بٹھا دیا جبکہ اس کام کے لئے آپ کو خاطر خواہ نہ وقت میسر آیا اور نہ کوئی اور سہولت مہیا تھی۔

مثل مشہور ہے کہ جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے میں اس ضمن میں تمام دوسری تفصیلات کو چھوڑتے ہوئے جن کا علم بہت سے اہل دانش اور باخبر لوگوں کو ہے مندرجہ بالا مثل کے مطابق ایک روایت کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو لاہور کے مشہور ایڈووکیٹ عبدالحق صاحب نے بیان فرمائی اور جس جلسہ میں انہوں نے اس کو بیان فرمایا مَیں بھی سامعین میں موجود تھا۔ واقعہ یوں ہے کہ غالباً 1960ء کی ابتداء میں یعنی جنوری، فروری میں حضرت چوہدری صاحب جلسہ سالانہ ربوہ کے بعد لاہور تشریف لائے تو Y.M.C.A یعنی ینگ کرسچن ایسوسی ایشن کی ایک ذیلی تنظیم Ysmen Club نے بطور مہمان خصوصی آپ کی ایک تقریر کا اہتمام کیا۔ یہ کلب وائی ایم سی اے کے سینئر اراکین پر مشتمل تھا اور Y,S men کا نام بطور تفاؤل Wise Men کی آواز سے رکھا ہوا تھا یعنی

عقلمندوں کا کلب۔ ایڈووکیٹ عبدالحق صاحب اس تقریب کے صدر تھے چونکہ جلسہ کا اعلان اخبار پاکستان ٹائمز میں بھی کیا گیا تھا۔ اور عوام کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی تھی اس لئے عاجز بھی وقتِ مقررہ پر پہنچ گیا۔

حضرت چوہدری صاحب نے انگریزی زبان میں نہایت فصاحت کے ساتھ ایک عالمانہ تقریر فرمائی۔ سامعین سمجھتے تھے کہ چوہدری صاحب موصوف عالمی سیاست پر کچھ ارشاد فرمائیں گے لیکن چونکہ ان دنوں محترم چوہدری صاحب عالمی عدالت کے جج تھے اس لئے کسی سیاسی تقریر سے گریز کرنے میں آپ نے مصلحت سمجھی۔ تقریر میں خاص نکتہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عبادت کے لئے پیدا کیا تو اس کا کیا مطلب ہے اور اس مطلب کو کیسے حاصل کیا جائے۔ تقریر کے بعد صدرِ محترم نے کہا کہ چوہدری صاحب محترم بہت محتاط بزرگ ہیں اور اپنے فرائض کی ذمہ داریوں اور ان کے تقاضوں کو بھی خوب جانتے ہیں وہ اپنے آپ کو مجبور پاتے تھے کہ عالمی سیاست پر گفتگو نہ فرمائیں لیکن انہوں نے اس مضمون کو جس کو ہم ان کے پیشہ کے ساتھ متعلق نہیں سمجھتے علم و عرفان کے وہ جوہر دکھائے ہیں کہ گویا ہم بہت بڑے دینی مفکر اور عالم کے علم سے مستفید ہو رہے تھے۔ مگر میں بحیثیت صدر اپنے آپ کو مجبور نہیں پاتا کہ کسی سیاسی مسئلہ پر لب کشائی نہ کروں بلکہ میں اس سلسلہ میں ایک ایسی بات کا امین ہوں جس میں مَیں منفرد ہوں اور اس کا بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں تا کہ قوم کو اسکی ایک امانت پہنچا کر سبکدوش ہو جاؤں۔ انہوں نے کہا کہ جب محترم چوہدری صاحب باؤنڈری کمیشن کے سامنے مسلم لیگ کا کیس پیش کر رہے تھے مَیں بھی لاہور میں موجود تھا اور اس کاروائی کو سننے جایا کرتا تھا۔ میرا تأثر بھی وہی تھا جو سب مسلمانوں کا تھا کہ ہمارے دل محترم چوہدری صاحب کی اس خدمت پر تشکر و امتنان سے لبریز تھے۔

چونکہ کانگریس کے وکیل مسٹر سیتلو اد بمبئی سے تشریف لائے تھے اور میرے دوست تھے اس لئے ان سے بھی ملا کرتا تھا اور ایک دن ان سے اپنے گھر دعوت پر تشریف لانے کی درخواست کی

انہوں نے بحث کے اختتام پر ایک شب میرے گھر آنا قبول کیا لیکن اس شرط پر کہ کوئی تیسرا شخص اس میں نہ ہو صرف ہم دونوں دوست مل کر کھانا کھائیں گے۔ میں نے اس شرط کو قبول کر لیا۔ وہ حسبِ وعدہ تشریف لائے اور کہا عبدالحق تم سمجھتے ہو گے کہ میں نے کسی تیسرے شخص کی موجودگی شاید اس لئے قبول نہ کی کہ میں بحث کر کے تھک گیا ہوں اور آرام چاہتا ہوں۔ لیکن اس کے علاوہ ایک بات اور بھی ہے جو مَیں صرف تم سے کہہ کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ اگر حقائق پر فیصلہ کیا جائے تو مَیں تم کو تمہارے مسلمان ہونے کی حیثیت سے مبارکباد دیتا ہوں کہ مسلم لیگ کے کیس کو ایک بہترین وکیل میسر آیا اور اس اعتبار سے ظفر اللہ خان مسلم لیگ کے کیس کو اس سے کہیں زیادہ بہتر طور پر پیش کر سکے جس طرح مَیں نے کانگریس کا کیس پیش کیا۔ لیکن میرا خیال یہ ہے کہ فیصلہ دلائل کی بناء پر نہیں ہوگا اور اگر ہوا تو یقیناً مسلم لیگ کا پلہّ بھاری ہوگا۔ عبدالحق صاحب ایڈووکیٹ نے کہا مسٹر ستیلواد نے یہ کہہ کر اپنا بوجھ ہلکا کر لیا اور میرے پاس یہ بات بطور امانت کے ہو گئی اور آج تیرہ سال بعد میں اس بات کو پبلک میں بیان کر کے اس سے سبکدوش ہوتا ہوں۔ اور میرا محترم چوہدری صاحب کو ان خدمات پر جو باؤنڈری کمیشن کے سامنے مسلم لیگ کا کیس پیش کرتے ہوئے انجام دیں شکریہ کہنا صرف رسمی نہیں بلکہ ایک بصیرت پر قائم ہے۔ کیونکہ ان کے دلائل کا لوہا ان کے مدّمقابل کانگریس کے ہندو وکیل نے میرے سامنے اکیلے میں تسلیم کیا تھا۔ ہم مسلمانوں کا اپنے وکیل کی تعریف کرنا ایک جذباتی لگاؤ کی بات کہی جا سکتی ہے۔ لیکن اس جادو کا کیسے انکار کیا جائے جو خود ہندوؤں کے وکیل کے سر چڑھ کر بولا۔ ایڈووکیٹ عبدالحق صاحب کی تقریر بھی انگریزی میں ہی تھی جس کو میں نے اردو میں سپردِ قلم کرنے کی کوشش کی ہے۔

(رسالہ خالد ماہ دسمبر 1986ء و جنوری 1985ء صفحہ 110 و 111)

*

دلوں میں گھر کرنے والی عظمت اور اس کا نقش جمیل

مکرم حافظ قدرت اللہ صاحب سابق مبلغ سلسلہ

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کے تعلق میں جہاں تک ذاتی تأثرات کا سوال ہے۔ انہیں اور ان کی کیفیات کو بیان کرنا کوئی سہل کام نہیں۔ مگر اس میں بھی شک نہیں کہ اہم اور عظیم الشان واقعات سے قطع نظر آپ کی زندگی کے متفرق واقعات کو خواہ کتنے ہی اختصار کے ساتھ الگ الگ بیان کیا جائے پھر بھی وہ اپنی افادیت کے لحاظ سے یقیناً اپنے اندر بہت سے اہم پہلو لئے ہوئے ہیں۔

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ کسی شخص کی شہرت کے پیش نظر اس کا ذکر غائبانہ سنا ہو تو اس کا طبیعت پر غیر معمولی اثر ہوتا ہے۔ مگر جب اس شخص کو قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملے تو اس کی عظمت کا غائبانہ احساس اکثر اس رنگ میں قائم نہیں رہتا۔ مراد یہ کہ اس میں کمی آجاتی ہے لیکن حضرت چوہدری صاحب کو جس قدر بھی قریب اضافہ ہی ہوا ہے۔ کیونکہ آپکا ظاہر و باطن ایک تھا آپ جو کہتے تھے وہی کرتے تھے۔ ہالینڈ کے قیام کے دوران ایک لمبا عرصہ آپ کو قریب سے دیکھنے اور آپ سے فیضیاب ہونے کے مواقع اس عاجز کو میسر آئے۔ اور میں اس بناء پر اعلیٰ وجہ البصیرت یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے آپ کو اعلیٰ بلند پایا اوصاف سے متصف پایا آپ کی عظمت دل میں گھر کرتی چلی گئی اور احترام کا جذبہ بے پناہ مسلسل ابھرتا چلا گیا۔

بے نفسی

عجز و انکساری کا وصف ایک سچے احمدی کا خاصہ ہوتا ہے۔ میں نے اس وصف کو نہایت عمدہ رنگ میں آپ کی ذات میں جلوہ گر پایا۔ اس ضمن میں آپ کی سوانح حیات پر مشتمل کتاب ‘‘تحدیث نعمت’’ کا ذکر بے جا نہ ہوگا۔ مجھے یاد ہے اور یہ اس کتاب کے وجود میں آنے سے پہلے کی

بات ہے۔ کہ میں نے چند ایک دفعہ نہایت ادب سے حضرت چوہدری صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ کی زندگی اور اس میں ہونے والے واقعات کا تعلق صرف آپ کی ذات تک ہی محدود نہیں بلکہ اس کا تعلق تو پوری جماعت اور قوم کے ساتھ ہے۔ بہتر ہے آپ انہیں تحریر میں بھی لے آئیں تا یہ حالات قوم کی راہنمائی کا باعث ہوں۔ مگر آپ ہر دفعہ یہی فرماتے رہے کہ میں ڈرتا ہوں کہ اس کے نتیجے میں کوئی عجب یا خودنمائی کا احساس کسی رنگ میں پیدا نہ ہو جائے مگر جب آپ کو آپ کے قریبی احباء نے قرآن کی آیہ اَمَّا بِنِعۡمَتِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ کی روشنی میں اس کی طرف توجہ دلائی اور اس کی تحریک کی گئی تو پھر آپ نے مجبور ہو کر یہ قدم اٹھالیا چنانچہ اسی مناسبت سے پھر آپ نے اس کا نام بھی ''تحدیث نعمت'' رکھا۔

آپ کو اپنے حالات کے بیان کرنے میں لفظ 'مَیں' کا استعمال مرغوب نہیں تھا۔ اور اس لفظ سے آپ ہمیشہ بچنا چاہتے تھے۔ چنانچہ اس کے بعد آپ نے اپنے سوانح کو جب انگریزی میں ڈھالا تو وہاں لفظ آئی (I) سے بچنے کے لئے آپ نے ہی (HE) کا لفظ استعمال فرمایا۔ جس سے پڑھنے والے کو کچھ الجھن سی ضرور ہوتی ہے۔ مگر آپ نے (I) کی بجائے HE سے ہی کام چلانا بہتر خیال فرمایا اور پھر یہیں تک بس نہیں آپ نے انکساری کے خیال سے اس انگریزی سوانح کا نام بھی Servent Of God رکھا تا HE کے پیچھے بھی جو جذبات کارفرما ہو سکتے ہیں انکا بالکل ہی خاتمہ ہو جائے۔

ہالینڈ کی جماعت سے تعلق

اس میں کچھ شک نہیں کہ حضرت چوہدری صاحب کا اپنی زندگی میں جہاں بھی قیام رہا۔ ان کا وجود ہر جگہ ہی دینی خدمات کے ضمن میں وہاں چنانچہ اس لحاظ سے ہمارا ہالینڈ کا مشن اور وہاں کی جماعت بڑی خوش قسمت ہے۔ کہ انہیں سالہا سال حضرت چوہدری صاحب کے وجود کی برکات سے مستفید ہونے کا موقعہ ملا بلکہ کچھ اتفاق ایسا ہے کہ جب سے ہالینڈ میں اللہ کے گھر کی تعمیر کا

پروگرام شروع ہوا حضرت چوہدری صاحب کا خاص تعلق اس بیت الذکر سے رہا۔ چنانچہ مجھے یاد ہے۔ 1950ء میں حضرت مصلح موعود کی طرف سے جب ارشاد موصول ہوا کہ ہالینڈ میں مسجد کی تعمیر کے لئے کوئی مناسب جگہ تلاش کی جائے تو ان ایام میں بھی حضرت چوہدری صاحب کا گزر ہالینڈ سے ہوا اس وقت مسجد کے لئے زمین کی خرید کا معاملہ ابھی ابتدائی اور بنیادی مراحل میں تھا۔ اس وقت حضرت چوہدری صاحب کی راہنمائی اور آپ کا مشورہ ہمارے لئے بہت ہی برکت کا موجب ہوا۔ اور ہم نے وہ زمین خرید لی۔ اس کے بعد مسجد کی تعمیر کے ضمن میں نقشے وغیرہ کے مراحل تھے۔ ان امور میں بھی حضرت چوہدری صاحب کا صلاح مشورہ ہمارے بہت کام آتا رہا۔ آخر تعمیر کی ابتداء ہوئی اور تکمیل پر افتتاح عمل میں آیا۔ ان دونوں اہم مواقع یعنی تعمیر کی ابتداء اور افتتاح کا اعزاز حضور کے ارشاد پر حضرت چوہدری صاحب کے حصّہ میں آیا۔ بلکہ اس کے بعد حضور ہی کے ایماء سے حضرت چوہدری صاحب نے کچھ عرصہ اپنی رہائش بھی اسی مسجد جو مسجد المبارک کے نام سے موسوم ہے، کے ایک کمرے میں اختیار فرمائی۔

حضرت چوہدری صاحب اپنے ہالینڈ کے عرصہ قیام کے دوران اکثر اہم جماعتی تقریبات میں بھی اپنی بابرکت حاضری سے جماعت کو مستفید فرماتے۔ چنانچہ ایک دفعہ جب عرب کے پرنس فیصل جو سعودی عرب کے دارالحکومت ریاض کے لارڈ میئر تھے جماعت کی دعوت پر احمدیہ مشن میں تشریف لائے تو اس موقعہ پر حضرت چوہدری صاحب بھی موجود تھے۔ بلکہ حضرت چوہدری صاحب کی موجودگی اور آپ کی ملاقات سے لارڈ میئر بہت ہی خوش تھے۔ خاکسار نے عربی زبان میں انکی خدمت میں ایڈریس پیش کیا اور تحفتہً کچھ کتب بھی پیش کیں۔ اسی طرح ایک موقعہ پر ملائیشیاء کے وزیر اعظم تنکو عبدالرحمٰن جب تشریف لائے اور پھر ایک اور موقعہ پر جب نائیجیریا کے وزیر اعظم ڈاکٹر سر یا ابوبکر تفا وا بلیو تشریف لائے تو ان مواقع پر بھی حضرت چوہدری صاحب کی موجودگی ہمارے لئے اور معزز مہمانوں کے لئے بڑی مسرت اور شادمانی کا باعث تھی۔

ہالینڈ کے وزیر خارجہ ڈاکٹر جوزف لُنز جو بعد میں ایک لمبا عرصہ NATO کے جنرل سیکرٹری بھی رہے وہ تو حضرت چوہدری صاحب کے بہت مداح تھے ایک دفعہ جب ہم نے حضرت چوہدری صاحب کو ایک موقعہ پر پارٹی دی تو ڈاکٹر لُنز بڑے شوق سے تشریف لائے اور کوئی ڈیڑھ گھنٹہ کے قریب حضرت چوہدری صاحب سے محوِ گفتگو رہے۔ یہی کیفیت ڈاکٹر سر ابوبکر تفاوا بیلوا صاحب کی تھی۔ وہ بھی جب آئے تو دیر تک حضرت چوہدری صاحب کے ساتھ بے تکلفانہ باتیں کرنے میں مشغول رہے۔ اسی طرح ایک اور موقعہ پر بھی جو ہم سب کے لئے لطف کا باعث تھا۔ یعنی 1960ء میں پاکستان کی عالمی چیمپئن ہاکی ٹیم اولمپک گولڈ میڈل جیتنے کے بعد ہالینڈ سے گزری تو جماعت نے اس کے اعزاز میں پارٹی دی اور ایڈریس پیش کیا اس موقع پر بھی حضرت چوہدری صاحب کی موجودگی ہم سب کے لئے ایک لطف کا موجب تھی۔

یہ آپ نے کیا تکلّف کر دیا

آپ کی طبیعت کا ایک خاصہ یہ تھا کہ آپ فضول خرچی سے اور ظاہری تکلفات سے احتراز کرتے تھے۔ اس تعلق میں آپ کی شادی کے ایام کا ایک واقعہ ذہن میں آ رہا ہے۔ جو گو بظاہر ایک معمولی سی بات ہے مگر اپنی نوعیت کے لحاظ سے کچھ منفرد ہے۔ ہالینڈ ہی کا واقعہ ہے جبکہ کچھ عرصہ کے لئے آپ کی رہائش مشن ہاؤس کے ایک کمرہ میں تھی آپ کی شادی کی تقریب تھی۔ میں نے اپنے رفیق مولانا ابوبکر صاحب سے کہا کہ اگرچہ حضرت چوہدری صاحب کو ظاہری قسم کے تکلفات سے کوئی لگاؤ نہیں اور آپ انہیں پسند نہیں فرماتے مگر آج چونکہ شادی کی تقریب ہے۔ اگر حضرت چوہدری صاحب کے کمرے میں تھوڑے سے پھول گلدان میں لگا کر رکھ دیئے جائیں تو کیا حرج ہے چنانچہ میں نے پھول گملے میں لگا کر آپ کے کمرے میں رکھ دیئے۔ لیکن اس کے بعد جب چوہدری صاحب باہر سے تشریف لائے اور کمرے میں داخل ہوئے تو باہر آ کر فرمانے لگے۔ ”یہ پھولوں کا آپ نے کیا تکلف کر دیا۔“

وہ جگہ اس سے بھی تنگ ہوگی

ایک دفعہ میرا بیٹا عزیزم عزیز اللہ جب ہالینڈ آیا تو حضرت چوہدری صاحب اُسے مشن ہاؤس میں اپنا کمرہ دکھانے لگے کہ وہ اس کمرے میں رہا کرتے تھے۔ میرے لئے یہ امر خوشی کا باعث ہے کہ حضرت چوہدری صاحب کا سلوک میرے لڑکے عزیزم عزیز اللہ کے ساتھ بھی بڑا مشفقانہ تھا۔ آپ بعض دفعہ بڑی بے تکلفی سے اس کے ساتھ گفتگو فرماتے اور اسے نصائح کیا کرتے حضرت چوہدری صاحب نے اسے اپنا کمرہ دکھایا تو وہ کمرہ چونکہ چھوٹا سا تھا اس لئے عزیز اللہ نے بے ساختگی سے کہا کہ آپ اس کمرے میں رہا کرتے تھے؟ تو اس پر حضرت چوہدری صاحب نے بھی بے تکلفانہ اور بلاتوقف یہ اظہار فرمایا کہ ''عزیز اس جسم نے آگے جس جگہ رکھا جانا ہے وہ جگہ اس سے بھی تنگ ہوگی'' یہ گفتگو بظاہر بہت سادگی کی حامل تھی۔ مگر یہ سادہ سی گفتگو آپ کے پاک خیالات کی ترجمان ضرور ہے اور آپ کے اخلاق کی عمدگی کے ساتھ عکاسی کر رہی ہے کہ اس دنیا میں خواہ کیسے بھی رہ رہے ہوں آپ نے اپنے انجام کو دل سے کبھی اوجھل نہیں ہونے دیا۔

جواں عزم

حضرت چوہدری صاحب اکثر مجھ سے میرے بیٹے عزیز اللہ کی صحت کے بارے میں دریافت فرمایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ فرمایا کہ اس کی صحت کچھ عرصہ سے خراب کیوں جا رہی ہے تو میرے پوچھنے پر عزیز نے جواباً لکھا کہ اسکی وجہ کیا بتاؤں کہ بس اب تو بڑھاپا ہی ہے (غالباً وہ ان ایّام میں انصار اللہ میں داخل ہو رہا تھا۔) چنانچہ اس کا یہی جواب میں نے بے تکلفی سے حضرت چوہدری صاحب کی خدمت میں عرض کر دیا۔

میرا جواب سنتے ہی حضرت چوہدری صاحب نے فرمایا کہ میری طرف سے اسے لکھ دینا کہ تم خواہ مخواہ بوڑھے بن رہے ہو میں جو تمہارے باپ سے بھی 25 سال بڑا ہوں اب بھی اگر کوئی مجھے

بوڑھا کہتا ہے تو طبیعت اسے آسانی سے قبول نہیں کرتی۔ تم نے ابھی سے اپنے آپ کو بوڑھا کہنا شروع کر دیا۔

ایک گلڈر

ایک چھوٹا سا واقعہ ہالینڈ ہی کا ہے ایک دفعہ آپ کو اپنی گھریلو ضرورت کے لئے کچھ مکھن کی ضرورت تھی۔ اتوار کا دن تھا دکانیں بند تھیں۔ چنانچہ انہوں نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ کیا آپ کے پاس مکھن کا کوئی زائد پیکٹ ہوگا۔ مگر ساتھ ہی فرمایا کہ میری جیب میں اس وقت صرف ایک گلڈر ہی ہے۔ ان دنوں مکھن کے پیکٹ کی قیمت ایک گلڈر سے کسی قدر زائد ہی ہوا کرتی تھی۔ فرمایا بس مجھے ایک گلڈر کی قدر کا اس پیکٹ میں سے کاٹ دیجئیے۔ زیادہ نہیں اور پھر باوجود اصرار کے انہوں نے اسی قدر ہی اس میں سے لیا۔

گھڑی دیکھنے کی کیا ضرورت تھی

ایک اور صفت جو آپ کی زندگی میں ہمیشہ ایک نمایاں کردار ادا کرتی رہی وہ وقت کی پابندی تھی جس کا آپ ہمیشہ خیال کیا کرتے تھے۔ آپ جب اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے صدر منتخب ہوئے تو اس وقت آپ کی یہ صفت خاص طور پر اجاگر ہو کر دنیا کے سامنے آ گئی۔ عام طور پر اسمبلی کے ممبران کا یہ طریق تھا کہ تھوڑی بہت تاخیر سے آتے تو اسے محسوس نہ کیا جاتا تھا۔ مگر جب تک یہ نظام آپ کے سپرد رہا سب کو وقت کی پابندی کا احساس ہو گیا۔ اور اجلاس کی تمام کاروائی اپنے وقت پر ہونے لگی۔ ایک دفعہ وقت کی پابندی کے ضمن میں فرمایا کہ زندگی میں میرا سیر کا وقت بھی بالکل معین ہوا کرتا تھا۔ اس حد تک کہ لوگ مجھے دیکھ کر بعض دفعہ اپنی گھڑیاں درست کر لیا کرتے تھے۔

ایک دفعہ خود میرے ساتھ ہی ایک واقعہ گزرا کہ حضرت چوہدری صاحب کے کسی عزیز کی

شادی تھی جس کے لئے دو بجے کا وقت دیا ہوا تھا۔ اس تقریب کا انتظام یا اس کی نگرانی حضرت چوہدری صاحب ہی فرمارہے تھے اتفاق سے جب میں لندن مشن کے ’’محمود ہال‘‘ میں پہنچا تو حضرت چوہدری صاحب ابھی وہاں موجود نہ تھے ادھر دو بج رہے تھے صرف ایک آدھ منٹ کی کمی ہوگی میرے دل میں خیال گزرا کہ حضرت چوہدری صاحب تو وقت کے بہت پابند ہوتے ہیں خدا جانے ابھی آپ کیوں تشریف نہیں لائے۔ میں دروازہ میں کھڑا یہ خیال ابھی کر ہی رہا تھا اور اپنی گھڑی سے وقت دیکھ رہا تھا کہ حضرت چوہدری صاحب ادھر سے نمودار ہوئے اور مسکراتے ہوئے مجھے فرمایا ’’گھڑی دیکھنے کی کیا ضرورت ہے میں جو آ گیا تھا‘‘۔

حقیقت یہ ہے کہ ایسی نامور ہستیاں جن کو ایک طرف روحانی برکات اور دینی خدمات سے وافر حصّہ ملا ہو اور دوسری طرف انہیں اپنی اعلیٰ صلاحیتوں اور بے پناہ قابلیتوں کے باعث بین الاقوامی شہرت سے بھی نمایاں حصّہ ملا ہو۔ بہت کم وجود میں آتی ہیں۔

دُعا

اللہ تعالیٰ ہماری جماعت میں ایسے ہزاروں لاکھوں ظفر اللہ خان پیدا کرے جو اپنے اعلیٰ کردار سے جماعت کے نام کو بلند کرنے والے اور اس کی محبت کو لوگوں کے دلوں میں بٹھانے والے اور احمدیت کی نیک شہرت کو چار چاند لگانے والے ہوں۔ آمین

(رسالہ خالد ماہ دسمبر 1986ء وجنوری 1985ء صفحہ 118 و121)

* * *

تھی اُس کی ذات مشعلِ انوار آگہی
جینے کا زندگی کو قرینہ سکھا گیا

ثاقب زیروی

دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کی قابل تقلید مثالیں

محترم انیس الرحمٰن صاحب بنگالی مربی سلسلہ

حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب مرحوم سے میرا پہلا تعارف اس وقت ہوا جب آپ جامعہ احمدیہ ربوہ کی ایک تقریب سے خطاب کرنے کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے آپ نے اس خطاب میں فرمایا کہ جامعہ احمدیہ کی بنیاد حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے اپنے ہاتھوں سے رکھی تھی اور اس کا اصل مقصد یہ ہے کہ یہاں سے جیّد علماء پیدا ہوں اس لئے اس ادارے میں ذہین ہونہار اور لائق طلبہ کو آنا چاہئے۔

ایک عرصہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے بطور مربی انگلستان میں خدمات بجالانے کی توفیق عطا فرمائی۔ 1977ء تا 1982ء خاکسار لندن میں مقیم رہا۔ اس دوران حضرت چوہدری صاحب کو بارہا قریب سے دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی اور آپ کی صحبت سے فیض یاب ہونے کا موقع ملا۔ آپ کی ذات تصنع اور بناوٹ سے بالکل پاک تھی اور آپ سلسلہ کی خاطر قربانی کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے تھے چند ایک واقعات کا ذکر کرتا ہوں۔

آپ باقاعدہ واقف زندگی تو نہ تھے مگر واقفین زندگی سے بڑھ کر سلسلہ کی خدمات بجا لاتے۔ ایک دفعہ میں نے پوچھا کہ حضرت چوہدری صاحب آپ سلسلہ اور دین کا اتنا کام کرتے ہیں۔ آپ نے زندگی باقاعدہ وقف کیوں نہیں کی؟ اس پر آپ نے فرمایا کہ وقف بہت مشکل ہوتا ہے۔ میں آزادانہ جو کام کر سکتا ہوں وہ کسی کے تحت ہو کر وقف کے رنگ میں نہیں کر سکوں گا۔ میرے نزدیک وقف کے لئے ابراہیمی اور اسمٰعیلی قربانی کی ضرورت ہے۔ میں اس امر میں کمزور ہوں۔

دین کی خاطر حضرت چوہدری صاحب ملکہ انگلستان کی دعوت چھوڑ کر جماعتی پروگرام میں تشریف لے گئے۔

ہم نے اپریل 1979ء میں پورے انگلستان کا اجتماع بریڈ فورڈ میں منعقد کروایا جس میں شرکت کے لئے خاکسار نے حضرت چوہدری صاحب کو دعوت دی۔ ماہ اپریل میں ایسٹر کی تقریب کی مناسبت سے انگلستان کی ملکہ سارے ارکان پارلیمنٹ اور دیگر معززین کو ایک خاص کھانے پر سالانہ ڈنر میں بلاتی ہیں مکرم چوہدری صاحب بھی اس دعوت کے مدعووین میں سے تھے۔ جب میں نے اجتماع میں شرکت کے لئے دعوت دی تو آپ نے فرمایا کہ اگلے روز فون کے ذریعے تمہیں اطلاع دوں گا۔ چنانچہ حسبِ وعدہ اگلے روز 12 اپریل کو فون پر از خود اطلاع دی کہ چونکہ تمہارا ایک دینی پروگرام ہے اس لئے ملکہ کی دعوت کو چھوڑتا ہوں اور دین کو دنیا پر ترجیح دیتے ہوئے تمہارے اجتماع میں شریک ہوں گا۔ چنانچہ اگلے روز مکرم انور احمد کاہلوں صاحب، مکرم چوہدری صاحب کو ہمراہ لیکر لندن سے قریباً تین صد میل سفر کر کے شمال میں واقع بریڈ فورڈ اجتماع میں شرکت کے لئے پہنچ گئے۔

اجتماع کے دوران آپ نے نماز جمعہ ھڈرز فیلڈ مشن ہاؤس میں ادا کی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ مکرم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب صدر جماعت احمدیہ ھڈرز فیلڈ کے مکان بیت الفضل میں تشریف لے گئے اور تین روز وہاں قیام فرمایا۔ اس دوران خاکسار اور دیگر احباب جماعت وقتاً فوقتاً آپ سے ملنے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔ اس عرصہ قیام میں آپ متعدد ایمان افروز واقعات بیان فرماتے رہے۔

اسراف اجتناب

ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ میرے بارے میں یہ مشہور ہے کہ یہ شخص کنجوس ہے بات اتنی ہے

کہ میں اسراف سے بچتا ہوں اس موقعہ پر ایک واقعہ بھی بیان فرمایا جسے میں اپنے الفاظ میں درج کرتا ہوں۔ پاکستان کے وزیر خارجہ ہونے کے دوران بعض احباب آپ کے دفتر میں تشریف لائے۔ ایک دوست باتھ روم میں گئے اور دیکھا کہ ایک پرانے صابن کے ٹکڑے کے ساتھ نیا صابن جڑا ہوا ہے۔ یہ دیکھ کر وہ حیران ہوئے اور اس کا ذکر مکرم چوہدری صاحب سے کیا آپ نے فرمایا یہ ٹھیک ہے۔ میں پرانا بچا ہوا صابن بھی ضائع نہیں کرتا بلکہ اسے نئے صابن سے جوڑ کر استعمال کرتا ہوں تا کہ کوئی چیز ضائع نہ ہو۔ آپ کی سادگی کا یہ حال تھا کہ اکثر و بیشتر ایک ہی سوٹ اور ٹائی استعمال کرتے اور رومی ٹوپی پہنتے تھے ایک مرتبہ ایک دوست نے نیا جوڑا سلوا کر آپ کی خدمت میں بھجوایا آپ نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ جزاکم اللہ ایک ہی سوٹ کافی ہے ایک پر قناعت کرنی چاہیئے۔ آپ کسی مستحق کو دے دیں۔ اجتماع میں قیام کے دوران ملاقات کا سلسلہ جاری رہتا۔ آپ نہایت خندہ پیشانی سے ملاقات کرتے لوگوں کے مسائل سنتے اور ان کے مسائل حل کرتے اور سوالات کے جوابات دیتے۔

دوسو سال عمر

1978ء کے اجتماع کے موقع پر جس میں بریڈ فورڈ کے ڈپٹی مئیر اور ان کے علاوہ دو درجن کے قریب انگریز اور بعض ممبران پارلیمینٹ شامل ہوئے۔ میں نے ابتداء میں استقبالیہ تقریر میں مکرم چوہدری صاحب کا نوجوانوں سے تعارف کروایا اور آپ کی خدمات کو سراہا۔ میرے استقبالیہ کے بعد ڈپٹی مئیر نے ایک ولولہ انگیز تقریر کی اور دورانِ خطاب کہا کہ مکرم چوہدری صاحب کی خدمات بنی نوع انسان کے لئے بہت وسیع ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ مکرم چوہدری صاحب کی عمر دوسو سال ہے تب بھی میں اسے ضرور تسلیم کرونگا کیونکہ آپ کی خدمت کا سلسلہ اتنا وسیع ہے کہ دوسروں کے لئے کئی صدیوں میں بھی اتنی خدمات انجام دینا ممکن نہ ہوتا۔ پھر آپ نے تو پوری انسانیت کی بہت خدمت کی۔

سچائی سے پیار

1979ء میں بریڈفورڈ میں واقعہ وائی۔ ایم۔ سی۔ اے ہال میں جلسہ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اہتمام کیا گیا۔ اس موقع پر بھی حضرت چوہدری صاحب کو شرکت کے لئے دعوت دی گئی۔ چنانچہ آپ تشریف لائے۔ تلاوت اور نظم کے بعد میں نے مکرم چوہدری صاحب کا تعارف ایک رسالہ Guide Line (جو کہ افریقہ سے چھپ کر آیا تھا) پڑھ کر سنایا جس میں مکرم چوہدری صاحب کے کارہائے نمایاں کا ذکر اور تعارف تھا۔ اس رسالہ میں یہ بات لکھی ہوئی تھی کہ مکرم چوہدری صاحب پہلے۔۔۔ ہیں جو اقوام متحدہ کے صدر ہوئے اس تعارف کے فوراً بعد مکرم چوہدری صاحب نے کھڑے ہو کر اعلان فرمایا کہ ”میں اقوام متحدہ کا پہلا۔۔۔ صدر نہیں تھا بلکہ ایران کے ایک نمائندے پہلے مسلمان صدر تھے۔ یہ اخبار کے رپورٹر کی غلطی ہے۔ میرے بھائی محمد انیس الرحمٰن صاحب کی غلطی نہیں ہے۔“

اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ آپ کو سچ سے کتنا پیار تھا۔ 1980ء کو چودھویں صدی کے اختتام اور پندرھویں صدی کے آغاز کے سلسلہ میں ایک عظیم الشان جلسہ عام کا اہتمام بریڈفورڈ میں واقع مشن ہاؤس میں کیا گیا۔ اس موقع پر مکرم چوہدری صاحب کو مدعو کیا گیا جسے آپ نے بخوشی قبول فرمایا۔ چنانچہ آپ جب جلسہ میں تشریف لائے تو آپ سے میں نے درخواست کی کہ چونکہ یہ ایک خاص اور اہم جلسہ ہے اس کی صدارت آپ فرمائیں۔ فرمانے لگے کہ تم اس علاقہ کے امیر اور مربی ہو تم ہی اس کی کاروائی شروع کراؤ۔ چنانچہ جلسہ کی کاروائی شروع کی گئی مگر مجھے پھر بھی تردّد ہوا کہ مکرم چوہدری صاحب کی موجودگی میں مَیں کس طرح صدارت کروں۔ میں نے پھر درخواست کی کہ آپ بزرگ ہیں اور بڑے بڑے جلسوں کی صدارت کر چکے ہیں حتّٰی کہ اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کی صدارت بھی آپ نے کی۔ آپ کی موجودگی میں مجھے جرأت نہیں ہو رہی۔ فرمانے لگے کہ پہلے بھی میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ تم نے صدارت کرنی ہے اب کھڑے ہو کر یہ اعلان کرو کہ ظفراللہ

تقریر کرے گا۔ چنانچہ آپ کے ارشاد کی تعمیل کی اس موقع پر آپ نے ایک نہایت ہی مدلّل اور پُر شوکت تقریر ''ظہور امام مہدی اور ہماری ذمہ داریاں'' کے موضوع پر کی۔ آپ کی تقریر کے بعد کسی اور نے تقریر کرنی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ چونکہ مجھے آج شام ابھی ابھی لندن واپس جانا ہے اس لئے اب احباب مجھے اجازت دیں اور بقیہ پروگرام بھی دلجمعی اور دلچسپی کے ساتھ سماعت فرماویں۔ چنانچہ آپ اجازت لے کر لندن تشریف لے گئے۔

ایک مرتبہ انگلستان کے جلسہ سالانہ کے موقع پر جرمنی کے ایک دوست بشیر احمد صاحب امینی نے مکرم چوہدری صاحب سے دریافت کیا کہ آپ کتنی لینگو یجز جانتے ہیں؟ فرمانے لگے میں وہی زبان جانتا جو آپ بول رہے ہیں۔ چوہدری صاحب نے یہ بات اس لئے فرمائی کہ امینی صاحب اردو اور انگریزی زبان کے الفاظ ملا کر ایک ساتھ بول رہے تھے آپ سخت ناپسند فرماتے تھے کہ اردو بولنے کے دوران اس میں خواہ مخواہ انگریزی الفاظ استعمال کئے جائیں۔ ایک دفعہ مانچسٹر کے صدر جماعت مکرم عبد الرشید صاحب بٹ نے ملاقات کے وقت دعا کی درخواست کی اور بڑے اصرار سے دعا کے لئے عرض کیا فرمانے لگے کہ تم بھی تو دعا کیا کرو ہم تو دعا کریں گے ہی تم خود بھی تو دعاؤں میں شغف پیدا کرو۔

مکرم چوہدری صاحب کو جماعت کے باہمی تنازعات اور ان کے مسائل حل کرنے کے لئے بھی وقتاً فوقتاً درخواست کی جاتی تھی۔ آپ نہایت جانفشانی محبت اور محنت سے فریقین میں مصالحت کرواتے اور مسائل کا حل تجویز فرماتے تھے۔

مکرم چوہدری صاحب حق و صداقت کی بات کو مقدمہ میں فوراً پہچان جاتے اور عدل و انصاف سے فیصلہ فرماتے۔ ساتھ ہی دعا اور استغفار سے کام لیتے۔

لین دین کے معاملات میں آپ بہت سخت گیر تھے۔ معاملات میں قرآنی حکم کے تحت ہر معاملہ کو ضبط تحریر میں لاتے معاملہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا۔

صرف ظفر لکھا کرو

ایک انگریز احمدی ہوئے تو میں نے انہیں چوہدری صاحب کی کئی کتب پڑھائیں۔ اور ایک دفعہ کہا کہ آپ بھی مکرم چوہدری صاحب کو دعا کے لئے خط لکھیں۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ کس طرح مخاطب ہوں میں نے سمجھایا کہ جو ادب کا طریق ہے اسی کے مطابق مخاطب کریں۔ چنانچہ انہوں نے بعض القاب سے مخاطب کر کے خط لندن کے پتہ پر بھجوایا۔ اس خط کا جواب اس انگریز احمدی نے مجھے بھی دکھایا کہ میں نے دعا کی اللہ تعالیٰ کامیابی عطا کرے نیز لکھا کہ مجھے زیادہ القاب سے مخاطب کرنے کی ضرورت نہیں صرف My Dear Zafar ہی لکھا کرو۔

ایک دفعہ روز نامہ جنگ لندن میں حضرت چوہدری صاحب کے متعلق ایک مضمون شائع ہوا۔ اور تاریخی حقائق کو مسخ کر کے بعض باتیں بیان کیں گئیں۔ آپ نے اخبار سے غیر ذمہ دارانہ رویّہ کی جواب طلبی فرمائی اور فرمایا میں انگلستان میں مقیم ہوں فون میسر ہے مجھ سے حقیقت دریافت کرتے۔ اس پر اخبار کے متعلقہ ایڈیٹر نے کہا کہ رپورٹ اور مضمون لکھنے والا ایک متعصب شخص ہے اور جماعت احمدیہ کے خلاف بغض و کینہ رکھتا ہے اور گالی گلوچ کرتا ہے۔ اس لئے اس نے آپ سے رابطہ کرنے سے اجتناب کیا ہے۔ فرمانے لگے کے مجھے اس کا پتہ اور فون نمبر دو میں اسے فون کروں گا کہ جتنی گالیاں دینا چاہو مجھے دو۔ میں اشتعال میں نہیں آؤں گا بلکہ صبر کروں گا۔ اور اسکے حق میں دعا کروں گا۔ میں اسے یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ وہ تاریخی حقائق کو مسخ نہ کرے۔

حضرت چوہدری صاحب کو جماعت کی تعلیم و تربیت کا بہت خیال رہتا ایک مرتبہ ایک جلسہ سالانہ کے موقع پر جبکہ مکرم چوہدری صاحب شمالی انگلستان کے ایک اجتماع پر تشریف لائے اور جماعت کے عمومی اخلاقی تربیتی امور کے متعلق دریافت فرمایا۔ اس دوران مَیں نے آپ سے کہا کہ فلاں جماعت کے افراد چندوں میں بہت کمزور ہیں اور سستی اور غفلت سے کام لیتے ہیں۔ فرمانے لگے تم قرآن شریف کی یہ تعلیم انہیں بتایا کرو جس میں انفاق فی سبیل اللہ کی تعلیم اور ہدایت

کی گئی ہے۔ پھر خود ہی یہ آیت تلاوت فرمائی هَآأَنتُمْ هَٰؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَمِنكُم مَّن يَبْخَلُ وَمَن يَبْخَلْ فَإِنَّمَا يَبْخَلُ عَن نَّفْسِهِ

چنانچہ آپ کے ارشاد کی تعمیل میں میں نے خطبات اور تربیتی کلاس میں اس بات کا تذکرہ کیا۔ اس کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ کے فضل سے جماعت کی ترقی ہوئی۔

ادب کا طریق

ایک مرتبہ ایک اجتماع کے موقعہ پر بہت سے احباب تشریف لائے ہوئے تھے۔ نماز عصر کا وقت تھا بعض لوگ رومال سر پر باندھ کر نماز پڑھنے کی تیاری کر رہے تھے۔ اسی اثناء میں آپ ایک دوست کے پاس گئے اور کہا کہ اسلام صفائی کی طرف بہت توجہ دیتا ہے تم خدا کے حضور پیش ہونے والے ہو اور اس قسم کے گندے رومال کو بطور ٹوپی کے استعمال کرتے ہو۔ یہ مناسب نہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ ایک یہودی بھی جب عبادت گاہ میں جاتا ہے تو خاص طور پر سر پر ٹوپی استعمال کرتا ہے۔ آپ نے بات بھی نہایت عمدہ طور پر دلنشین انداز میں سمجھائی کہ وہ دوست ٹوپی استعمال کرنے لگے۔

حضور کی تقریر

مرکز سلسلہ ربوہ میں ایک جلسہ سالانہ کے موقع پر آپ ہمہ تن گوش ہو کر پنڈال کے قریب اپنی کار میں بیٹھے تقریر سُن رہے تھے۔ اس دوران میرا گزر آپ کے قریب سے ہوا دل میں خیال ہوا کہ آپ کو سلام کروں اور مصافحہ کا شرف حاصل کروں آپ نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ وقت ملاقات کا مناسب نہیں ہے حضرت صاحب تقریر فرما رہے ہیں تم لوگ حضور کی تقریر غور سے سنو۔

یہ وجود بہت بابرکت ہیں غالباً 1976ء کی بات ہے کہ ہمارے موجودہ امام ''احمدیت نے دنیا کو کیا دیا'' کے موضوع پر تقریر فرما رہے تھے تقریر کے بعد آپ سٹیج سے اتر کر نیچے اپنی جوتی کی

طرف جا رہے تھے کہ یکا یک کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت چوہدری صاحب حضور کی جوتی اپنے ہاتھ سے اٹھا کر نیچے جا رہے ہیں مَیں قریب ہی نیچے ہی کھڑا تھا مَیں نے کہا ہم آپ کے خادم ہیں آپ تکلیف کیوں فرما رہے ہیں۔ فرمانے لگے

’’میاں حضرت بانئ سلسلہ کی اولاد کی قدر کیا کرو۔ یہ وجود بہت ہی مقدس اور بابرکت ہیں۔‘‘

(رسالہ خالد ماہ دسمبر 1986ء وجنوری 1985ء صفحہ 122 تا 126)

* * *

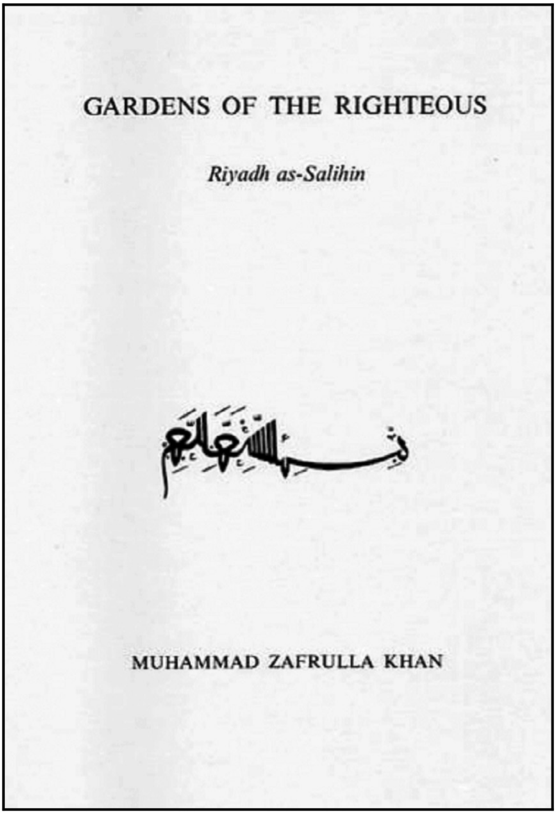

GARDENS OF THE RIGHTEOUS

Riyadh as-Salihin

MUHAMMAD ZAFRULLA KHAN

مہربان و مشفق اعلیٰ وجود

مکرم چوہدری حمید نصر اللہ خان صاحب

آسان حل

ایک مرتبہ ایک نوجوان حضرت چوہدری صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک بہت لمبا از قسم تقریر سوال چوہدری صاحب سے کیا۔ محترم چوہدری صاحب خاموشی سے اس کے سارے سوال کو سُنتے رہے اور آخر میں فرمایا عزیزم آپ اس فلاسفی کی مشکل اور بڑی دقّت میں پڑ گئے ہیں اگر پسند کریں تو آپ کی اس مشکل کا ایک حل بتلا دوں اُس نے شوق سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا ان نئی مشکلات میں پڑنے کی بجائے آپ صرف اتنا کریں کہ اللہ تعالیٰ کے ارشادات جو قرآن کریم میں ہیں ان پر عمل کریں آپ کی مشکلات حل ہو جائیں گی۔

حسن تربیت

حضرت چوہدری صاحب نئی نسل کی تربیت کی طرف خاص توجہ فرمایا کرتے تھے اور انداز انتہائی مشفقانہ تھا۔ میری بڑی بیٹی عزیزہ عائشہ نے مجھے بتایا کہ جب مَیں آٹھ نو برس کی تھی تو اپنی سہیلی کے ہمراہ گھر کے صحن میں سیر کر رہی تھی اور مَیں نے ڈپٹّہ یا چادر نہیں لی ہوئی تھی۔ اتنے میں ابا بھی سیر کرنے کے لئے باہر تشریف لے آئے مجھے پیار کیا اور فرمایا بیٹی کمرہ سے باہر نکلا کرو تو کوئی چادر یا کپڑا لیا کرو کہیں تمہیں سردی نہ لگ جائے۔ عائشہ کہتی ہے کہ مَیں فوراً سمجھ گئی کہ میرا سر ڈھکا ہوا نہ تھا اور ابّا نے میری سہیلی کی موجودگی کا لحاظ کرتے ہوئے مجھے اس انداز میں سمجھایا ہے۔

خدا پر ایمان

مکرم چوہدری صاحب ایسی بحث کو پسند نہ فرماتے تھے جو محض بحث کی خاطر ہو اور اگر اس

امر کو بھانپ جاتے کہ دوسرا شخص محض بحث کی خاطر اپنی ضد پر اڑا ہے تو خاموش ہو جاتے یا موضوع کو تبدیل کر دیتے۔ ایک بار خاکسار سے ذکر کیا کہ مَیں نے اسلام کے بارے میں تقریر کی اور اُس کے بعد چند سوالوں کے جواب دیئے ایک شخص نے (جو معلوم ہوتا تھا کہ ملحد تھا) نے سوال کیا کہ تم بتلاؤ کہ تم خدا پر کیوں ایمان رکھتے ہو۔ تو مَیں نے جواب دیا I have expereuced God میرا یہ جواب اُس کے لئے شافی جواب تھا اور پھر وہ شخص کچھ نہ کہہ سکا۔

جو آپ مجھے سمجھتے ہیں

1953ء کی تحقیقات میں ایک وکیل صاحب اپنے ساتھیوں سے بہت کہا کرتے تھے کہ ظفر اللہ خان کو بیان دینے کے لئے آنے دو مَیں ایک ہی سوال میں ظفر اللہ خان کو ایسا پھانسوں گا کہ وہ نکل نہ سکے گا۔ جب حضرت چوہدری صاحب تشریف لائے تو وکیل صاحب نے کہا چوہدری صاحب ایک سیدھا سا سوال آپ سے کرتا ہوں ’’آپ مجھے کیا سمجھتے ہیں؟‘‘ چوہدری صاحب نے فوراً جواب دیا کہ ’’جو آپ مجھے سمجھتے ہیں۔‘‘ ایسا جواب ملا کہ وکیل صاحب اس کے بعد کوئی دوسرا سوال نہ کر سکے۔

عظمت کا راز

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے حضرت چوہدری صاحب کو ایسا نوازا تھا کہ اس کی مثال کم نظر آتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے محترم چوہدری صاحب کو یہ توفیق بھی عطا فرمائی کہ اُنہوں نے ان نعمتوں کا صحیح طور پر اپنی استطاعت کی حد تک استعمال کیا۔ اس کا راز مکرم چوہدری صاحب نے بار بار بتلایا ہے اور وہ ہر ایک کو معلوم بھی ہوتا ہے لیکن انسان اپنی کمزوری اور کم ظرفی کی وجہ سے اس پر پوری طرح عمل نہیں کرتا اور چوک جاتا ہے۔ اور وہ راز ہے اطاعت یہی عظمتوں کی کُنجی ہے اور رفعتوں کا دروازہ۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی حضرت چوہدری صاحب کے نقش قدم پر چل کر دین و دنیا میں ہر قدم کی بلندیاں عطا فرمائے۔ آمین

(رسالہ خالد دسمبر 1986ء جنوری 1986ء صفحہ 127۔128)

◆

ایک تیر بہدف نسخہ

سردار دیوان سنگھ مفتون ایڈیٹر ''ریاست'' نے دہلی میں یہ واقعہ سنایا کہ تقسیم ملک سے قبل میرے اخبار پر کئی مقدمات تھے اور مَیں اس سلسلہ میں حضرت چوہدری صاحب سے مشورہ کرنا چاہتا تھا۔ شملہ میں ملاقات کا وقت ملا۔ حضرت چوہدری صاحب سے ملا تو مشورہ کے بعد فرمایا سردار صاحب یہ تو قانونی مشورہ تھا لیکن ان سب پریشانیوں کے ازالہ کے لئے ایک تیر بہدف نسخہ بتاتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ ''صبح سویرے اللہ تعالیٰ کے حضور دُعا کیا کریں اس طرح آپ کی ساری پریشانیاں دور ہو جائیں گی۔''

روایت مکرم عبدالقدیر صاحب درویش قادیان

(بحوالہ رسالہ خالد دسمبر 1986ء جنوری 1986ء صفحہ 75)

بیسویں صدی کا ایک نادر روزگار سخی

مکرم چوہدری ادریس نصراللہ خان صاحب

حضرت بابا جی انتہائی درجہ کے سخی تھے لاکھوں اور کروڑوں روپے کمائے لیکن اپنی ذات کے لئے محض ضروریات کے لئے رکھ کر باقی سب کچھ ضرورت مندوں کی بھلائی اور خدمت میں صرف کرتے رہے آخر میں معاملہ یہاں تک پہنچا کہ اپنی ضروریات کے لئے 60 یا70 پاؤنڈ رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ باقی آمدنی کو ذہنی طور پر آمدنی کا حصہ ہی تصور نہیں کیا کرتے تھے۔ سامانِ تعیش کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ آسائشوں کے معاملہ میں بھی بہت احتیاط سے کام لیتے تھے۔ موٹر کار جیسی چیز جسے آج کل کی ضروریات میں شمار کیا جاتا ہے اپنے لئے ضروری نہ سمجھتے تھے لمبا عرصہ یورپ میں بغیر گاڑی کے گزارہ کرتے رہے۔ 1963ء سے لے کر آپ نے کبھی کار نہیں رکھی۔ آپ کا قیام 1963ء سے 1974ء تک بطور عالمی جج عدالت انصاف اور آخری تین سال بطور صدر عالمی عدالتِ انصاف ہالینڈ میں اور فروری 1974ء سے لے کر نومبر 1983ء تک انگلستان میں رہا۔ گویا کہ یورپ میں رہتے ہوئے اور دنیا کی سب سے اعلیٰ عدالت کا جج اور صدر ہوتے ہوئے بھی اپنی تن آسانی کے لئے یہ خرچ کرنا اُن کو گوارا نہ ہوا۔ پیدل دفتر تشریف لے جاتے اور بس پر واپسی ہوتی۔ انہیں دنوں میں آپ نے لاکھوں روپیہ کے خرچہ سے لندن مشن ہاؤس کی موجودہ عمارت بنوانے کا اعزاز حاصل کیا۔ اور لاکھوں روپیہ کے وظائف بیوگان اور یتیموں کی امداد کے طور پر دینے کی سعادت حاصل کرتے رہے۔ ہاں اس دوران اگر کوئی مہمان ان کے پاس رہنے کے لے آیا جس کے متعلق خیال ہو کہ اُس کو سواری کے بغیر تکلیف ہوگی تو جتنا عرصہ وہ مہمان رہا اس کے شایان شان نئی موٹر خرید لی اور اس کے جانے

کے بعد اسی دن بیچنے کے لئے بھیج دی۔

اس بات کا کہ اپنی ذات پر ضرورت سے زیادہ خرچ نہ ہو، اتنا خیال تھا کہ بعض دفعہ حیرت ہوتی تھی آپ اسی خیال سے اپنی ہر چیز کا خیال رکھتے تھے کہ ضائع نہ ہوتا کہ دوسری نہ خریدنی پڑے۔ 1957ء کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ ایک عزیز نے پوچھا کہ آپ کے پاس رومال ہے؟ فرمایا ہاں اور اپنا رومال دے دیا۔ اُس نے سارے رومال سے اپنے دونوں ہاتھ پونچھ لئے۔ نہایت شفقت سے فرمایا ”آپ کو دراصل تولیہ کی ضرورت تھی رومال تو ہنگامی ضرورت کے لئے ہے۔“ پھر فرمانے لگے ”مَیں رومال کی مختلف تہیں کر کے ایک تہہ عموماً ایک ہفتہ استعمال کرتا ہوں اور پھر دوسری اور پھر تیسری اور اس طرح ایک دفعہ کا دھویا ہوا رومال تقریباً دو ماہ کفایت کرتا ہے میرے پاس دو رومال ہیں اور جس دوست نے یہ رومال تحفۃً دئے تھے ان کی وفات کو 27 سال ہو چکے ہیں۔“ اس طرح کسی اور بات کے ضمن میں فرمایا ”مَیں اپنے رومال بنیان جراب قمیص وغیرہ خود دھوتا ہوں۔“ اُس وقت اُن کی ماہوار آمد ساٹھ ہزار روپیہ سے زائد تھی اور اُن کا خرچ تقریباً بارہ سو روپیہ ماہوار تھا۔ اور باقی سب رقم خدا کے راستہ میں اور حاجت مندوں کی ضروریات کو پورا کرنے میں خرچ ہوتی تھی۔

ایک دفعہ گلے کا بٹن کپڑا پہنتے ہوئے گر گیا برادرم مکرم حمید صاحب ڈھونڈنے لگے تو فرمایا ”تم رہنے دو مَیں خود ڈھونڈتا ہوں تم ابھی کہہ دو کے کہ نہیں ملتا میں اور لا دیتا ہوں اور میرے پاس یہ بٹن 45 سال سے ہے۔“ اکثر فرماتے تھے کہ تم تن آسان ہو۔ یورپ جا کر زمین دوز ریل میں سفر کر لیتے ہو لیکن اس طرح کرایہ زیادہ ہوتا ہے اگر فلاں فلاں بس کے ذریعہ اس جگہ اتر کر چند قدم پیدل چل کر دوسری بس لے لو تو کافی رقم بچ جاتی ہے۔ مَیں تو 1930ء سے تقریباً ایسے ہی کر رہا ہوں اور ہر دفعہ کے قیام میں ایک معقول رقم بچ جاتی ہے جو جماعت کو دے دیتا ہوں۔

آپ کی کفایت شعاری اور انفاق فی سبیل اللہ کے واقعات تو پرانے زمانے کی محیّر العقول

داستانیں معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن یہ حقیقت اور امرِ واقعہ ہے جس کے بے شمار لوگ عینی شاہد ہیں۔ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی اس کے پاس کچھ نہیں ہوتا تھا مگر اطمینان سکون اور رضائے الٰہی کی لازوال دولت اسے میسر تھی۔ ہزاروں گھروں میں اس کے دم سے چراغ جلتے تھے۔ ان کی دعائیں ہی اس بے نفس وجود کا سرمایہ اور جائیداد تھی۔ گو جہاں تک مجھے علم ہے اس سخی کی وفات کے وقت اس کی کوئی ظاہری جائیداد نہ تھی۔

(رسالہ خالد دسمبر 1985ء جنوری 1986ء صفحہ 129 تا 130)

* * *

سعادتِ عظمیٰ

حضرت چوہدری صاحب ظفر اللہ خان صاحب تحریر کرتے ہیں

’’حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دستِ مبارک پر بیعت کا شرف حاصل ہونا اپنے لئے سعادتِ عظمیٰ شمار کرتا ہوں اور یقین رکھتا ہوں یہ سعادت فیوضِ آسمانی کے دروازوں کے کھلنے کا موجب تھی۔ ہستی باری تعالیٰ پر زندہ اور محکم یقین اور ایمان اور عشقِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس ناچیز نے حضور سے حاصل کیا۔ قدرت ثانیہ کے مظہر اوّل حضرت حکیم مولانا نورالدین صاحب کی شفقت اور توجہ ایک بہت بڑا انعام تھی۔ آپ کا ارشاد ’’میاں ہم نے تمہارے لئے بہت بہت دعائیں کی ہیں۔‘‘ کس قدر انعامات اور فیوض کی خوشخبری تھا آپ کا اس ناچیز کو اپنے مبارک ہاتھوں سے لکھے ہوئے ناموں میں ظفر اللہ باشی ارشد و ارجمند باشی کے دعائیہ القاب کے ساتھ یاد فرمانا اور ہمت بڑھانا میرے لئے بہت خوشی اور انبساط کا موجوب تھا۔‘‘

(رسالہ خالد دسمبر 1985ء جنوری 1986ء صفحہ 10)

اولاد سے محبت اور ان کی تربیت کے دلکش انداز

محترمہ عائشہ نصرت محترم چوہدری صاحب کی نواسی

میرے ابا کو احمدیت سے بے پناہ محبت تھی۔ نمازوں کے بے حد پابند تھے۔ اور وقت کا بہت خیال رکھتے تھے۔ جب ولایت سے آتے تو یہ سوال ضرور کرتے تھے کہ نماز فجر کس وقت ہوتی ہے؟

جب ابا بیمار ہوئے تو اکثر مَیں رات کو ان کے پاس سویا کرتی تھی۔ رات کو متعدد بار مجھے بلاتے اور کہتے کہ تم مجھے فجر کی نماز کے لئے جگا دو گی؟ مَیں ہر بار کہتی کہ ابا آپ فکر نہ کریں مَیں آپ کو جگا دوں گی پھر ابا کہتے کہ وعدہ خلافی بہت بڑا گناہ ہے۔ ایک مرتبہ انہوں نے مجھے رات کو آواز دی۔ مَیں گئی تو آپ نے مجھ سے پوچھا کہ تم نماز کے وقت مجھے جگا دو گی؟ مَیں نے کہا جی ابا میں آپکو جگا دوں گی تو آپ نے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ اس پر مَیں نے کہا عائشہ۔ ابّا نے کہا جانتی ہو یہ نام کس کا تھا۔ مَیں نے کہا جی ابا میں جانتی ہوں اس پر ابا نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے عزیز حرم کا نام تھا عائشہؓ اگر یہ نام کسی کا ہو اور وہ وعدہ خلافی کرے تو یہ کتنے بڑے گناہ کی بات ہے۔ یہ کہتے ہوئے ابّا کی آنکھیں آبدیدہ ہو گئیں۔ میں نے کہا ابا میں بفضلہٖ تعالیٰ ہمیشہ آپ کو اپنے وعدہ کے مطابق جگاتی ہوں۔ آپ ہرگز فکر نہ کریں۔ مَیں آپ کو جگا دوں گی اس پر ابّا نے کہا ’’ہاں یہ تو مَیں جانتا ہوں مگر اپنی تسلی کے لئے کہہ رہا تھا۔‘‘

مَیں ہمیشہ کالج سے آنے کے بعد ابا کے پاس جاتی تھی کیونکہ آپ نے یہ کہا ہوا تھا کہ ابھی برقعہ بھی نہ اتارے اور میرے پاس آجایا کرے اپنا ورک میرے پاس ہی کیا کرے۔ ایک دفعہ مَیں گئی تو آپ نے مجھ سے پوچھا ’’عائشہ تم مجھ سے کتنا پیار کرتی ہو؟ اس پر مَیں نے کہا ابا جی مَیں آپ سے بے پناہ پیار کرتی ہوں تو آپ نے فرمایا اچھا تو پھر تم میرے لئے دعا کرو کہ میرا خاتمہ

بالخیر ہو اور آسان ہو۔"

اس پر مَیں رونے لگ گئی تو آپ نے فرمایا کہ مَیں جانتا ہوں کہ تم اداس ہو گئی ہو مگر مَیں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ ہم ضرور ملیں گے اور ہمیشہ کے لئے انشاءاللہ۔

جب مَیں چھوٹی سی تھی تو ابا مجھے اپنے پاس سلاتے تھے۔ آپ مجھے سلانے کے لئے کہانیاں سنایا کرتے تھے پھر مَیں صبح اپنی امی سے کہتی کہ ابا مَیں جناب عالی (ابا) کے پاس نہیں سوؤں گی ایک دن امی نے ابا کو بتا دیا کہ یہ تو آپ کی کہانیوں سے بہت ڈرتی ہے اس پر ابا نے کہا کہ مَیں تو بہت وقت لگا کر اس کے لئے کہانیاں بناتا ہوں۔ مَیں تو یہی سمجھتا تھا کہ بچوں کو ایسی کہانیاں پسند ہوں گی۔ (مَیں آٹھ نو سال کی عمر تک ابا کو جناب عالی کہا کرتی تھی) میرے چار بھائی ہیں اس لئے مَیں اپنے آپ کو ہم کہہ کر اور بالکل لڑکوں کی طرح مخاطب کرتی تھی اور کپڑے بھی بھائیوں کی طرح پہنتی تھی ابا ان دنوں گیٹ تک سیر کیا کرتے تھے۔ میری عمر تین ساڑھے تین سال کی تھی اور مَیں اپنی آپا کے ساتھ گیٹ پر کھڑی تھی مَیں نے نکر اور بش شرٹ پہن رکھی تھی۔ ابا نے جب مجھے وہاں دیکھا اور وہ بھی اس حلیہ میں تو آپ میرے پاس آئے اور مجھ سے کہا کہ تم فوراً اندر جاؤ مَیں روتے ہوئے اندر چلی گئی۔ ابّا اندر آئے اور مجھے پیار کیا اور چپ کرایا اور بہت دیر تک میرے کان میں باتیں کرتے رہے۔ آپ بہت پریشان ہو گئے تھے ایک تو اس حال میں دوسرے بغیر کسی مرد کے میں گھر سے اتنی دور کھڑی تھی یعنی اُن کو پردے کا اور حفاظت دونوں کا خیال تھا۔

مَیں نے تقریباً دس سال کی عمر میں برقعہ پہنا تھا۔ اس بار ابا نے مجھے بہت پیار کیا تھا اور اکثر کہتے تھے کہ اس کو اپنے پردے کا بہت خیال ہے۔ میری پڑھائی میں میری طرف خاص توجہ دیتے تھے کہتے تھے کہ امتحانوں میں مجھے ہرگز خط نہ لکھنا ہاں امتحان ختم ہوتے ہی فوراً خط لکھ دیا کرو مجھے اکثر کہتے کہ تم اپنی اردو کی طرف خاص توجہ دو اور اس کے لئے سب سے مفید طریقہ یہ ہے کہ حضرت بانئ سلسلہ احمدیہ کی کتابیں پڑھو۔ یہ تمہارے دین کی سمجھ میں بھی اضافہ کر دیں گی۔ یہ بھی

فرماتے کہ چاہے کچھ الفاظ تمہیں سمجھ نہ آئیں مگر یہ ضرور ہے کہ حضور کی کتابیں کم از کم تین مرتبہ ضرور پڑھنی چاہییے پھر سمجھ تو خدا تعالیٰ پیدا کرے گا۔ انشاء اللہ۔

ایک دفعہ میرے دانت میں بہت تکلیف ہوگئی تو آپ آئے اور میرے بستر پر بیٹھ گئے اور مجھے اپنے سینے سے لگائے بہت دیر تک بیٹھے رہے اور دعائیں کرتے رہے۔

ابا ایک دفعہ میرے لئے بہت ہی خوبصورت گڑیا لائے اور اسے ڈبہ میں سے نکال کر مجھے اسکا نام پڑھ کر سنایا چونکہ نام ذرا مشکل تھا اس لئے مجھ سے کئی بار نام دہرایا تا کہ مجھے یاد ہو جائے۔ جب گڑیا لے کر مَیں اپنے کمرے میں گئی تو مَیں نے فوراً اس کے کپڑے بدل دئے اس کو نہلایا اور اس کے بالوں کو بھی دھو دیا میری امی اچانک اندر آ گئیں ان کو میری یہ عادت بری لگتی تھی انہوں نے ایک ہاتھ سے مجھے پکڑا اور دوسرے سے میری گڑیا کو پکڑا اور سیدھا ابا کے پاس لے گئیں اور شکایت کی کہ آپ اس کے لئے اتنی قیمتی گڑیا لائے ہیں اس نے اُس کا برا حال کر دیا دیکھیں اس نے گڑیا کو بالکل فقیرنی بنا ڈالا ہے اس پر ابا بہت ہنسے اور امّاں سے کہا کہ آپ اسے چھوڑ دیں۔ مَیں تو یہ گڑیا اس کے لئے لایا تھا پھر کیا ہوا اور آ جائے گی۔ جب امّاں چلی گئیں تو ابا نے کہا تم میرے پاس ہی رہو۔ اب باہر مت جانا ورنہ تمہیں پھر ڈانٹ کھانی پڑے گی۔

مَیں رات کو ابا کے Contact Lens اتارا کرتی تھی۔ یہ طریقہ مجھے بھائی نے سکھایا تھا لیکن ابا مجھے ہی بلواتے تھے اور کہتے تھے کہ اس کو اتارنے دو یہی اس کام میں Expert ہے۔

ابا کو اپنی والدہ محترمہ بے بے جی سے بہت محبت تھی۔ آپ جب بھی اُس کا ذکر کرتے تو آبدیدہ ہو جاتے۔ آپ ہمیشہ فرماتے تھے کہ میری والدہ کے ذریعہ سے ہی احمدیت ہمارے خاندان میں آئی۔ آپ کی ہم سب کو یہ خاص ہدایت تھی کہ ہم اپنی پڑ دادی کے لئے کثرت سے دعائیں کریں۔ ابا کے پاس بے بے جی کی ایک تصویر بھی تھی وہ بیٹھنے والی انگیٹھی میں رکھا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ میری نگاہ جب بھی اس پر پڑتی ہے مَیں بے بے کیلئے دعا کرتا ہوں۔

ابا کو اپنی والدہ کے ساتھ بہن بھائیوں کے ساتھ بھی بہت محبت تھی۔ ایک روز مجھ سے کہا کہ تم چار بھائی اور ایک بہن ہوا اسی طرح ہم بھی چار بھائی اور بہن تھے۔ اور پھر کہا کہ میرا ایک بھائی جو کہ بہت نیک تھا مجھے بہت پیارا تھا۔ اس کی وفات کا مجھے بہت ہی غم ہے اور اس فقرہ کو بہت مرتبہ دہرایا۔ اس پر میرے ابو نے جو پاس ہی کھڑے تھے دریافت کیا کہ آپ کے اس بھائی کا نام کیا تھا اُن کی طرف دیکھ کر کہا کہ عبداللہ خان اُس وقت آپ کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

ابا کو بھیاّ (محمد فضل) سے بہت محبت تھی۔ آپ ان کی کامیابی کے لئے بہت دعا کرتے تھے۔ جب بھیاّ نے لندن سکول آف اکنامکس میں ایم ایس سی میں امتیازی پوزیشن حاصل کی تو ابا نے فرمایا ہمارے خاندان میں یہ پہلا شخص ہے جس نے اتنی اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے۔ اور ایک دفعہ یہ بھی فرمایا کہ یہ تو اب مجھ سے بھی زیادہ پڑھ گیا ہے۔ اباّ بھیا کی تعریف میں خاص طور پر اس بات کا ذکر کیا کرتے تھے۔ کہ بھیاّ نے ابا کی بہت خدمت کی ہے۔ آپ کی جب بھی طبیعت زیادہ خراب ہوتی تو آپ کہتے کہ محمد فضل کو بلا دو۔ ایک دفعہ آپ اس قدر بے چین ہو گئے کہ بھیاّ کو انگلستان سے پاکستان بلوا لیا کیونکہ ابا پاکستان میں تھے۔ پھر بھیا سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے تمہیں دو فائدے حاصل ہوئے۔ ایک جلسہ سالانہ میں شمولیت اور دوسرے تمہارے آنے سے مَیں بہت خوش ہوا ہوں۔

مصطفیٰ کو بھی اللہ تعالیٰ نے ابا کی بہت خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔۔ ابا جب لاہور میں مستقل قیام پذیر ہوئے تو مصطفیٰ اپنے پاکستان میں قیام کے دوران باقاعدگی سے آپ کو نماز پڑھاتا۔ اس نے ابا کے لئے Intravenous ٹیکہ لگانا سیکھا اور ابا کو Drip بھی لگاتا تھا اور ابا کو ادویات بروقت دینا بھی اس کی ذمہ داری تھی۔

ابراہیم سے آپ کو خاص محبت تھی۔ اس کو بہت چوما کرتے تھے۔ اس کے متعلق ایسے الفاظ استعمال کرتے جو خاص وجودوں کے لئے ہوا کرتے ہیں اور اپنے خطوں میں یہ ہدایت کرتے تھے

کہ ابراہیم کو خاص طور پر دعاؤں کے لئے کہا جائے۔ آپ فرماتے تھے کہ اس بچہ کا خاص درجہ ہے۔

بیماری کے آخری دو ماہ میں بھیاّ بھابھی اور مصطفیٰ لاہور آ گئے تھے اور بھابھی نے بھی اباّ کی بہت خدمت کی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ میری ممی کی زندگی اباّ کے بعد بالکل بدل گئی تھی اور ہم سب بچوں کا بھی حال کچھ ایسا ہی ہے۔ اباّ بہت یاد آتے ہیں اور ان کی کمی بہت محسوس ہوتی ہے لیکن ہم سب اللہ کی رضا پر راضی ہیں۔ گو اداسیاں بہت ہیں اور اباّ کے بغیر زندگی ناممکن معلوم ہوتی ہے۔ وہ اب میرے پاس موجود نہیں ہیں جب کے لاڈ پیار کی مجھے عادت تھی لیکن اللہ تعالیٰ کے اس عظیم فضل اور رحم کی مَیں ہمیشہ شکر گزار رہوں گی کہ ایسے بابرکت اور پُرنور وجود نے مجھ سے اتنی محبت کی اور میرے دل میں بھی ان کے لئے شدید جذبہ پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ مجھے توفیق دے کہ اس محبت کی برکات سے ہمیشہ ہدایت حاصل کرتی رہوں اور جب اللہ تعالیٰ وہ وقت لائے کہ ان سے ملاقات ہو تو وہ مجھ سے خوش ہوں۔ آمین

(رسالہ خالد دسمبر 1985ء و جنوری 1986ء صفحہ 131 تا 134)

◆

چل بسا ہے اے وطن تیرا بطل جلیل
جو کڑے وقتوں میں تیرے کام آیا تھا بہت

عبد الکریم قدسی

حاصل زیست

محترمہ سعدیہ محمد صاحبہ

(محترمہ سعدیہ محمد صاحبہ حضرت چوہدری صاحب کی رضاعی نواسی اور حقیقی نواسے کی رفیق حیات ہیں۔ آپ کے تاثرات ہدیہ قارئین ہیں۔)

جب مَیں نے ہوش سنبھالا اُس وقت سے ہم بڑے باباجی کا نام اور تعریف سُنتے آرہے تھے اور کم سنی میں اُن سے کئی بار ملیں بھی ہوں گے لیکن خاص ملاقات کا شرف چھ سات سال کی عمر میں ملا۔ جلسے کے ایّام تھے اور بڑے باباجی ربوہ تشریف لائے ہوئے تھے مجھے بڑی شدید خواہش تھی کہ مَیں آپ سے ملوں کیوں کہ آپ کا ذکر ہمارے گھروں میں اکثر ہوتا رہتا تھا اور میری امّی کو آپ کے خط بھی آتے تھے جو دعاؤں سے بھرے ہوئے ہوتے تھے۔

مجھے امی نے ان اصولوں کے متعلق خوب سمجھایا ہوا تھا جس کی وجہ سے میرے دل میں ڈر بھی تھا اور ملنے کا شوق بھی۔ ایک دن امّی مجھے آپ سے ملانے کے لئے لے گئیں۔ مَیں نے سلام کیا اور بہت ڈر اور ادب اور خاموشی سے وہاں بیٹھ گئی۔ آپ سے دعا کی درخواست کی۔ تھوڑی دیر بعد امی مجھے وہاں سے لے آئیں اس کے بعد کئی بار میری حضرت بڑے باباجی سے ملاقات ہوئی مگر ادب کی وجہ سے آپ سے بات کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔

قدرت ثانیہ کے چوتھے مظہر حضرت مرزا طاہر احمد صاحب منصب امامت پر فائز ہونے کے بعد پہلی مرتبہ لاہور تشریف لائے تو حضرت بڑے باباجی بھی لاہور میں تھے ان دنوں میں تو آپ دونوں کی مصروفیت تو قابل دید تھیں مگر اس کے باوجود مجھے ایک دن حضرت بڑے باباجی سے ملاقات کا موقع مل گیا۔ اس دفعہ ان کی شفقت و محبت کا نیا انداز تھا۔ بظاہر زبان سے آپ نے کچھ نہیں کہا لیکن نظر میں گہرائی تھی۔ اس کے بعد کئی مرتبہ آپ سے ملاقات ہوئی اور ہر بار اس

شفقت میں مَیں نے اضافہ پایا۔ میرے دل میں آپ کے لئے ہمیشہ سے ہی وہی ادب و احترام اور مقام رہا جو بچپن سے دل میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس لئے مَیں نے آپ سے کبھی نظر اُٹھا کر بات کرنے یا بات کا جواب دینے کی جرأت نہیں کی جب ملاقات ہوتی تو سلام کرتے ہوئے جو پہلی نظر پڑ جاتی وہی آخری نظر ہوتی تھی آپ نے کئی مرتبہ اپنے قریب کی نشست پر بیٹھنے کے لئے اشارہ کیا جہاں آپ اشارہ کرتے وہیں بیٹھ جاتی اس سے مجھے آپ کے بہت قریب بیٹھنے کا بھی کئی بار موقع ملا۔

شادی کے دن آپ سے ملنے کے لئے جب آپ کے کمرے میں گئی تو بڑی محبت سے آپ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا۔ دعائیں دیں اور اپنے پاس بٹھائے رکھا اور چند روز بعد مجھے اپنے ملازم کے ہاتھ پیغام بھجوایا کہ آپ مجھے بلا رہے ہیں۔ مَیں بہت حیران بھی ہوئی اور ڈر بھی لگا کہ نہ جانے کون سی بات ہے کہ مجھے اکیلے بلایا ہے مَیں نے سلام کیا اور آپ کے پاس بیٹھ گئی کچھ باتیں کرنے کے بعد مجھ سے پوچھا Does he treat you well? (کیا یہ (میرے میاں) مجھ سے اچھا سلوک کرتے ہیں) اس بات سے مجھے اندازہ ہوا کہ آپ کو میرا کتنا خیال تھا۔ اور کتنا منصفانہ رویہ تھا کہ اپنے نواسے کے متعلق پوچھ رہے ہیں کہ اُن کا تُم سے کیسا سلوک ہے۔ باوجود اس کے کہ آپ اپنے نواسے کو ساری عمر سے جانتے ہیں اور اُن سے اتنی محبت کرتے ہیں پھر مجھے بھی موقعہ دیا کہ میں اپنی کیفیت بیان کروں۔

آپ کی بیماری کے دوران بہت سے غیر معمولی واقعات ایسے ہوئے کہ ایک عام انسان تصّور بھی نہیں کر سکتا۔ آپ اتنے شدید علیل تھے اور کئی روز تک گہری نیند میں رہے لیکن ان سب کے باوجود آپ کا حافظہ بہت اچھا تھا۔ جب بھی آپ کی آنکھ کھلتی تو آپ اپنی نماز کے بارے میں پوچھتے اور کہتے کہ کیا وقت ہے۔ مجھے نماز پڑھاؤ۔ ایسے کئی پرانے عزیزوں اور خدمت گزاروں کو (جو کہ فوت ہو چکے تھے) یاد کرتے اور ان کا ذکر کرتے تھے۔

آپ کی بیماری کے ایام میں خدا تعالیٰ نے مجھے ان کی خدمت کرنے کا موقع بھی عطا فرمایا۔

ایسی ہستی جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کی اور اُن کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اُن کی خدمت ہمارے لئے بہت بڑا انعام ہے اور باوجود اس کے کہ میری رہائش گاہ انگلستان میں ہے مجھے دو ماہ کا عرصہ متواتر آپ کی صحبت میں گزارنے کا موقع ملا۔ اور آپ کی خدمت کی توفیق پائی۔ ان ایام نے میری زندگی پر بہت گہرا اثر چھوڑا اور مَیں نے آپ کی صحبت سے بہت کچھ پایا ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو بلند درجات عطا فرمائے۔ اور اپنا قرب عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

(رسالہ خالد دسمبر 1985ء وجنوری 1986ء صفحہ 135 تا 136)

◆

محترم محمد ظفر اللہ خانؓ صاحب کی لکھی کتابیں

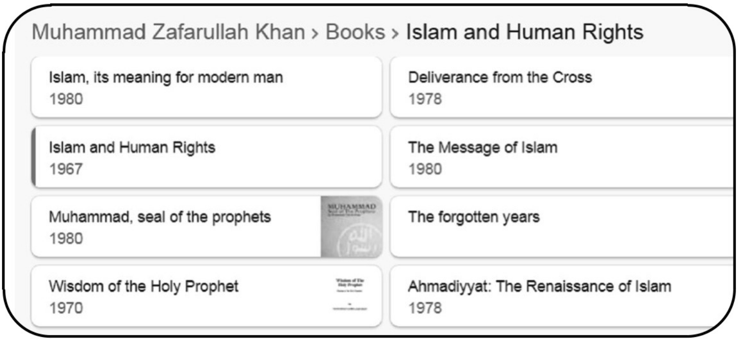

Muhammad Zafarullah Khan › Books › **Islam and Human Rights**

Islam, its meaning for modern man
1980

Deliverance from the Cross
1978

Islam and Human Rights
1967

The Message of Islam
1980

Muhammad, seal of the prophets
1980

The forgotten years

Wisdom of the Holy Prophet
1970

Ahmadiyyat: The Renaissance of Islam
1978

روشن روشن

مکرم محمود نصر اللہ خان ابن مکرم شکر اللہ خان صاحب

پاکستان بننے کے بعد پانچ کلنکٹن روڈ پر جو مکان محترم بابا جی کو سرکاری رہائش کے لئے ملا وہ متروکہ املاک کا مکان تھا۔ ان کی بیگم صاحبہ نے ان کو کہا کہ ان کا فرنیچر اور قالین وغیرہ بوسیدہ ہے P.W.D والوں کو کہہ کر اس کو بدلوا دیں۔ محترم بابا جی نے کہا کہ اس پاکستان کے خزانہ کی حالت میں جانتا ہوں اور ہمارا گزارہ ٹھیک ٹھاک چل رہا ہے مَیں نہیں چاہتا کہ ہمارا فرنیچر بدلوانے کے لئے خزانہ پر بوجھ ڈالوں۔

مَیں نے ہمیشہ اُن کی یہ عادت دیکھی کہ جب وہ اپنے سونے والے کمرے میں غسل خانہ میں جاتے تو غسل خانہ کی بتی جلا کر اپنے کمرے کی بتی بجھا دیتے۔ اور غسل خانے سے نکلتے تو سونے والے کمرے کی بتی جلا کر غسل خانہ کی بتی بجھا دیتے۔ مَیں نے کبھی بھی ان کی دو بتیاں ایک ساتھ جلتے ہوئے نہیں دیکھی۔

1943ء کی بات ہے کہ گرمیوں کے دنوں میں آپ کسولی تشریف لے گئے ہوئے تھے۔ ایک ضروری سرکاری کام کے لئے ان کو کسولی سے دہلی جانا پڑا۔ اور جاتے وقت گھر میں بتا گئے کہ مَیں فلاں تاریخ کو گھر میں دوپہر کے کھانے میں آجاؤں گا۔ جس دن انہوں نے پہنچنا تھا دوپہر کا ایک بجنے والا تھا (دوپہر کا کھانا وہ ایک بجے کھایا کرتے تھے) کہ ملازم نے بیگم صاحبہ کو آ کر کہا کہ ایک بجنے والا ہے کھانے کا وقت ہو گیا ہے حضرت چوہدری صاحب ابھی تک واپس نہیں آئے کھانے کے لئے کیا حکم ہے۔ ان کی بیگم صاحبہ نے ملازم سے کہا کہ تم کھانا ایک بجے کھانے والی میز پر رکھ دو ہم اپنا فرض ادا کر دیں۔ جونہی ایک بجا محترم بابا جی تشریف لے آئے اور آتے ہی کھانے کی میز پر پہنچ گئے۔ میں نے دریافت کیا کہ بابا جی آپ نے تو کھانے سے قریباً آدھ گھنٹہ

قبل ٹیکہ لگوانا ہوتا ہے۔ وہ نہیں لگوایا۔ انہوں نے جواباً فرمایا کہ راستہ میں مَیں نے وقت دیکھ لیا تھا اور اندازہ کر لیا تھا کہ آدھے گھنٹہ تک گھر پہنچ جاؤں گا اس لئے میں نے عبدالکریم ڈرائیور کو کہا کہ گاڑی ایک طرف کھڑی کرو تا کہ میں ٹیکہ لگوا لوں اس طرح مَیں نے دوران سفر ہی ٹیکہ لگوا لیا تھا اور اب میں وقت پر ہی کھانا کھا رہا ہوں۔

پاکستان بننے سے قبل شام کی چائے پر چند دوست آجایا کرتے تھے جن میں عموماً محترم میجر جنرل نذیر احمد صاحب (مرحوم) محترم چوہدری بشیر احمد صاحب (مرحوم) اور محترم شیخ اعجاز احمد صاحب ہوتے تھے۔ ان کے ساتھ یہ بات طئے ہوتی تھی کہ جو بھی فقرہ جس زبان میں بولا جائے پورا فقرہ اسی زبان میں ادا کیا جائے۔ یعنی پنجابی کے فقرہ میں تمام الفاظ پنجابی کے ہوں اور انگریزی کے فقرہ میں تمام الفاظ انگریزی کے ہوں کسی دوسری زبان کا الفاظ استعمال نہ کیا جائے۔ اور جو بھی اپنے فقرے میں کسی دوسری زبان کا لفظ کا استعمال کرے تو اُس کو دو آنے فی لفظ جرمانہ ہوا کرے گا۔ مجھے یاد ہے کہ ان تمام دوستوں کو اس شرط پر ہمیشہ جرمانے ہوئے مگر محترم بابا جی کو کبھی بھی کوئی جرمانہ ادا نہیں کرنا پڑا۔

جب بابا جی دفتری کام کرتے کرتے تھک جاتے تو فیصلہ کرتے کہ میں پندرہ منٹ کے لئے اب سو جاؤں کرسی پر بیٹھے بیٹھے ہی سو جایا کرتے اور ٹھیک پندرہ منٹ بعد اٹھ جایا کرتے۔

جب وہ فیڈرل کورٹ کے جج تھے تو تھوڑی دیر کے لئے ہاتھ پر ٹھوڑی رکھ کر آنکھیں بند کر لیتے۔ ایک دفعہ اس حالت میں وکیل صاحب نے عدالت میں بحث کر رہے تھے۔ انگریزی میں کہا کہ جج صاحب تو سو رہے ہیں بحث کس کو سناؤں محترم بابا جی سے سر اٹھایا اور وکیل صاحب کو فرمایا کہ

میرے محترم وکیل نے ایک پوائنٹ یہ کہا ہے دوسرا پوائنٹ یہ کہا ہے اور تیسرا پوائنٹ یہ کہا ہے کیا وکیل صاحب اب بھی یہ سمجھتے ہیں کہ مَیں سویا ہوا تھا۔

یہ بات سُن کر وکیل صاحب حیران ہو گئے۔ اور انہوں نے معذرت چاہی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ محترم بابا جی کو اپنے فضل سے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ اور ان کے اخلاقِ عالیہ کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

(رسالہ خالد دسمبر 1985ء و جنوری 1986ء صفحہ 137 تا 138)

◆

محترم محمد ظفر اللہ خان ؓ صاحب کی لکھی کتابیں

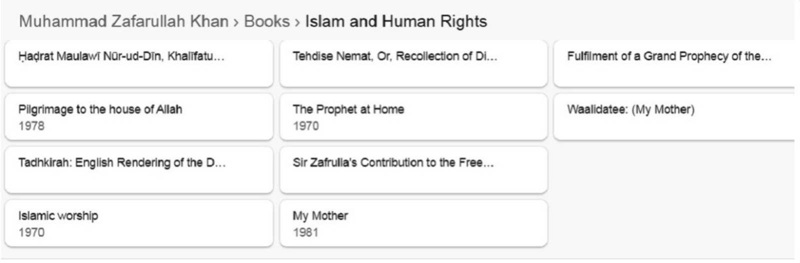

Muhammad Zafarullah Khan › Books › **Islam and Human Rights**

Ḥaḍrat Maulawī Nūr-ud-Dīn, Khalīfatu...

Tehdise Nemat, Or, Recollection of Di...

Fulfilment of a Grand Prophecy of the...

Pilgrimage to the house of Allah
1978

The Prophet at Home
1970

Waalidatee: (My Mother)

Tadhkirah: English Rendering of the D...

Sir Zafrulla's Contribution to the Free...

Islamic worship
1970

My Mother
1981

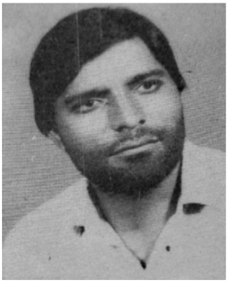

اخلاقِ کریمانہ کی ایک پُرکیف جھلک

حضرت چوہدری صاحب کے خادمِ خاص

مکرم نصیب اللہ قمر صاحب کی نظر سے

خاکسار 1974ء میں جماعتی ڈیوٹی کے سلسلہ میں اپنے بھائی مکرم ریاض احمد صاحب ججہ کے ساتھ موضع گھنوکے ججہ ضلع سیالکوٹ سے لاہور آیا کچھ دنوں کے بعد مکرم عبدالمالک خاں صاحب کے ذریعہ محترمہ بیگم امۃ الحئی صاحبہ سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے بعض سوالات دریافت فرمائے اور مجھے اپنا ملازم رکھ لیا اور اُس وقت سے آج تک محترم چوہدری حمید نصراللہ خان صاحب اور بیگم امۃ الحئی صاحبہ نے مجھ سے اپنے بچوں جیسا سلوک کیا۔ اور مَیں نے بھی ماں باپ کی طرح بفضل خدا خدمت کی توفیق پائی۔ الحمدللہ۔

جب حضرت چوہدری صاحب 1984ء میں پاکستان تشریف لائے تو محترمہ امۃ الحئی بیگم صاحبہ نے مجھے اپنے پاس بلایا اور فرمایا ’’نصیب اللہ مَیں تمہیں اپنا بیٹا سمجھتی ہوں اس لئے آج سے تمہاری ڈیوٹی حضرت چوہدری صاحب کے ساتھ ہوگی۔‘‘ یہ سراسر اُن کی شفقت تھی۔

من آنم کہ من دانم

میرے ذمہ کام یہ لگایا گیا ہے کہ رات کو حضرت چوہدری صاحب کے پاس سونا ہے۔ باقی اکثر کام مکرم مصطفیٰ صاحب کے سپرد کئے گئے جو اُن کے نواسے ہیں۔ نیز بیگم صاحبہ نے مجھے فرمایا کہ ’’بیٹے آج سے ابا جان کو نمازیں بھی آپ پڑھائیں گے۔‘‘ اس حکم پر خاکسار لرز گیا اور بہت رویا کہ کہاں حضرت چوہدری صاحب کے تقویٰ کا بلند مقام اور کہاں یہ گناہ گار عاجز و کمزور انسان۔ خاکسار نے حضرت چوہدری صاحب سے بھی دعا کی درخواست کی اور جہاں تک میرے رب نے

مجھے توفیق دی یہ ڈیوٹی سرانجام دی۔ اور کوشش کی کہ حضرت چوہدری صاحب کو کوئی شکایت نہ ہو۔ حضرت چوہدری صاحب میری غلطیوں کی پردہ پوشی فرماتے اور ساتھ ساتھ میری اصلاح بھی کرتے تھے جب غلطی ہوتی تو فرماتے ”پریشانی کی کوئی بات نہیں سب ٹھیک ہوجائے گا۔“

جب خاکسار گھر میں نہ ہوتا اور گھر کے ضروی کام کے سلسلہ میں باہر جاتا تو محترم چوہدری حمید نصر اللہ صاحب نماز پڑھادیتے اور اگر وہ بھی جماعتی کام میں مصروف ہوتے تو کسی اور کو بلاتے اور فرماتے ”دیکھو مولوی ایسٹ اینڈ ویسٹ کو کہہ دیں کے مجھے نماز پڑھادیں۔“ یہ نام پیار سے انہوں نے مولوی عبدالمالک خاں صاحب کا رکھا ہوا تھا۔

اس سارے وقت میں مکرم مصطفیٰ نصر اللہ خان صاحب، محترمہ عائشہ نصرت جہاں صاحبہ، محترم چوہدری نصر اللہ خان صاحب اور خاکسار ہمہ وقت خدمت میں حاضر رہتے لیکن جب مصطفیٰ نصر اللہ خان صاحب اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان چلے گئے تو محترم چوہدری حمید نصر اللہ صاحب، محترمہ عائشہ نصرت جہاں صاحبہ، محترم محمد فضل صاحب جو اُن کے بڑے نواسے ہیں اور محترم بیگم صاحبہ امۃ الحئی صاحبہ نے کمال خدمت کا حق ادا کیا جو سراسر اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے۔

خاکسار کو دن اور رات کو اکثر وقت اُن کے پاس گزارنے کا موقعہ ملا۔ آپ دعاؤں اور ذکر الٰہی میں اپنا وقت گزارتے۔ اور اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر رہتے۔ انتہائی بیماری کی حالت میں بھی آپ نماز باجماعت ادا کرتے رہے۔ اور حضور اور جماعت کے لئے اس قدر انہماک سے دعا کرتے جس کا ذکر کرنا خاکسار کے لئے بہت مشکل ہے اور مَیں اُن کی وہ حالت بیان نہیں کرسکتا۔ امامِ جماعت کے ہر ارشاد کی تعمیل کرنا اپنا اوّلین فرض سمجھتے۔ عقیدت کا یہ عالم تھا کہ جب بھی آپ بانئ جماعت احمدیہ اور آپ کے نائبین کا ذکر کرتے تو دیکھنے والا کہتا کہ کاش اس عاشق احمدیت کی طرح عقیدت کا کچھ حصہ ہمیں بھی نصیب ہو۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو عاجزی کا بھی اعلیٰ مقام عطا فرمایا تھا۔ چنانچہ جب بھی ذکر کرتے تو ”مَیں اپنے رب کے کس کس انعام کا شکر ادا کروں جو اُس

نے محض شفقت واحسان سے مجھ پر فرمائے۔'' اور یادالٰہی میں آپ کی تڑپ خاکسار الفاظ میں بیان کرنے سے قاصر ہے۔ جب بھی آپ کو بیماری وغیرہ کی وجہ سے زیادہ تکلیف ہوجاتی تو صرف نماز کا ہی پوچھتے اور اگر نماز کا وقت ہوجاتا تو فرماتے مجھے نماز پڑھا دو۔

آخری بیماری میں اور اس سے قبل بھی آپ رسالہ خالد اور تشحیذ الاذہان کا باقاعدگی سے مطالعہ فرماتے جب الفضل شائع ہوتا تو صبح انگریزی اخبار کے ساتھ اس کا مطالعہ بھی کرتے تھے۔

حضرت چوہدری صاحب خاکسار سے بہت پیار اور محبت کرتے ایک دن کی بات ہے خاکسار کسی دوائی کے سلسلہ میں بازار گیا وہاں دیر ہوگئی جب واپس آیا تو آپ نے فرمایا۔ تم کہاں گئے تھے؟ عرض کیا دوائی لینے فرمایا دوائی ضروی ہے یا دعا؟ مَیں نے کہا دعا۔ فرمایا دعا کا بہترین ذریعہ نماز ہے اس لئے آئندہ جب بھی نماز کا وقت ہو مجھے پہلے نماز پڑھائیں اور پھر کوئی اور کام کریں۔

بعض اوقات شدت بیماری کی وجہ سے طبیعت بے چین ہوتی اور رات کو نیند نہ آتی تو مجھ سے پہلے نماز کا پوچھتے۔ مَیں عرض کرتا ابھی اتنا وقت باقی ہے تو پھر مجھ سے باتیں کرتے ان میں اپنی والدہ صاحبہ، اور والد صاحب کی قبولِ احمدیت کا واقعہ پھر بین الاقوامی واقعات کا ذکر فرماتے اور فرماتے ''مَیں بے حد کمزور اور ناچیز اور گناہگار ہوں مگر اس رب کا کس طرح شکریہ ادا کروں جس نے مجھ پر بے پایاں انعامات فرمائے جو اُس کا فضل اور احسان ہے۔''

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت چوہدری صاحب کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ہم سب کو اُن کی خوبیاں اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

◆

وہ جو انسانیت کا کردار تھا

محبت و شفقت، لُطف اور احسان اور نصیحت کا موہ لینے والا انداز

مکرم شمشاد احمد قمر صاحب

مکرم شمشاد احمد قمر کو وسط 1984ء میں 3 ماہ تک حضرت چوہدری صاحب کے خادمِ خاص کے طور پر خدمت کی توفیق ملی۔ ان کے تاثرات پیشِ خدمت ہیں۔“

تین ماہ کی قلیل مدت میں خاکسار نے حضرت چوہدری صاحب کی ہستی کو کیسا پایا؟ اس بات کا جواب مَیں محسوس تو کر سکتا ہوں مگر احاطہ تحریر میں لانا میرے بس سے باہر ہے۔

حضرت چوہدری صاحب سے پہلی ملاقات کا شرف کچھ اس طرح سے حاصل ہوا کہ (قیادت گلبرگ لاہور کے) ہم چار خدام چوہدری صاحب کی کوٹھی پر ڈیوٹی کے لئے گئے۔ ہم باہر برآمدے میں بیٹھے تھے کہ چوہدری صاحب ویل چیئر پر باہر گھومنے کے لئے تشریف لائے اور ہم اپنی جگہ جہاں ڈیوٹی تھی کھڑے ہو گئے۔ ہمیں کھڑے ہوئے دیکھ کر انہوں نے ملازم سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں جو یہاں کھڑے ہیں؟ ملازم نے بتایا کہ وہ خدام ہیں جو ڈیوٹی دے رہے ہیں۔

نصیحت کا لطیف انداز

تقریباً آدھ گھنٹہ سیر کرنے کے بعد چوہدری صاحب اندر تشریف لے گئے اور ملازم سے فرمایا کہ جو لڑکے ڈیوٹی پر ہیں۔ ان سے کہیں کہ باری باری اندر آ کر مل جائیں۔ ہم سب ننگے سر

تھے اور اس حالت میں آپ کے سامنے جانے میں شرم محسوس کرتے تھے۔ جلدی جلدی کسی نے رومال باندھا اور کسی نے ٹوپی لی اور باری باری اندر گئے اور ملاقات کا شرف حاصل کرتے رہے۔ اب یہ اتفاق تھا کہ میرے گریبان کا اوپر کا بٹن کھلا ہوا تھا۔ جب مَیں اندر داخل ہوا تو چوہدری صاحب اندر صوفہ پر تشریف فرما تھے۔ مَیں نے جا کر السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا اور شرفِ مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا چوہدری صاحب بجائے ہاتھ ملانے کے اپنے دونوں ہاتھ میرے گریبان تک لے گئے اور بٹن بند کرنے لگے اور فرمایا کہ ’’پہلے یہ بٹن بند کرلو اس کے بعد مصافحہ کیونکہ اس طرح بٹن کھلے رکھنا شریف آدمی کا کام نہیں۔‘‘ یہ لطیف اندازِ نصیحت مجھے ہمیشہ یاد رہے گا۔ گو مَیں عام طور پر بٹن کھلا نہیں رکھتا تھا اور اگرچہ اسی طرح کا ایک واقعہ مکرم چوہدری صاحب کے متعلق پہلے بھی مَیں کسی سے سُن چکا تھا اس کے باوجود پتہ نہیں اُس دن کیسے غلطی ہوگئی بہرحال اس کے بعد فرمایا کہ

’’یہ ڈیوٹی جو تم دے رہے ہو دل میں یہ خیال نہ کرنا کہ میرے لئے دے رہے ہو کیونکہ حفاظت کرنا تو خدا تعالیٰ کا کام ہے۔ اس لئے اس ڈیوٹی کو محض اللہ کی رضا اور جماعت کی اطاعت کرتے ہوئے ادا کرو۔‘‘

اس کے بعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے ہوئے مصافحہ کیا اور خاکسار اس مصافحہ کی مسرت محسوس کرتا ہوا باہر آ گیا۔

ابھی تھوڑے دن گذرے تھے کہ قائد صاحب مجلس خدام الاحمدیہ گلبرگ لاہور مکرم عبدالحلیم طیب صاحب کو مکرم نائب امیر صاحب جماعت احمدیہ ضلع لاہور نے فرمایا کہ کوئی ایسا خادم ڈیوٹی کے لئے دیں جو ہر وقت حضرت چوہدری صاحب کے پاس رہے اور آپ کو نماز وغیرہ پڑھائے کیونکہ آپ نماز باجماعت کے عادی ہیں نیز چوہدری صاحب کا خیال بھی رکھے۔

مجلس خدام الاحمدیہ کو ہمیشہ یہ فخر رہا ہے کہ جب بھی چوہدری صاحب کے لئے یا دوسرے

جماعتی کاموں کے لئے خدام کی ضرورت پڑی قیادت اور خاص طور پر حلقہ گلبرگ سب سے آگے نظر آتا ہے اور ویسے بھی چوہدری صاحب کی کوٹھی قیادت گلبرگ میں ہی آتی ہے۔ کچھ اس نسبت سے بھی اس قیادت کو چوہدری صاحب کی خدمت کرنے کا خاصا موقعہ ملا۔ جس سے مجلس خدام الاحمدیہ گلبرگ نے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ خاکسار نے اُن دنوں ایف۔ اے کا امتحان دیا تھا اور فارغ تھا۔ اس لئے مکرم قائد صاحب نے خاکسار کو اس خدمت کے لئے چُنا۔ اس طرح خاکسار کو یہ خدمت بجالانے کی سعادت حاصل ہوئی۔

پہلے دن قائد صاحب خاکسار کو حضرت چوہدری صاحب کی کوٹھی پر چھوڑ آئے۔ چوہدری صاحب کے چھوٹے نواسے مکرم مصطفیٰ نصر اللہ خان صاحب مجھے اندر چوہدری صاحب کے کمرے میں لے گئے اور چوہدری صاحب سے خاکسار کا تعارف کروایا اور آپ سے کہا کہ یہ یہاں آپ کے پاس رہیں گے۔ اور جب آپ کو ضرورت پڑے بُلا لیں۔

فارسی اور پنجابی پر دسترس

ان کے چلے جانے کے بعد چوہدری صاحب نے خاکسار کو اپنے پاس بلایا اور نام پوچھا۔ خاکسار نے عرض کیا کہ میرا نام شمشاد احمد ہے ‘‘شمشاد’’ کا لفظ سُن کر چوہدری صاحب نے اندازاً سات آٹھ فارسی اشعار ایسے پڑھے جن میں شمشاد کا لفظ آتا تھا ان میں سے ایک شعر میرے ذہن میں ہے۔

مرادر خانہ سروے ہست کا ندر سایہ قدّس
فراغ از سروبستانی و شمشادِ چمن دارم

آپ کی انگلش کے متعلق تو بہت چرچے سُنے تھے مگر فارسی میں دسترس دیکھ کر حیران رہ گی۔ شعر پڑھنے کے بعد خاکسار سے پوچھا کہ کیا تمہیں فارسی آتی ہے؟

عرض کیا جناب مجھے تو فارسی بالکل نہیں آتی۔ فرمانے لگے آنی چاہیے کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام کا بہت سا حصہ فارسی میں ہے۔ یہ حضور کے کلام کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے۔ پھر پوچھا کہاں کہ رہنے والے ہو؟ مَیں نے عرض کیا کہ ہمارا اصل گاؤں تو تخت ہزارہ ضلع سرگودھا ہے مگر اس وقت لاہور ہی میں رہتے ہیں۔ پھر فرمایا اچھا وہی تخت ہزارہ جہاں کا رانجھا تھا۔ فرمایا پھر تو بڑے مشہور گاؤں کے رہنے والے ہو۔ پھر کوئی چھ سات شعر ہیر وارث کے پڑھے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کو تو پنجابی اشعار بھی کافی تعداد میں یاد ہیں۔ فرمایا اللہ کا کرم ہے کہ اُس نے مجھے یہ حافظہ عطا فرمایا۔ ورنہ میری کیا طاقت تھی کہ یہاں تک پہنچ جاتا۔ پھر فرمایا کہ اس کتاب کہ یہ شعر اب بھی میری نظر کے سامنے ہیں کہ مَیں نے کس صفحے سے پڑھے تھے اس صفحے کا نشان کیا تھا اور اس کی عبارت کی تھی۔ یہ سب میرے ذہن میں ہے۔ آپ کا لباس بالکل سادہ تھا سفید رنگ کی شلوار قمیض ہوتی تھی۔ سردیوں میں کوٹ وغیرہ پہنتے تھے لیکن باقی مہینوں میں آپ کو سفید رنگ کے علاوہ کسی دوسرے رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے نہیں دیکھا۔ لباس کا ہر طرح خیال رکھتے، صفائی نفاست، اور وقار خوب جھلکتا تھا۔

ایک دفعہ نماز کا وقت ہو گیا فرمانے لگے نماز پڑھا دو۔ مَیں باتھ روم میں وضو کر کے نکلا اور جائے نماز بچھا کر نماز پڑھانے لگا۔ مَیں نے آستینیں کہنیوں تک چڑھائی ہوئی تھیں فرمایا پہلے آستینیں نیچے کر کے بٹن بند کرو۔ اس طرح چھوٹی چھوٹی باتوں کا بھی خیال رکھتے تھے۔

روزمرہ کا پروگرام

روزمرہ کے معمول کے مطابق صبح تہجد ادا کرتے اور اس کے بعد نماز فجر ساڑھے چار بجے پڑھتے تھے۔ پھر بستر پر لیٹے ہی تسبیح تحمید وغیرہ میں مصروف رہتے تھے یا اگر نیند آتی تو سو جاتے۔ ناشتہ تقریباً ساڑھے سات بجے تک کرتے تھے ساڑھے آٹھ نو بجے تک اپنے کمرہ سے نکل کر باہر ہال میں آجاتے تھے اور ایک بجے تک مطالعہ میں مصروف رہتے۔ مطالعہ میں اخبار رسائل اور

دوسری کتابیں رہتی تھیں۔

ڈیڑھ بجے ظہر اور عصر جمع کر کے پڑھتے اور دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد ڈھائی بجے کے قریب اپنے بستر پر استراحت فرماتے۔ شام سے ایک گھنٹے پہلے دوبارہ اٹھتے اور پھر ہال میں تشریف لے آتے۔ اس دوران اگر کوئی دوست یا کوئی ملاقات کرنے والا ہوتا تو اُس سے ملتے تھے یا پھر مطالعہ کرتے تھے۔ پونے آٹھ بجے مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھاتے اور اس کے بعد شام کا کھانا کھاتے اور اس دوران شام کا کھانا کھاتے اور اس دوران یعنی کھانے کے وقت آپ کی صاحبزادی محترمہ امۃ الحئی بیگم صاحبہ آپ کے پاس بیٹھتی تھیں اور شام کا کھانا وہ خود اپنے ہاتھ سے آپ کو کھانا کھلاتیں اور تقریباً ایک گھنٹہ آپ کے ساتھ باتیں وغیرہ کرتیں۔

ویسے تو سارا دن آپ کے پاس چکر لگاتی رہتیں لیکن رات کو کھانے کے وقت خصوصاً آپ کے پاس بیٹھتیں۔ پھر دوا وغیرہ کھلا کر آپ کو بستر پر لٹا کر چلی جاتیں۔ اور رات کو پھر افراد خانہ آپ کی طبیعت دیکھنے کے لئے چکر لگاتے رہتے۔

آپ سب نمازیں باجماعت ادا کرتے اور خاکسار کو آپ کی نماز کی امامت کروانے کا شرف حاصل رہا۔ بیماری کی وجہ سے کھانا بہت نرم کھاتے تھے۔ سبزیوں کو باریک کر کے ان کی ٹکیاں بغیر مرچ کے کباب کی مانند بنی ہوتی تھیں جو آپ کھاتے تھے۔ اور ان کے علاوہ پھلوں کا جوس نوش فرماتے تھے۔ کسی دن طبیعت زیادہ خراب ہونے کی وجہ سے روزمرہ کے کاموں میں بے قاعدگی آ جاتی تھی۔

بیماری کی وجہ سے خود اٹھ نہیں سکتے تھے بازو سے پکڑ کر خاکسار یا کوئی اور اٹھاتا اور سہارے سے ہی چلتے تھے۔ جس دن کبھی طبیعت اچھی ہوتی ویل چیئر پر باہر سیر بھی کرتے تھے۔ بنیادی طور پر آپ کا علاج مکرم ڈاکٹر وسیم احمد صاحب ہی کرتے لیکن طبیعت زیادہ خراب ہونے پر مکرم ڈاکٹر لطیف احمد صاحب قریشی اور ڈاکٹر مبشر احمد صاحب ربوہ سے اور ڈاکٹر نوری صاحب اسلام آباد سے

اور ڈاکٹر جنرل محمود الحسن صاحب راولپنڈی سے تشریف لاتے تھے۔

ویسے تو تمام افراد خانہ چوہدری صاحب کی بہت خدمت کرتے تھے اور آپ کا خیال رکھتے تھے لیکن آپ کے نواسے مکرم مصطفیٰ نصر اللہ خاں صاحب نے آپ کی بہت خدمت کی۔ انہوں نے ڈاکٹروں اور نرسوں والی ڈیوٹی پورے طور پر نبھائی۔ لمحہ لمحہ آپ کا خیال رکھتے اور ساری رات وقفہ سے آپ کے پاس چکر لگاتے انہوں نے آپ کی خدمت میں رات کی نیند کو بھی اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ آج تک میں نے کسی نواسے کو اپنے نانا کی اتنی خدمت کرتے نہیں دیکھا۔ جتنی مکرم مصطفیٰ نصر اللہ خان صاحب نے کی۔

نماز کا خیال

مکرم چوہدری صاحب کو نماز کی بہت فکر رہتی تھی۔ صرف اور صرف نماز کا خیال تھا جو آپ کو بار بار آتا تھا۔ رات کو بہت کم سوتے تھے تقریباً ہر پون گھنٹے یا گھنٹے کے بعد جاگتے اور خاکسار کو آواز دے کر بلاتے اور نماز کا پوچھتے کہ کتنا وقت رہ گیا ہے اور تاکید کرتے کہ خیال رہے کہ کہیں نماز کا وقت نکل نہ جائے۔ خاکسار چوہدری صاحب کے پاس ہی باہر ہال میں سوتا تھا۔ وہ کمرہ جس میں مَیں سوتا تھا اس کے اور آپ کے کمرہ کے درمیان دروازہ نہیں تھا صرف پردہ درمیان میں ہوتا تھا۔

اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر عمل

ایک دفعہ رات کو خاکسار باہر سویا ہوا تھا۔ چوہدری صاحب نے آواز دی مَیں اندر گیا۔ بتی جلائی اور پوچھا کہ کیا بات ہے؟ فرمایا کچھ نہیں چلے جاؤ مَیں واپس آ کر لیٹنے لگا تو پھر آواز آئی فرمایا کہ چلے جاؤ کچھ نہیں مَیں واپس پھر لیٹنے ہی لگا تھا کہ پھر تیسری بار آواز آئی۔ آپ غصہّ سے فرمانے لگے دیکھو مَیں نے تم کو تین مرتبہ بلایا لیکن تم نے ایک بار بھی سلام نہیں کیا۔ منہ اٹھا کر کمرے میں چلے آئے کسی نے بتایا نہیں کہ جب کسی سے ملو تو پہلے سلام کیا کرتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ مَیں سمجھ رہا تھا کہ ایک ہی کمرے میں تو ہیں اس لئے میں نے سلام نہ کیا۔ فرمایا بے شک ایک ہی

کمرہ ہے لیکن درمیان میں پردہ تو ہے۔ اور آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ”جب ایک دوسرے سے ملو تو سلام کرو اگر درمیان میں ایک پتھر حائل ہو جائے تو دوبارہ ملنے پر پھر سلام کرو ہم نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اسوہ پر عمل کرنا ہے۔“ مَیں نے معذرت کی اور عرض کیا غلطی ہو گئی آئندہ انشاء اللہ ایسا نہیں ہو گا۔

اس کے بعد آپ نے وقت پوچھا اور پوچھا کہ نماز میں کتنا وقت باقی ہے۔ مَیں نے عرض کیا کہ ابھی تین گھنٹے باقی ہیں۔ فرمایا سو جاؤ اور خیال کرنا کہیں نماز کا وقت نہ نکل جائے۔ مَیں واپس آ کر لیٹنے لگا اور آپ نے پھر آواز دی مَیں اندر گیا اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا سلام کا جواب دینے کے بعد فرمایا مَیں نے تمہیں اس لئے دوبارہ بلایا ہے کہ کہیں تُم نے میری بات کا غصہ تو نہیں کیا۔؟ فرمایا میری کیا مجال ہے کہ مَیں غصہ کروں فرمایا مَیں نے یہ باتیں تمہیں غصہ میں نہیں کہی تھی بلکہ تم میرے بچوں کی طرح ہو اور بچوں کی تربیت ہمارا فرض ہے اس لئے برا نہیں ماننا۔ جاؤ اب آرام کرو اور سو جاؤ۔ اس قدر انکساری اور نرمی دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ اس قدر بلند شخصیت ہونے کے باوجود آپ نے اپنے ایک ادنیٰ غلام کا اتنا خیال رکھا کہ کہیں میری وجہ سے اس کے دل کو تکلیف نہ پہنچی ہو۔ مَیں نے دل ہی دل میں بہت شرم محسوس کی۔

امام کی اتباع

ایک بار مَیں نے عرض کیا کہ میرے لئے دعا فرمائیں کہ مَیں جامعہ احمدیہ میں داخل ہونا چاہتا ہوں۔ فرمایا کہ دعا تو مَیں ضرور کروں گا اور کرتا بھی ہوں نہ صرف آپ کے لئے بلکہ سب کے لئے کرتا ہوں مگر یہ جو تم نے فقرہ کہا کہ ”دعا فرمائیں“ یہ غلط ہے کیونکہ دعا میں بہت عاجزی ہوتی ہے۔ اور عاجز انسانوں کے لئے ”فرمائیں“ کا لفظ نہیں بولا جاتا۔ مَیں تو ایک عاجز انسان ہوں اس کی بجائے کہا کرو ”دعا کریں“ حضرت امام جماعت احمدیہ نے لفظ ”دعا فرمائیں“ کو ناپسند کیا ہے۔ لہذا ہمارا بھی فرض ہے کہ ہم بھی اس کو ناپسند کریں۔

والدہ سے محبت

آپ اپنی والدہ سے بہت محبت کرتے تھے ان کے متعلق آپ نے ”میری والدہ“ کے عنوان سے ایک کتاب بھی لکھی ہے۔ ایک بار فرمایا کہ خدا نے میری سب خواہشیں پوری کی ہیں بس ایک خواہش ہے کہ مَیں اپنی والدہ کے پاس پہنچ جاؤں اور اُن کی خدمت کروں۔ آپ نے اپنی والدہ کی ایک بڑی تصویر اپنے سامنے لگائی ہوئی تھی ایک دفعہ مَیں آپ کو بازو سے تھام کر اندر سے باہر بڑے کمرے کی طرف لا رہا تھا۔ سامنے تصویر تھی تصویر کی طرف اشارہ کر کے مجھ سے انگریزی میں کہا Do you know who is the lady یعنی کیا تم جانتے ہو کہ یہ خاتون کون ہیں؟ نہیں جناب میں نہیں جانتا This is my mother کہ یہ میری والدہ صاحبہ ہیں اور پھر اردو میں فرمایا کہ میری پیاری والدہ ہیں۔ مَیں تو کچھ چیز نہ تھا جو کچھ بھی مجھے مرتبہ ملا محض خدا کے فضل اور حضور کی شفقت اور میری والدہ کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔“

جماعت سے بہت محبت رکھتے تھے اور حضرت امام جماعت احمدیہ کے متعلق روزانہ دریافت فرماتے کہ حضرت صاحب کہاں ہیں اور کیسی طبیعت ہے اور فرماتے کہ حضور کی طرف سے جماعت کو کوئی حکم آئے تو فوراً بتانا تا کہ مَیں امام جماعت احمدیہ کی کسی تحریک سے محروم نہ رہ جاؤں اور خاکسار کو نظامِ جماعت سے متعلق وابستہ رہنے کی بہت نصیحتیں کرتے اور فوائد بیان کرتے۔

خاکسار نے جامعہ احمدیہ میں داخلہ کا فارم پُر کیا اور آپ سے دعا کی درخواست کی تو فرمایا کہ بہت اچھی بات ہے۔ اللہ منظور کرے۔

انسانیت کا احترام

ایک دفعہ آپ رات کو اپنے بیڈ پر لیٹے ہوئے تھے مَیں بھی اسی کمرے میں قالین پر لیٹ گیا۔ مجھے نیچے لیٹے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ یہ تو ٹھیک نہیں کہ مَیں اوپر سوؤں اور تم نیچے زمین پر تم بھی

میری طرح بستر پر سوؤ۔ مَیں نے عرض کیا نہیں کوئی بات نہیں۔ نہیں فرمانے لگے بات تو ہے یا پھر مَیں بھی نیچے ہی سوجاتا ہوں۔ مَیں نے عرض کیا نہیں سَر میں تو یہاں ایسے ہی نیچے لیٹ گیا تھا۔ سوتا تو مَیں پردہ کے اس طرف ہوں۔ یہ کہہ کر میں السلام علیکم کہہ کر جلدی سے پردہ کے اُس طرف آ گیا ورنہ چوہدری صاحب کو بے چینی کی وجہ سے نیند نہ آتی۔

اس طرح چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال رکھتے تھے اور تکبّر یا بڑائی نام کی کوئی چیز ان کے پاس سے نہ گزری تھی۔

ایک دفعہ خاکسار آپ کو کھانا کھلا رہا تھا فرمایا کہ مَیں کھا رہا ہوں تم ویسے ہی میرے پاس بیٹھ جاؤ اور تم بھی میرے ساتھ کھانا کھاؤ۔

مَیں کھانا کھا چُکا تھا مَیں نے عرض کی مَیں نے کھانا کھالیا ہے فرمایا نہیں پھر بھی کچھ نہ کچھ کھاؤ اور ہاتھ سے وہی چمچہ جس سے آپ کھا رہے تھے بھر کر میری طرف بڑھایا اور فرمایا کہ اسے کھاؤ خواہ ایک ہی چمچہ کھاؤ۔ خاکسار نے کھالیا اور پھر آپ نے کھانا شروع کیا۔

خاکسار کو بہت ہی شفقت کی نگاہ سے دیکھتے اور خاکسار سے بہت ہی پیار کرتے اور فرماتے کہ تم میں اور میرے بچوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کوئی بھی کام ہو تو بتا دینا کوئی بات پوچھنی ہو تو بلا جھجک پوچھ لیا کرو۔

اس طرح یہ تین مہینے جو آپ کی خدمت کا خاکسار کو موقع ملا میری زندگی کے یادگار دن ہیں۔ پھر جامعہ کے لئے خاکسار کو انٹرویو کے لئے بُلا لیا گیا اور پھر مَیں نے جاتے ہوئے آخری بار آپ کو بتایا کہ مَیں جا رہا ہوں جامعہ میں انٹرویو کے لئے خاکسار کو بُلایا گیا ہے اور ممکن ہے کہ آپ کے پاس واپس نہ آسکوں اور دعا کی درخواست کی۔ آپ اس وقت شام کا کھانا کھا رہے تھے۔ آپ نے میرا بوسہ لیا اور دعا کی اور فرمایا کہ جاؤ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی وناصر ہو۔

اس کے بعد خاکسار کو جامعہ احمدیہ میں داخلہ مل گیا۔ اور اس طرح پر یہ موقع پھر دوبارہ ہاتھ نہ آسکا۔

اب وہ لمحے یاد آتے ہیں تو دل میں حسرت سی رہتی ہے کہ کاش کچھ دن اور خدمت کر لی ہوتی۔ مگر خدا کا بہت بہت شکر ہے کہ اس نے اتنی خدمت کی بھی توفیق بخشی۔

(خالد ربوہ دسمبر 1985ء وجنوری 1986ء صفحہ 141 تا 146)

* * *

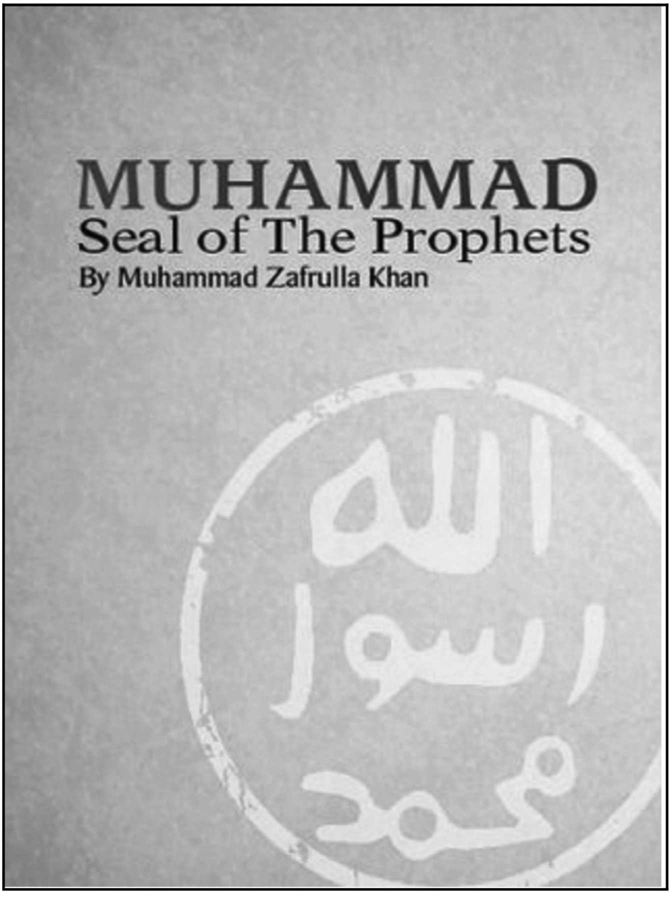
MUHAMMAD
Seal of The Prophets
By Muhammad Zafrulla Khan
الله
رسول
محمد

کردار کے موتی

مکرم چوہدری عبدالرشید صاحب لاہور

اس عاجز کو بھی خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے یہ سعادت بخشی کی چوہدری صاحب سے کبھی کبھار ملاقات کے شرف سے مشرف رہا ہوں۔ اس ضمن میں چند واقعات عرض خدمت ہیں۔

سرزنش کا پُرحکمت طریق

حضرت چوہدری صاحب موسم سرما میں تین چار ماہ کے لئے پاکستان تشریف لاتے تو قیام لاہور چھاونی میں اپنی صاحبزادی کے پاس قیام فرماتے۔ آپ کا معمول تھا کہ دن میں کھانے کے بعد ایک دو چمچہ ہاضمہ مکسچر پی لیا کرتے تھے جو مَیں شاہنواز میڈیکل سٹور لاہور سے تیار کروا کر بھجوایا کرتا تھا۔ شروع میں ایک دو دفعہ تو آپ نے کچھ نہیں فرمایا حالانکہ ڈسپنسر کا تیار شدہ مکسچر لندن میں تیار شدہ مکسچر سے کچھ مختلف محسوس ہوتا ہے جبکہ نسخہ تو وہی ہوتا ہے۔ لاپرواہی تو نہیں ہوگئی جبکہ یہاں کی دواؤں میں کچھ فرق ہو۔ بہرحال کمپاؤنڈر کو کسی وقت بتا دینا اس دن کے بعد یا تو اپنی موجودگی میں ادویات کا پورا وزن اور ناپ کروا کر مکسچر تیار کرواتا رہا یا خود مکسچر تیار کروا کر بھجواتا رہا اور پھر کبھی شکایت نہ ہوئی۔ اس سے عیاں ہے کہ چوہدری صاحب کس حکیمانہ انداز سے غلطی یا کوتاہی کی طرف توجہ دلایا کرتے تھے۔

بڑھاپے میں شدید محنت

آپ اپنی کتاب Servent of God لکھوا رہے تھے مسودہ کی کاپیاں اس عاجز کے پاس بھجوا دیتے تا کہ مَیں اپنی نگرانی میں اسے سٹینو سے ٹائپ کروا کر اور پھر ٹائپ شدہ مسودہ کا اصل سے مقابلہ کر کے چوہدری صاحب کی خدمت میں بھجوا سکوں۔ روزانہ اتنا زیادہ کام موصول ہو جاتا

تھا کہ سٹینو سے پورے دن میں مکمل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے بعض دفعہ مجھے کسی دوسرے دوست سے بھی ساتھ ساتھ ٹائپ کروانا پڑتا تھا مگر کام پھر بھی ختم نہ ہوتا تھا مکرم چوہدری صاحب روزانہ ٹائپ شدہ مسودہ کو پڑھ بھی لیتے تھے بلکہ مزید مسودہ کے لئے کافی صفحات لکھوا کر مجھے بھجوا دیتے تھے۔ ہم سب حیران تھے کہ چوہدری صاحب اس بڑھاپے کی عمر میں اتنا زیادہ کام کیسے کر لیتے ہیں جو آج کل کے اکثر نوجوان سے بھی ہونا مشکل ہے۔ آپ کو بھی زیادہ کام کا احساس ہو جاتا تو کبھی ٹیلی فون پر فرما دیتے۔

”رشید صاحب کام کچھ زیادہ ہے سٹینو سے کہیں وہ دو دن میں کر لے مگر غلطیاں نہ ہوں۔ مَیں آپ کو تمام صفحات بھجوا رہا ہوں آپ سٹینو کو صرف اتنے دیں جتنے روزانہ احسن طور پر ٹائپ کر سکیں اور باقی اپنے پاس رکھیں۔“

درویشی۔ قصّہ ایک کوٹ کا

یہ واقعہ حضرت چوہدری صاحب کی سادگی اور درویشی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو بہت مال و دولت عطا کیا تھا۔ جو دین کے لئے خرچ کر دیتے۔ مساکین غرباء کو ہر ماہ وظائف دئے جاتے۔ جس کا انتظام ہم نے پاکستان میں افسر صیغہ خزانہ کے ذریعہ کروایا ہوا تھا۔ مگر آپ اپنی ذات پر بالکل نہ ہونے کے برابر خرچ کرتے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ آپ ایک بار موسم سرما کے شروع میں لندن سے لاہور تشریف لانے والے تھے۔ مجھے محترمہ امۃ الحیٔ بیگم صاحبہ نے بتایا کہ ابّا تشریف لا رہے ہیں ان کا کوٹ بہت بوسیدہ ہو چکا ہے۔ مَیں اسے بھجوا رہی ہوں اسے مرمت کروا دیں۔ کوٹ کا نہ صرف استر پھٹ چکا تھا بلکہ بیرونی کپڑے میں بھی جگہ جگہ سوراخ ہو چکے تھے۔ مَیں نے عرض کیا کہ نئے کپڑے کے چند نمونے بھجوا رہا ہوں آپ پسند فرما لیں۔ مَیں ابا حضور کی آمد سے پہلے درزی سے نیا کوٹ سلوا دوں گا۔ بیگم صاحبہ نے فرمایا رشید یہ ناممکن ہے ابا ہرگز یہ کوٹ نہیں پہنیں گے بلکہ ہم پر شدید ناراض ہوں گے کہ میری ذلّت کے لئے یہ خرچ کیوں

کیا۔ چار و نا چار میں نے بیڈن روڈ کے ایک درویش درزی حاجی بشیر احمد صاحب سے اس مشکل کے متعلق عرض کیا۔ چنانچہ وہ آستینوں کے لئے پہلے جیسے استر کے بالکل مشابہ کپڑا لائے پھر اسے مسل کر پرانے کپڑے کی طرح ہم نے بنایا اور وہ کپڑا آستیوں میں اس احتیاط سے لگوایا گیا کہ معلوم نہ ہو سکے۔ اس طرح بڑی منت سماجت سے ایک رفوگر کو راضی کیا کہ وہ ان دو درجن کے قریب سوراخوں کو رفو کر دے اور پھر اس کے منہ مانگی اجرت ادا کی کیونکہ کوئی بھی رفوگر اس کوٹ کو رفو کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔

اور ایسا ہی واقعہ آپ کے ایک جوتے کے مرمت کرنے کا بھی ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو بادشاہی میں فقیری اور فقیری میں بادشاہی کے چلن رکھتے ہیں۔

مَیں دعا کر رہا ہوں

حضرت چوہدری صاحب اس عاجز پر بہت شفقت فرماتے اور اکثر دعا میں یاد رکھتے تھے۔ میرا بڑا بیٹا عبد العزیز جب ایم اے بزنس ایڈمنسٹریسن میں یونیورسٹی میں اوّل آیا تو اس کی ملازمت کے لئے مجھے ارشاد فرمایا کہ اس کی درخواست اور سندات مجھے لا دینا۔ مَیں فلاں فلاں صاحب کو دے دوں گا اور کہہ دوں گا کہ وہ عزیز کو اپنی (پاکستانی) فرم میں رکھ لیں۔ مَیں نے درخواست بھجوا دی تین دن کے بعد ٹیلی فون پر مجھے حضرت چوہدری صاحب نے بتایا کہ درخواست ان صاحب کو دے دی ہے مَیں دعا کر رہا ہوں کہ خدا تعالیٰ ملازمت کا وہ انتظام کرے جو عزیز کے لئے دینی اور دنیوی لحاظ سے بہتر ہو۔

(خالد ربوہ دسمبر 1985ء و جنوری 1986ء صفحہ 146 تا 148)

* * *

چاہتوں کے سفر کی دلفریب داستان

مکرم شیخ محمد حسن صاحب لندن

سخت گرمی کا دن تھا ہر طرف یہی چرچا کہ چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب بیت الفضل فیصل آباد تشریف لا رہے ہیں۔ پریس کانفرنس ہوئی۔ لوگ بڑے شوق سے آپ کی باتیں سُن رہے تھے۔ بجلی وغیرہ ان دنوں بیت الفضل میں نہ آئی تھی۔ باری باری ہاتھ پنکھا ہلایا جا رہا تھا۔۔۔۔ اس موقع پر مجھے بھی پنکھا ہلانے کا موقع ملا۔ ایسے جلیل القدر بزرگ کی یہ قربت مجھے پہلی دفعہ نصیب ہوئی۔ اس پنکھے کی ہوا کچھ ایسی چلی کہ اس کی مہک میری زندگی میں گُھل گئی۔ اور وہ چاہت اور پیار کی خوشبو ہمیشہ میرا پیچھا کئے رہی۔ لیکن پھر بھی میرا اور آپ کا تعلق ایک عام آدمی کا تعلق رہا۔ جب آپ افریقہ کے دورہ پر تشریف لائے تو خاکسار بھی ملازمت کے سلسلہ میں نیروبی میں موجود تھا۔ وہاں خاکسار نے آپ کو اپنی یہ خواب سنائی کہ آپ قرآن مجید پڑھ رہے ہیں اور آنکھوں سے آنسوں رواں ہیں اور مَیں آپ کی ٹانگیں دبا رہا ہوں۔ خاکسار نے اپنے ہاتھ آگے بڑھائے تا کہ خواب کو کسی حد تک ظاہر میں بھی پورا کر دیا جائے۔ مگر آپ نے اپنی ٹانگیں پیچھے کرتے ہوئے فرمایا۔ ’’میری ٹانگوں کو ہاتھ نہ لگاؤ۔ یہ خواب میرے اور تمہارے دونوں کے لئے بہتر ہے۔‘‘ ایک عرصہ بعد خاکسار افریقہ سے لندن آیا اور حضرت چوہدری صاحب کو اور قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ ایک بار بیت الفضل لندن میں ایک نکاح پڑھایا گیا آپ کو کسی نے لڈو دئے آپ ان کو ہاتھ میں اٹھا کر ہال میں گھومتے رہے اور ایک کونے میں آ کر میرے ہاتھ میں رکھ دئے یہ دیکھ کر امام بشیر رفیق خان صاحب نے مجھے مبارکباد دی۔ یہ آپ کے پیار کے چند چھینٹے تھے جو آہستہ آہستہ موسلا دھار بارش میں تبدیل ہوتے چلے گئے۔

آپ سے میرا قریبی تعلق اس طرح شروع ہوا کہ محترم مولانا شیخ مبارک احمد صاحب کو مشن

چھوڑ کر باہر جانا تھا اس طرح مشن ہاؤس میں صرف ان کی فیملی اور حضرت چوہدری صاحب رہ جاتے۔ چانچہ اس عاجز کو مشن کی حفاظت کی خاطر وہاں جا کر سونے کو کہا گیا۔ اس دوران صبح کی ڈاک حضرت چوہدری صاحب تک پہنچانا میرا کام تھا۔ اس طرح سے آپ کی اور میری قریبی شناسائی ہونے لگی اور قریب ہونے کا موقع ملتا رہا۔ ان دنوں جمعہ کے بعد باہر سے آنے والے مہمانوں اور دفاتر میں کام کرنے والے دوستوں کے لئے خاکسار چائے وغیرہ کا انتظام کرتا اور بعض اوقات ساتھ پکوڑے وغیرہ بھی بنا لیتا جو سب کو پیش کر دئے جاتے۔ ایک دن خیال آیا کہ کیوں نہ حضرت چوہدری صاحب سے پوچھ لیا جائے۔ چنانچہ خاکسار نے آپ سے اندر آنے کی اجازت لی اور پکوڑوں کی پلیٹ آپ کے سامنے رکھی آپ مسکرائے اور ایک پکوڑا اٹھا لیا۔ مجھے یہ محسوس ہوا کہ آپ کی مسکراہٹ نے دعوت کو قبول کر لیا ہے اور پھر ہر جمعہ کو یہ سلسلہ جاری رہا۔ اور آپ ازراہ شفقت پکوڑوں کی دعوت قبول کر لیتے جو بقول آپ کے ’’روڑا‘‘ ہوتا تھا۔

آپ کو ہمیشہ دوسروں کے جذبات اور وقت کا خیال رہتا۔ ایک جمعہ میں مجھے بلایا جب کہ آپ کار میں بیٹھے تو فرمایا آج نہ آنا کیونکہ مَیں باہر جا رہا ہوں اور ایک روز فرمایا ’’آج کے بعد پکوڑے نہ لانا۔ کیونکہ یہ میرا پیٹ خراب کر دیتے ہیں۔‘‘ خاکسار نے اس ہدایت کی پابندی کی تو دوسرے جمعہ فرمایا ادھر آؤ وہ میری رشتہ دار عورتیں آئی ہیں وہ کہتی ہیں کہ ہم نے پکوڑے کھانے ہیں ان کے لئے لے آؤ اور پھر یہ سلسلہ ان کے نام جاری رہا۔

یہ بظاہر معمولی راہ و رسم کا تعلق تھا لیکن مَیں سمجھتا ہوں کہ پہلے دن کی مسکراہٹ نے مجھے آپ کے دوستوں اور تعلق والوں میں شامل کر لیا چونکہ بعد کے آنے والے دنوں میں اس کی شہادت ملتی ہے آپ کے کسی عزیز کی شادی ہوئی تو صرف 40 افراد کو ولیمہ میں بُلایا گیا ان میں خاکسار بھی شامل کیا گیا۔

ایک روز آپ کے یہاں گیا تو آپ نے فرمایا کہ ’’میرا بستر تو ٹھیک کر دو خاکسار اس کو اپنی

عزت سمجھتے ہوئے آپ کے سونے والے کمرہ میں داخل ہوا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بہت ہی سادہ سا بستر ہے۔ نہ اطلس و کمخواب کا ادھر سے گزر ہوا اور نہ ہی کسی امیرزادہ کا خلوت محسوس ہوا۔ معمولی چادروں کو کمبل کے ساتھ جوڑ کر ایک رضائی کی شکل دی ہوئی تھی۔ خاکسار نے اُس کو تہہ کیا اپنے سر پر برکت کی خاطر رکھا اور اپنی طرف سے بڑے سلیقہ سے ایک طرف رکھتا گیا۔

ایک روز گیا تو آپ کا ہاتھ بندھا ہوا تھا جس پر خاکسار نے پوچھا ’’چوہدری صاحب ہاتھ کو کیا ہوا؟‘‘ تو فرمایا ’’کچھ گرم کرنے لگا تھا ہاتھ جل گیا۔‘‘ ہر کام خود کرنے کی پوری کوشش کرتے بعض دفعہ احباب بیت الذکر میں نماز کے بعد آپ کی جوتی پکڑنے کی کوشش کرتے تو آپ کہتے کہ اسے چھوڑ دو۔ یہ میری جوتی ہے آپ کی عزت نہیں۔ غرض یہ تھی کہ مجھے اتنی اہمیت نہ دو میں تو ایک عام آدمی ہوں بس۔

ایک روز بشیر رفیق خان صاحب نے کہا کہ چوہدری صاحب کا فلیٹ دیکھ لیا جائے کیونکہ آپ امریکہ سے واپس آ رہے تھے۔ ہم نے بلب جلانے کے لئے بٹن جلائے مگر کوئی بلب نہ جلا ہم نے سمجھا کہ شاید بلب فیوز ہیں لیکن بشیر رفیق خان صاحب نے فرمایا کہ آپ چوہدری صاحب کے گھر کا جائزہ لے رہے ہیں۔ اس لئے مین سوئچ کو دیکھیں کہ کہیں وہ بند تو نہیں۔ دیکھا تو ایسا ہی تھا۔ یعنی باہر جاتے وقت اپنے فلیٹ کا مین سوئچ ہمیشہ بند کر جاتے تھے تاکہ اسراف نہ ہو۔

جن دنوں آپ نے کتاب ’’محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم‘‘ لکھی آپ نے اس کی اشاعت کے لئے وعدے لئے کہ دوست کتنی کتب خریدیں گے لیمنگٹن میں ایک شادی کے موقعہ پر آپ نے دوستوں سے کہا کہ اس کی اشاعت میں حصہ لیں اور ساتھ ہی کہا کہ مجھے ذاتی لالچ نہیں کہ کتاب بکے گی اور مجھے کوئی مالی فائدہ ہوگا۔ میرا مقصد تو صرف یہ ہے کہ لوگ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت کو پڑھ کر اس پر عمل کریں اور پھر آپ نے اپنی ذات کو سامنے رکھتے ہوئے اس کا تجزیہ کیا کہ میرے اندر تو اس قدر نقص ہیں کہ اتنی چھلنی کے سوراخ نہیں ہوں گے جتنے مجھ میں نقائص ہیں۔

کیا خوب سودا نقد ہے

یہ کتاب آپ نے اپنے ملنے والوں کو دستخط کر کے تحفۃً دی پھر آپ نے بڑے بڑے دنیاوی حیثیت رکھنے والوں کو دی۔ آپ نے مکرم غوری صاحب کو فرمایا کہ اس کی جلد بندی کروائی جائے۔ خاکسار کا نام سامنے آیا تو فرمایا ٹھیک ہے آپ نے ایک روز مجھے فرمایا یہ دو کتابیں فوری طور پر مجھے چاہئیں کل جمعہ ہے۔ مَیں نے کسی کو جمعہ میں دینی ہے اس لئے فوری طور پر مجھے جمعہ میں پہنچا دیں۔ خاکسار وقت پر کتابیں سفید کاغذ میں لپیٹ کر لے گیا تو دوسری جانب آپ بھی پوری تیاری کر کے آئے تھے۔ ہر کام میں ذمہّ داری اور اللہ کے بنائے ہوئے اصول ذہن میں رکھتے اور اُن پر عمل کرتے۔ جب خاکسار نے کتابیں دیں تو فوراً محنت کا معاوضہ ادا کر دیا۔ آپ نے گھر سے اتنی ہی رقم الگ کر کے جیب میں رکھی ہوئی تھی کہ جب مَیں جاؤں گا تو وہ رقم بھی اسی وقت ادا کر دی جائے گی۔ کوئی ادھار نہیں کوئی بھول چوک نہیں۔

آپ دوستوں کی فرمائش پر کتب پر دستخط کرنے کے لئے بیٹھے تھے اور مجھے فرمایا کہ ادھر آؤ اور اس کے صفحات کو میرے سامنے کھولتے جاؤ اور میں دستخط کرتا جاتا ہوں۔ اور یہ عجیب نظارہ تھا کہ ایک روز فیصل آباد کی مسجد میں گرمی سے بچانے کے لئے مَیں پنکھا جھل رہا تھا اور آج اسی جلیل القدر اور بانئ سلسلہ کے صحابی کے پہلو میں کھڑا ان کی دعائیں لے رہا تھا۔ اُس وقت اجنبیت کے سمندر حائل تھے اور آج قربت کی بلند منزلیں طے ہو رہی تھیں۔

ایک دن بڑے پیار اور بڑے جلال سے مجھے اپنے پاس بلایا اور فرمایا کہ دیکھو مجھے علم ہے کہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو اور سنو مَیں بھی تم سے محبت کرتا ہوں۔ یہ ایسے الفاظ تھے جنہوں نے مجھے ورطۂ حیرت میں ڈال دیا اور یہی میرے اور آپ کے تعلقات کی انتہا تھی اور انہی محبتوں کے بندھے رشتے میں ایک دن ایسا بھی آیا جب آپ لندن سے روانہ ہو رہے تھے۔ آپ جاتے ہوئے میرے لئے تبرک کے طور پر اپنا سوٹ چھوڑ گئے ایسا نظارہ آنکھوں نے نہ دیکھا۔ جس سے

محسوس ہوتا تھا کہ آپ سے ہماری یہ آخری ملاقات تھی۔ آنکھ بتاتی تھی کہ کوئی بات تو تھی تبھی پُرنم تو تھے۔ ؎

یہ چمن سے کون چلا گیا کلی کلی کو فشار ہے

آپ کی وفات کی خبر سے تمام مناظر آنکھوں کے سامنے گھومنے لگے جس دن آپ کا جنازہ تھا خاکسار نے تحدیثِ نعمت کے طور پر آپ کا عنایت کیا ہوا سوٹ پہنا اور بوجھل قدموں سے بیت الفضل کو روانہ ہوا اور حسنِ اتفاق یہ کہ جہاں آپ نماز کے لئے ہمیشہ بیٹھتے تھے خاکسار بھی وہیں بیٹھا۔ آپ کی چاہتوں اور محبتوں کا لطیف بوجھ لئے آپ کا جنازہ غائب پڑھ رہا تھا۔

(خالد ربوہ دسمبر 1985ء و جنوری 1986ء صفحہ 149 تا 151)

◆

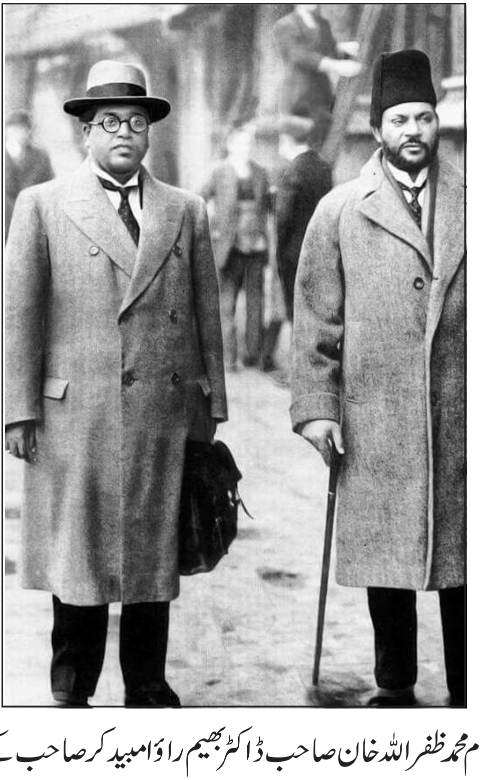

محترم محمد ظفر اللہ خان صاحب ڈاکٹر بھیم راؤ امبیدکر صاحب کے ساتھ

ایک عالم باعمل

محترم مولانا لئیق احمد طاہر سابق مربی انگلستان

لندن مشن کی پرانی عمارت 63 میل روز (Melrose Road) کے کمرہ میں پندرہ بیس دوست بیٹھے تھے۔ قاری عبدالباسط مصری کی تلاوت کی کیسٹ لگی ہوئی تھی۔ سبھی اس سے لطف اندوز ہو کر تبصرہ بھی کر رہے تھے۔ اتنے میں چوہدری ظفر اللہ خان صاحب تشریف لائے۔ ایک منٹ میں دروازے میں کھڑے ہوئے اور مبصرین کی طرف نظر دوڑائی اور فرمایا ”یا تو تلاوت سنئے اور یا باتیں کیجئے۔ دونوں کام ایک ساتھ مناسب نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے کہ جب قرآن کریم پڑھا جائے تو خاموشی سے سُنیں۔“

مجھے آپ کی بات پسند آئی اور معاً دل میں خیال آیا ہے کہ یہ ہے قرآنی تعلیم کا حقیقی مرقع۔ عالم باعمل۔ آپ تقریر فرما رہے تھے۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کسی بات کا حوالہ دینے لگے اور فرمانے لگے کہ حضور نے ایک چھوٹی سی بات یہ بھی فرمائی تھی یہ کہہ کر ایک دم رُک گئے اور کہنے لگے ”نہیں نہیں حضور کی ہر بات ہی بڑی عظیم ہے۔ آپ کی بات چھوٹی نہیں ہو سکتی۔ آپ تو وقت کے امام ہیں۔“ آپ نے اس عشق اور والہیّت سے تذکرہ فرمایا کہ آج تک میرے کان میں اس کی لذّت سے آشنا ہیں۔

61 میل روز پر سنڈے کا سکول لگا ہوا تھا۔ اس میں داخلہ کے لئے اور باہر جانے کے لئے ایک الگ دروازے تھے۔ ایک غیر از جماعت دوست حضرت چوہدری صاحب کے دیدار کے شوق میں وہاں تشریف لائے لیکن اس دروازہ سے داخل ہوئے جو ہال سے باہر نکلنے کے لئے تھا۔ آپ نے اُنہیں واپس بھجوا دیا اور فرمایا کہ اصل دروازہ سے اندر آئیں۔ چنانچہ جب وہ صحیح راستہ

سے ملنے کے لئے آئے تو آپ ہمہ تن گوش ہو کر اُن کی طرف متوجہ ہوئے اور گفتگو فرماتے رہے۔

اپنی خوراک میں بھی یہی نظم وضبط ہمیشہ مدّنظر رکھتے۔ نہ کم کھاتے نہ زیادہ کھاتے۔ ایک دفعہ فرمانے لگے کہ ہالنیڈ میں صبح کے ناشتہ کے لئے وہ انڈہ استعمال کرتا ہوں جس میں دو زردیاں ہوتی ہیں ایک زردی میں ایک دن کھاتا ہوں اور دوسری اگلے دن۔

چند نوجوان کھڑے تھے۔ فرمانے لگے تم نے ڈیڑھ ڈیڑھ دو دو پاؤنڈ کی قمیضیں پہن رکھی ہیں۔ میری یہ قمیض دیکھ رہے ہو جو میں نے پہنی ہوئی ہے۔ یہ امریکہ سے مَیں نے صرف دس شلنگ میں خریدی تھی۔

فرمانے لگے اور یہ واقعہ میں نے آپ سے بارہا سنا کہ جب مَیں لندن مشن میں آیا کرتا تھا تو عموماً East Putny سٹیشن پر اتر جایا کرتا تھا (لندن مشن درمیان میں ہے ایک طرف (South Fields Station) ہے ایسٹ پٹنی سٹیشن سے مشن کا فاصلہ دوسرے سٹیشن کی نسبت چند قدم زیادہ ہے۔ آپ کے ایک انگریز دوست ہمیشہ کہتے کہ ’’ظفر‘‘ تم نے ایسٹ پٹنی سٹیشن پر اتر کر بچایا کیا۔ آپ فرمایا کرتے ’’ایک پینی‘‘ پھر وہ کہتے کہ آخر بچایا کیا۔ آپ فرماتے ’’ایک پینی‘‘ پھر وہ کہتے ’’آخر بچایا کیا آپ فرماتے ’’ایک پینی‘‘ پھر وہ فرماتے کہ یہ بھی بچایا تو کیا بچایا۔ آپ کا جواب وہی ہوتا کہ ایک پینی۔ گویا ایک ایک پیسہ کے ضیاع کے بھی قائل نہ تھے۔ اور اس بات میں ذرہ بھر بھی حجاب محسوس نہ فرماتے کہ کوئی کیا کہے گا۔ یہ ضرور مدّنظر رہے کہ آپ جو پائی بھی بچاتے وہ اللہ کی راہ میں ہی صرف ہوتی تھی۔

1970ء کا واقعہ ہے قدرتِ ثانیہ کے تیسرے مظہر حضرت مرزا ناصر احمد صاحب مغربی افریقہ کے دورہ کے بعد لندن تشریف لائے حضور کو اس موقع پر لندن مشن محمود ہال اور مربیان کے فلیٹس کا افتتاح فرمانا تھا۔ اس موقع پر ایک مقامی اخبار میں خاکسار کا انٹر یو بھی شائع ہوا۔ جس میں خاکسار نے یہ بھی ذکر کیا کہ اس عمارت کا خرچ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے ادا

کیا ہے۔ اگلے دن دوپہر کھانے میں بیٹھے تھے کہ آپ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ نے یہ کیوں چھپوا دیا کہ اس عمارت کے اخراجات مَیں نے ادا کئے ہیں۔ مَیں تو اس کی تشہیر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ پھر فرمایا کہ سیدنا فضل عمرؓ کی خواہش تھی کہ جماعت کی صد سالہ جوبلی پوری شان وشوکت سے منائی جائے۔ مَیں نے اپنی طرف سے یہ عمارت اس جوبلی کے عطیہ کے طور پر بنوا دی ہے۔ خدا تعالیٰ اسے قبول فرمائے۔

نوجوانوں کی تعلیم وتربیت کا آپ کو ہمیشہ خیال رہتا تھا۔ کئی سال تک ہر اتوار کے روز دو تین گھنٹے کے لئے نوجوانوں کے لئے جنرل نالج کی ایک کلاس منعقد ہوتی رہی۔ اس کے روحِ رواں حضرت چوہدری صاحب ہی تھے۔ نوجوان دیوانہ وار اشتیاق سے اس میں شرکت کرتے۔ آپ اس کلاس میں حضرت بانئ جماعت احمدیہ کی بعض کتب امتحان کے لئے بھی مقرر فرماتے۔ چنانچہ ایک بار آپ نے ”اسلامی اصول کی فلاسفی“ امتحان کے لئے مقرر فرمائی۔ طلبہ کے تفصیلی پرچوں کے نمبر خود لگائے اور اپنی طرف سے انعامات بھی تقسیم فرمائے۔

بڑے درد کے ساتھ نوجوان نسل کی تربیت کی طرف توجہ دلاتے تھے۔ ٹیلی ویژن سے پرہیز کی تلقین فرماتے اور بار بار کہتے کہ اس کی وجہ سے اخلاق پر برا اثر پڑتا ہے۔ ٹی وی تو سنیما کو گھر گھر لے آیا ہے اور نئی نسل کے اخلاق کو برباد کرنے والی چیز ہے۔ جو لوگ جواباً یہ کہتے کہ اس کی خبریں نہایت عمدہ ہیں وغیرہ تو فرماتے میں تو صرف The Time of London کا مطالعہ کرتا ہوں تمہیں معلوم ہے وہ کیا چیز ہے۔

عورتوں کو ہمیشہ پردہ کی تحریک کی لیکن آپ کی تحریک میں نفرت کا پہلو کبھی نہ ہوتا تھا بلکہ ایک دردمند دل کی تڑپ کا اظہار ہوتا تھا۔ اس لئے لوگ ادب سے سُنتے تھے اور آپ کی نصائح سے پاک اثر لے کر اٹھتے تھے۔ (خالد ربوہ دسمبر 1985ء وجنوری 1986ء صفحہ 153 تا 154)

❋

انمٹ نقوش

مکرم عبدالمالک خان صاحب لاہور

خاکسار کو حضرت چوہدری ظفراللہ خان صاحب کے قرب کا بہت مختصر موقعہ ملا۔ مگر میری خواہش اور کوشش یہی رہی کہ جس قدر بھی فیض حاصل کر سکوں کرلوں اور حقیقت یہ ہے کہ میں نے بہت کچھ ان کے قرب سے سیکھا۔ اللہ تعالیٰ اُن کی روح کو کروٹ کروٹ سکون عطا فرمائے اور ان کی خوبیاں اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ چند واقعات ذکر کرنا اس وقت میرا مقصود ہے جن کا تعلق ان کی ذات سے ہے۔

حضرت چوہدری صاحب نماز باجماعت کے بہت پابند تھے مگر خود امامت سے گریز کرتے تھے۔ خاکسار ان کے ساتھ نمازیں پڑھتا رہا۔ کئی دفعہ ان کی امامت کی سعادت ملی۔ 1974ء میں تو علاوہ پنجوقتہ نمازوں کے جمعہ پڑھانے کی توفیق بھی ملی۔ مگر ان سے کوئی ایک نماز بھی ایسی نہ تھی جس میں خاکسار نے مکرم چوہدری صاحب کو مکمل لباس میں نہ دیکھا ہو۔ ورنہ عام طور پر انسان جب اپنے گھر میں ہوتا ہے وہ گھریلو لباس میں نمازیں پڑھتا ہے اور وہ لباس استعمال نہیں کرتا تو جو اُس نے اپنے دفتر یا کاروباری حلقہ میں پہن کر جانا ہوتا ہے لیکن چوہدری صاحب کا معمول تھا کہ جس طرح باہر جاتے وقت مکمل طور پر تیار ہو کر جاتے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے حضور بھی سجدہ ریز ہوتے اور فرماتے

”اگر انسان دنیاوی افسر کے سامنے بھی گھریلو لباس میں پیش نہیں ہو سکتا تو خدائے تعالیٰ کے دربار میں گھریلو لباس میں کیوں حاضر ہوتا ہے جو سب حاکموں سے بڑا حاکم ہے۔“

حضرت چوہدری صاحب کی اپنے کام میں لگن اور محنت کا یہ حال تھا کہ خاکسار نے دیکھا کہ وہ صبح ناشتہ کے بعد اپنے میز پر تحریری کام میں (جو بھی انہوں نے کرنا ہوتا) منہمک ہو جاتے اور

پھر ظہر کی نماز تک بلا وجہ اٹھے بغیر مکمل توجہ اور محنت سے کام کرتے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے ہر کام میں مدد فرمائی۔ حضرت چوہدری صاحب کا معمول تھا کہ جب بھی خاکسار نے ہی انہیں بلکہ جن لوگوں نے بھی خط لکھا آنمحترم نے خود اپنے ہاتھ سے جواب دیا جو بڑی بات ہے بلکہ اگر خط میں مصروفیت کی وجہ سے دیر ہو جاتی تو ساتھ ہی معذرت فرماتے کہ فلاں مصروفیت کی وجہ سے آپ کو جلدی جواب نہ دے سکا۔ یہ طرزِ عمل آپ کی ذرہ نوازی کے کمال کو ظاہر کرتا ہے۔

جہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کو دینی و دنیاوی اعلیٰ ترقیات سے نوازا تھا وہاں ان کی ایک خوبی کثرت سے نظر آئی کہ آپ ہر مہمان کی عزت اور تکریم کرتے تھے۔ چنانچہ نومبر 1977ء کی بات ہے خاکسار کسی تقریب میں چوہدری صاحب کے ساتھ کوٹھی سے باہر گیا۔ جب ہم واپس آئے تو کوٹھی کا دروازہ خاکسار نے کھولنا چاہا۔ جس پر فرمایا ''مولوی صاحب آپ میرے مہمان ہیں اور یہ آپ کا کام نہیں ہے۔'' اور پھر اپنے ملازم کو دروازہ کھولنے کا ارشاد فرمایا۔

1974ء کی بات ہے کہ خاکسار نے آپ سے پوچھا کہ انسان ترقی کس طرح کر سکتا ہے اس کا کوئی راز ہو تو بیان فرمائیں؟ جس پر آپ نے فرمایا ''ہر انسان میں اللہ تعالیٰ نے ترقی کی صلاحیت رکھی ہے مگر اکثر انسان ترقی اس لئے نہیں کرتے کہ فلاں کام کیا تو لوگ کیا کہیں گے لیکن اگر وہ ہر کام کرنے سے پہلے سوچ لیں کہ اس کام سے خدا تعالیٰ راضی ہوتا ہے تو پھر دنیا کی بالکل پرواہ نہ کریں کیونکہ خدا تعالیٰ کی رضا ہی انسان کا مقصود ہے لوگوں کے کہنے سے کیا ہوتا ہے۔''

1978ء میں جب خاکسار پہلی بار لندن گیا تو وہاں بھی چوہدری صاحب سے ملاقات ہوئی، گفتگو کے دوران خاکسار نے عرض کیا کہ یہاں تو لوگ نیند کی گولیاں کھا کر سوتے ہیں اور پھر بھی سکون نہیں ملتا باوجود اس کے کہ اس قدر دنیاوی سہولتیں میسر ہیں۔ کیا آپ پر کوئی ایسی رات آئی ہو کہ آپ کو نیند نہ آئی ہو اس پر فرمایا ''مَیں جب رات کو اپنے بستر میں لیٹتا ہوں تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ مولیٰ کریم جو تو نے توفیق دی وہ کر سکا اور صبح اپنے فضل سے اگر زندگی دے گا تو جو توفیق

ملے گی وہ کر سکوں گا۔ اس لئے کبھی بھی میری زندگی میں ایسی رات نہیں آئی جب اطمینان سے نیند نہ آئی ہو۔

1980ء کا آخر تھا۔ خاکسار ایک روز محترم چوہدری صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دورانِ ملاقات بجلی چلی گئی جس پر ملازم کو آواز دی اور موم بتی جلانے کو کہا۔ ابھی وہ آہی رہا تھا کہ آپ نے فرمایا ''مولوی صاحب دیکھو جس جگہ انسان ہر روز رہتا ہے اس گھر کی بابت جانتا ہے کہ فلاں چیز وہاں پڑی ہے مگر پھر بھی ٹٹول ٹٹول کر قدم رکھتا ہے تو کیسے انسان خیال کر سکتا ہے کہ ایک لمحہ کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کی رہنمائی اور روشنی کے بغیر صراطِ مستقیم پر چل سکتا ہے۔''

آپ کے اوصاف میں ایک بات یہ بھی نمایاں تھی کہ آپ نظامِ جماعت کی مکمل پابندی کرتے چاہے حکم دینے والا کوئی بھی ہوتا۔ چنانچہ 1974ء کے جلسہ سالانہ ربوہ کا واقعہ ہے۔ جلسہ گاہ کے راستہ کی طرف ریلوے پھاٹک کے آگے ٹریفک کا رخ ریلوے روڈ کی طرف کر دیا گیا اور جلسہ گاہ کی طرف سیدھا راستہ اختیار کرنے کی صرف پیدل جانے والوں کو اجازت تھی۔ اس چوک میں جو خادم ڈیوٹی پر کھڑا تھا اُس نے جب حضرت چوہدری صاحب کو دیکھا تو عرض کیا کہ آپ کی گاڑی آگے نہیں جا سکتی البتہ پیدل جا سکتے ہیں جس پر کسی توقف کے بغیر کار سے نیچے اتر آئے اور پیدل چل پڑے اور ذرہ برابر بُرا نہ منایا۔ آپ کی نہایت درجہ کامیابی کا ایک راز نظام کی مکمل پابندی میں تھا۔ کاش ہم کو بھی ایسی سعادت نصیب ہوتی۔

مکرم برادرم خالد احمد صاحب جو میاں اصغر علی صاحب آف گلوب ٹمبرز لاہور کے صاحبزادے ہیں۔ ایک دفعہ ملاقات کے لئے حاضر ہوئے اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ خاکسار آپ کو ایک نئی اچکن تحفتہً دینا چاہتا ہے۔ آپ نے فرمایا اچکن میرے پاس ہے مگر انہوں نے اصرار کیا جس پر فرمایا اگر مجھ سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ تمہارے پاس کتنی کتنی پرانی چیزیں ہیں تو مَیں آپ کو بتاتا ہوں کہ یہ ٹوپی کس سن کی ہے اور اس طرح باقی ذاتی استعمال کی چیزوں کے بارہ

میں بتایا اور آخر میں قمیض کے بارے میں فرمایا کہ میری والدہ فرمایا کرتی تھیں کہ جب تم کوئی نئی قمیض پہننی ترک کر دیتے ہو تو پھر وہ کسی کام کی نہیں رہتی۔

ایک دفعہ جماعت احمدیہ کے تیسرے امام حضرت مرزا ناصر احمد صاحب لاہور تشریف لائے ان دنوں حضرت چوہدری صاحب بھی لاہور میں قیام پذیر تھے۔ ایک ملاقات کے دوران مَیں نے دیکھا کہ آپ حضور کے سامنے اس طرح کھڑے ہیں گویا کوئی چیز بے حس وحرکت ہے اس روز مَیں نے اندازہ لگایا کہ ہم میں اطاعت کی وہ روح تاحال موجود نہیں جو امام کی قدرومنزلت کے لحاظ سے ضروری ہے اور وہ روح حضرت چوہدری صاحب میں موجود ہے اور یہی وجہ ہے کہ امام کی دعاؤں سے بھی ان کو وافر حصہ ملا ہے۔

چند روز ہوئے خاکسار اپنے پرانے کاغذات میں سے ایک کاغذ تلاش کر رہا تھا تو اُس میں سے 12 اگست 1972ء کا ایک خط ملا جو خاکسار نے چوہدری صاحب کو بذریعہ ڈاک ہیگ (ہالینڈ) میں لکھا تھا جس میں مَیں نے اپنا ایک خواب جو ایک روز قبل دیکھا تھا لکھا تھا

مَیں نے دیکھا کہ حضرت چوہدری صاحب مجھے خواب میں ملے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میری عمر کا آخری حصہ ہے۔ خدا کو معلوم ہے کہ باقی زندگی کس قدر ہے۔ مَیں چاہتا ہوں کہ آپ میرے پاس آ جائیں تاکہ میرا آخری وقت آئے تو آپ موجود ہوں۔

خدا تعالیٰ کی عجیب شان ہے کہ جس روز حضرت چوہدری صاحب کا وصال ہوا خاکسار اس وقت کوٹھی میں موجود تھا 13 سال کا پرانا خواب من وعن پورا ہوا۔

(خالد ربوہ دسمبر 1985ء وجنوری 1986ء صفحہ 167 تا 169)

❖

حضرت چوہدری صاحب کی دینی غیرت کا ایک واقعہ

مکرم ڈاکٹر عبدالرشید تبسم صاحب

1941ء یا 1942ء کی بات ہے کہ دہلی میں شدید ہندو مسلم فساد ہوا جس میں ڈیوٹی پر موجود ایک سکھ سب انسپکٹر بلوے میں مارا گیا یہ تو کبھی معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کس کے ہاتھوں ہلاک ہوا لیکن کاروائی پوری کر کے ہندوؤں اور سکھوں کو مطمئن کرنے کے لئے چار غریب قصابوں کو اُن کے گھر سے گرفتار کر لیا گیا اور اُن پر مقدمہ چلا اور وہ سیشن عدالت کے سپرد کر دیئے گئے تا کہ ہندو اور سکھ اپنا بدل ہر حالت میں چُکا لیں۔ ایک سکھ نواب سنگھ صاحب کو لاہور سے تبدیل کر کے دہلی میں متعین کر دیا گیا اس مقدمے کی دھوم سارے متحدہ ہندوستان میں تھی۔ اس بہانے کہ ہندو سکھ مظلوم ہیں انگریز حکوت اعلانیہ اُن کا ساتھ دے رہی تھی۔ دہلی کے مسلمانوں نے مقدمہ کی پیروی کے لئے اُس وقت کے فوجداری مقدمات میں کامیاب ترین بیرسٹر میاں عبدالعزیز کو لاہور سے پیروی کے لئے بُلایا۔ موتی لال نہرو، جواہر لال نہرو، سروجنی نائیڈو اور مولانا ابوالکلام آزاد جب بھی لاہور آتے میاں صاحب کے مہمان ہوتے۔ میاں صاحب اہل حدیث تھے۔ حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کی ان سے گہری دوستی تھی۔ مجھے انہوں نے از راہ شفقت اپنا بیٹا بنایا ہوا تھا۔ اور قیامِ پاکستان میں ان کا بڑا حصہ تھا۔ دہلی پولیس کی طرف سے مقدمہ کی پیروی ایک مسلمان ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کے سپرد تھی۔ جس کے متعلق دہلی کے ہر مسلمان کی زبان پر تھا کہ وہ انگریزوں سے بھی بڑھ کر ہندوؤں اور سکھوں کی طرفداری کر رہا ہے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کے معاملہ میں بھی اس نے مخالفین کا ساتھ دیا تھا۔

ان دنوں حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کی ممبری سے فارغ ہوئے تھے اور ان کو چین میں سفیر بنایا گیا تھا۔ جب وہ چین جانے کے لئے دہلی ریلوے سٹیشن پہنچے تو تو اُن کو الوداع کہنے کے لئے بڑی بڑی شخصیتوں کا ہجوم ریلوے پلیٹ فارم پر موجود تھا۔ اس دن سیشن عدالت میں مقدمہ کی سماعت ہو رہی تھی۔ جسے سننا چھوڑ کر مَیں بھی ریلوے سٹیشن پر پہنچ گیا تھا۔ حضرت چوہدری صاحب حاضرین میں سے ہر ایک پر توجہ دے رہے تھے۔ شیخ اعجاز احمد صاحب اور چوہدری بشیر احمد صاحب کاہلوں اور مَیں حضرت چوہدری صاحب کے بالکل قریب کھڑے تھے کہ اتنے میں وہ مسلمان ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس بھی آ گیا۔ غالباً اس وقت وہاں وہ اپنی ڈیوٹی پر آیا تھا۔ بڑا کڑیل تن وتوش سر پر بڑے بلند طرہ دار نسواری پگڑی عمر 35 سال کے قریب بہت بارعب آدمی تھا۔

ڈی ایس پی نے حضرت چوہدری صاحب کے سامنے آ کر کاشن کے مطابق زمین پر زور سے پاؤں مارا جس سے آواز بلند ہوگئی اور حضرت چوہدری صاحب کو سلیوٹ کیا۔ حضرت چوہدری صاحب نے اس کے سلام کی کوئی پرواہ نہ کی۔ اور اپنے مخاطبوں سے بات کرتے رہے۔ ڈی ایس پی نے یہ سمجھ کر کہ حضرت چوہدری صاحب نے شاید دیکھا نہیں زاویہ بدل کر اور زیادہ قریب ہو کر پھر سلیوٹ کیا انہوں نے پھر بھی سلیوٹ کی کوئی پرواہ نہ کی۔ اب اس نے پھر زاویہ بدلا اور تیسری دفعہ بالکل سامنے کھڑے ہو کر پورے زور سے زمین پر پاؤں مارا اور سلیوٹ کیا۔ حضرت چوہدری صاحب نے اس بار بھی توجہ نہ کی۔ اس پر وہ شرمندہ ہو کر ایک طرف ہو گیا۔ اب ایک بڑی شخصیت نے حضرت چوہدری صاحب سے کہا کہ ڈی ایس پی نے آپ کو تین بار سلیوٹ کیا ہے شاید آپ نے دیکھا نہیں۔ حضرت چوہدری صاحب نے فرمایا۔ ’’میرے آقا کی توہین میں حصہ لیتا ہے اور مجھے سلام کرتا ہے اسے شرم آنی چاہیے۔‘‘ حضرت چوہدری صاحب حضور سرورِ کائنات کو ’’میرے آقا‘‘ کہا کرتے تھے۔

(خالد ربوہ دسمبر 1985ء وجنوری 1986ء صفحہ 171 تا 172)

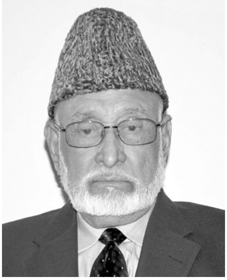

محمد ظفر اللہ خاں ۔ چند یادیں

مکرم ومحترم بشیر احمد خان صاحب رفیق

سابق امیر ومبلغ انچارج برطانیہ وامام مسجد فضل لندن

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ نابغۂ روزگار ہستی تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ آپؓ کی زندگی کا حسین ترین لمحہ وہ تھا جب آپؓ کا ہاتھ حضرت مسیح موعودؑ کے دست مبارک میں اطاعت وغلامی کا اقرار کرنے کی سعادت حاصل کر رہا تھا۔ پس یہی وہ شرف تھا کہ عاجزی کے اِس پیکر کو خلافتِ احمدیہ کی غلامی میں اللہ تعالیٰ نے دینی اور دنیاوی طور پر ایسے عظیم الشان مناصب عطا فرمائے جن کے ذریعے نہ صرف بین الاقوامی اور قومی سطح پر بلکہ انفرادی حیثیت میں بھی آپؓ کو بنی نوع انسان کے لئے غیر معمولی خدمات بجالانے کی توفیق عطا ہوئی۔ اور انہی خدمات کی وجہ سے آپؓ کا اسم گرامی تاریخ احمدیت میں ہی نہیں بلکہ تاریخ انسانیت میں بھی ہمیشہ سنہری حروف میں لکھا جائے گا۔

یقینا حضرت چوہدری صاحبؓ کی مبارک حیات کے بے شمار زاویے ایسے ہیں جو احمدیت کی صداقت کا بیّن ثبوت ہیں اور امر واقعہ یہ ہے کہ اس خوبی کا اظہار زیر نظر کتاب کے ہر صفحہ سے عیاں ہوتا ہے۔ حضرت چوہدری صاحبؓ کی عظیم المرتبت شخصیت، غیر معمولی خدمات اور ارفع مقام پر اگرچہ بے شمار مضامین اور کتب شائع ہو چکی ہیں تاہم محترم بشیر احمد رفیق خان صاحب نے ”محمد ظفر اللہ خان چند یادیں“ کے عنوان سے اپنی یادوں کو حضرت محمد ظفر اللہ خاں صاحبؓ کے بارے میں اپنے مشاہدات کی روشنی میں آپؓ کی سیرت کے مختلف پہلوؤں کا دلنشیں انداز میں بیان کیا ہے۔ اس کتاب میں شامل چند واقعات ذیل میں اپنے قارئین کی نذر ہیں۔

یارک شائر سے لندن کا سفر

مکرم ومحترم بشیر احمد خان صاحب رفیق صاحب تحریر کرتے ہیں کہ

یارک شائر سے لندن کا واپسی کا وہ سفر اب بھی میرے دل پر نقش ہے۔ بعض باتیں کتنی معمولی ہوتی ہیں مگر ان پر سوچنا شروع کریں تو دل کو جیسے برقی جھٹکے لگنے شروع ہو جاتے ہیں۔ لمحوں اور ثانیوں میں آدمی اس دنیا سے نکل کر اُس عالم میں پہنچ جاتا ہے جہاں کی ہر چیز روح کو سرشار کر کے رکھ دینے والی ہے۔

میں گاڑی چلا رہا تھا۔ حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحبؓ میرے ساتھ اگلی سیٹ پر تشریف فرما تھے۔ چوہدری صاحبؓ کی عادت تھی کہ ڈرائیور کو کار چلانے کے سلسلہ میں نہ تو کوئی مشورہ دیتے اور نہ ہی ٹوکتے۔ ایک کار میرے آگے جا رہی تھی۔ میں نے تین چار مرتبہ اس سے آگے بڑھنے کی کوشش کی لیکن جونہی میں اس کار سے آگے نکلنے کیلئے اپنی رفتار تیز کرتا اس کار کا ڈرائیور بھی اپنی رفتار تیز کر کے مجھے آگے نکلنے سے روک دیتا۔ یہ سلسلہ کچھ دیر جاری رہا حتّٰی کہ وہ کار ایک طرف کو مُڑ گئی۔ میں نے محسوس کیا کہ جب تک وہ کار نظروں سے اوجھل نہ ہوگئی، حضرت چوہدری صاحبؓ کی نظریں مسلسل اس کا تعاقب کرتی رہیں۔ حضرت چوہدری صاحبؓ کے انداز میں کوئی ایسی بات تھی جس نے مجھے متوجہ کر دیا کہ چوہدری صاحبؓ ضرور کوئی بات ارشاد فرمائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ چوہدری صاحبؓ فرمانے لگے: امام صاحب جب تک آپ اس کار سے آگے نکلنے کی کوشش کرتے رہے میں یہ دعا کرتا رہا کہ آپ اس سے آگے نہ نکل سکیں۔ میں اس بات پر حیران ہوا کہ یہ کیسی دُعا تھی؟ آخر پوچھا چوہدری صاحب اس کی کیا وجہ تھی۔ حضرت چوہدری صاحبؓ بولے اگلی کار کی نمبر پلیٹ پر جو نمبر درج تھا اس میں ALH کے الفاظ نمایاں تھے۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے یہ الفاظ اللہ (ALLAH) کا مخفف ہیں۔ میرے دل نے یہ گوارہ نہ کیا کہ ایسی کار جس کی نمبر پلیٹ پر ایسے الفاظ درج ہوں جو ALLAH کیلئے استعمال ہوتے ہوں، آپ

اس کار سے آگے نکل جائیں۔ چنانچہ میں یہی دعا کرتا رہا کہ آپ اس کار سے آگے نہ نکل سکیں۔ اس مختصر سی گفتگو کے اختتام پر چند ثانئے کیلئے میری نظریں حضرت چوہدری صاحبؓ کی نگاہوں سے چار ہوئیں اور میں نے محسوس کیا کہ اُن کی نگاہوں میں روشنی اور نور کی ہزاروں قندیلیں جگمگا رہی ہیں۔ چہرے پر نور کی ایسی چادر تنی ہوئی تھی کہ نظریں اس چہرے پر جم جاتی تھیں۔ بظاہر بات کتنی معمولی ہے۔ اگلی کار والے کو کبھی یہ احساس بھی نہ ہوا ہوگا کہ کیوں وہ پچھلی کار کے قریب آنے پر رفتار تیز کر دیتا تھا اور عرش پر سے مولیٰ کی ہدایات اپنے فرشتوں پر ہر جانب نگران تھیں کہ دیکھو خبردار! یہ گاڑی آگے نہ نکلنے پائے۔ میرا ایک پیارا بندہ مجھ سے اپنی محبت کا معصومانہ اور بے ساختہ اظہار چاہتا ہے۔ اللہ اکبر، اللہ اکبر۔

ہیں تری پیاری نگاہیں دلبرا اِک تیغ تیز
جس سے کٹ جاتا ہے سب جھگڑا غمِ اغیار کا

میری خوش قسمتی کا آغاز

تاریخ احمدیت کی اس نابغۂ روزگار ہستی سے میری ملاقاتوں کا تسلسل جسے میں بجا طور پر اپنی خوش قسمتی اور اعزاز قرار دوں گا، اس وقت شروع ہوا جب میں 1959ء میں بطور مربی سلسلہ انگلستان پہنچا اور بطور نائب امام مسجد فضل لندن میں خدمت دین کا کام شروع کیا۔ حضرت چوہدری صاحبؓ ان دنوں عالمی عدالت انصاف کے جج تھے۔ آپ جب لندن تشریف لاتے تو عام طور پر رائل کامن ویلتھ سوسائٹی میں قیام فرماتے۔ مکرم مولوی عبدالرحمن صاحب آپ کے قریبی دوستوں میں سے تھے۔ وہ ائرپورٹ سے حضرت چوہدری صاحب کو اپنی قیامگاہ پر لایا کرتے اور اکثر مجھے بھی ساتھ لے جایا کرتے۔ اس طرح سے حضرت چوہدری صاحبؓ سے تعارف اور محبت کے ابتدائی مراحل طے ہونے لگے اور آپ سے خط و کتابت کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ اس کے بعد جب 1964ء میں خاکسار کو امام مسجد فضل لندن کے عہدے پر مقرر کیا گیا تو حضرت چوہدری صاحبؓ کے سلسلۂ مؤدت و محبت میں تیزی سے اضافہ ہونا شروع ہو گیا۔ آپ کا لندن آنا جانا بھی

بڑھ گیا اور پھر مجھے یہ اعزاز بھی ملنے لگا کہ جب لندن تشریف لاتے تو غریب خانے کو رونق بخشتے اور قیام فرما ہوتے۔ خاکسار ہی انہیں ائرپورٹ سے گھر لانے اور واپس لے جانے کی سعادت پاتا اور پھر بالآخر جب آپ انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس سے ریٹائر ہوئے اور اپنی باقی ماندہ زندگی کاملاً خدمت دین کیلئے وقف کر دی تو آپ نے لندن کو اپنی مستقل رہائش کیلئے چُنا۔ آپ نے لندن مشن کی نئی عمارت کے ایک حصہ میں رہائش اختیار فرمائی۔ خاکسار کی رہائش ساتھ کے فلیٹ میں تھی۔ دونوں وقت کا کھانا ہم ساتھ کھاتے۔ سفر و حضر میں ساتھ رہتے اور میری زندگی کا یہ قیمتی ترین عرصہ قریباً دس سال پر محیط رہا۔

میں نے آنکھوں میں نمی محسوس کی

آپ کا معمول تھا کہ روزانہ صبح نماز کے بعد لمبی سیر کیا کرتے تھے۔ ایک روز صبح آپ اپنی معمول کی دو میل کی سیر سے واپس تشریف لائے تو میں نے محسوس کیا کہ آپ کی آنکھوں میں نمی ہے اور طبیعت گداز ہے۔ میں نے وجہ دریافت کی۔ پہلے تو ٹالتے رہے۔ میرے اصرار پر فرمایا: جب میں سیر کو نکلا تو تسبیح و تحمید اور درود شریف کے ورد سے فارغ ہونے کے بعد میری طبیعت حمد الٰہی کی طرف متوجہ ہوئی اور میں نے اللہ تعالیٰ کے جو مجھ پر بے شمار احسانات ہیں ان کو دیکھ کر اور اپنی کمزوریوں پر نظر کر کے سوچنا شروع کیا تو بے اختیار میری زبان سے نکلا میرے مولیٰ تو نے مجھ پر جو احسانات کئے ہیں اور جس طرح اپنے ہاتھ سے میری پرورش کی اور اپنی نعمتوں سے مجھے جس قدر نوازا ہے اس کا عشر عشیر بھی کوئی باپ اپنے بیٹے کیلئے نہیں کر سکتا ہے۔ باوجود میری کوتاہیوں اور بدعملیوں کے تو نے مجھے اس قدر نوازا ہے کہ میرے لئے تیرے احسانات کو گننا اگر میں چاہوں تب بھی ممکن نہیں۔ ان خیالات میں میں جتنا جتنا غرق ہوتا گیا اتنا اتنا اظہار تشکر سے میرے آنسوؤں کی جھڑی تیز ہوتی گئی۔ یہ کہتے ہوئے آپ کی آواز پھر بھرا گئی اور آپ بغیر بات پوری کئے اپنے کمرے کی طرف مُڑ گئے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے ساختہ محبت

اللہ تعالیٰ کی ذات سے غیر معمولی محبت اور توکل علی اللہ کے خصوصی مقام پر فائز ہونے کے بعد آپ کی عقیدت ومحبت کا دوسرا پہلو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات سے محبت وشیفتگی تھا اور یہ وہ منہ زور جذبہ تھا جس کے اظہار پر ہندوستان کی گلی گلی اور کوچہ کوچہ میں آپ کی دھوم مچ گئی۔ میرا اشارہ توہین عدالت کے اس مقدمہ کی طرف ہے جب آپ نے عدالت کے سامنے ببانگ دہل کہا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت کے تحفظ کیلئے اگر ہائی کورٹ کے ججوں کی بے عزتی بھی کرنی پڑے تو ہم اس کیلئے ہر سزا قبول کرنے کو تیار ہیں۔

میرے ذاتی مشاہدہ میں جو ایک واقعہ آیا وہ یوں ہے کہ ایک دفعہ پاکستان کے ایک مشہور مؤرخ آپ کو ملنے آئے۔ یہ صاحب حضرت چوہدری صاحبؓ کے بڑے مداح اور عقیدت مند بھی تھے۔ باتوں باتوں میں یہ صاحب ایک ایسی بات کہہ گئے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کا پہلو نکلتا تھا۔ آپ فوراً غصہ میں اُٹھ کھڑے ہوئے اور ان کو مخاطب ہو کر کہا آپ ابھی یہاں سے نکل جائیں اور آئندہ مجھے نہ ملا کریں۔ میں کسی ایسے شخص سے ہرگز ملنے کو تیار نہیں جو مسلمان ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہو۔ یہ کہہ کر آپ اُٹھ کر چلے گئے۔ اس کے بعد ایک لمبے عرصے تک اس شخص کی بار بار کی درخواستوں کے باوجود اس سے نہ ملے۔ بالآخر اس کے بار بار معافی مانگنے پر آپؓ نے اسے معاف کر دیا۔

حضرت چوہدری صاحبؓ کو حضرت بانی سلسلہ احمدیہؑ کی رفاقت کا شرف حاصل رہا تھا۔ آپ حضرت بانی سلسلہؑ سے اپنے تعلق کے واقعات اپنے ملنے جلنے والوں سے بڑی محبت کے ساتھ بیان کیا کرتے تھے۔ اس ضمن میں کئی واقعات آپ کی کتب اور انٹرویوز میں محفوظ ہیں۔ آپ ہمیشہ اپنی زندگی کا سب سے اعلیٰ فخر حضرت بانیٔ سلسلہؑ کا دیدار اور آپؑ کی رفاقت کا شرف حاصل ہونا بتایا کرتے تھے۔

حضرت بانی سلسلہؑ اور خلفاء کرامؓ سے تعلق

حضرت بانی سلسلہؑ کی وفات کے بعد قدرت ثانیہ کے مظہر اوّل حضرت مولوی نور الدین خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی خدمت میں بار بار حاضر ہوئے۔ حضورؓ کے خصوصی الطاف کا مورد بننے اور دعائیں حاصل کرنے کا اعزاز بھی آپؓ کے حصے میں آیا۔ اس ضمن میں کئی واقعات کا ذکر آپ نے اپنی کتاب ’تحدیث نعمت‘ اور دیگر کتب میں کیا ہے۔ اس کے بعد اہم دینی اور دنیاوی معاملات میں بھی دوسرے، تیسرے اور چوتھے امام جماعت احمدیہ سے خصوصی تعلق قائم رکھنے اور خدمت دین کی صف میں آگے آگے رہنے کا شرف اور اعزاز حاصل ہوا۔ ان میں حضرت فضل عمرؓ سے آپ کا تعلق خصوصی اور نمایاں تھا۔ 52 سال کے طویل دور خلافت میں حضرت چوہدری صاحبؓ کو ابتداء سے ہی خصوصی معاون اور مشیر کی حیثیت حاصل تھی۔ جب حضرت فضل عمرؓ کا وصال ہوا تو آپ فجی میں ایک دورے پر تھے۔ فوری طور پر وطن واپس پہنچ کر انتخاب میں شمولیت کا موقعہ نہ تھا۔ لہٰذا آپ نے اپنا پروگرام مختصر نہ کیا اور کئی ہفتوں کے بعد پاکستان پہنچے۔ آپ نے کئی ہفتوں اپنی طبیعت پر بہت جبر کئے رکھا۔ فضل عمرؓ کی وفات کا صدمہ کوئی معمولی بات تو نہ تھی۔ آخر حضرت چوہدری صاحبؓ جیسے اولوالعزم صابر شخص کا صبر بھی ایک روز تمام بند توڑ کر بہہ نکلا۔ عشق و محبت کی یہ دلوں کو گداز کر دینے والی داستان حضرت چوہدری صاحبؓ نے خود اپنے قلم سے رقم فرمائی اور خاکسار کو انگلستان بھجوائی جو خاکسار نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی خدمت میں بھجوا دی۔ حضرت چوہدری صاحبؓ کا یہ طویل خط پیش خدمت ہے۔ اس خط کا پس منظر یہ ہے:

آنکھوں کو بھگو دینے والی داستان

حضرت مصلح موعودؓ کے وصال کے بعد پہلے جلسہ سالانہ کے دوران آپ کو جلسہ کے ایک سیشن کی صدارت کا موقعہ ملا۔ اس دوران ایک صاحب نے حضورؓ کی ایک مشہور نظم ترنم سے پڑھ

کرسنائی۔ حضرت چوہدری صاحبؓ کی اس وقت جو حالت ہوئی وہ ان کے اس خط سے ظاہر ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:

''وہ مظہر الاوّل والآخر مظہر الحق والعلاء آئے تو دیر سے لیکن رخصت اس قدر جلد ہوئے کہ دل کی سب حسرتیں دل ہی میں رہ گئیں۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شُد
روئے گُل سیر ندیدیم و بہار آخر شُد

میری کیا حیثیت اور میرے قلم میں کون سی طاقت ہے کہ میں اس بہار حسن و احسان کے اوصاف شمار کرنے کی جسارت کروں۔ وہ روحانی آسمان کا درخشندہ ستارہ۔ میں زمین کے چہرے پر ایک سیاہ داغ۔ وہ پاکیزگی، تقویٰ اور طہارت کا روشن ستون۔ میں گرفتار ہوا و ہوس اور عصیان کا مرکب۔ وہ ظاہری و باطنی علوم کا بحرِ ذخّار۔ میں نادانی اور جہالت کی ظلمات میں اسیر۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔

ہاں محض اللہ تعالیٰ کے فضل بے پایاں اور اس کی ذرہ نوازی سے پُرحسرت دل میں اس سراپا نور کی محبت کی چنگاری بچپن سے ہی روشن رہی اور شائد اس کی نگاہ حقیقت شناس نے اسے بھانپ لیا۔ یا میرے والد کے اخلاص و وفا کا قیاس میرے حق میں بھی کیا۔ یا میری والدہ کی روحانی بینائی کی قدر نے مجھے بھی ان کے دل میں جو رافت و رحمت کا سمندر تھا، ایک کونہ بخش دیا۔ جس کے نتیجہ میں فیضان کا ایک در وا ہوا کہ مرورِ زمانہ سے اس کی کیفیت بڑھتی ہی گئی۔ کسی مرحلہ پر بھی باوجود میری لا انتہا خطاؤں، تقصیروں اور کوتاہیوں کے اس میں تنگی نہ ہوئی۔ **فجزاہ اللہ فی الدّارین خیراً**۔ اب وہ تو ''از آسمان بُودی بآسمان رفتی'' ہو گئے۔ **كَاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ** میں ہی یہ راز مضمر تھا کہ جو آسمان سے آئے گا وہ آسمان کو لوٹ جائے گا سو وہ تو اپنے نفسی نکتہ کی طرف بسرعت لوٹ گئے اور زمین سے چہرہ ڈھانپ لیا۔

اب میں ہوں اور تغافل بسیار کے گِلے
میں وہ کہ موردِ کرم بے حساب تھا

آپ مثیل مسیح موعودؑ تھے جیسے فرمایا کہ: ”مسیح موعود کا مثیل ہونے اور اس کا خلیفہ ہونے کے لحاظ سے ایک رنگ میں مَیں بھی مسیح موعود ہوں کیونکہ جو کسی کا نظیر ہوگا اور اس کے اخلاق کو اپنے اندر لے لے گا وہ ایک رنگ میں اسی کا نام پانے کا بھی مستحق ہوگا۔“

آپ کا زمانہ حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں ہی شامل تھا جیسا کہ فرمایا:

”پس درحقیقت حضرت مسیح موعودؑ کا زمانہ ممتد ہے میرے زمانہ تک جب تک میں ہوں اس وقت تک حضرت مسیح موعودؑ کا ہی زمانہ ہے۔“

اس کی تصدیق حضرت مسیح موعودؑ کے ایک کشف سے بھی ہوتی ہے۔ حضورؑ نے دیکھا کہ آپؑ ایک بزرگ کی قبر کے پاس کھڑے ہیں اور وہ بزرگ زندہ ہوکر قبر میں بیٹھ گئے ہیں۔ آپؑ نے ان بزرگ سے کہا میں دُعا کرتا ہوں آپ آمین کہتے جائیں۔ جب آپؑ نے یہ دعا کی کہ آپ کی عمر پچانوے سال ہو تو بزرگ نے آمین کہنے سے انکار کر دیا۔ آپؑ نے اصرار کیا لیکن وہ بزرگ نہ مانے۔ آپؑ بشدت اصرار کرتے رہے۔ آخر ان بزرگ نے آمین کہی اور ساتھ کہا ہم جب آمین کہتے ہیں تو ہماری ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عجیب حکمت ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ کا سلسلہ 1290 ہجری میں شروع ہوا گویا آپ کے زمانہ کا آغاز 1290 ہجری میں ہوا اور حضرت مثیل مسیح موعود علیہ السلام کا وصال 1385 ہجری میں ہوا اور یہ زمانہ 95 سال کا ہے۔

مثیل مسیح موعودؑ ہونے کے لحاظ سے آپؓ حضورؑ کے حُسن و احسان میں نظیر تھے۔ حضورؑ نے خطبہ الہامیہ میں فرمایا کہ جس نے میرے اور میرے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے درمیان تفریق کی اُس نے میرے مقام کو شناخت نہیں کیا۔ یہ قول حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس

قول کے مطابق ہے یدفن معی فی قبری یعنی مسیح موعودؑ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان کامل یگانگت ہے۔ خلاصہ یہ کہ مثیل مسیح موعود اپنے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رنگ میں رنگین تھے۔ جیسے فرمایا:

محمدؐ میرے تن میں مثل جاں ہے
یہ ہے مشہور جاں ہے تو جہاں ہے

اور پھر فرمایا: ؎

محمدؐ پر ہماری جاں فدا ہے
کہ وہ کوئے صنم کا رہنما ہے
مرا دل اُس نے روشن کر دیا ہے
اندھیرے گھر کا میرے وہ دِیا ہے
مرا ہر ذرّہ ہو قربان احمد
میرے دِل کا یہی اِک مدعا ہے
اِسی کے عشق میں نکلے مری جاں
کہ یادِ یار میں بھی اِک مزا ہے
مجھے اِس بات پر ہے فخر محمود
مرا معشوق محبوبِ خدا ہے

آپ کا خُلق، خُلق محمدیؐ کا ظل اور عکس تھا اس لئے بھی کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنی نوع انسان کے لئے اسوۂ حسنہ تھے اور اس لئے بھی کہ آپ مثیل مسیح موعود ہونے کے لحاظ سے حضورؐ کے ساتھ مشابہت تامہ رکھتے تھے۔ خلق محمدیؐ کے بعض پہلوؤں کو قرآن کریم میں یوں بیان فرمایا گیا ہے:

عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ○129

(سورۃ التوبہ:129)

یعنی بہت ہی شاق ہے اس ہمارے رسولؐ پر کہ تم لوگ کسی تکلیف میں مبتلا ہو۔ یہ ہمارے

رسولؐ تمہاری بھلائی اور بہتری کے حددرجہ خواہاں ہیں اور آرزومند ہیں اور ان کیلئے کوشاں رہتے ہیں اور مومنوں کے ساتھ ان کا سلوک نہایت شفقت اور رحمت کا ہے۔ اس خُلق کا وافر نمونہ ہم نے حضرت مثیلِ مسیح موعود میں دیکھا اور اس کے مورد رہے۔

حضورؓ ماں باپ سے بڑھ کر شفیق تھے۔ اس شفقت کا سرچشمہ ہر وقت اور ہر کس کیلئے جاری تھا۔ لیکن جن لوگوں نے تقسیم ملک کے دوران میں اور پھر 1953ء کے ہنگامے کے دوران میں حضورؓ کی بے چینی اور بے قراری کو دیکھا اور حضورؓ کی شفقت و غمخواری کا مشاہدہ کیا وہ اس چشمے کے جوش اور گہرائی کا کچھ اندازہ کر سکتے ہیں۔

افراد کی بہتری اور بھلائی اور جماعت کی مضبوطی اور ترقی کا کوئی پہلو آپؓ کی نظر سے اوجھل نہ تھا اور یہ سب امور دن رات آپؓ کی توجہ کے جاذب رہتے تھے۔

آپؓ کی شفقت اور رحمت کے سمندر کا کنارا نہیں تھا۔ ایک طرف ان کا پیہم عملی اظہار اور دوسری طرف بارگاہِ ایزدی میں مسلسل فریاد اور التجا۔ اگر دن کا اکثر حصہ خدمت اور ترقی اور بہبودی کی تدبیروں اور منصوبوں میں گذرتا تو رات کا اکثر حصہ دُعاؤں میں صرف ہوتا۔

جب حضورؓ کا وصال ہوا تو یہ عاجز کئی سمندر پار تھا اور آخری دیدار کی کوئی صورت میسر نہ آسکتی تھی ادھر اس علاقہ کی مخلص جماعتیں حد درجہ غم خواری اور تسلی کی محتاج تھیں۔ دل بلبلاتا تھا لیکن دماغ کہتا تھا کہ تم بے شک لاڈلے مرید تھے۔ باپ سے جدائی ہوئی تو تمہیں اس یقین سے تسکین اور ڈھارس ہوئی میں یتیم نہیں ہوں۔ میرا نہایت شفیق باپ موجود ہے اور فوراً اس شفقت کا اظہار یہ ہوا کہ ڈلہوزی سے حضور کا تار آیا۔ میری انتظار کرو میں اپنے ناظر اعلیٰ کا جنازہ خود پڑھاؤں گا۔ ستمبر کا شروع تھا۔ بارشوں سے پہاڑی راستے بند ہورہے تھے۔ قادیان کے نواح میں موٹر کا سفر دشوار تھا۔ لیکن اندھیرے سویرے کیچڑ اور پانی میں سے گزرتے وہ سراپا شفقت آقا اپنے خادم کے لئے دُعائے مغفرت کیلئے پہنچا۔ پھر اپنے قلم سے مزید مخلص نوازی کرتے ہوئے کتبے کی

عبارت رقم فرمائی جس میں تحریر فرمایا کہ مرحوم کے اخلاص اور محبت کی یاد اب تک دل کو گرما دیتی ہے۔ ماں سے مفارقت ہوئی تو تم نے پھر اسی یقین سے تسکین پائی کہ میرا آقا ماں سے بڑھ کر شفیق ہے۔ تعزّیت نامہ میں حضورؓ نے فرمایا چند دن پہلے میں نے رؤیا میں دیکھا کہ ظفر اللہ خان، عبداللہ خان، اسد اللہ خان میرے سامنے چھوٹی عمر میں گھر کے بچوں کی طرح لیٹے ہوئے ہیں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ میرے بیٹے ہیں اور میں ان سے اسی طرح باتیں کر رہا ہوں جیسے گھر میں ماں باپ بچوں سے کرتے ہیں اور فرمایا اس میں ان کی والدہ کی وفات کی طرف اشارہ تھا کہ جب اللہ تعالیٰ ایک ابوّۃ یا مامتا کو ہٹا لیتا ہے تو اس کی جگہ دوسری مہیا فرما دیتا ہے۔ پھر اس مخلص خادمہ کے کتبہ کی عبارت بھی دستِ مبارک سے تحریر فرمائی اور اس میں رقم فرمایا مرحومہ صاحبہ رؤیا و کشوف تھیں۔ رؤیا کی بناء پر ہی حضرت مسیح موعودؑ کی بیعت اپنے خاوند سے پہلے کی اور پھر خلافتِ ثانیہ میں بھی رؤیا کی بناء پر اپنے خاوند سے پہلے بیعت کی۔ غرباء پروری کی صفت سے متصف اور کلمۂ حق کے پہنچانے میں نڈر تھیں۔ اب آج تم بے شک یتیم بھی ہو گئے اور باپ کی شفقت، ماں کی مامتا اور ماں باپ کی دُعاؤں سے محروم بھی ہو گئے۔ تم جس قدر بلبلاؤ جائز ہے مگر اپنے رب کی طرف جھکو اور اسی کو اپنا مرہم و غمخوار بناؤ۔ تم ہی آج یتیم نہیں ہوئے ایک جہان یتیم ہوا ہے۔ تم اپنا غم دباؤ اور اپنے اردگرد کے یتیموں کی غم خواری کرو جن کی نظر میں تم بڑے بھائی ہو جس سے انہیں تسلی اور غمخواری کی اُمید اور توقع ہے۔

تین دن تو میں جرائر فجی میں دل کو تھامے رہا۔ پھر دو ہفتے ایسے ممالک میں گزرے جہاں کوئی واقفِ راز نہ تھا۔ دل و دماغ نے آپس میں ایک توازن قائم کر لیا لیکن ابھی تک یہ خدشہ سا لگا ہوا تھا کہ وطن پہنچنے پر دل کو قابو میں رکھنا آسان نہ ہوگا اور سچ تو یہ ہے کہ اسی خدشے کی وجہ سے میں نے سفر کے پروگرام کو مختصر بھی نہ کیا۔ چار دن کراچی میں بسر ہوئے۔ دو دن تو میں نے عمداً تفاصیل دریافت کرنے سے بھی گریز کیا۔ جو کچھ الفضل کے پرچوں سے معلوم ہو سکا اسی پر اکتفاء کیا۔

لاہور پہنچا تو یہاں بھی وہی حالت رہی اور کچھ حوصلہ ہونے لگا کہ اب ربوہ حاضر ہونے کے قابل ہو چکا ہوں۔ مرقدِ منوّر پر حاضر ہو کر دُعا کی اور اس مرحلے پر دل کو اس کے ضبط پر مار دی۔ جلسے پر میری تقریر پہلے دن تھی۔ یہ بھی ایک وقت امتحان تھا۔ اس پر زائد یہ کہ حضورؓ کی یادگار کے متعلق تحریک کرنے کا بھی ارشاد ہوا۔ یہ مرحلہ بھی مناسب ضبط سے ہی طے ہو گیا۔ اب اعتماد ہو چلا کہ جلسے کے باقی ایام میں بھی دماغ کی پاسبانی دل پر کامیاب رہے گی۔ آخری دن صبح کے اجلاس کی صدارت میرے سپرد تھی۔ تلاوت قرآن کریم کے بعد ایک طالب علم نے بالکل سادگی کے ساتھ حضورؓ کی نظم سنائی جو اس شفقت کا، جو حضورؓ کو اپنے خدام پر تھی اور اس درد کا جو حضورؓ اپنے دل میں ان کیلئے رکھتے تھے اور جنہیں حضورؓ نے دُعائیہ الفاظ میں ظاہر کیا، مرقع تھی۔

مل جائے تم کو دین کی دولت خدا کرے
چمکے فلک پہ تارۂ قسمت خدا کرے
سن لے ندائے حق کو یہ اُمت خدا کرے
پکڑے بزور دامنِ ملّت خدا کرے
حاکم رہے دلوں پہ شریعت خدا کرے
حاصل ہو مصطفیٰؐ کی رفاقت خدا کرے
پھیلاؤ سب جہان میں قولِ رسولؐ کو
حاصل ہو شرق و غرب میں سطوت خدا کرے
پا یاب ہو تمہارے لئے بحرِ معرفت!
کُھل جائے تم پہ رازِ حقیقت خدا کرے
ہر گام پر فرشتوں کا لشکر ہو ساتھ ساتھ
ہر مُلک میں تمہاری حفاظت خدا کرے
قرآنِ پاک ہاتھ میں ہو دل میں نُور ہو
مل جائے مومنوں کی فراست خدا کرے

دجاّل کے پھیلائے ہوئے جال توڑ دو
حاصل ہو تم کو ایسی ذہانت خدا کرے
پرواز ہو تمہاری نُہ افلاک سے بلند
پیدا ہو بازوؤں میں وہ قوت خدا کرے
بطحا کی وادیوں سے جو نکلا تھا آفتاب
بڑھتا رہے وہ نُورِ نبوّت خدا کرے
قائم ہو پھر سے حُکمِ محمدؐ جہان میں
ضائع نہ ہو تمہاری یہ محنت خدا کرے

یہاں تک تو میں کرسئ صدارت سے نمناک آنکھوں اور دبی زبان میں آمین کہتا چلا گیا۔ جب اس نے یہ شعر پڑھا۔

تم ہو خدا کے ساتھ خدا ہو تمہارے ساتھ
ہوں تم سے ایسے وقت میں رُخصت خدا کرے

تو دِل مچلا، دماغ کو کچھ غافل پا کر سرپٹ دوڑا اور آخری شعر:

اِک وقت آئے گا کہ کہیں گے تمام لوگ
ملّت کے اس فدائی پہ رحمت خدا کرے

سنتے ہی بے قابو ہو گیا۔ میں نے بے تابی سے سر میز پر رکھ دیا اور ضبط کو خیر باد کہہ دیا آخر۔

دل ہی تو ہے نہ سنگ وخشت درد سے بھر نہ آئے کیوں

بہت سے احباب نے ان ایاّم میں حضورؒ کے وصال اور تیسری خلافت کے قیام کے متعلق رؤیا دیکھے جو ہم سب کیلئے تسکین واطمینان کا موجب ہوئے۔ ان میں سے ایک کا ذکر کرتا ہوں۔ حضورؒ کے وصال سے تین دن قبل ایک نیک خاتون نے جن کے میاں غالباً منٹگمری کے علاقہ میں سرکاری کام پر متعیّن ہیں، رؤیا میں دیکھا کہ یکا یک فضا تیز روشنی سے بھر گئی ہے اور پھر فوراً اندھیرا

ہو گیا۔ اس کے بعد پھر ویسی ہی تیز روشنی ہو گئی اور اس روشنی میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مع ایک زمرۂ انبیاء علیھم السلام کے تشریف لائے اور فرمایا ہم محمود کو لینے آئے ہیں۔ ان نیک بی بی نے باادب عرض کی کہ یا حضور ہمارا تو جلسہ سالانہ ہونے والا ہے۔ پھر ہمارے پاس کون ہوگا؟ حضورؐ نے فرمایا تمہارے پاس ناصر ہوگا۔ یہ رؤیا انہوں نے اپنے میاں سے بیان کی اور کہا کہ فوراً ربوہ چلنا چاہیئے۔ انہوں نے کہا انتظار کر لیں۔ خاتون نے کہا انتظار کی گنجائش نہیں، میں تو ابھی جاتی ہوں۔ چنانچہ یہ ربوہ چلی آئیں اور دو دن بعد حضورؓ کا وصال ہو گیا اور خلافت ثالثہ کا قیام عمل میں آیا۔ ان کے میاں بھی پہنچ گئے اور دونوں بیعت کر کے واپس لوٹے۔ اس سے پہلے ان کے میاں کچھ متردد تھے کہ کیا ہوگا۔ جب ان کی بی بی کو معلوم ہوا کہ ان کے میاں نے بیعت کر لی ہے تو اطمینان سے بیٹھ گئیں۔ اس وقت تک پریشانی میں دریافت کرتی رہیں کہ میاں نے ابھی بیعت کی ہے یا نہیں؟

خلافتِ ثالثہ کا قیام بھی اللہ تعالیٰ کا ایک روشن نشان ہے۔ بہت طبائع پریشان تھیں کہ کیا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال فضل اور رحم سے اور خاص قدرت سے طبائع کا میلان ایک جانب کر دیا اور سب دلوں کو سکون اور اطمینان سے بھر دیا۔ تمام شکوک اور شبہات کو دلوں سے دھوڈالا اور اخلاص اور محبت کی لہریں ہر سمت بہہ نکلیں۔ ایک بار پھر اس احکم الحاکمین نے اپنی قدرت کا واضح جلوہ دکھایا کہ میں موجود ہوں اور قادر ہوں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں۔ سب گردنیں اطاعت میں جھک گئیں اور جماعت نے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور اس کے دامن کے ساتھ اپنی وابستگی کو مضبوط سے مضبوط تر کر دیا۔

فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ الْوَكِيْل٥

اطاعت اس کا نام ہے

قدرتِ ثانیہ کے مظہر ثالث حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ سے آپ کو خصوصی تعلق تھا۔ حضورؒ کے قیامِ لندن کے دوران جب حضورؒ بطور طالب علم آکسفورڈ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل فرما رہے

تھے، حضرت چوہدری صاحبؓ کو حضرت فضلِ عمرؓ نے اپنے صاحبزدگان کا نگران اور سرپرست مقرر فرمایا تھا۔ اس کے بعد زندگی بھر حضورؓ سے خصوصی تعلق رہا۔ امام جماعت احمدیہ کے رفیع الشان منصب پر فائز ہونے کے بعد بھی حضورؓ کی خصوصی قربت کا شرف آپ کو حاصل رہا۔ حتیٰ کہ قدرتِ ثانیہ کے دورِ ثالثہ کی پہلی بابرکت تحریک فضلِ عمر فاؤنڈیشن کا اعلان کرنے کی غیر معمولی سعادت بھی حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ نے آپ کی جھولی میں ڈال دی۔ 1978ء میں لندن میں کسرِ صلیب کانفرنس میں حضورؒ نے اپنے بارہ حواریوں کا اعلان فرمایا۔ ان میں حضرت چوہدری صاحبؓ کو بھی حضورؒ نے نمایاں طور پر شامل فرمایا۔ راقم خاکسار کو بھی یہ اعزاز حاصل ہوا کہ اس بابرکت گروہ میں شامل ہوا۔

قدرتِ ثانیہ کے مظہر ثالث کے ساتھ اطاعت و وفاداری کا ایسا تعلق تھا جو ہر امام جماعتِ احمدیہ کے ساتھ آپ کی کامل وفاداری اور اطاعت کی اعلیٰ مثال ہے۔ یہ آپ کی عادت کا حصہ تھا کہ جب بھی امامِ وقت کی طرف سے کوئی حکم موصول ہوتا آپ اس کی فوری تعمیل کرتے۔ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی طرف سے حکم موصول ہوتا کہ فلاں مضمون کا انگریزی ترجمہ کر دیں یا فلاں صاحب کو خط لکھیں تو آپ حکم ملتے ہی کاغذ قلم لیکر بیٹھ جاتے اور اسی وقت تعمیل ارشاد شروع کر دیتے۔ دو ایک دفعہ میں نے حضورؒ کا پیغام دینے کے بعد عرض کیا کہ کل صبح اس کا ترجمہ شروع کر دیں تو فرمایا نہیں! کام ابھی شروع کر دیتے ہیں خواہ ختم کل ہی ہو۔

ایک مرتبہ حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالثؒ انگلستان کے دورہ پر مشن ہاؤس لندن میں رونق افروز تھے۔ آپ نے رات کے دس بجے خاکسار کو ارشاد فرمایا کہ اگر چوہدری صاحب جاگ رہے ہوں تو انہیں بلاؤ لیکن اگر سوئے ہوئے ہوں تو ہرگز انہیں ڈسٹرب نہ کیا جائے۔ میں دبے پاؤں حضرت چوہدری صاحبؓ کے فلیٹ میں گیا۔ ہماری اور چوہدری صاحبؓ کی

آپس میں یہ انڈرسٹینڈنگ تھی کہ حضرت چوہدری صاحبؓ اپنے سونے کے کمرے کا دروازہ بند نہیں کیا کریں گے۔ آپؓ ہمیشہ اس کی پابندی کرتے تھے۔ چنانچہ میں آہستگی سے کمرے میں داخل ہوا کہ دیکھوں چوہدری صاحبؓ جاگ رہے ہیں یا سو رہے ہیں۔ دیکھا کہ آپ سو رہے تھے ۔ میں واپس مُڑنے کو ہی تھا کہ آہٹ سے حضرت چوہدری صاحبؓ کی آنکھ کُھل گئی۔ آپ نے پوچھا کیسے آئے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ حضورؒ کا ارشاد ہے کہ اگر آپ سو رہے ہوں تو آپ کو ڈسٹرب نہ کیا جائے۔ اس لئے میں جا کر عرض کرُوں گا کہ آپ بستر پر تشریف لے جا چکے ہیں۔ میری بات سنتے ہی آپ تیزی سے بستر سے اُٹھ کھڑے ہوئے جلدی جلدی ڈریسنگ گاؤن پہننے لگے اور فرمایا کہ اگر حضورؒ نے یاد فرمایا ہے تو پھر سونے کا کیا سوال۔ میں نے دوبارہ عرض کرنے کی کوشش کی مگر آپ میری بات کی طرف توجہ دینے سے کاملاً بے نیاز ہو چکے تھے۔ چنانچہ فوری طور پر حضورؒ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابعؒ سے بھی آپ نے خصوصی عقیدت کا تعلق برقرار رکھا۔ امام جماعتِ احمدیہ کے منصب پر فائز ہونے کے بعد جب بھی آپ کا ذکر آیا۔ بڑی محبت سے ذکر کیا۔ اکثر مسائل کے بارے میں حضور کو لکھا کرتے تھے۔ حضور کے امام جماعت احمدیہ کے منصب پر فائز ہونے کے بعد ایک بار مجھے کہا کہ دیکھیں اللہ تعالیٰ نے اس منصبِ جلیلہ پر فائز کرنے کے بعد آپ کو کس قدر تجرّ علمی عطا کر دیا ہے کہ بڑے بڑے پیچیدہ مسائل کو آپ یوں حل کرتے چلے جاتے ہیں کہ گویا ان میں کوئی مشکل تھی ہی نہیں پھر حضور کی انگریزی زبان کی قابلیت انگریزی زبان بولنے میں حضور کی مہارت اور روانی کا بالخصوص تذکرہ فرمایا۔

طویل زندگی کا راز

اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ حضرت چوہدری صاحبؓ کی طویل زندگی کا راز کیا ہے تو میں بلا تامل قرآن کریم کی یہ آیت پیش کروں گا:

وَاَمَّا مَا يَنۡفَعُ النَّاسَ فَيَمۡكُثُ فِى الۡاَرۡضِ‌ؕ (سورۃ الرعد:18)

ترجمہ: جو زیادہ نافع الناس ہوتا ہے وہ دُنیا میں زیادہ عرصہ رہتا ہے۔

حضرت چوہدری صاحبؓ اس آیت کی صداقت کا زندہ ثبوت تھے۔ آپ نے اپنی زندگی میں خدمتِ خلق کی وہ اعلیٰ ترین مثال قائم کی جو آپ کی سخت احتیاط کی وجہ سے عام لوگوں کے علم میں نہ آسکی۔ میں نے جو دس سال کا عرصہ حضرت چوہدری صاحبؓ کو قریب سے دیکھا اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ہزاروں روپے کی ماہوار آمد میں سے صرف چند سو روپے اپنے لئے رکھتے۔ باقی رقم یا تو جماعتی چندوں میں چلی جاتی تھی یا غرباء اور مستحقین کی امداد میں خرچ ہوتی تھی۔ مختلف اوقات میں آپ اندازاً تیس سے پچاس ہزار روپے سالانہ بطور وظائف دیا کرتے تھے۔ یہ ہزاروں روپے آپ کس طرح مہیا فرماتے تھے یہ داستان بڑی دلچسپ بڑی دل گداز اور بڑی ہی ایمان افروز ہے اور ہزاروں لاکھوں روپے کی آمدن رکھنے والوں کیلئے نصیحت وعبرت کا ایک ایسا باب ہے جس کی آب وتاب قیامت تک کم نہ ہوگی۔

ذرا سُنئے! حضرت چوہدری صاحبؓ اپنی روز مرّہ زندگی میں کس قدر مشقت اور تکلیف اُٹھا کر مستحقین کے دُکھوں کو دُور اور ان کی ضرورتوں کو پورا کیا کرتے تھے۔ اس کا راز آپ کی حد تک پہنچی ہوئی کفایت شعاری میں تھا۔ ایک دفعہ آپ فرمانے لگے کہ میں اگر کفایت شعاری سے کام لیتا ہوں تو اس لئے نہیں کہ مجھے عام امراء کی طرح مال جمع کرنے کا شوق ہے بلکہ اس لئے کہ تا میں ان اموال کو راہِ خدا میں بے دھڑک خرچ کرسکوں۔ آپ ایک کروڑ پتی امریکن کا یہ واقعہ بار بار سنایا کرتے کہ ایک دفعہ اسے دو خواتین نے فون کیا اور اسے رفاہِ عامہ کے ایک کام کے سلسلہ میں مالی تعاون کی تحریک کی۔ کروڑ پتی شخص نے اُن دونوں خواتین کو وقت دیا اور تاکید کی کہ میرا وقت قیمتی ہے اس لئے وقت پر آنا اور میں اس ملاقات کیلئے تم کو صرف دس منٹ دے سکتا ہوں۔ یہ دونوں خواتین عین وقت پر حاضر ہوگئیں۔ اس کروڑ پتی نے جونہی ان خواتین کو اپنے کمرے میں

داخل ہوتے دیکھا تو فوراً اپنے دفتر کی ایک کے سوا باقی سب بتیاں گُل کردیں۔ ان خواتین نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو اشارہ کیا کہ جو شخص اس قدر کنجوس ہے وہ ہمیں کیا دے گا۔ اس نے تو چند منٹ کی ملاقات کیلئے بتیاں بجھادی ہیں کہ خرچ زیادہ نہ ہو۔ کروڑ پتی دونوں خواتین کے انداز کو بھانپ گیا۔ لیکن خاموش رہا۔ خواتین نے جب مالی تعاون کی تحریک کی تو کروڑ پتی نے ایک خطیر رقم کا چیک کاٹ کر ان کے حوالے کردیا۔ یہ رقم ان دونوں خواتین کے اندازہ سے اس قدر زیادہ تھی کہ دونوں ہکّا بکّا رہ گئیں اور سراپا سپاس تشکر بن گئیں۔ جب یہ خواتین اُٹھنے لگیں تو کروڑ پتی نے ان کو بیٹھنے کو کہا اور پوچھا کہ آپ نے میرے بتیاں بجھانے پر کیا سوچا تھا۔ دونوں خواتین پہلے تو جھجکیں پھر صاف صاف بتایا کہ آپ کی اس حد درجہ کفایت شعاری کو دیکھ کر ہمیں آپ سے کوئی اُمید نہ رہی تھی اور ہم آپ کو کوئی کنجوس آدمی خیال کر بیٹھی تھیں۔ کروڑ پتی نے کہا دیکھو اسی طرح روشنیاں بُجھاتے بُجھاتے میں اِس قابل ہوا ہوں کہ تمہیں اتنا بڑا چیک خیرات کے طور پر دے سکوں۔ اگر میں اپنے اموال کو اس طرح نہ بچاتا تو یہ رقم جو میں نے تم کو دی ہے یہ میری ذاتی ضروریات کی نذر ہو جاتی اور میں آج خیراتی کاموں میں حصہّ لینے سے محروم رہ جاتا۔ حضرت چوہدری صاحبؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے بھی اس کروڑ پتی سے یہ سبق سیکھا کہ قربانیوں اور صدقہ وخیرات کی توفیق تبھی مل سکتی ہے جب ہم کفایت شعاری کی عادت پیدا کریں۔

اپنی ذات پر ظلم دوسروں کی مدد

حضرت چوہدری صاحبؓ دوسروں کی مدد کرنے کیلئے اپنی ذات پر کس کس رنگ میں ظلم کرتے تھے اس کی بے شمار مثالیں میں نے آپ کے قریب رہ کر نوٹ کیں۔ ایک دفعہ جب آپ امریکہ تشریف لے جارہے تھے تو میں نے آپ سے عرض کی کہ ایک کمپنی ARROW کی بنی ہوئی دو قمیضیں جن کی قیمت دس پونڈ فی قمیض تھی میرے لئے لیتے آئیں۔ فرمایا میں تو اپنے دوستوں کیلئے یہ پسند نہیں کرتا کہ وہ فضول خرچی کریں۔ دس پونڈ میں تو کم از کم چار قمیضیں آنی

چاہئیں۔ میں نے عرض کیا چوہدری صاحب آپ بھی کمال کرتے ہیں ڈھائی پونڈ کی ایک قمیض کہاں سے ملے گی۔ فرمانے لگے امام صاحب! میں تو سالہا سال سے اسی قیمت کی قمیض امریکہ سے خریدتا ہوں اور پہنتا ہوں، مجھے تو کبھی کسی نے یہ نہیں کہا کہ تم نے سستی قمیض پہن رکھی ہے۔ اس لئے اگر تو میری طرح کی سستی قمیض پسند ہو تو میں لیتا آؤں گا لیکن اس سے مہنگی قمیض میں نہیں لاؤں گا۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ فضول خرچی کریں۔ اب میں پھنس چکا تھا۔ پیسے واپس مانگتا تو ناراضگی کا خدشہ تھا۔ لہٰذا نیم دلی سے کہا آپ جو چاہیں قمیض میرے لئے لے آئیں۔

ایک دفعہ میں آپ کے غسلخانے میں گیا تو میں نے وہاں پر ایک عجیب قسم کا صابن دیکھا۔ اس صابن کی کئی تہیں تھیں۔ میں نے پوچھا یہ عجیب قسم کا صابن آپ نے کہاں سے حاصل کیا؟ مسکرا کر فرمانے لگے جب صابن استعمال کرتے کرتے باریک سا رہ جاتا ہے اور مزید استعمال کرنا مشکل ہو جاتا ہے تو میں نئے صابن کے ساتھ اس کو جوڑ دیتا ہوں اس طرح بہت سے صابن جُڑتے جُڑتے یہ شکل بن گئی ہے۔

آپ کی اس حد درجہ بڑھی ہوئی کفایت شعاری کے موضوع پر میری ان سے ایک دفعہ گفتگو ہوئی۔ میں نے کہا چوہدری صاحب کفایت شعاری بجا! لیکن یہ معمولی دو ڈھائی پونڈ کی بچت سے کیا بن جاتا ہے۔ فرمانے لگے تم جانتے ہو یہ ڈھائی پونڈ پاکستان پہنچ کر کتنی رقم بن جاتی ہیں؟ میں نے سوچا یہ ساٹھ ستر روپے کے لگ بھگ بن جاتے ہیں۔ فرمانے لگے جانتے ہو اس رقم سے ایک غریب خاندان کا بچہ پاکستان میں ایک ماہ پڑھائی جاری رکھ سکتا ہے۔ میرے ذرا سی تکلیف اُٹھانے سے پاکستان میں کسی غریب بچے کا مستقبل سنور جائے تو مجھے اور کیا چاہیئے! اور زندگی میں عام آسائشیں حاصل نہ کرنے سے ایک اور بڑا اہم فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ انسان کا نفس اس کے تابع رہتا ہے اور دُنیا میں کچھ کر گذرنے اور خصوصًا خدمتِ دین کے معاملے میں اس کی راہ میں روکاوٹ نہیں بنتا۔

قصہ جُوتے کی خرید کا

ایک بار آپ نے ایک جوتا خریدنا تھا۔ آپ کسی کو ساتھ لے کر جوتا خریدنے نکلے۔ آپ کے ساتھی نے آپ کو اعلیٰ اور قیمتی جوتے دکھائے مگر آپ ردّ فرماتے رہے۔ آپ کو اپنی مرضی کا سستا جوتا نہ مل سکا۔ آخر واپس آ گئے۔ اس شخص نے تنگ آ کر کہا چوہدری صاحب! آپ اپنی پوزیشن کو بھی دیکھا کریں، جتنا سستا جوتا آپ چاہتے ہیں اس کو دیکھ کر لوگ آپ کے بارے میں کیا سوچیں گے؟ آپ نے فرمایا ''جو شخص مجھے جانتا ہے کہ میرا نام ظفر اللہ ہے اس کی نظر کبھی میرے جوتے پر نہیں جائے گی اور جو شخص نہیں جانتا کہ میں کون ہوں اس کو میں قیمتی جوتا پہن کر یہ نہیں بتانا چاہتا کہ میرا نام ظفر اللہ ہے''۔ اس شخص نے ہار کر کہا چوہدری صاحب آپ اپنی عمر کو بھی تو دیکھیں اس عمر میں آپ کو نرم اور آرام دہ جوتا چاہیئے۔ فرمانے لگے مجھے تو کبھی محسوس نہیں ہوا کہ میرے پیر کو بے آرامی محسوس ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے اپنے پاؤں کو نرم جوتے کا عادی ہی نہیں بنایا۔ اور آپ جتنا مہنگا جوتا میرے لئے تجویز کر رہے ہیں اس رقم کو بچا کر تو پاکستان میں کئی طالب علموں کی پڑھائی کا خرچہ پورا ہو سکتا ہے۔

میں کبھی سوچتا ہوں تو بے اختیار میری آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں کہ کسی ان دیکھے طالب علم، کسی ناواقف اور انجان بیوہ یا مستحق کیلئے آپ کے دل میں کس قدر درد تھا اور آپ اپنے آرام کا ایک ایک لمحہ ان کیلئے کس کس طرح مسلسل قربان کرتے رہتے تھے۔ دُنیا کی تاریخ میں ایسی کتنی ہستیاں پیدا ہوئی ہوں گی؟ ایسی ہستی بھلا اب کب پیدا ہوگی؟

کفایت اور دریا دِلی پہلو بہ پہلو

شاید کوئی پڑھنے والا سوچے کہ جس طرح حضرت چوہدری صاحبؒ خود کفایت کی زندگی گزارتے تھے اسی طرح کفایت سے وظائف بھی دیتے ہوں گے۔ تو اس کفایت شعاری کے مقابلے پر انتہائی دریا دلی کا ایک واقعہ بھی سن لیجئے۔ آپ نے مستحقین کی امداد کیلئے جو ٹرسٹ قائم کیا

تھا، میں لندن میں اس کا نائب چیئر مین تھا۔ حضرت چوہدری صاحبؒ نے ٹرسٹ کو آزادی دی ہوئی تھی کہ وہ مستحقین کی درخواستیں وصول کر کے ان کو ازخود وظائف جاری کر دیا کرے۔ کبھی کبھار حضرت چوہدری صاحبؒ خود بھی اس کے اجلاس میں تشریف لایا کرتے تھے اور آپ کی حالت یہ ہوتی تھی کہ ایک طرف سر جھکائے خاموشی سے بیٹھے رہتے۔ کبھی یہ ہوتا کہ کسی طالب علم کی درخواست پیش ہوتی کہ اسے انگلستان میں تعلیم حاصل کرنے کیلئے دوسو پونڈ ماہانہ وظیفے کی ضرورت ہے۔ ہم لوگ اس پر غور کرتے کہ یہاں کی یونیورسٹیاں طالب علموں کو 1200 پونڈ سالانہ وظیفہ دیتی ہیں اور یہ وظیفہ طالب علم کی ضرورت کیلئے بہت کافی ہے۔ اس لئے دوسو پونڈ دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جب ہماری گفتگو نقطۂ عروج پر پہنچتی تو حضرت چوہدری صاحبؒ ہلکی سی آواز میں مداخلت فرماتے ''دے دو اسے ضرورت ہوگی۔ شاید کوئی اور ضرورت ہو''۔ اس موقع پر ہم بے بس ہو جاتے اور اسی لئے ہماری یہ کوشش ہوتی کہ آپ ان اجلاسات میں شریک نہ ہی ہوں تو بہتر ہے۔ آپ کا قائم کردہ ٹرسٹ ضرورت مندوں کو قرضے بھی دیتا تھا۔ برطانیہ میں بہت سے لوگوں نے اس ٹرسٹ سے قرضے لیکر اپنے مکان بنائے ہیں۔ لیکن جب یہ لوگ مکان بنا لیتے اور اس قابل بھی ہو جاتے کہ قرض واپس کر سکیں تب بھی بعض لوگ قرض کی واپسی میں لیت و لعل کرتے۔ اس پر حضرت چوہدری صاحبؒ افسوس کا اظہار کرتے کہ اگر یہ قرض واپس کر دیں تو کتنے ہی اور ضرورت مندوں کی امداد ہو جائے۔

اس کفایت کی اور مثالیں سنیں۔ کھانے میں سادگی کا یہ عالم تھا کہ جب آپ عالمی عدالتِ انصاف میں ہیگ میں بطور جج مقیم تھے تو آپ عموماً جمعہ کے دن ہیگ سے لندن تشریف لاتے اور سوموار کی صبح کو دس بجے کے قریب ہیگ پرواز کر جاتے۔ سوموار کی صبح کو ناشتہ پر جو ٹوسٹ اور انڈہ بچ جاتا اسے پیک کر کے ساتھ لے جاتے اور فرمایا کرتے کہ چونکہ میں ہیگ ایئر پورٹ سے سیدھا کورٹ چلا جاتا ہوں اس لئے دوپہر کے کھانے کیلئے یہ ٹوسٹ اور ایک گلاس دُودھ کفایت کر جاتا

ہے میں اصرار کرتا کہ باقاعدہ لنچ پیک کر کے ساتھ دیتا ہوں لیکن آپ نہ مانتے اور فرماتے کہ کھانے میں تکلّف مجھے پسند نہیں ہے۔

کھانے کی عادات

کھانے میں شہد آپ کو بہت پسند تھا۔ آپ کے دوستوں اور جاننے والوں کو اس کا علم تھا چنانچہ دُور دُور سے مختلف قسم کے پھولوں سے کشید کردہ شہد آپ کو تحفۃً بھجوایا کرتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ شہد میں قدرتی مٹھاس موجود ہے اور حالانکہ میں شوگر کا مریض ہوں مجھے اس نے کبھی نقصان نہیں پہنچایا اور یہ قرآن کریم کی سچائی کی دلیل ہے کیونکہ قرآن کریم نے فرمایا ہے:

فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ (النحل:70) اس میں دُنیا بھر کے انسانوں کیلئے شفا موجود ہے۔

آپ کے کھانے کی عادات نہایت سادہ تھیں، کھانے میں کبھی تکلّف نہیں کرتے تھے۔ جو بھی سامنے رکھ دیتے کھا لیا کرتے تھے۔ مجھے متواتر دس سال تک آپ کی خدمت کی توفیق ملی۔ آپ روزانہ دوپہر اور شام کا کھانا خاکسار کے ساتھ تناول فرماتے۔ ایک عرصہ تک ناشتہ بھی اکٹھا ہوتا تھا مگر بعد میں آپ نے اپنی آسانی کے خیال سے ناشتہ علیحدہ کر لیا۔ ان دس سالوں میں ایک بار بھی کھانے میں کوئی نقص نہیں نکالا۔ سبزیوں میں اروی بہت رغبت سے کھاتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ ایک بار مجھے ایک حادثہ پیش آ گیا جس کے نتیجے میں میں بے ہوش ہو گیا۔ ہوش آنے پر مجھے کھانے میں اروی دی گئی۔ بس اب اسی دن سے مجھے اروی سے رغبت پیدا ہو گئی۔ آپ کھانا بہت کم کھایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ فرمانے لگے کہ صوفیاء نے جو لکھا ہے کہ روحانیت کیلئے کم کھانا کم سونا اور کم بولنا ضروری ہے تو میں کم کھانے اور کم سونے پر تو عمل کرتا ہوں البتہ کم بولنے پر ابھی میں عمل نہیں کر سکا۔

طلسماتی یادداشت کے معجزے

حضرت چوہدری صاحب رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے جن غیر معمولی انعامات و افضال سے نوازا تھا ان

میں ایک نمایاں ترین بات آپ کی غیر معمولی یادداشت تھی۔ اس کے بارے میں صرف غیر معمولی کا لفظ تو ہرگز مناسب نہیں۔ آپ یادداشت کے معاملے میں طلسماتی اور مافوق البشر خصوصیات کے مالک تھے۔ درحقیقت یہ آپ کی زندگی کا ایک غیر معمولی پہلو ہے جو غیر معمولی تحقیق اور ریسرچ کا متقاضی تھا۔ اس بارے میں جتنی باتیں معلوم ہوتی ہیں پہلے سے بڑھ کر حیرت میں مبتلا کر دیتی ہیں اور بے ساختہ قائداعظم کی اس بات پر ایمان لانا پڑتا ہے کہ:

''ظفر اللہ خان کا دماغ خداوند کریم کا زبردست انعام ہے۔''

(مسلم آواز کراچی جون 1952ء بحوالہ الفضل 22 جون 1952ء)

یوروپ میں گھر گھر میں ٹیلیفون موجود ہے۔ ہر گھر میں اہم ٹیلیفون نمبر کسی جگہ لکھ کر رکھے جاتے ہیں۔ مصروف لوگ اور ایسے لوگ جن کا حلقہ احباب بہت وسیع ہوتا ہے وہ ہر وقت اپنے پاس ضروری ٹیلیفون نمبروں کی مختصر ڈائریکٹری رکھتے ہیں لیکن حضرت چوہدری صاحبؒ نے جن کا حلقہ احباب سینکڑوں یا ہزاروں احباب تک وسیع تھا کبھی کسی کا ٹیلیفون نمبر نوٹ نہیں کیا۔ یہ سارے ٹیلیفون نمبر آپ کے ذہن کے کمپیوٹر میں محفوظ رہتے تھے اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ نے اپنے کسی جاننے والے کا ٹیلیفون نمبر کسی دوسرے سے پوچھا ہو۔ لوگ ملنے آتے، آپ ان کا ٹیلیفون نمبر پوچھتے ۔ ملنے والا خیال کرتا کہ آپ نمبر نوٹ کریں گے لیکن آپ یہ نمبر چند بار دہراتے اور بس پھر یہ آپ کی طلسماتی یادداشت کا حصہ بن جاتا۔ یوروپ میں ٹیلیفون نمبر بھی بڑے طویل ہوتے ہیں لیکن آپ کی بے خطا یاداشت کو کبھی نمبر یاد کرنے میں دشواری پیش نہ آئی۔

ایک دفعہ آپ خاکسار کے ساتھ سفر میں تھے۔ گفتگو کا رُخ کسی ایسی سمت میں مُڑ گیا کہ حضرت چوہدری صاحبؒ نے فارسی اور اُردو کے اشعار سنانے شروع کئے اور عالم یہ تھا کہ ایک کے بعد دوسرا شعر روانی سے ادا ہو رہا تھا۔ اس حد تک تو شاید لوگ کسی کی ہمسری کا دعویٰ کر سکیں لیکن

حیران کُن بات میں آگے بتاتا ہوں۔ میں نے عرض کیا چوہدری صاحب! آپ کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی قوتِ حافظہ سے نوازا ہے کہ آپ کو اتنے بے شمار شعر یاد ہیں۔ فرمانے لگے اگر ہم جس راستے سے واپس آئے ہیں اسی راستے سے واپس روانہ ہوں تو میں آپ کو یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ کس موڑ پر اور کس جگہ میں نے کون سا شعر آپ کو سنایا تھا۔ میں حیرت و استعجاب کے سمندر میں غرق آپ کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

آپ کی خودنوشت سوانح عمری کا پہلا ایڈیشن 1971ء میں شائع ہوا۔ جب آپ نے اپنی کتاب کا ضخیم مسودہ لکھا تو ازراہِ شفقت مجھے دیا کہ میں اسے پڑھ کر اپنی رائے دُوں۔ میری کیا بساط تھی کہ آپ کی اس تاریخی تحریر پر اپنی رائے دیتا تاہم میں نے ادب سے اتنا عرض کیا کہ آپ نے یہ سارے واقعات جن میں سے بعض ساٹھ ستّر سال پرانے ہیں صرف اپنی یادداشت کے سہارے لکھے ہیں۔ ان میں جابجا معین تاریخیں، سن اور وقت بھی لکھا ہے اگر ان کی کسی طرح سے پڑتال ہو جائے تو بہتر ہے۔ حضرت چوہدری صاحبؒ نے فرمایا نہیں! اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ مجھے اپنی یادداشت پر پورا اعتماد ہے۔ میں نے اس پر اصرار کیا تو فرمانے لگے اچھا یوں کریں کہ ایک دو واقعات بطور ٹیسٹ نکال لیں اور ان کی پڑتال کریں۔ چنانچہ میں نے ایک مشہور شخصیت سے آپ کی ملاقات کے حصے کو اس مقصد کیلئے چُنا۔ اس سے میرا مطلب یہ تھا کہ اس اہم شخصیت سے آپ کی ملاقات کا ذکر ممکن ہے اخبار میں سے نکل آئے۔ وہ شخصیت کوئی سربراہِ مملکت تو نہیں تھی لیکن اہم شخصیت تھی۔ اس ملاقات کے ذکر میں حضرت چوہدری صاحبؒ نے یہ بھی بیان فرمایا تھا کہ اس وقت ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی اور آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ مجھے اُمید تھی کہ اس روز کی موسم کی خبر میں اس کا پتہ بھی چل جائے گا۔ چنانچہ میں نے بڑی کوشش کر کے سالہا سال پرانے اخبارات کے فائل نکلوائے اور میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جبکہ مجھے اس روز کی خبروں میں چوہدری صاحب کی ملاقات کی تفصیلات کے علاوہ موسم کی خبر سے یہ پتہ بھی لگ گیا کہ اس

ملاقات کے وقت بوندا بوندی ہو رہی تھی۔ آپ کی طلسماتی یادداشت کی لفظ بلفظ تصدیق سے میں دنگ رہ گیا اور باقی واقعات کی پڑتال کا خیال دل سے نکال دیا۔ اپنی تصانیف کیلئے آپ بہت کم حوالہ جات کی تلاش کرواتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اکثر حوالے آپ کو زبانی یاد ہوتے تھے۔

جن کی خاطر خدا اپنی تقدیریں بدل دیتا ہے

حضرت چوہدری صاحبؓ ان خدارسیدہ لوگوں میں شامل تھے جن کی دُعاؤں کے تیر کبھی خطا نہیں جاتے۔ جن کی خاطر خدا تعالیٰ اپنی تقدیریں بھی ٹال دیتا ہے۔ جب آپ سے دُعا کیلئے کہا جاتا تو آپ فوراً بالالتزام دُعا شروع کر دیتے اور فرمایا کرتے۔ بارہا یوں بھی ہوا کہ کسی نے مجھے کہا کہ میرے ہاں زچگی متوقع ہے دُعا کریں کہ خدا تعالیٰ مجھے لڑکے سے نوازے۔ میں دُعا میں لگ جاتا ہوں اور عرصہ بعد جب اسی شخص سے پوچھتا ہوں کہ بھئی میں تمہارے لئے دُعا کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں لڑکا دے تو وہ شخص جواب دیتا کہ میرے ہاں تو لڑکا پیدا ہوئے اب ایک سال ہونے کو ہے۔ اس لئے اکثر فرمایا کرتے کہ جو بھی مجھے دُعا کے لئے کہے اسے چاہیئے کہ حصولِ مقصد کے بعد مجھے بھی مطلع کر دیا کرے۔

آپ کی دُعائیں کسی خاص فرد یا مقصد تک محدود نہیں تھیں بلکہ سارا عالم آپ کی دُعاؤں سے مستفید ہوتا تھا۔ ایک دفعہ جب امریکن خلا باز خلا میں گئے تو فرمایا کہ جس دن انہوں نے اُترنا تھا اس دن میں سارا دن ان کی بخیریت زمین پر واپسی کیلئے دعا کرتا رہا اور اگرچہ میں اپنے کام میں لگا ہوا تھا لیکن دل کی کیفیت ان کیلئے مجسم دُعا تھی اور جب ان کے اُترنے کی اطلاع ملی تو دل حمدِ الٰہی سے بھر گیا۔

فرمایا کرتے تھے لوگ دُعا تو کرتے ہیں لیکن دُعا کیلئے جو شرائط ہیں ان پر عمل نہیں کرتے۔ اس لئے قبولیت دُعا سے مستفید نہیں ہو پاتے۔ اپنے ایک بزرگ کا ذکر فرمایا کرتے تھے کہ ان کی

دعائیں بہت قبول ہوتی تھیں۔ قبولیت دُعا کا راز دریافت کرنے پر ان بزرگ نے فرمایا کہ میں دُعا کیلئے اندھیری کوٹھڑی میں چلا جاتا ہوں، دروازہ بند کر لیتا ہوں اور اللہ میاں کو جپھی ڈال لیتا ہوں کہ جب تک میری دُعا کو قبول نہیں کرو گے میں نہیں چھوڑوں گا۔ حضرت چوہدری صاحبؓ فرمایا کرتے تھے کہ دُعا تبھی پایہ قبولیت کو پہنچتی ہے جب انسان اپنے اُوپر یہی کیفیت طاری کرے اور آستانہ الٰہی سے اس وقت تک چمٹا رہے جب تک قبولیت دُعا کا نشان نہ دیکھ لے۔

افغان نمائندہ آپ کی دُعاؤں کے تیر کا شکار ہو گیا

حضرت چوہدری صاحبؓ اپنی قبولیت دُعا کے واقعات بھی سنایا کرتے تھے۔ ایک اہم دُعا جس کی قبولیت کا آپ نے مجھ سے بھی ذکر کیا یوں ہے۔ فرمایا کہ جب میں اقوام متحدہ کے سترھویں سیشن کا صدر منتخب ہوا تو میرے دل میں اس بات پر تشویش پیدا ہوئی کہ میں نے تو اسمبلی کے قواعد وضوابط کا مطالعہ بھی نہیں کیا جبکہ افغانستان کے سفیر متعینہ اقوام متحدہ دن میں کئی کئی بار پوائنٹ آف آرڈر اُٹھانے میں مشہور تھے اور بار بار صدر کو قواعد کی طرف متوجہ کر کے ان کو آگے نہیں چلنے دیتے تھے۔ حضرت چوہدری صاحبؓ نے فرمایا میں نے بڑی تضرع سے اپنے مولیٰ سے دُعا کی خدایا ایسے معاملات میں اپنی قدرت کا جلوہ دکھا کر میری مدد فرما۔ حضرت چوہدری صاحبؓ بعد میں بہت جذباتی انداز میں فرمایا کرتے تھے کہ میرے مولیٰ نے میری تضرعات کو یوں شرفِ قبولیت بخشا کہ میری صدارت کے دوران ایک سال کے عرصہ میں ایک بھی پوائنٹ آف آرڈر نہیں اُٹھایا گیا اور یوں یہ سیشن اس لحاظ سے بھی ایک تاریخی حیثیت اختیار کر گیا۔

عبادت رُوح کی غذا

حضرت چوہدری صاحبؓ صحیح معنوں میں ایک عارف باللہ وجود تھے عبادت آپ کی رُوح کی غذا تھی۔ اعلیٰ ترین سطحوں کے اجتماعات، میٹنگز ملاقاتوں میں کبھی آپ نے نماز قضاء نہیں ہونے

دی۔ تہجد کی نماز نہ معلوم کتنے سال کی عمر میں شروع کی تھی کہ دیکھنے اور جاننے والوں نے ہمیشہ آپ کو تہجد کا پابند پایا۔ پانچ وقت نماز باجماعت کی پابندی مرتے دم تک قائم رکھی۔ میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ انگلستان میں جب گرمیوں کے موسم میں دن بہت لمبے اور راتیں بہت چھوٹی یعنی محض چند گھنٹوں کی ہوتی ہیں تب بھی آپ نے نمازِ تہجد اور نماز فجر کی بروقت ادائیگی کا التزام رکھا۔ آپ کا قیام لندن مشن کے ایک فلیٹ میں تھا جو تیسری منزل پر تھا اور اس میں لفٹ بھی نہ تھی۔ آپ ہر نماز کے لئے تشریف لاتے اور باوجود پیرانہ سالی اور کمزوری کے اتنی ساری سیڑھیاں چڑھتے اور اُترتے۔ نماز جمعہ کے لئے اوّل وقت تشریف لے آتے اور ہمیشہ پہلی صف میں تشریف فرما ہوتے۔

ذکر الٰہی اور تسبیح وتحمید کے لئے یوں تو آپ کا ہر لمحہ وقف تھا لیکن بطور خاص روزانہ دو میل کی سیر کے دوران درود شریف اور تسبیحات کا ورد فرماتے۔ اس لئے سیر کے دوران کسی کی معّیت پسند نہیں فرماتے تھے۔ آپ کی کیفیت صحیح معنوں میں 'دست درکار دل بایار' کی ہوا کرتی تھی۔

ظفر اللہ! تیری حیثیت

حضرت چوہدری صاحبؓ نے اپنے نفس کو اپنا اس قدر مطیع کیا ہوا تھا کہ یہ کیفیت صحیح معنوں میں اپنی مثال آپ ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنی تربیت کیلئے ہمیشہ کوشاں رہتا ہوں اور بسا اوقات میں اکیلے میں اپنے نفس کو خوب جھاڑتا ہوں کہ دیکھ تجھ میں یہ کمزوریاں ہیں انہیں دُور کرنے کی طرف توجہ دے۔ ایسا کرنے سے میری طبیعت اس بات کی طرف شدّت سے مائل ہو جاتی ہے کہ میں اپنی کمزوریوں کی اصلاح کرسکوں۔ اسی بات نے آپ کو انکساری اور تواضع میں ایک خاص مقام پر پہنچا دیا۔ آپ اپنے نفس کیلئے اتنے سخت الفاظ استعمال فرماتے کہ اب آپ کی وفات کے بعد دل بھی نہیں چاہتا کہ ان الفاظ کو اپنی زبان سے ادا کیا جائے مگر حضرت چوہدری صاحبؓ کی عظمت کی بلندیوں کا صحیح اظہار کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ یہ سخت ترین الفاظ بھی

بجنسہ درج کئے جائیں۔ یہ واقعہ ملاحظہ فرمائیے:

ایک مرتبہ یورپ کے ایک صاحب نے آپ کو خط لکھا اور اس بات پر شکوہ کیا کہ آپ اِن کے مُلک تشریف نہیں لے جاتے۔ خط کے آخر میں ان صاحب نے اپنی نادانی میں یہ لکھ دیا کہ شاید آپ اس وجہ سے ہمارے پاس تشریف نہیں لاتے کہ آپ بڑے آدمی ہیں اور ہم کم حیثیت کے ہیں وغیرہ۔ حضرت چوہدری صاحبؓ کو خط کے اس آخری فقرے سے سخت تکلیف ہوئی۔ اگلے دن آپ نے ان صاحب کے نام ایک خط لکھ کر پوسٹ کرنے کو دیا اور فرمایا بے شک آپ اسے پڑھ بھی لیں۔ خاکسار نے خط پڑھا اور خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں یہ خط پڑھ کر سر سے پاؤں تک کانپ گیا۔ آج بھی اس خط کے مضمون کے تصوّر سے میرے بدن پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ چوہدری صاحب نے ان کے پاس نہ جانے کی معذرت کرنے کے بعد تحریر فرمایا جب میں آپ کے خط کے اس فقرے پر پہنچا کہ میں اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہوں تو میں نے اپنے آپ سے سوال کیا کہ ظفر اللہ خان تم اپنے نفس کو اچھی طرح ٹٹول کر جواب دو کہ تمہاری حیثیت کیا ہے۔ چنانچہ میں نے اس وقت خط کا جواب فوری طور پر دینا ملتوی کر دیا اور اس سوال پر پورا ایک دن اور ایک رات غور کرتا رہا اور خط کا جواب دینے سے رُکا رہا۔ اب میں آپ کے اس سوال کا جواب دے رہا ہوں جبکہ میرے نفس نے مجھے جواب دیا ہے کہ میری حیثیت درحقیقت کیا ہے۔ اور وہ جواب یہ ہے کہ میرے نفس نے مجھے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ ظفر اللہ خان تیری حیثیت ایک مرے ہوئے کُتّے سے بھی بدتر ہے۔ تم میں کوئی بڑائی نہیں جو کچھ تمہیں ملا ہے وہ محض فضلِ خداوندی ہے۔ وغیرہ۔

میں پسینے پسینے ہو رہا تھا

حضرت چوہدری صاحبؓ کی پاکیزہ زندگی ایسے ایسے حیران کن اور دلوں کو مُٹھی میں لے لینے والے واقعات پر مشتمل ہے کہ میں سناتا جاؤں اور آپ سنتے جائیں۔ نہ میں تھکوں نہ آپ کو تھکن کا احساس ہو۔ یہ داستان رُوح پرور اور ایمان افروز واقعات کا ایسا مجموعہ ہے جس کی لذت

میں کبھی بھی فرق نہیں آ سکتا۔ مجھے ایک اور واقعہ یاد آتا ہے جب میں شرم سے پانی پانی ہوا جاتا تھا اور حضرت چوہدری صاحبؓ مربی سلسلہ کے احترام کا نہ بھولنے والا سبق دے رہے تھے۔ آپ بھی سنئے:

حضرت چوہدری صاحبؓ جہاں بھی رہے وہاں آپ نے مربیانِ سلسلہ سے خصوصی تعلق قائم رکھا۔ مربی سلسلہ کا جو احترام آپ فرماتے تھے شائد ہی کسی اور کے حصہ میں آیا ہو۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ مربیانِ سلسلہ نے اپنی زندگی ایک اعلیٰ مقصد کیلئے وقف کر رکھی ہے اس لئے جماعت پر ان کا انتہائی احترام واجب ہے۔ چنانچہ ایک دن ایسا ہوا کہ آپ کے دہلی میں قیام کے زمانہ کے ایک باورچی نے، جو اب لندن میں مقیم ہے، آپ کو کھانے کی دعوت دی جو آپ نے قبول فرمالی۔ خاکسار بھی اس دعوت میں شریک تھا۔ غریب باورچی خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا کہ حضرت چوہدری صاحبؓ نے اس کی دعوت کو شرفِ قبولیت بخشا تھا۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد جب ہم کار کی طرف چلے تو مذکورہ باورچی نے ایک تھیلا خاکسار کو پکڑاتے ہوئے کہا کہ اس میں مُرغ مسلّم ہے اور یہ حضرت چوہدری صاحبؓ کیلئے ہے۔ حضرت چوہدری صاحبؓ نے یہ بات سن لی۔ وہیں کھڑے ہو گئے۔ تھیلا جھپٹ کر میرے ہاتھ سے لے لیا اور باورچی سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ تم نے بڑی گستاخی کی ہے۔ امام صاحب برطانیہ میں جماعت احمدیہ کے نمائندہ ہیں۔ اس لحاظ سے میں ہر وقت ان کے ماتحت ہوں۔ تمہیں یہ تھیلا انہیں نہیں پکڑانا چاہیئے تھا۔ ان کا احترام لازم ہے۔ حضرت چوہدری صاحبؓ باورچی کو یہ نصیحت فرما رہے تھے اور میں شرم سے زمین میں گڑا جا رہا تھا۔ بھلا حضرت چوہدری صاحبؓ صاحب کے سامنے میری کیا حیثیت!

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

جب بھی کوئی شخص آپ کی دعوت کرتا تو آپ فرماتے امام صاحب سے پوچھ لیں اگر انہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو میں ان کے ساتھ آ جاؤں گا۔ ضمناً یہ عرض کر دوں کہ آپ دعوت کبھی ردّ نہ

کرتے حالانکہ بوجہ ذیابیطس پرہیزی کھانا کھانے کی وجہ سے دعوتوں میں جانا آپ کی صحت کیلئے مناسب نہ تھا۔ فرماتے حدیث میں آیا ہے کہ دعوت کو ردّ نہ کرو۔ اس لئے دعوت قبول کرنی چاہیئے۔

حضور سے خوشنودی کا سرٹیفکیٹ حاصل کرنے والی جماعت کی تربیت کا جوش

احسان فراموشی ہوگی اگر میں یہ ذکر نہ کروں کہ جماعتِ برطانیہ کی تربیت میں آپ کا خاص ہاتھ تھا۔ اور میرے برطانیہ میں قیام کے دوران تربیت کے ضمن میں آپ نے میرا بہت بوجھ ہلکا کئے رکھا اور آج اگر جماعت برطانیہ اس قابل ہوئی ہے کہ دُنیا بھر کی جماعتوں میں سے اسے یہ اعزاز حاصل ہوا ہے کہ وہ حضرت امام جماعت احمدیہ کی میزبان بننے کا شرف حاصل کرے تو اس میں بہت بڑا ہاتھ حضرت چوہدری صاحبؓ کی تربیت اور شبانہ روز محنت کا بھی ہے۔ آپ جماعت برطانیہ کی تربیت کیلئے دن رات دُعائیں کرنے کے علاوہ ان کی دینی ترقی کیلئے ہمہ وقت کوشاں رہتے۔ ایک دفعہ مجھے فرمایا کہ یہاں ہماری نئی نسل کو سنبھالنے کیلئے ان کی تربیت کی طرف خصوصی کوشش سے توجہ دینی چاہیئے۔ ایسا انتظام ہونا چاہیئے کہ کم از کم ہفتہ میں ایک دفعہ نوجوانوں کو اکٹھا کرکے ان کو تربیتی امور پر لیکچر دیئے جائیں۔ خاکسار نے عرض کیا کہ لیکچر دینے کا کام اگر آپ کریں تو بہت فائدہ ہوسکتا ہے۔ آپ نے فوراً حامی بھر لی اور ایک ڈیڑھ سال تک متواتر آپ ہفتہ واری سیمینار کو خطاب فرماتے رہے اور سالانہ امتحان کیلئے پرچہ بھی خود ہی تیار فرما کر امتحان لیا۔ یہ وہی حضرت چوہدری صاحبؓ کی تربیت یافتہ نسل ہے جو اب جوانی میں قدم رکھ چکی ہے اور آج حضرت امام جماعت سے تعریفوں کے سرٹیفکیٹ حاصل کر رہی ہے۔ حضرت چوہدری صاحبؓ کی تصانیف سے بالخصوص جماعت برطانیہ کو خاص فائدہ پہنچا۔ آپ کے خطابات جن کو برادرم چوہدری عبدالکریم صاحب آف لندن نے کیسٹوں کی صورت میں محفوظ کیا ہوا ہے مستقبل میں بھی احباب جماعت کی تعلیم و تربیت میں ممد و معاون ثابت ہوں گے۔ انشاء اللہ۔

ریٹائرمنٹ کے بعد جب آپ مستقلاً انگلستان تشریف لے آئے تو آپ نے اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ نوجوانوں میں قرآن مجید کا عشق پیدا کرنے کیلئے خصوصی کلاس کا اجراء کرنا چاہیئے۔ چنانچہ خاکسار نے تعلیم القرآن کلاس کے نام سے یہ کلاس جاری کردی۔ آپ نے سالہا سال تک اس کلاس میں فضائل قرآن پر لیکچرز دیئے اور قرآنی علوم و معارف بیان فرماتے رہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو غضب کا حافظہ دیا تھا اس لئے جس حصہ قرآن پر درس دینا ہوتا تھا وہ حفظ فرما لیا کرتے تھے اور وہ حصہ زبانی تلاوت کر کے درس دیا کرتے تھے۔ اس طرح سے آپ کو قرآن کریم کا بہت سارا حصہ حفظ ہو چکا تھا۔

برطانیہ کے مربی انچارج اور امام مسجد فضل لندن کی حیثیت سے بعض اوقات مجھے جماعت کو تنبیہ بھی کرنی ہوتی تھی اور طبیعت پر ایسا کرتے وقت بڑا بوجھ محسوس ہوتا تھا۔ جس کا ذکر ایک بار میں نے حضرت چوہدری صاحبؓ سے کیا اور عرض کیا کہ جماعت کو نصیحت اور تنبیہ کیلئے اپنا ایک مقام ہونا ضروری ہے جبکہ میری عمر اور ذاتی حیثیت ایسی نہیں کہ سامنے بیٹھے ہوئے بزرگان کو کسی قسم کی تنبیہ کروں اس لئے طبیعت میں حجاب رہتا ہے۔ فرمانے لگے دین کی خاطر کام کرتے وقت طبیعت میں کوئی حجاب نہیں ہونا چاہیئے۔ آئندہ جب ایسی کوئی ضرورت محسوس کریں مجھے کہہ دیا کریں۔ میں جماعت کو توجہ دلا دیا کروں گا۔ چنانچہ اس کے بعد جب بھی میں ضرورت محسوس کرتا کہ جماعت کو کسی تربیتی امر کے سلسلہ میں خصوصی توجہ دلانے کی ضرورت ہے تو حضرت چوہدری صاحبؓ کی خدمت میں عرض کر دیتا اور آپ نہایت مؤثر رنگ میں خطبہ یا تقریر ارشاد فرما دیا کرتے تھے۔ بعد میں آپ مزاحاً فرمایا کرتے تھے کہ امام صاحب مجھے اس وقت خطبہ دینے یا تقریر کرنے کیلئے کہتے ہیں جب جماعت کو ڈانٹ پلانا چاہتے ہوں۔

وقت کی پابندی کا صحیح نقطہ نظر

حضرت چوہدری صاحبؓ نے جس طرح نظم و ضبط سے ساری زندگی گزاری ہے۔ اس کا

ایک اہم پہلو وقت کی انتہائی پابندی ہے۔ اس پر آپ نہ صرف خود عمل پیرا ہوتے بلکہ احباب جماعت کی تربیت اس رنگ میں بھی فرماتے کہ انہیں بھی پابندیٔ وقت کی عادت پڑ جاتی تھی۔ ایک دفعہ کسی کو ملنے تشریف لے گئے۔ جب ہم اس شخص کے مکان پر پہنچے تو مقررہ وقت میں ابھی پندرہ منٹ باقی تھے۔ آپ نے فرمایا پابندیٔ وقت کا یہ بھی تقاضا ہے کہ کسی کے ہاں مقرّرہ وقت سے پہلے بھی نہ جایا جائے۔ اس لئے آیئے تھوڑی دیر سڑک پر ٹہلتے ہیں۔ عین وقت پر فرمایا اب چلیں چنانچہ ہم نے عین وقت پر گھنٹی بجادی۔

گول میز کانفرنس میں کامیابی کا ایک سبب

اس ضمن میں آپ کو اپنے آرام و آسائش کی قربانی بھی دینا پڑتی تھی۔ اس کا ایک واقعہ یوں بیان فرمایا کہ گول میز کانفرنسوں کے دنوں میں دوپہر کے کھانے کیلئے بڑا مختصر سا وقت ملتا تھا۔ ہندوستانی وفد کے اراکین اکثر کھانے کے وقفہ کے بعد دیر سے آتے جبکہ میں عین وقت پر کانفرنس ہال میں داخل ہوا کرتا۔ ایک دن علامہ اقبال نے مجھ سے پوچھا کہ چوہدری صاحب کھانا آپ بھی ہوٹل سے کھاتے ہیں اور ہم بھی۔ پھر آپ بروقت کھانے سے فارغ ہو کر کس طرح کانفرنس میں شامل ہو جاتے ہیں جبکہ ہمیں اِس مختصر وقت میں کھانا ہی نہیں ملتا۔ میں نے کہا کل میرے ساتھ چلے چلیں میں وقت پر فارغ کرادُوں گا۔ چنانچہ اگلے دن میں وفد کے ممبران کو بکنگھم پیلس کے قریب ہی ایک سیلف سروس ریستوران میں لے گیا۔ وہاں قطار میں کھڑے ہو کر کھانا حاصل کیا اور وقت کے اندر اندر کھانے سے فارغ ہو کر عین وقت پر سب لوگ کانفرنس ہال میں پہنچ گئے۔ وفد کے ممبران کو جب اگلے روز میں نے ساتھ چلنے کو کہا تو ان میں سے بعض نے کہا کہ آپ جائیں۔ ہم سے تو قطار میں کھڑے ہو کر کھانا حاصل نہیں کیا جاتا۔ میں نے کہا ٹھیک ہے! تو پھر آپ کو وقت پر آنا بھی ممکن نہ ہوگا۔ آپ کی اس پابندیٔ وقت کا یہ نتیجہ تھا کہ اقوامِ متحدہ کی تاریخ میں پہلی مرتبہ آپ کی صدارت کے دوران اقوامِ متحدہ کا اجلاس کرسمس کی تعطیلات سے پہلے پہلے حسبِ پروگرام ختم

ہو گیا اور اس اعتبار سے بھی یہ سیشن ایک تاریخی اہمیت اختیار کر گیا۔

پچاسی سال کی عمر میں روزانہ اٹھارہ گھنٹے کام

حضرت چوہدری صاحبؓ نے اپنی ساری زندگی اتنی بھرپور گزاری ہے کہ ان کے کام کرنے کی قوّت اور صلاحیت کو دیکھ کر رشک آتا تھا۔ آپ کی زندگی کا ماٹو یہ معلوم ہوتا تھا کہ کام کام اور صرف کام۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب چالیس سال کی عمر میں مجھے ذیابیطس کی تکلیف شروع ہوئی تو ڈاکٹروں نے بہت سی احتیاطیں بتائیں۔ ان دنوں میں میں سوچا کرتا تھا کہ اگر میری عمر ساٹھ سال بھی ہو گئی تو بہت ہو گی۔ اب جب اللہ تعالیٰ نے عمر میں اضافہ فرما دیا ہے تو یہ مہلت اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری میں بسر کرنا چاہتا ہوں چنانچہ آپ اسی پچاسی سال کی عمر میں بھی روزانہ اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے میز کرسی پر بیٹھ کر تصانیف میں مشغول رہتے تھے۔ دن کو سونے کی عادت نہ تھی۔ آرام کرسی پر بیٹھے بیٹھے کچھ دیر کیلئے آنکھیں بند کر کے آرام کر لیا کرتے۔ اکثر تصانیف کے ابتدائی مسودے اپنے ہاتھ سے لکھ کر مجھے دے دیا کرتے تھے۔ بعد میں جب ڈاکٹروں نے ہاتھ سے لکھنے سے منع کر دیا تو پھر تصانیف کو املاء کرنا شروع کیا۔

سلسلہ کے اخبارات و رسائل کو دلچسپی سے پڑھنا آپ کا خاص شوق تھا۔ الفضل کے مطالعہ میں کبھی ناغہ نہ کرتے۔ جب بھی لندن تشریف لاتے تو فرماتے فلاں تاریخ تک کے الفضل میں پڑھ چکا ہوں اس کے بعد کے الفضل مجھے دے دیں۔ چنانچہ میں یہ اہتمام کیا کرتا تھا کہ آپ کے آنے پر الفضل کے پچھلے شمارہ ترتیب سے موجود رکھتا اور آپ کے آنے پر آپ کو پیش کر دیتا تھا۔ جماعت احمدیہ کا انگریزی رسالہ مسلم ہیرلڈ نہ صرف باقاعدگی سے پڑھتے تھے بلکہ اس میں ازراہ شفقت اصلاح بھی تجویز فرماتے رہتے تھے۔ مرکزی رسائل میں جب تک الفرقان شائع ہوتا رہا اسے باقاعدگی سے پڑھنے کا اہتمام فرماتے تھے۔ محترم ثاقب زیروی صاحب کا رسالہ ’’لاہور‘‘ بہت شوق اور باقاعدگی سے پڑھا کرتے تھے اور بعض دفعہ رسالہ ’’لاہور‘‘ کے ایڈیٹوریل جو آپ کو

پسند آتے مجھے بھی ان کو پڑھنے کی تلقین فرماتے۔

یہ کسی کو علم نہ ہو

جماعت برطانیہ کی تربیت کا تو آپ نے خاص اہتمام کیا ہی تھا اس کے علاوہ جماعتِ برطانیہ کیلئے آپ نے ایک بہت بڑی خدمت اور بھی سرانجام دی۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ 1965ء میں آپ عالمی عدالت انصاف میں بطور جج متعین تھے۔ آپ اِن دنوں ہفتہ میں ایک بار لندن تشریف لایا کرتے تھے۔ خاکسار ان دنوں لندن مشن ہاؤس کی توسیع کے سلسلہ میں مرکز سے خط و کتابت کر رہا تھا اور مرکز سے اس بات کی اجازت حاصل کر لی تھی کہ اگر انگلستان کی کسی فرم سے قرضہ مل جائے جس کی ادائیگی بذریعہ اقساط ہو سکے تو مرکز کو اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ خاکسار نے ایک بڑی فنانس کمپنی سے قرضہ کے حصول کیلئے بات شروع کر رکھی تھی۔ شرائط طے ہونے، نقشے وغیرہ بننے میں ایک سال سے زائد عرصہ لگ گیا جب سب باتیں طے ہوگئیں اور معاہدوں پر دستخط کرنے کا وقت آیا تو مذکورہ کارپوریشن نے بغیر کوئی وجہ بتائے قرضہ دینے سے انکار کر دیا جس سے مجھے سخت کوفت اور پریشانی ہوئی کہ اتنا وقت بھی ضائع ہو گیا اور کوئی بات بھی نہ بنی۔ انہی دنوں حضرت چوہدری صاحبؓ لندن تشریف لائے ہوئے تھے۔ مجھ سے پریشانی کی وجہ دریافت فرمائی۔ میں نے تفصیل سے سارے حالات بتائے، آپ خاموش رہے۔ اگلے دن فرمایا کہ جن شرائط پر فنانس کمپنی آپ کو قرضہ دے رہی تھی انہی شرائط پر میں آپ کیلئے ذاتی طور پر قرضہ کا انتظام کر دوں تو کیسا رہے گا۔ خاکسار نے حضورؒ کی خدمت میں لکھ دیا کہ حضرت چوہدری صاحبؓ رقم مہیا کرنے کو تیار ہیں۔ حضرت امام جماعت احمدیہ خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے منظوری عطا فرمائی اور ہم ایک نئے مشن ہاؤس کی تعمیر میں لگ گئے۔ یہ مشن ہاؤس ایک بڑے (محمود ہال) کے علاوہ تین فلیٹ اور دفاتر وغیرہ پر مشتمل ہے۔ تعمیر کے کام کو ایک سال کا عرصہ لگا اور بالآخر سوا لاکھ پونڈ کے خرچ سے یہ کام مکمل ہو گیا۔ اس مشن ہاؤس کی موجودہ مالیت بیس لاکھ پونڈ سے کسی صورت

کم نہیں۔ مشن ہاؤس کی تکمیل کے بعد ایک معاہدہ مابین تحریک جدید انجمن احمدیہ پاکستان اور چوہدری صاحب تیار ہوا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے خاکسار راقم کو تحریک جدید کی طرف سے معاہدہ پر دستخط کرنے کا اختیار دے دیا۔ جس دن معاہدہ پر دستخط ہونے تھے اس دن حضرت چوہدری صاحبؓ خاکسار کے پاس مشن ہاؤس میں قیام فرما تھے۔ صبح ناشتہ پر حضرت چوہدری صاحبؓ نے فرمایا کہ انہوں نے رات کو اس معاہدہ کا مطالعہ کیا ہے اور یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ وہ اس معاہدہ پر دستخط نہیں کریں گے۔ فرمایا:

> ''امام صاحب! مجھے جو کچھ بھی ملا ہے وہ محض فضل خداوندی ہے ورنہ گھر سے تو کچھ نہ لائے تھے۔ میرے ضمیر نے اس بات پر مجھے ملامت کی کہ خدا تعالیٰ کی راہ میں دیتے ہوئے کسی معاہدہ کی ضرورت کیوں پیش آئے۔ اس لئے میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ میں یہ رقم واپس نہیں لوں گا۔''

اور یہ کہہ کر معاہدہ کو پھاڑ دیا۔ نیز فرمایا کہ حضورؒ کے علاوہ میری زندگی میں کسی اور کو اس بات کا علم نہ ہونے پائے کہ اس مشن ہاؤس کی تعمیر کا سارا خرچ میں نے دیا ہے۔ میں نے جو کچھ کیا ہے محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے کیا ہے۔ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ میری قربانی کو قبول فرمائے۔ آمین۔

اگر موت دستک دے؟

قارئین کرام! ذرا سوچئے کہ اگر کبھی موت آپ کے در پر دستک دے تو آپ کا رویہ کیا ہوگا؟ یہ سوال ایسا ہے کہ ہر شخص زندگی میں ایک بار ضرور سوچتا ہے۔ چاہے اس کے پاس اس کا جواب ہو یا نہ ہو۔ یہ سوال حضرت چوہدری صاحبؓ نے بھی خود سے کئی بار کیا تھا اور اس کا جواب بھی ان کو ملا۔ یہ قصہ بھی سنئے جو دل گداز بھی ہے اور دل نواز بھی!

ایک بار جب خاکسار حضرت چوہدری صاحبؓ کے ساتھ سفر پر روانہ ہوا تو فرمانے لگے کہ میں نے رات کو ایک منذر خواب دیکھا ہے۔ آپ ڈرائیونگ بھی کریں اور ساتھ ساتھ دعا بھی کریں

کہ اللہ تعالیٰ اس خواب کے منذر حصہ سے ہمیں محفوظ رکھے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ مجھے حضرت چوہدری صاحبؓ کی معیت میں انگلستان میں ہزاروں میل سفر کی توفیق ملی۔ آپ ہمیشہ ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر تشریف فرما ہوتے۔ سفر کے ابتداء میں پون گھنٹہ کے لگ بھگ آپ خاموشی سے دعاؤں اور ذکر الٰہی میں گزارتے اور اس دوران کسی قسم کی بات چیت پسند نہ فرماتے تھے۔ اس کے بعد یا تو سو جاتے یا ڈرائیو کرنے والے سے سلسلۂ گفتگو جاری فرماتے۔ کبھی ڈرائیور کو ڈرائیونگ کے سلسلہ میں نہ ٹوکتے۔ آپ کو انگلستان کی اکثر بڑی سڑکوں بلکہ دیہاتی سڑکوں کا بھی علم تھا اور بغیر کسی نقشہ یا یادداشت کے منزل مقصود تک راہنمائی فرمایا کرتے تھے۔

تو اس سفر کے دوران ہم نے ایک رات لیک ڈسٹرکٹ میں ٹھہرنا تھا۔ جس ہوٹل میں ہم نے ٹھہرنا تھا اس میں بیڈ روم کے ساتھ ملحق باتھ روم نہ تھا۔ شام کے کھانے کے بعد حضرت چوہدری صاحبؓ نے فرمایا کہ ناشتہ صبح ساڑھے سات بجے ڈائننگ ہال میں کریں گے۔ میں ٹھیک ساڑھے سات بجے ڈائننگ ہال میں پہنچ گیا لیکن حضرت چوہدری صاحبؓ کو وہاں نہ پایا۔ آپ وقت کی پابندی کا جس قدر خیال رکھتے تھے اس نے مجھے پریشان کر دیا۔ مزید پندرہ بیس منٹ بھی جب حضرت چوہدری صاحبؓ تشریف نہ لائے تو میں پریشانی میں اُٹھ کھڑا ہوا اور آپ کے کمرہ میں حاضر ہوا۔ آپ چارپائی پر دراز تھے اور بہت کمزور دکھائی دے رہے تھے۔ میرے دریافت کرنے پر فرمایا کہ رات کو میں نماز تہجد کی ادائیگی کے لئے اُٹھ کر غسل خانہ میں وضو کے لئے گیا تھا۔ پاؤں دھونے کے لئے سنک Sink میں رکھا تو توازن قائم نہ رہ سکا اور گر گیا۔ سر نہانے کے ٹب سے ٹکرایا اور میں بیہوش ہو گیا۔ نہ جانے کتنی دیر بیہوش رہا۔ جب ہوش آیا تو چند منٹ تک یہ احساس نہ رہا کہ میں کہاں ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد اتنا یاد آیا کہ تم میرے ہمسفر ہو۔ پھر میں نے دس تک گنتی کی تو ٹھیک گنتی ہوگئی اور مجھے یقین ہو گیا کہ میرا حافظہ درست ہے۔ اس کے بعد میں اپنے کمرے میں چلا گیا اور بستر پر ہی نماز تہجد اور نماز فجر ادا کی۔ میں نے شکوہ کے رنگ میں عرض کیا

کہ مجھے کیوں نہ بلایا، میرا آپ کے ساتھ ہونے کا کیا فائدہ؟ فرمانے لگے خیال تو دوتین دفعہ آیا تھا لیکن پھر یہ خیال آتا رہا کہ تم نے ڈرائیونگ کی ہے اور تھکے ہوئے ہو اس لئے تمہیں جگانا مناسب نہیں۔ میں نے آپ کی کیفیت دیکھ کر عرض کیا کہ میں ڈاکٹر کو بلا لیتا ہوں اور آگے کا سفر ایک دِن کے لئے ملتوی کر دیتے ہیں تا کہ آپ پوری طرح سے آرام کر سکیں۔ فرمایا کہ ہم نے گلاسگو کی جماعت کو شام کا وقت دِیا ہے، اس لئے ہمیں ضرور وہاں پہنچنا چاہئے۔ مجھے کار کی سیٹ پر بٹھا دو گلاسگو پہنچ کو ڈاکٹر کو دکھا دیں گے۔ میری بار بار کی درخواستوں کے باوجود اس امر پر مصر رہے کہ جانا ضروری ہے۔ چنانچہ ہم گلاسگو کیلئے روانہ ہوئے۔ آپ کو جسم میں شدید درد محسوس ہوتی رہی۔ گلاسگو پہنچ کر آرام کیا اور شام کو باوجود ہمارے اصرار کے کہ آپ کا جانا ضروری نہیں آپ آرام کریں، آپ نے جماعتی میٹنگ کو خطاب فرمایا۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ مجھے یاد آ رہا ہے۔ مشن ہاؤس کے جس فلیٹ میں آپ مقیم تھے وہاں میں نے بااصرار ٹیلیفون لگوا دیا تھا تا بوقت ضرورت مجھے بلوا سکیں۔ یا کسی ہنگامی صورت میں ہم کو اطلاع کر سکیں۔ آپ عموماً ٹیلیفون کو پسند نہ فرماتے تھے۔

موت کوئی ڈرانے والی چیز تو نہیں

یہ اِن دنوں کی بات ہے جب آپ ناشتہ بھی ہمارے ساتھ کرتے تھے۔ ایک دن صبح کے ناشتے پر تشریف نہ لائے تو مجھے فکر ہوئی۔ آپ کے فلیٹ میں حاضر ہوا تو آپ بستر پر لیٹے ہوئے تھے۔ میں نے آواز دی تو بڑی نحیف اور کمزور آواز میں جواب دیا آ جاؤ۔ فرمانے لگے جب رات میں تہجد کیلئے اُٹھا تو مجھے شدید ضعف کا دورہ پڑا اور سارا جسم پسینہ سے تربتر ہو گیا۔ سینہ میں بھی شدید درد محسوس ہوتا رہا۔ اس دوران کمزوری اتنی بڑھ گئی کہ دوتین مرتبہ مجھ پر غشی طاری ہوتی رہی۔ میں نے عرض کیا آپ کے سرہانے فون رکھا ہوا ہے اور یہ لگایا بھی اسی لئے گیا تھا کہ آپ کسی فوری ضرورت کے وقت مجھے بلوا سکیں۔ آپ نے مجھے کیوں نہیں بلایا۔ فرمایا دوتین دفعہ مجھے خیال آیا کہ

تمہیں فون کروں لیکن ہر بار یہ خیال تم کو بلانے سے مانع رہا کہ تم تھکے ہوئے ہوگے۔ رات کو نیند سے اُٹھانا مناسب نہ ہوگا۔ پھر فرمایا مجھے خوشی ہے کہ اس بیماری میں میری ایک خواہش پوری ہوگئی۔ میری ہمیشہ سے یہ دعا رہی ہے کہ جب میری موت کا وقت قریب آئے تو میری زبان پر جزع فزع کی بجائے حمد الٰہی اور درود کا ورد ہو۔ رات کو بھی جب مجھ پر غشی طاری ہوتی اور میں غشی کی کیفیت سے باہر آتا تو میری زبان پر حمد اور درود ہوتا۔ اس لئے مجھے اب یہ اطمینان ہوگیا ہے کہ جب بھی موت آئی تو انشاء اللہ میری زبان حمد اور درود سے تر ہوگی۔ فرمایا کرتے تھے مجھے موت سے ہرگز کوئی خوف نہیں ہے اور میں کبھی اس بارہ میں سوچتا بھی نہیں کہ موت کوئی ڈرنے والی چیز ہے۔

سفر آخرت کی تیاری

موت کا ذکر آیا تو یہ بتانا ضروری ہے کہ آپ کو لحہ بہ لحہ اپنی طرف بڑھتی ہوئی موت کا نہ صرف احساس تھا بلکہ آپ اس سے ایک گونہ خوشی و مسرت محسوس کرتے تھے اور سفر آخرت کا یوں ذکر فرماتے جیسے کوئی معمول کے سفر پر روانہ ہو رہا ہو۔ ایک بار آپ کی بیماری کے دوران ملاقات کیلئے لاہور حاضر ہوا تو فرمایا امام صاحب دعا کریں سفر بخیریت گزر جائے۔ میں حیران ہوا کہ آپ تو لندن سے واپس آ گئے تھے کہ اب یہیں رہیں گے اور اب آپ کی صحت بھی اس امر کی اجازت نہیں دیتی کہ آپ پھر سے سفر کریں۔ اس لئے سفر کا ارادہ کیوں کر لیا؟ آپ میری بات سن کر خفیف سے مسکرائے اور فرمایا میں لندن کے سفر کا نہیں ''اُس'' سفر کا ذکر کر رہا ہوں۔ میں آپ کی بات سمجھ گیا اور عرض کیا اللہ تعالیٰ آپ کو صحت دے۔ آپ کیوں ایسی باتیں کرتے ہیں۔ فرمایا نہیں اب اللہ تعالیٰ نے مجھے اطلاع دے دی ہے کہ اب سفر جلد درپیش ہے۔ پھر اپنا ایک خواب سنایا کہ میں نے دیکھا ہے کہ ایک چار منزلہ مکان ہے جس کے نیچے بیٹھ کر میں الفضل پڑھ رہا ہوں۔ اوپر چوتھی منزل سے میری والدہ محترمہ مجھے آواز دیتی ہیں: ''اب آجاؤ'' میں عرض کرتا ہوں کہ بس یہ الفضل تھوڑا سا رہ گیا ہے اسے ختم کر کے حاضر ہوتا ہوں۔ اسی طرح ایک دو اور خوابیں بھی سنائیں اور خواب بیان

کرتے وقت چہرے پر موت کے خوف یا ڈر کا تو خیر ذکر ہی کیا، اس کے بالکل اُلٹ نہایت درجہ شادمانی اور اطمینان کا تاثر تھا۔

اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے:

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُo ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةًo فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْo وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْo (الفجر 28 تا 31)

اے نفس مطمئنہ! اپنے رب کی طرف لوٹ آ۔ (اس حال میں کہ تو اسے) پسند کرنے والا بھی ہے اور اس کا پسندیدہ بھی ہے۔ پھر (تیرا رب تجھے کہتا ہے کہ) آ میرے (خاص) بندوں میں داخل ہو جا اور آ میری جنت میں بھی داخل ہو جا۔

اللہ کرے کہ یہ مرتبہ سب کو نصیب ہو۔ آپ کو بھی مجھ کو بھی۔

احمدیت کی ترقی

1974ء میں جماعت احمدیہ کے خلاف پاکستان میں ایک طوفان اُٹھایا گیا جو بالآخر قومی اسمبلی کے ذریعہ ایک آئینی ترمیم کے بعد مدھم پڑا۔ انہی دنوں پاکستان کے ایک روزنامہ کے نامہ نگار لندن میں حضرت چوہدری صاحبؓ کی خدمت میں انٹرویو کے سلسلہ میں حاضر ہوئے اور سوال کیا کہ اب تو پاکستان میں جماعت احمدیہ کی صف لپیٹ دی جائے گی کیونکہ قانوناً اس پر تبلیغ و اشاعت کی پابندی لاگو کر دی جائے گی اور تبلیغ بند ہو جانے کے بعد جماعت کی وسعت پذیری کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔ یہ بات کہہ کر اس نے حضرت چوہدری صاحبؓ کا عندیہ معلوم کرنا چاہا۔ حضرت چوہدری صاحبؓ نے فرمایا کہ احمدیت کی ترقی و اشاعت بہر حال جاری رہے گی۔ خواہ اس کی تبلیغ پر کلیۃً پابندی بھی عائد کر دی جائے اور خواہ احمدی خود بھی فریضہ تبلیغ ادا کرنے سے قانون سازی کے نتیجہ میں اجتناب کرنے لگ جائیں۔

اس پر نامہ نگار صاحب نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے دریافت کیا کہ جب آپ عوام سے

تبلیغی رابطہ ہی قائم نہیں کر سکیں گے تو عوام آپ کی جماعت میں کیسے شامل ہوں گے۔ ان کو کیسے پتا چلے گا کہ آپ لوگوں کے کیا عقائد ہیں۔ نیز انہیں کون بتائے گا کہ بانی جماعت احمدیہ کے دعاوی کیا تھے؟ وغیرہ۔

حضرت چوہدری صاحبؓ نے فرمایا:

’’ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ کیونکہ جو تحریکات اللہ تعالیٰ خود پیدا کرتا ہے، ان کی حفاظت کا ذمہ بھی خود لیتا ہے۔ اگر ہماری تبلیغ کو کلیتہً روک بھی دیا گیا تب بھی اللہ تعالیٰ رویائے صادقہ کے ذریعہ لوگوں کو مسیح و مہدی کے آنے کی اطلاع دے گا۔‘‘

آپ نے فرمایا:

’’خود میری والدہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ایک رویاء کے ذریعہ قبول کیا تھا۔ انہیں کسی نے کوئی تبلیغ نہیں کی تھی۔ جماعت احمدیہ میں ہزاروں ایسے لوگ موجود ہیں جنہیں خوابوں کے ذریعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو قبول کرنے کی ہدایت ملی۔ پاکستان حکومت جو مرضی کر لے وہ احمدیت کی ترقی کی رفتار کو کم نہیں کر سکتے کہ احمدیت خُدا کے ہاتھ کا لگایا ہوا پودہ ہے۔ یہ پھلیگا اور پھولیگا اور ساری دنیا میں پھیل جائے گا۔ انشاء اللہ۔‘‘

یہ جواب سن کر نامہ نگار صاحب خاموش ہو گئے اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ حضرت چوہدری صاحبؓ اپنی مرحومہ والدہ صاحبہ کی خواب کی تفصیل سے انہیں آگاہ کریں۔

والدین سے محبت

حضرت چوہدری صاحبؓ مرحوم و مغفور کو اپنے والدین سے بے حد محبت تھی۔ خصوصاً اپنی والدہ صاحبہ مرحومہ سے تو عشق کی کیفیت تھی۔ 1976ء میں خاکسار کو حضرت چوہدری صاحبؓ کی معیت میں قادیان جانے کا موقعہ ملا۔ وہاں قیام کے دوران ایک دن حضرت چوہدری صاحبؓ نے مجھے فرمایا کہ چلو تمہیں اپنی کوٹھی ’’بیت الظفر‘‘ کی سیر کراؤں۔ وہاں حکومت کے دو وزیر بھی

موجود تھے۔ حضرت چوہدری صاحبؓ نے کوٹھی دکھانی شروع کی۔ ہر کمرہ کے بارہ میں تفصیل سے بتاتے جاتے تھے۔ ایک جگہ، جہاں سے اوپر کو سیڑھیاں نکلتی تھیں، آپ ٹھہر گئے اور آپ پر رقت کی کیفیت طاری ہوگئی۔ آواز بھی بھرا گئی۔ ہم سب خاموشی سے یہ دیکھتے رہے۔ چند منٹ بعد آپ کی طبیعت سنبھلی تو رقت آمیز لہجہ میں فرمایا امام صاحب اس جگہ میری والدہ صاحبہ کو آخری غسل دیا گیا تھا اور پھر اپنی والدہ صاحبہ مرحومہ کی یادوں میں کھو گئے اور کچھ دیر بعد وہاں کھڑے کھڑے ان کے چند ایمان افروز واقعات سنائے۔

مجھے وہ سماں بھی کبھی نہ بھولے گا جب آپ بہشتی مقبرہ قادیان میں اپنی والدہ صاحبہ مرحومہ کی قبر پر دعا کیلئے کھڑے ہوئے۔ اس وقت آپ کی حالت اس قدر غیر تھی کہ یوں لگتا تھا گویا آپ کسی اور جہان میں ہیں۔ آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی اور سینہ یوں شدت غم سے اُبل رہا تھا جیسے ہانڈی چولہے پر اُبل رہی ہو۔ دیر تک آپ کی یہ کیفیت رہی۔ اگلے دن فرمایا: میں اپنی والدہ صاحبہ کی قبر پر ایسے وقت میں جانا چاہتا ہوں جب میں اکیلا ہوں۔ چنانچہ اگلے ہی روز بہت ہی منہ اندھیرے آپ ان کی قبر پر دعا کیلئے تشریف لے گئے۔

فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کبھی اپنے والد صاحب کے حکم کی سرتابی نہیں کی۔ ایک دن والد صاحب نے مجھے ڈانٹا کہ تم سکول کیوں نہیں گئے۔ اور حکم دیا کہ ابھی بستہ اٹھاؤ اور سکول جاؤ۔ میں فوراً تعمیل حکم میں سکول چل دیا حالانکہ سکول بند تھا۔ سکول سے واپس آیا تو والد صاحب کے دریافت کرنے پر میں نے عرض کیا کہ آج سکول میں تعطیل ہے۔

دل بدست آور کہ حج اکبر است

آپ کی زندگی ہر لحاظ سے نور اور روشنی کا مینار تھی۔ جس پہلو سے بھی دیکھا جائے آپ نہ صرف خود روشن تھے بلکہ دوسروں کیلئے بھی آپ کی زندگی مشعل راہ تھی۔ مجھ سے کوئی پوچھے کہ آپ کی زندگی کا خاص الخاص وصف کیا تھا تو میں بلا جھجک کہہ سکتا ہوں کہ آپ کے دل میں غریبوں،

اسیروں، بیوگان، یتامیٰ اور طلباء کیلئے جذبۂ خدمت ہر وقت موجزن رہتا تھا۔ اپنی جان پر ظلم کر کے اور کفایت شعاری سے کام لے کر دوسروں پر اپنے اموال کو بے دھڑک خرچ کرنے میں آپ کو خاص لطف آتا تھا۔ آپ کا یہ فیض کسی مذہب وملت یا رنگ وقوم سے مخصوص نہ تھا۔ جہاں تک حقوق العباد کی ادائیگی کا تعلق تھا آپ کسی مذہب وملت یا رنگ ونسل میں تفریق روا نہ رکھتے تھے۔ آپ کے جاری کردہ ٹرسٹ سے مسلمانوں کے علاوہ ہندوؤں، سکھوں، انگریزوں اور افریقنوں کی مالی امداد ہوتی رہی۔

اصول پسندی کا وصف

میں نے زندگی میں آپ سے کئی سبق سیکھے۔ ہم ایک ہی بلڈنگ میں مقیم تھے۔ آپ کو ناشتے، دوپہر کے کھانے یا شام کے کھانے پر میرے ڈائننگ روم میں تشریف لاتے وقت بلڈنگ سے باہر نہیں جانا پڑتا تھا لیکن آپ ناشتہ سے لے کر شام کے کھانے تک پورا لباس زیب تن کئے بغیر کھانے کی میز پر تشریف نہیں لاتے تھے۔ حالانکہ آپ ان دنوں ریٹائرڈ زندگی بسر کر رہے تھے۔ میں نے دو ایک مرتبہ عرض کیا کہ آپ کیوں اس طرح پورے لباس کا تکلف کرتے ہیں۔ تو فرمایا کہ میں نے زندگی کا ایک اصول مقرر کر رکھا ہے کہ صبح اُٹھ کر پورا لباس پہن کر ہی کام کرنا ہے۔ خواہ کہیں باہر جانا ہو یا نہ جانا ہو۔ اس سے طبیعت میں کام کی رغبت بھی پیدا ہوتی ہے اور چستی بھی آجاتی ہے اور کام کیلئے جس موڈ کی ضرورت ہوتی ہے وہ بھی میسر آجاتا ہے۔

ایک مرتبہ میرے داماد عزیز اعجاز احمد خان صاحب ڈائننگ ٹیبل پر ایسی حالت میں آئے کہ ان کی قمیص کے بٹن کھلے تھے۔ حضرت چوہدری صاحبؒ نے فرمایا:

”اعجاز! قمیص کے بٹن بند کر لو۔ علاوہ اس کے کہ بٹن کھلے رکھنا مناسب نہیں، بٹن ہوتے ہی اس لئے ہیں کہ بند رکھے جائیں۔“

لباس کے بارہ میں فرمایا کرتے تھے کہ لباس ایسا ہونا چاہئے جو ستر پوشی کے علاوہ ملک کے

شرفاء کا لباس ہو۔

مغرب کی اندھا دھند تقلید سے بچنے کی تلقین

تربیت اس رنگ میں فرماتے تھے کہ کسی کی طبیعت پر بوجھ نہ ہو۔ ہر بات کی دلیل دیا کرتے تھے۔ ایک نوجوان حضرت چوہدری صاحبؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کی چند تصاویر بنانے کی اجازت چاہی۔ ساتھ ہی اس نے اپنے کیمرہ کی تعریفیں شروع کر دیں اور بتایا کہ اس نے وہ کیمرہ دوصد پونڈ میں خریدا ہے۔ یہ سن کر حضرت چوہدری صاحبؓ کو بہت صدمہ ہوا کہ اس نوجوان نے کیمرہ کی خرید پر اتنی ساری رقم خرچ کر دی اور اسے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ میاں اتنی بڑی رقم سے تم کئی بار ایسے کام کر سکتے تھے جن سے خدا تعالیٰ بھی راضی ہوتا اور تمہیں بھی دلی تسکین ملتی۔ تم چندہ دیتے تو سلسلہ کی خدمت کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ تمہارے اموال میں برکت ڈالتا۔ کسی غریب کی مدد کرتے تو اللہ تعالیٰ کی رضا تمہیں نصیب ہوتی۔ کیمرہ خرید کر تم نے یہ رقم ضائع کر دی ہے۔ تمہاری حیثیت کے مطابق اتنی بڑی رقم فضول خرچی کے دائرہ میں آتی ہے۔ ہاں چندے ادا کرنے اور غرباء کی خدمت کرنے کے بعد کچھ رقم بچ جاتی اور تم سستا سا کیمرہ خرید لیتے اور یہ بھی شوق پورا کر لیتے تو ہم خرما و ہم ثواب والی بات ہو جاتی۔

ایک نوجوان کو اس کی ہیئت کذائی پر نصیحت فرمائی کہ اپنے بالوں کو سنوار کر ٹھیک رکھا کرو۔ مغرب کی تقلید میں لمبے لمبے بال رکھنا نا مناسب ہی نہیں بلکہ کسی احمدی نوجوان کے شایانِ شان بھی نہیں۔ اس نوجوان نے جواب دیا کہ چوہدری صاحب! یورپ میں رہ کر یورپین معاشرہ کی تقلید نہ کرنا ممکن نہیں۔ حضرت چوہدری صاحبؓ فرمانے لگے: میاں تمہارے باپ کی پیدائش سے بھی قبل میں یورپ آیا تھا اور تقریباً آدھی صدی اِن ممالک میں رہنے کا موقع ملا ہے۔ میں نے تو کبھی یورپین معاشرہ کے بدصورت حصہ کو نہیں اپنایا۔ یہ سن کر وہ نوجوان بہت شرمندہ ہوا اور اسی وقت وعدہ کیا کہ اپنے بالوں کو درست کر لے گا اور آئندہ مغرب کی اندھا دھند تقلید نہیں کرے گا۔

عشق محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کو بے حد عشق تھا۔ ہزاروں حدیثیں ازبر یاد تھیں۔ آپ نے شمائل ترمذی کا انگریزی ترجمہ کیا جو ہم نے لندن مشن سے Prophet At Home کے نام سے شائع کیا۔ آپ نے قریباً دو ہزار احادیث کا ترجمہ بھی کیا جو لندن مشن سے The Wisdom Of the Prophet کے نام سے شائع ہوا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سوانح پر آپ نے انگریزی میں Seal of The Prophets کے نام سے ایک معرکۃ آراء کتاب لکھی جو انگلستان کے ایک مشہور اشاعتی ادارہ نے شائع کی۔ یہ کتاب بھی بے حد مقبول ہوئی۔

مشہور مستشرق کینتھ کریگ جو اسلام پر ایک درجن سے زائد کتب کے مصنف ہیں اور ان کی کتاب Call Of The Minaret نے دنیا بھر سے خراج تحسین حاصل کیا ہے۔ ان کی ایک اور کتاب Event of The Quran کے نام سے شائع ہوئی۔ ایک دن میں حضرت چوہدری صاحبؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کے ہاتھ میں یہ کتاب تھی۔ آپ کی آنکھیں پُرنم تھیں۔ میرے دریافت کرنے پر فرمایا کہ اس شخص نے باوجود عیسائی اور معاند اسلام ہونے کے اس کتاب میں قرآن کریم کو جو خراج عقیدت پیش کیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جس پیارے انداز میں ذکر کیا ہے اسے پڑھ کر میں اپنی طبیعت پر قابو نہ پا سکا۔ مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق فاضلہ کا یہ کمال ہے کہ دوست تو دوست بیگانے بھی آپ کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ پھر فرمایا کہ اگر ممکن ہو تو مسٹر کریگ سے میری ملاقات کا انتظام کرو۔ خاکسار نے مسٹر کریگ کو کھانے پر مدعو کیا۔ حضرت چوہدری صاحبؓ نے دوران گفتگو مسٹر کریگ سے پوچھا کہ آپ نے باوجود عیسائی ہونے کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گلہائے عقیدت پیش کئے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ مسٹر کریگ نے عرض کیا کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک سچا اور پاک انسان سمجھتا

ہوں۔ اور یہ یقین رکھتا ہوں کہ انہوں نے دنیا کی اصلاح کیلئے عظیم کام کیا ہے۔ اگرچہ عقیدۃً مجھے آپؐ کی بعض تعلیمات سے اختلاف ہے لیکن میں آپ کی بڑائی کا دل سے قائل ہوں۔ حضرت چوہدری صاحبؓ کو یہ بات سُن کر بہت خوشی ہوئی۔

ایک مرتبہ لندن مشن کے زیر اہتمام سیرت النبیؐ کے موضوع پر ایک جلسہ کا انعقاد ہوا۔ جس کی صدارت کیلئے مشہور مستشرق منٹگمری واٹ کو دعوت دی گئی جو انہوں نے قبول کر لی اور ایڈنبرا سے خاص اس جلسہ میں شامل ہونے کیلئے لندن تشریف لائے۔ وہ حضرت چوہدری صاحبؓ سے بھی ملے۔ حضرت چوہدری صاحبؓ نے منٹگمری واٹ سے کہا کہ آپ کی کتاب ’’محمد ایٹ مکہ‘‘ جب میں نے پڑھی تو مجھے افسوس ہوا کہ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ستودۂ صفات پر ناروا اور غلط اعتراضات کئے تھے۔ میں نے یہ عہد کیا کہ آئندہ آپ کی کوئی کتاب نہیں پڑھوں گا کیونکہ آپ کا انداز دیانت دارانہ نہیں تھا۔ لیکن جب ایک دوست کے اصرار پر میں نے آپ کی کتاب ’’محمد ایٹ مدینہ‘‘ پڑھی تو میں نے محسوس کیا کہ آپ کا انداز وہاں مؤدبانہ تھا اور اپنی ناسمجھی کے نتیجہ میں جو غلط باتیں لکھی ہیں وہ اس لئے نظرانداز کرنے کے قابل ہیں کہ آپ کا مطالعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ کے بارے میں اتنا وسیع نہیں جتنا ایک مسلمان عالم کا ہوسکتا ہے۔ لیکن آپ نے اس دوسرے حصہ میں اعتراض نہیں کیا۔ مسٹر واٹ نے کہا کہ آپ نے بالکل صحیح فرمایا ہے۔ ’’محمد ایٹ مکہ‘‘ لکھتے وقت میری معلومات کا دائرہ اتنا وسیع نہ تھا جتنا بعد میں ہوا۔ اس لئے دونوں کتب میں یہ نمایاں فرق نظر آتا ہے۔

دست درکار و دل بایار

پانچ وقت نمازوں کی ادائیگی اور نماز تہجد میں التزام آپ کے خاص وصف تھے۔ جب بھی ہم سفر پر جاتے اور کہیں قیام ہوتا تو شام کو کھانے کے بعد بیڈروم میں جانے سے قبل آپ عموماً یہ سوال پوچھا کرتے تھے کہ فجر کی نماز کا کیا وقت ہوگا اور نماز میرے کمرہ میں آکر پڑھیں گے یا میں آپ کے کمرہ میں آجاؤں؟

ایک دفعہ ایک نوجوان نے دوران گفتگو کہا کہ فجر کی نماز یورپ میں اپنے وقت پر ادا کرنی بہت مشکل ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگرچہ مجھے اپنی مثال پیش کرتے ہوئے سخت حجاب ہوتا ہے اور میں کبھی بھی پسند نہیں کرتا کہ اپنی مثال دوں۔ لیکن آپ کی تربیت کیلئے یہ کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے قریباً نصف صدی کا زمانہ یورپ میں گزارنے کے باوجود فجر تو فجر میں نے کبھی نماز تہجد بھی قضاء نہیں کی۔ یہی حال باقی پانچ نمازوں کا ہے۔

دعائیں آپ زیادہ تر نماز تہجد کے دوران کیا کرتے تھے اور جن لوگوں نے دعا کیلئے کہا ہوتا تھا ان کیلئے نام بنام دعا کرتے تھے۔ جب کوئی دعا کیلئے عرض کرتا تو اس کا نام دریافت کر کے اسے حافظہ میں محفوظ فرماتے۔ پھر جس غرض کیلئے دعا کی ضرورت ہوتی، وہ دریافت فرماتے۔ اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ محض رسمی طور پر دعا کیلئے کسی کو کہا جائے۔

ایک شخص پر کوئی مقدمہ تھا۔ اس نے حضرت چوہدری صاحبؓ سے دعا کی درخواست کی اور بتایا کہ فلاں تاریخ کو فیصلہ سنایا جائے گا۔ حضرت چوہدری صاحبؓ نے بعد میں مجھے بتایا کہ جس دن اس شخص کے مقدمہ کا فیصلہ ہونا تھا میں سارا دن اگرچہ عدالت کے کاموں میں مصروف رہا لیکن سارا دن دل ہی دل میں اس کیلئے دعا بھی کرتا رہا اور یہ کیفیت سارا دن رہی۔ شام کو جب اس شخص نے ٹیلیفون پر بتایا کہ فیصلہ اس کے حق میں ہو گیا ہے تو طبیعت پُرسکون ہو گئی۔

عزت افزائی کا شکریہ! لیکن....

حضرت چوہدری صاحبؓ سے ایک دفعہ ماریشس کی ایک خاتون ملنے آئیں اور یہ دیکھ کر کہ محترم چوہدری صاحب اکیلے زندگی بسر کر رہے ہیں، آپ کی خدمت میں ایک خط لکھا جس میں آپ کی خدمت کے جذبہ کے پیش نظر آپ سے شادی کی پیشکش کی۔ محترم چوہدری صاحب نے اس خاتون کو جو جوابی مکتوب لکھا اس کی ایک نقل اس عاجز کو بھی دی۔ خط کا اصل متن انگریزی میں ہے جس کا ترجمہ درج ذیل ہے:

”.... والا نامہ ملا۔ آپ کی تجویز میرے لئے باعث عز و شرف ہے۔ لیکن میری بہت سی کمیاں اور کمزوریاں اسے قبول کرنے میں مانع ہیں۔ پچھلے دس برسوں میں میری زندگی نے ایسا رُخ اختیار کیا ہے جسے بدلنا باوجود خواہش کے میرے لئے ممکن نہیں کیونکہ یہ رُخ میں نے خود ہی متعین و اختیار کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں اپنی اس زندگی سے کاملاً مطمئن اور خوش ہوں۔ دو ایک باتیں قابل غور و فکر ہیں:

پہلی بات تو یہ کہ میرے پاس کوئی زائد وقت نہیں۔ میں صبح چار بجے اُٹھتا ہوں۔ سوا چھ بجے کے قریب اپنے گھر سے سوا دو میل کی چہل قدمی کرتا ہوا ”پیس پیلیس“ (Peace Palace) میں اپنے چیمبر میں پہنچ جاتا ہوں۔ جہاں ساڑھے چھ بجے شام تک رہتا ہوں۔ پھر اپنے گھر واپس آتا ہوں اور کھانے و نمازوں سے فراغت کے بعد نو بجے شب سونے کیلئے تیار ہو جاتا ہوں۔ اپنے احباب اور ملاقاتیوں سے بھی اپنے چیمبر میں ہی ملتا ہوں جیسا کہ آپ سے ملاقات کا موقع بھی وہیں ملا۔ زندگی کے اس تسلسل سے میں شاذ ہی اِدھر اُدھر ہوتا ہوں اور وہ بھی کسی انتہائی مجبوری کے پیش نظر۔

دوسری بات یہ ہے کہ میں اپنے ذاتی اخراجات کیلئے اس سے زیادہ علیحدہ نہیں کرتا جس سے بمشکل میری ضروریات پوری ہو سکیں۔ بقیہ آمد رفاہِ عامہ کے ایسے کاموں کے لئے وقف و مختص ہے جو میں نے اپنے اوپر واجب کر رکھے ہیں۔ اس رقم میں سے میں اپنی کسی ضرورت کیلئے کچھ نہیں لیتا۔ نہ ایسا کرنے کا میرا کوئی ارادہ ہے۔

تیسری بات یہ کہ جہاں تک ذاتی محبت اور پیار کا تعلق ہے یہ مجھے بفضلہٖ تعالیٰ اپنی بیٹی اور نواسے نواسیوں سے مل جاتے ہیں۔ مجھے اُن سے اور اُنہیں مجھ سے دِلی محبت ہے۔ وہ میرے لئے حقیقی اور دائمی مسرت و انبساط کا باعث ہیں۔ اور

چوتھی یہ کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے فضل سے وفادار، مخلص اور پیار کرنے والے احباب کا ایک وسیع

حلقہ میسر ہے جو مجھ سے بے لوث محبت کرتے ہیں۔ میری کمزوریوں کی پردہ پوشی کرتے ہیں اور بوقت ضرورت میری رہنمائی کیلئے مجھے تنبیہہ بھی کرتے رہتے ہیں۔

بھلا اٹھتر (78) برس کی عمر میں مجھے اور کیا چاہئے؟

کیا مناسب ہوگا کہ میں اپنی ذمہ داریوں میں مزید اضافہ کرلوں؟ اگر میں نے ایسا کیا تو میں مسلسل بدمزگی کا شکار ہو جاؤں گا۔ میرے خیال میں مجھے اللہ تعالیٰ کے بے پایاں فضلوں اور بے شمار رحمتوں کا شکر گزار ہونا چاہئے اور کوئی ایسا اقدام نہیں کرنا چاہئے جس سے یہ اندازہ ہو کہ گویا کسی چیز کی کمی تھی، جسے پورا کیا گیا ہے۔

آپ کا مخلص

میں نے حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحبؓ کو پہلی مرتبہ قادیان میں دیکھا۔ میں ان دنوں تعلیم الاسلام ہائی اسکول میں زیر تعلیم تھا۔ نمازوں کیلئے یوں تو بورڈنگ تحریک جدید میں رہائش پذیر طلباء بورڈنگ ہاؤس کی قریبی مسجد جس کا نام ''مسجد نور'' تھا، میں جایا کرتے تھے۔ لیکن اکثر طلباء مغرب کی نماز مسجد مبارک میں ادا کیا کرتے تھے۔ مغرب کی نماز سے عشاء کی نماز تک حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی مسجد عرفان منعقد ہوتی تھی جہاں علوم و معارف کے سمندر بہتے تھے۔ حضورؓ کا یہ طریق تھا کہ نماز کے بعد ایک کرسی پر تشریف فرما ہونے کے بعد بعض بزرگوں کو اپنے ساتھ بینچ پر بیٹھنے کی دعوت دیتے اور پھر حضورؓ کی مجلس معرفت و عرفان شروع ہو جاتی تھی۔ ایک دفعہ میں نے حضورؓ کی دعوت پر ایک شخص کو دیکھا جس نے رومی ٹوپی پہنی ہوئی تھی اور اچکن زیب تن کر رکھی تھی۔ حضورؓ کے بلانے پر یہ صاحب پروقار انداز میں نہایت ادب کے ساتھ حضورؓ کے دائیں پہلو میں تشریف فرما ہوئے اور مجلس عرفان کے دوران ہمہ تن گوش ہو کر حضورؓ کی گفتگو سنتے رہے۔ نماز عشاء کے بعد جب ہم بورڈنگ کیلئے روانہ ہوئے تو راستہ میں میں نے اپنے ایک دوست سے حضورؓ کے دائیں طرف بیٹھنے والے شخص کے متعلق دریافت کیا۔ اس دوست نے

مجھے بتایا کہ یہ چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب ہیں اور ہندوستان کے مرکزی وزیر ہیں۔

پارٹیشن کے بعد میں تعلیم الاسلام کالج لاہور میں داخل ہوا۔ 1953ء میں میں نے بی اے کیا۔ اس سال تقسیم سندات کیلئے جو کانووکیشن منعقد ہوئی اس کی صدارت حضرت چوہدری ظفراللہ خان صاحبؓ نے فرمائی اور کانووکیشن کا خطبہ ارشاد فرمایا۔ ان دنوں وہ پاکستان کے وزیر خارجہ تھے۔ میں نے ان سے ڈگری وصول کی اور بعد میں باہر لان میں ان کے ساتھ دیگر ڈگری یافتہ طلباء کے ہمراہ تصویر بھی بنوائی۔

یہ دوسرا موقع تھا کہ میں نے حضرت چوہدری صاحبؓ کو قریب سے دیکھا اور ان کی تقریر سنی۔ 1959ء میں میں لندن آ گیا۔ حضرت چوہدری صاحبؓ ان دنوں عالمی عدالت انصاف کے جج تھے اور اکثر اپنی عرب بیگم صاحبہ کو ملنے لندن تشریف لایا کرتے تھے۔ ان کی بیگم صاحبہ برائیٹن میں زیر تعلیم تھیں۔

لندن کے ایک مخلص دوست مولوی عبدالرحمن صاحب ہوا کرتے تھے جن کے پاس اپنی موٹر کار بھی تھی۔ ان کے حضرت چوہدری صاحبؓ سے قریبی تعلقات تھے اور جب بھی حضرت چوہدری صاحبؓ لندن تشریف لاتے تو یہ انہیں لینے کیلئے ریلوے اسٹیشن یا ائیر پورٹ جایا کرتے تھے۔ ایک دن انہوں نے مجھے دعوت دی کہ میں ان کے ساتھ حضرت چوہدری صاحبؓ کو لینے ریلوے اسٹیشن چلوں۔ میری خوشی کی کوئی انتہا نہیں تھی کہ مجھے حضرت چوہدری صاحبؓ کے قرب کا شرف نصیب ہو رہا ہے۔ حضرت چوہدری صاحبؓ ان دنوں بالعموم رائل کامن ویلتھ سوسائیٹی میں قیام فرماتے تھے۔ ہم ان کے ساتھ رائل کامن ویلتھ سوسائیٹی پہنچے اور کچھ دیر لاؤنج میں بیٹھ گئے۔ حضرت چوہدری صاحبؓ نے میرے متعلق دریافت فرمایا۔ میں نے خود اپنا تعارف کروایا۔ حضرت چوہدری صاحبؓ جب اپنے کمرہ میں جانے لگے تو مجھے فرمایا کہ میں اگلے دن انہیں ملوں اور ہفتہ بھر کے اخبارات ''الفضل'' اور تازہ ''الفرقان'' کا شمارہ ساتھ لے کر آؤں۔

چنانچہ اگلے دن میں وقت مقررہ پر ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ لاؤنج میں تشریف فرما تھے۔ میں نے اخبارات و رسائل پیش کئے تو انہوں نے فرمایا کہ وہ ''الفضل'' اور ''الفرقان'' کو بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔ نیز فرمایا کہ میں سب سے پہلے ''الفضل'' کے پہلے صفحہ پر شائع شدہ حضرت مسیح موعودؑ کی تحریرات کے اقتباس پڑھتا ہوں۔ اس کے بعد بقیہ اخبار کا مطالعہ کرتا ہوں۔ نیز فرمایا کہ الفرقان بہت اعلیٰ علمی رسالہ ہے۔ انہوں نے حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب کے تبحرِ علمی کا بھی ذکر فرمایا۔ حضرت چوہدری صاحبؓ خود تو کافی کا شوق نہیں فرماتے تھے لیکن میرے لئے انہوں نے کافی منگوائی۔ میں تو خاموشی سے صرف سامع تھا اور میری حیثیت بھی اس عظیم شخص اور صحابی حضرت مسیح موعودؑ کے سامنے کچھ نہ تھی۔

حضرت چوہدری صاحبؓ جب کمرہ میں جانے کیلئے کھڑے ہوئے تو مجھے فرمایا کہ کل بھی کچھ وقت نکال کر آپ میرے پاس آ جائیں۔ چنانچہ دو تین دن تک متواتر جب تک وہ لندن میں قیام پذیر رہے، مجھے ان کی صحبت کا شرف حاصل ہوتا رہا۔ فالحمدللہ۔

اس کے بعد یہ سلسلہ بڑھتا چلا گیا۔ انہوں نے جب بھی لندن آنا ہوتا تھا تو مکرم مولوی عبد الرحمن صاحب کو اطلاع دینے کے ساتھ مجھے بذریعہ خط ارشاد فرماتے کہ میں بھی مکرم مولوی صاحب کے ساتھ انہیں اسٹیشن یا ائیر پورٹ پر ملوں اور اپنے ساتھ اخبارات الفضل اور الفرقان کے چند شمارے بھی لاؤں۔

1970ء میں حضرت چوہدری صاحبؓ ہر پندرہ روز کے بعد لندن تشریف لاتے اور میرے پاس مشن ہاؤس کے ایک کمرہ میں قیام پذیر ہوتے۔ انہیں جہاں بھی جانا ہوتا، میں ہی انہیں کار میں لے جانے کی سعادت حاصل کرتا۔ اکثر عمائدین، سفراء اور سربراہان مملکت سے ملاقاتوں میں وہ مجھے بھی اپنے ساتھ لے کر جاتے تھے۔

غالباً 1964ء کی بات ہے حضرت چوہدری صاحبؓ لندن تشریف لائے ہوئے تھے۔ ایک

دن مجھے فرمانے لگے کہ سیدنا طاہر سیف الدین جو بوہرہ فرقہ کے امام و مذہبی رہنما تھے، ان دنوں لندن آئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا ہے نیز شام کے کھانے کی دعوت بھی دی ہے۔ حضرت چوہدری صاحبؓ نے فرمایا کہ میں نے انہیں کہہ دیا ہے کہ میرے ساتھ امام مسجد فضل لندن بھی ہوں گے۔ انہوں نے بڑی خوشی سے فرمایا کہ امام صاحب کو بھی میری طرف سے دعوت دے دیں اور انہیں ضرور ساتھ لے کر آئیں۔

جناب طاہر سیف الدین صاحب علی گڑھ یونی ورسٹی کے لمبے عرصہ تک چانسلر رہے تھے۔ نیز 40 سے زیادہ کتب کے مصنف بھی تھے۔

ہم وقت مقررہ پر پہنچ گئے۔ وہ لندن کے علاقہ ارلز کورٹ کے ایک وسیع و عریض اور شاندار فلیٹ میں مقیم تھے۔ ان کے پرائیویٹ سیکرٹری صاحب نے ہمارا استقبال کیا اور ہمیں بذریعہ لفٹ اوپر کی منزل پر لے گئے۔ وہاں جناب طاہر سیف الدین صاحب حضرت چوہدری صاحبؓ کے منتظر تھے۔ باہمی تعارف وغیرہ کے بعد گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا۔ جناب طاہر سیف الدین صاحب کے استفسار پر حضرت چوہدری صاحبؓ نے انہیں تفصیل سے جماعتی کارگزاری سے آگاہ کیا۔ مسئلہ مجددیت پر گفتگو ہوئی۔ یہ دلچسپ محفل ایک گھنٹہ سے زائد عرصہ تک جاری رہی۔

ان کے سیکرٹری صاحب نے آ کر ہمیں اطلاع دی کہ کھانا تیار ہے۔ چنانچہ ہمیں طاہر سیف الدین صاحب کی معیت میں ایک کافی بڑے کمرے میں لے جایا گیا جہاں قالینوں پر سفید چادریں بچھی ہوئی تھیں۔ کھانا ان پر چن دیا گیا تھا۔ سب زمین پر بیٹھے تھے۔ کوئی کرسی نہ تھی۔ حضرت چوہدری صاحبؓ کو چونکہ کمر درد کی تکلیف تھی اس لئے ان کیلئے کرسی منگوائی گئی۔ باقی سب لوگ بمع امام طاہر سیف الدین صاحب قالین پر بیٹھ گئے۔ کھانا بہت سادہ تھا۔ چاول اور دو سالن۔ دوران طعام طاہر سیف الدین صاحب نے فرمایا کہ میں نے اپنے فرقہ کے لوگوں کو کھانے پینے میں سادگی کی ہدایت کر رکھی ہے۔ اس لئے خود بھی اپنی دعوتوں میں سادگی کا حکم دیتا ہوں۔

حضرت چوہدری صاحبؓ اس بات سے بے حد متاثر ہوئے اور بعد میں مجھے کئی دفعہ ارشاد فرمایا کہ جماعت کو تلقین کریں کہ دعوتوں میں سادگی کو اپنائیں اور غیر ضروری اسراف سے پرہیز کریں۔ اس طرح سے جو رقم بچ جائے وہ چندہ جات میں دے دی جائے تو سب کو فائدہ ہوگا۔

ایک دن فرمانے لگے کہ میں جب وائسرائے کونسل کا ممبر تھا تو ایک دفعہ حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکیؓ میرے پاس تشریف لائے اور چند روز میرے مہمان رہے۔ میرے گھر کے ساتھ ایک وسیع عریض باغ تھا جو پھولوں اور پھلوں سے لدا رہتا تھا اور گورنمنٹ کی طرف سے کئی مالی اس کی نگہداشت پر مقرر تھے۔

ایک دن جب میں صبح سویرے باغ کی سیر کیلئے نکلا تو میں نے دور سے حضرت مولانا راجیکی صاحبؓ کو گلاب کے ایک پودے کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا۔ میں نہایت خاموشی سے آہستہ آہستہ چلتے ہوئے ان کی پشت کی طرف جا کھڑا ہوا۔ میں نے دیکھا کہ انہوں نے گلاب کے پھولوں کی ایک ٹہنی کو پکڑا ہوا تھا اور زاروقطار رو رہے تھے۔ میں یہ دیکھ کر حیران ہوا۔ میری آہٹ پا کر حضرت مولانا صاحبؓ نے ٹہنی کو چھوڑ دیا اور کھڑے ہو گئے۔ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی۔ میں نے عرض کیا ’’مولانا! آپ کیوں رو رہے تھے۔‘‘ اس پر حضرت راجیکی صاحبؓ نے فرمایا: ’’چوہدری صاحب! میں صبح باغ کی سیر کیلئے نکلا تو میری نظر گلابوں والے حصۂ چمن پر پڑی۔ مجھے گلاب کا پھول بہت پسند ہے۔ چنانچہ میں اس کے قریب گیا اور ایک پودے کے قریب بیٹھ گیا۔ یہ ٹہنی پھولوں سے لدی ہوئی تھی۔ میں نے ایک پھول کو ہاتھ میں پکڑا تو میرا دل اس خیال سے پگھل گیا کہ یہ بھی میرے مولیٰ کی صنعت ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی صنعت ہے۔ چنانچہ گلاب کے اس پھول میں بھی مجھے خدا کا جلوہ نظر آیا اور میں نے محسوس کیا کہ اس جہان رنگ و بو کا ایک ایسا صانع ہے جس کا جلوہ اس کی تخلیق اور صنعت کے ذرہ ذرہ میں نظر آتا ہے۔ اس جلوہ کو دیکھنے کیلئے صاف دل کی ضرورت ہے اور دل کی صفائی اللہ تعالیٰ کے برگزیدوں کی صحبت اور

اطاعت کے بغیر ممکن نہیں۔ پھر مجھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا خیال آیا جن کی پاک صحبت نے ہماری دل کی نظر کو شفاف کر دیا اور ہمیں ہر طرف خدا ہی خدا نظر آنے لگا۔ پس اس خیال کے آنے سے میرا دل گداز ہو کر آنسوؤں کی صورت میں بہنے لگا۔

حضرت چوہدری صاحبؓ نے حضرت راجیکی صاحبؓ کی اس بات چیت کو نہایت تفصیل سے بیان کیا تھا جس کا اکثر حصہ اب مجھے یاد نہیں ہے۔

حضرت چوہدری صاحبؓ اپنے محسنوں کو تو یاد رکھتے ہی تھے، ان کے بچوں سے بھی محبت کا سلوک فرماتے تھے۔ ایک دفعہ کی بات ہے کہ ہم دونوں لندن سے 40 میل دور ایک قبرستان میں، جہاں کے ایک حصہ میں احمدی بھی دفن ہیں، گئے۔ اس قبرستان میں حضرت میر عبدالسلام صاحبؓ بھی دفن ہیں۔ یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی تھے اور جب امارت کا نظام قائم ہوا تو یہ سیالکوٹ کے پہلے امیر مقرر ہوئے تھے۔ آپ آخری عمر میں انگلستان بس گئے تھے اور یہیں آپ کی وفات ہوئی۔ آپؓ بروک ووڈ کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ ہم بالخصوص ان کی قبر پر دعا کیلئے گئے۔ یہ انگلستان میں دفن ہونے والے واحد صحابی ہیں۔

قبروں پر دعا سے فارغ ہونے کے بعد حضرت چوہدری صاحبؓ نے فرمایا کہ اسی قبرستان میں سر فضل حسین کے بیٹے کی بھی قبر ہے جو دوران تعلیم انگلستان میں فوت ہوئے تھے۔ اس کی تلاش کی جائے۔ چنانچہ ہم نے ان کی قبر کی تلاش شروع کی اور بالآخر ان کی قبر مل گئی۔ حضرت چوہدری صاحبؓ نے دیکھا کہ ان کی قبر کا کتبہ نہایت خستہ حالت میں تھا اور قبر کی حالت بھی خراب تھی۔ اردگرد کی اور قبروں کے اوپر بھی خاردار جھاڑیوں نے جال بچھایا ہوا تھا۔

حضرت چوہدری صاحبؓ نے فرمایا:

”امام صاحب! سر فضل حسین صاحب میرے محسن تھے۔ وہ مجھ سے بے حد پیار اور محبت کا سلوک فرمایا کرتے تھے۔ آپ قبرستان کے Care Taker سے دریافت کریں کہ اس قبر کو

درست کرنے اور اس پر نیا کتبہ لگانے پر کتنا خرچ آئے گا۔“

میں نے عرض کیا کہ قبرستان کے گیٹ پر اس کا دفتر ہے۔ وہیں جا کر بات کر لیتے ہیں۔ چنانچہ ہم وہاں جا کر Care Taker سے ملے۔ حضرت چوہدری صاحبؓ نے اسے کہا کہ اس قبر کو درست کر کے اس پر نیا کتبہ لگاؤ اور اس پر جو خرچ ہو وہ میں ادا کروں گا۔ حضرت چوہدری صاحبؓ نے سر فضل حسین کے احسانات کا بدلہ اس صورت میں چکا دیا اور ایسے وقت میں چُکایا جب کہ سر فضل حسین تو وفات پا چکے تھے اور ان کے بچوں اور اولاد میں سے جو کوئی بھی موجود تھا، ممکن ہے وہ یا کوئی اور رشتہ دار کبھی اس قبرستان میں اس قبر پر دعا کرنے کیلئے گیا ہوگا تو اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی ہوگی کہ اس قبر کو کس نے آراستہ کیا ہوگا۔ لیکن کسی کو یہ معلوم نہ ہو سکا ہوگا کہ وہ مخیر دوست کون ہیں جس نے یہ نیک کام کروایا ہے۔

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ کی ہمدردیٔ خلائق

حضرت چوہدری صاحبؓ کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص وصف یہ عطا کیا تھا کہ آپ کا دل غریبوں، مسکینوں، بیواؤں اور نادار طلباء کی امداد کیلئے ہر وقت بے چین رہتا تھا۔ آپ چاہتے تھے کہ آپ کے اموال کا بیشتر حصہ غرباء کی امداد پر خرچ ہو۔

ایک دفعہ کی بات ہے کہ لندن کے قریبی قصبہ جلنگھم میں ایک احمدی کی وفات ہوگئی۔ میں فوراً جلنگھم جانے کیلئے تیار ہو گیا۔ حضرت چوہدری صاحبؓ نے فرمایا کہ میں اکیلے یہاں کیا کروں گا۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ چنانچہ ہم دونوں جلنگھم کیلئے روانہ ہو گئے۔ مرحوم کی بیوہ اور بچوں سے ملے۔ انہیں تسلی دی اور مرحوم کی تجہیز و تکفین کے مناسب انتظامات کرنے کے بعد واپس لندن کیلئے روانہ ہو گئے۔ راستہ میں حضرت چوہدری صاحبؓ نے فرمایا کہ کیا میں نے بیوہ سے اس کے مالی حالات کے بارہ میں دریافت کیا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اس کی ضرورت نہ تھی کیونکہ یہاں بیوہ خواتین کو گورنمنٹ کی طرف سے بیوگی الاؤنس اور بچوں کی نگہداشت کیلئے مناسب پنشن

ملتی ہے۔ حضرت چوہدری صاحبؓ نے فرمایا:

> ’’گورنمنٹ تو قواعد کے مطابق جو امداد کر سکے گی وہ ضرور کرے گی۔ لیکن مرحوم جماعت احمدیہ کے فرد تھے۔ تمہارا بحیثیت مبلغ سلسلہ یہ فرض بنتا ہے کہ تم بیوہ سے ان کے حالات دریافت کرو اور اگر گورنمنٹ کی امداد کے بعد بھی انہیں کسی مدد کی ضرورت ہو تو اس کا انتظام کرو۔‘‘

میں نے اگلے دن اس خاتون سے فون پر بات کی۔ وہ رونے لگ پڑیں اور اپنے مالی حالات بتائے۔ جس سے یہ معلوم ہوا کہ گورنمنٹ کے الاؤنسز اور پنشن میں وہ اپنے بچوں کی مناسب نگہداشت نہیں کر سکیں گی۔ میں نے یہ سارا ماجرہ حضرت چوہدری صاحبؓ کی خدمت میں عرض کر دیا۔ آپ نے فوراً اپنے قائم کردہ ٹرسٹ سے بیوہ کیلئے مناسب امداد کا انتظام کر دیا۔

یہ حقیقت ہے کہ آپ ہر ماہ ہزاروں روپے بیوگان، غریب اور نادار طلباء کو بھجواتے تھے۔ ان وظیفہ یافتہ لوگوں میں سے 99٪ لوگوں کو آپ نہیں جانتے تھے۔ صرف ان کی درخواستوں کی بناء پر ہی انہیں مالی امداد مہیا کیا کرتے تھے۔

نمازوں کی پابندی

ایک دفعہ حضرت چوہدری صاحبؓ نے مجھے ایک نہایت دلچسپ واقعہ سنایا اور فرمایا کہ اگر انسان اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی کیلئے کوشش کرے تو اللہ تعالیٰ خود اس کی مدد کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جنگ کے دنوں میں آپکو لندن آنے کا اتفاق ہوا۔ وائسرائے نے آپ کو ہدایت کی تھی کہ لندن میں جلد از جلد اپنا کام ختم کر کے واپس آئیں۔

فرماتے تھے کہ لندن پہنچنے کے دوسرے دن ملکہ میری (Mary) نے، جو بادشاہ کی والدہ تھیں، مجھے بطور شاہی مہمان دعوت دی کہ میں ان کے مہمان کے طور پر قصر ہملٹن میں، جو گلاسٹر شائر میں ہے، حاضر ہو جاؤں۔ یہ ایک ہندوستانی کیلئے بہت بڑا اعزاز تھا۔ میں نے یہ دعوت قبول

کر لی اور قصر ہملٹن میں ان کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔

محل میں پہنچنے پر لارڈ کلاڈ ہملٹن نے مجھے تفصیل سے ملکہ کی خدمت میں حاضری کے آداب پر لیکچر دیا اور منجملہ اور باتوں کے مجھے کہا کہ ملکہ کی خدمت میں حاضری کے وقت اپنی گھڑی کو نہ دیکھیں۔ ایسا کرنا بے ادبی میں شامل ہے اور بھی بہت سی ہدایات دیں۔

کچھ دیر بعد ملکہ میری کی لیڈی ان ویٹنگ تشریف لائیں اور مجھے اپنے ساتھ چلنے کو کہا۔ راستہ میں انہوں نے مجھے بتایا کہ یہ تمہاری ملکہ سے پہلی ملاقات ہے۔ اس لئے یہ بے حد مختصر ہو گی۔ ملکہ چند منٹ آپ سے گفتگو کریں گی۔ تفصیلی ملاقاتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔

میں ان کے ساتھ کمرۂ ملاقات میں داخل ہو گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں ملکہ تشریف لائیں اور مجھے بیٹھنے کو کہا۔ گفتگو شروع ہوئی۔ یہ پہلی ملاقات خلاف معمول لمبی ہو گئی۔ دوران ملاقات مجھے خیال آیا کہ میری عصر کی نماز کا وقت تنگ ہو رہا ہے۔ یہ کہیں ضائع نہ ہو جائے۔ اس پریشانی میں میں نے ملکہ کی نظر بچا کر اپنی گھڑی کو دیکھا۔ ملکہ بے حد زیرک تھیں۔ انہوں نے مجھے گھڑی کو دیکھتے دیکھ لیا۔ اور فرمایا کہ کیا تمہیں کسی اور سے بھی ملنا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ ملکہ معظّمہ کی ملاقات سے بڑھ کر اور کونسی ملاقات ہو سکتی ہے۔ لیکن میں نے گھڑی کو دیکھنے کی گستاخی اسلئے کی ہے کہ مجھے مالک کل جہان کے دربار میں بھی حاضری دینی ہے جس کا وقت نکلا جا رہا ہے۔

ملکہ نے فرمایا:

”بے شک اپنے خالق کی عبادت اور اس کے احکامات کی تعمیل ہم سب پر فرض ہے۔“

میں نے انہیں بتایا کہ میری عصر کی نماز کی ادائیگی میں بہت تھوڑا سا وقت رہ گیا ہے۔

ملکہ معظّمہ فوراً اُٹھ کھڑی ہوئیں اور اپنی سیکرٹری کو ہدایت کی کہ ظفر اللہ خان سے اس کی نمازوں کے اوقات دریافت کر کے مجھے اس کی اطلاع دو۔ نیز اگر میں کسی وقت ظفر اللہ خان سے محو گفتگو ہوں اور ان کی نماز کا وقت ہو جائے تو مجھے بتا دیا جائے کہ ظفر اللہ خان کی نماز کا وقت آ گیا ہے۔

میں ملکہ سے رخصت ہو کر اپنے کمرہ میں آیا اور نماز عصر ادا کی۔ نماز کے بعد ملکہ کی سیکرٹری کو اپنے نمازوں کے اوقات سے آگاہ کیا۔

اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند آئی اور اس کے بعد جب بھی میں ملکہ کی خدمت میں حاضر ہوتا وہ بار بار پوچھتی تھیں کہ آپ کی نماز کا وقت تو نہیں ہو گیا۔ (از کتاب خوشگوار یادیں)

◆

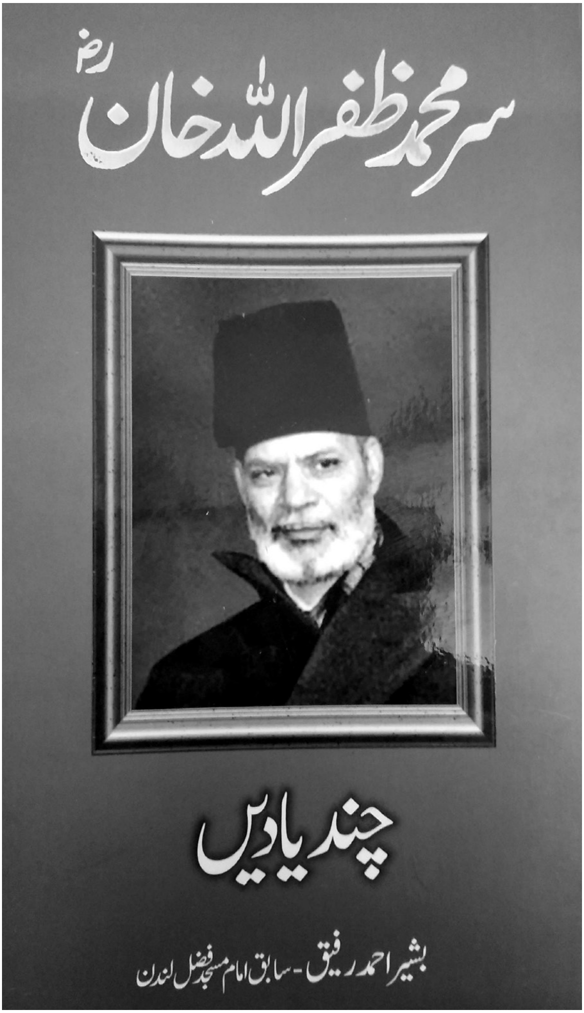
سر محمد ظفراللہ خان رضؓ
چند یادیں
بشیر احمد رفیق - سابق امام مسجد فضل لندن

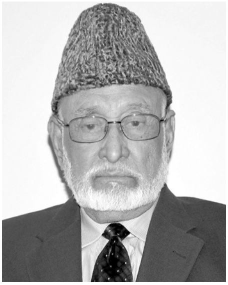

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ

ایک مقبول بارگاہ بندہ

اپنے وطن پاکستان، غرباء، بیوگان اور طلباء سے آپ کو بے انتہا محبت تھی

اپنے ایک دوسرے مضمون میں امام بشیر احمد رفیق صاحب بیان فرماتے ہیں کہ

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ 6 فروری 1893ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ حضرت چوہدری صاحبؓ کے مرتبہ کے انسان دنیا میں مدتوں بعد پیدا ہوتے ہیں اور ایسے انسان اپنے پاک اور عظیم نمونہ سے ہزاروں دلوں کو منور کر جاتے ہیں اور ہزاروں لوگوں کیلئے ہدایت و رہنمائی کا مینار بنتے ہیں۔

حضرت چوہدری صاحبؓ سے میری ملاقاتوں کا سلسلہ اس وقت شروع ہوا جب میں 1959ء میں بطور نائب امام مسجد فضل لندن پہنچا۔ حضرت چوہدری صاحبؓ ان دنوں عالمی عدالت انصاف کے جج تھے۔ ان دنوں آپ جب لندن تشریف لاتے تو عام طور پر رائل کامن ویلتھ سوسائیٹی میں قیام فرماتے۔ اس طرح حضرت چوہدری صاحبؓ سے تعارف اور محبت کے ابتدائی مراحل طے ہونے لگے اور آپ سے خط و کتابت کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ اس کے بعد 1964ء میں جب خاکسار کو امام مسجد فضل لندن کے عہدے پر مقرر کیا گیا تو حضرت چوہدری صاحبؓ کے سلسلہء مودت و محبت میں تیزی سے اضافہ ہونا شروع ہو گیا۔ آپ کا لندن آنا جانا بھی بڑھ گیا اور پھر مجھے یہ اعزاز بھی ملنے لگا کہ جب آپ لندن تشریف لاتے تو مشن ہاؤس میں میرے گھر کو رونق بخشتے اور کئی مرتبہ میرے ہاں مقیم بھی ہوتے۔ خاکسار ہی انہیں ایئر پورٹ سے لے کر

آتا اور واپس چھوڑنے بھی جاتا اور پھر بالآخر جب انٹرنیشنل کورٹ سے ریٹائر ہو گئے تو لندن میں مشن ہاؤس کے اوپر کی منزل میں ایک فلیٹ میں مستقلاً منتقل ہو گئے۔ ساتھ ہی میرا فلیٹ تھا۔ دونوں وقت کا کھانا ہم اکٹھے کھاتے۔ سفر وحضر میں ساتھ رہتے۔ شام کو کھانے کی میز پر میں اکثر ایسے احباب کو بھی مدعو کر لیا کرتا جنہیں حضرت چوہدری صاحبؓ سے ملنے کا زبردست اشتیاق ہوتا تھا اور یہ شام کے کھانے کی میز حضرت چوہدری صاحبؓ کی درسگاہ بن جایا کرتی تھی جس میں حضرت چوہدری صاحبؓ علم وعرفان کے خزانے لٹایا کرتے تھے۔

حضرت چوہدری صاحبؓ کی انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس سے ریٹائرمنٹ کا قصہ بھی بہت ایمان افروز ہے۔

1972ء میں حضرت چوہدری صاحبؓ کا نام بطور جج دوبارہ انتخاب کیلئے بھجوایا گیا تھا۔ آپ کو یقین تھا کہ آپ منتخب ہو جائیں گے اور ٹیلیفون پر مجھے بتا چکے تھے کہ آپ کو یقین دہانی کرائی گئی ہے کہ آپ ضرور منتخب ہو جائیں گے۔ انہی دنوں، جب ہم اس انتظار میں تھے کہ حضرت چوہدری صاحبؓ کے دوبارہ انتخاب کی خوش خبری ملے، ایک دن حضرت چوہدری صاحبؓ نے فون کیا اور فرمایا کہ میں لندن آ رہا ہوں۔ اس دفعہ سامان زیادہ ہوگا اس لئے تم دو کاریں لے کر آؤ۔ میں یہ سن کر بہت حیران ہوا اور میں نے عرض کیا کہ کیا آپ کا انتخاب ہو گیا ہے۔ تو حضرت چوہدری صاحبؓ نے فرمایا کہ یہ لندن آ کر بتاؤں گا۔ میں بے تابی سے حضرت چوہدری صاحبؓ کی تشریف آوری کا انتظار کرنے لگا۔ آپ تشریف لائے۔ شام کے کھانے پر بیٹھے تو میں نے مع سامان لندن آنے کی وجہ دریافت کی۔

آپ نے فرمایا کہ مجھے تمام ججوں کی طرف سے یہ یقین دہانی کرائی جا چکی تھی کہ انتخاب میں میں یقیناً کامیاب ہو جاؤں گا اور مزید 9 سال اس عہدہ پر فائز رہوں گا۔ ایک رات میں نے خواب میں حضرت مسیح موعودؑ کو دیکھا۔ انہوں نے کمال شفقت سے مجھے فرمایا کہ ظفر اللہ اب دنیا کے

ان جھمیلوں کو چھوڑ کر بقیہ زندگی کلیۃً خدمت دین کیلئے وقف کر دو۔ چنانچہ صبح اُٹھ کر میں نے پہلا کام یہ کیا کہ اپنا نام واپس لے لیا اور فوراً اس لئے لندن چلا آیا کہ مبادا جج صاحبان مجھے اپنا فیصلہ واپس لینے پر مجبور کرنے کی کوشش نہ کریں۔

اس طرح آپ نے ایک ایسے اعلیٰ عہدہ پر لات ماری جس کے حصول کیلئے لوگ کیا کچھ نہیں کرتے۔ آپ چاہتے تو خواب کی تعبیر کسی اور رنگ میں کر سکتے تھے۔ لیکن آپ نے نہ تو دنیوی عہدہ کی پرواہ کی اور نہ اس بات کی پرواہ کی کہ مستقبل میں ذرائع آمدن کیا ہوں گے۔

حضرت چوہدری صاحبؓ کو اپنے وطن پاکستان سے بہت محبت تھی۔ اور اس کیلئے ہر قربانی کیلئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ ایک دفعہ کھانے کی میز پر انہوں نے تقسیم ہند کے وقت کے حالات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ 1947ء میں تقسیم ملک کے منصوبے کا اعلان ہو گیا تو میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں فیڈرل کورٹ آف انڈیا سے علیحدہ ہو جاؤں۔ چنانچہ آپ نے اپنا استعفیٰ بھجوایا۔ آپ نے فرمایا کہ میرا ارادہ تھا کہ میں لاہور جا کر وکالت کے پیشہ سے منسلک ہو جاؤں گا۔ پنڈت نہرو صاحب نے مجھے ہندوستان میں رہنے کیلئے اعلیٰ عہدوں کی پیشکش کی۔ لیکن میں آمادہ نہ ہوا اور پاکستان جانے کی تیاری شروع کر دی۔

انہی دنوں نواب سر حمید اللہ خان والی بھوپال دہلی تشریف لائے ہوئے تھے۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ میں نے استعفیٰ دے دیا ہے تو انہوں نے مجھے دعوت دی کہ میں کچھ عرصہ کیلئے بطور مشیر ان کے ساتھ بھوپال آ جاؤں۔ میں نے اس وجہ سے کہ نواب صاحب ہمیشہ میرے ساتھ بہت محبت وشفقت سے پیش آتے تھے، ان کی پیشکش کو قبول کر لیا اور بھوپال ان کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔

بھوپال پہنچا تو ایک شام کھانے کی میز پر نواب صاحب نے فرمایا: ظفر اللہ خان آپ نے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے کہ بھوپال میری مدد کیلئے تشریف لائے ہیں۔ لیکن ہم نے آپس میں بات

نہیں کی ہے کہ آپ کی خدمات کا معاوضہ کیا ہوگا۔ میں نے عرض کیا کہ میں کسی معاوضہ کی لالچ میں آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوا۔ آپ سے قریبی دوستانہ تعلقات اور تعلق اخوت و محبت کی وجہ سے میں نے آپ کی پیشکش کو قبول کیا ہے۔ نواب صاحب نے فرمایا کہ میں نے اس معاملہ پر غور کیا ہے کہ آپ کی ماہوار تنخواہ چالیس ہزار روپے ہوگی۔ اس پر کوئی ٹیکس بھی نہیں ہوگا۔ نیز ہم نے آپ کی رہائش کیلئے اپنے محل کا ایک آرام دہ حصہ مخصوص کر لیا ہے۔ آپ اور آپ کی فیملی اور مہمانوں کا کھانا شاہی مطبخ (باورچی خانہ) میں تیار ہوا کرے گا اور یہ سب سرکار کی طرف سے ہوگا۔ آپ کسی قسم کی ادائیگی نہیں کریں گے۔

اگلے دن شام کو نواب صاحب نے یاد فرمایا۔ ہم دونوں باغ میں چہل قدمی کیلئے گئے۔ واپسی پر نواب صاحب ایک طرف لے گئے۔ جہاں قطار میں چھ نہایت خوبصورت بڑی موٹریں کھڑی تھیں۔ ان کے آگے ڈرائیور وردی میں ملبوس کھڑے تھے۔ نواب صاحب نے فرمایا یہ آپ کی گاڑیاں ہیں۔ میں نے عرض کیا مجھے تو صرف ایک گاڑی کی ضرورت ہوگی۔ نواب صاحب فرمانے لگے ایک گاڑی سے تو دل اکتا جاتا ہے۔ اس لئے یہ سب گاڑیاں آپ کیلئے ہیں۔ جس پر چاہیں سفر کریں۔ غرض نواب صاحب نے کمال حسن سلوک کیا اور میری کوئی ایسی ضرورت نہ تھی جس کا انہوں نے خیال نہ رکھا ہو۔

کچھ عرصہ بعد ایک دِن قائداعظم نے مجھے یاد فرمایا۔ میں ان دنوں کراچی آیا ہوا تھا۔ میں حاضر ہوا تو فرمانے لگے کہ تم اب بھوپال سے اپنا تعلق ختم کر کے فوراً پاکستان آ جاؤ۔ ہمیں تمہاری ضرورت ہے۔ چنانچہ انہوں نے مجھے پاکستان کا وزیر خارجہ مقرر کر دیا۔

میری تنخواہ بھوپال میں چالیس ہزار تھی اور اب پاکستان میں چار ہزار روپے ماہوار تنخواہ ملنے لگی۔ اس پر ٹیکس بھی دینا پڑتا تھا۔ بھوپال میں مجھے نواب صاحب کے محل کا ایک حصہ رہائش کیلئے دیا گیا تھا۔ یہاں کراچی میں شروع میں ایک ہوٹل میں دو کمروں میں لمبے عرصہ تک قیام

رہا۔ بھوپال میں چھ کاریں میری تحویل میں تھیں، یہاں ایک موٹر ملی۔ باوجود ان نامساعد حالات کے میں نے پاکستان کی خدمت کا عزم کیا اور اس بات کی کوئی پرواہ نہ کی کہ مالی یا رہائشی پریشانی سے کیونکر نپٹا جائے گا۔

یہ تھی چوہدری صاحب کی وطن سے محبت کی کیفیت۔

ایک دفعہ سر خضر حیات خان صاحب ٹوانہ جو تقسیم ملک سے قبل متحدہ پنجاب کے وزیر اعلیٰ تھے ،لندن تشریف لائے اور پکاڈلی کے ایک ہوٹل میں قیام پذیر ہوئے۔ آپ کا قیام اسی ہوٹل میں ہوا کرتا تھا۔ حضرت چوہدری صاحبؓ نے مجھے فرمایا کہ خضر حیات صاحب میرے پرانے دوستوں میں سے ہیں اور میرا بیحد احترام کرتے ہیں۔ میری خواہش ہے کہ ان کی ملاقات کیلئے ان کے پاس جاؤں۔ تم بھی میرے ساتھ چلو۔ چنانچہ ہم دونوں وقت مقررہ پر ہوٹل پہنچ ہو گئے۔ سر خضر حیات خان صاحب کے پرائیویٹ سیکرٹری ہمارے استقبال کیلئے دروازہ پر موجود تھے۔ وہ ہمیں بذریعہ لفٹ اوپر کی منزل پر لے گئے۔ یہ ساری کی ساری منزل سر خضر حیات صاحب کیلئے بک کرائی گئی تھی۔ لفٹ پر بھی ان کے ملازم لفٹ کو اوپر نیچے لے جانے پر مامور تھے۔

سر خضر حیات خان صاحب ایک وسیع ڈرائنگ روم میں تشریف فرما تھے۔ اردگرد ان کے خدام باادب ایستادہ تھے۔ ہم حاضر ہوئے تو سر خضر حیات خان صاحب نے آگے نہایت پُرتپاک انداز میں حضرت چوہدری صاحبؓ کا استقبال کیا اور بار بار فرمایا کہ انہیں حضرت چوہدری صاحبؓ کی ملاقات سے بیحد خوشی ہو رہی ہے۔ حضرت چوہدری صاحبؓ نے میرا تعارف کرایا۔ تو سر خضر حیات خان صاحب نے مجھ سے معانقہ کیا اور میری آمد پر بھی بہت خوشی کا اظہار کیا۔ اپنی نشستوں پر بیٹھ جانے کے بعد سر خضر حیات خان صاحب نے فرمایا کہ وہ جب بھی لندن آتے ہیں تو ہوٹل کا یہ پورا ونگ ان کیلئے ریزرو ہوتا ہے۔ وہ اپنے ساتھ اپنے کچن کا سٹاف، نوکر چاکر وغیرہ بھی لاتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ اس سال میری بیوی بچے میرے ساتھ نہ آسکے، تاہم یہ

سارا ونگ میرے لئے ریزرو ہے اور یہ کہ میں اپنے اردگرد ایسے لوگوں کو دیکھنا نہیں چاہتا جنہیں میں نہ جانتا ہوں۔

حضرت چوہدری صاحبؓ نے فرمایا، خضر صاحب! جب آپ کے اہل و عیال آپ کے ساتھ نہیں آئے تو پھر اتنی بڑی جگہ ریزرو کرنے اور اس پر خرچ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ تو رقم کا ضیاع ہے۔ اس پر سر خضر حیات صاحب نے کہا:

''چوہدری صاحب! میری ساری زندگی اسی طرح گذری ہے۔ ہمیں خدا نے بہت دولت دی ہے اور دولت تو ہوتی ہی انسان کے آرام کیلئے ہے۔''

اس کے بعد خضر حیات خان صاحب نے حضرت چوہدری صاحبؓ سے دریافت کیا کہ آپ کی رہائش کہاں ہے اور آپ کیا کرتے ہیں؟ حضرت چوہدری صاحبؓ نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

''لندن کے احمدیہ مشن ہاؤس میں ان کے ساتھ والے فلیٹ میں رہتا ہوں اور کھانا بھی ان کے ساتھ کھاتا ہوں۔''

سر خضر حیات صاحب نے کہا:

''چوہدری صاحب! آپ کو بھی اللہ نے بہت دولت دی ہے۔ آپ کو ایک بیڈروم کے فلیٹ میں رہتے ہوئے گھبراہٹ محسوس نہیں ہوتی؟ مجھے تو اس تصور سے بھی گھبراہٹ ہوتی ہے کہ کوئی شخص ایک کمرہ کے مختصر سے فلیٹ میں محصور ہو کر رہ جائے۔ جب آپ کو خدا نے اس قدر مال و دولت عطا کی ہے تو پھر ایسی جگہ رہائش کیوں اختیار کی ہے۔ آپ کیلئے کسی چیز کی کمی نہیں۔ آپ بڑے سے بڑے مکان میں رہائش اختیار کر سکتے ہیں۔ پھر یوں فقیری اختیار کرنے کی کیا ضرورت ہے؟''

حضرت چوہدری صاحبؓ نے جواب دیا:

''خضر! اس طرح فقیری میں زندگی گزار کر غریبوں، محتاجوں، بیواؤں اور ناداروں کی

خدمت کرنے میں جو لطف، سکون و اطمینان ہے، کاش وہ میں بیان کر سکتا! مجھے اللہ تعالیٰ نے باوجود فقیری اختیار کرنے کے انتہائی پر سکون اور خوشیوں سے معمور زندگی سے نوازا ہے۔ مجھے کبھی ایک لمحہ کیلئے دنیوی مال و متاع اور ظاہری شان و شوکت کی تمنا نہیں ہوئی۔ ''

پھر فرمایا: ''خضر! کاش تمہیں بھی فقر کی یہ دولت نصیب ہو، تو پھر تم بھی سمجھ سکو گے کہ اس زندگی میں کتنا لطف اور آرام ہے!''

ایک دفعہ دسمبر میں آپ پاکستان جانے لگے تو مجھے ارشاد فرمایا کہ کسی سستی ایئر لائن کا ٹکٹ خرید لاؤ۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کیوں کسی سستی ایئر لائن کے اکانومی کلاس میں سفر کر رہے ہیں؟ آپ کو تو کسی اچھی ایئر لائن کے فرسٹ کلاس میں سفر کرنا چاہئے۔ آپ کو ساری دنیا جانتی ہے۔ وہ کیا کہیں گے؟ آپ نے میری بات سن کر فرمایا:

''امام صاحب! میرے فرسٹ کلاس میں سفر نہ کرنے سے مجھے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ یوں بھی میں زیادہ آسائشوں کا عادی نہیں ہوں۔ مجھے اکانومی کلاس میں بھی پورا آرام مل جاتا ہے۔

جو رقم میں فرسٹ کلاس کی بجائے اکانومی کلاس میں سفر کرنے سے بچا لیتا ہوں وہ کئی نادار طلباء، غربا اور بیوگان کے کام آجاتی ہے۔ کیوں نہ میں اپنے آپ کو معمولی تکلیف میں ڈال کر مخلوق خدا پر خرچ کروں؟ جس سے مجھے دنیوی تسکین بھی ملتی ہے اور اللہ کی رضا کی بھی امید رہتی ہے کہ وہ میری اس خدمت کو قبول فرمائے گا اور میرے گناہوں اور لغزشوں کی پردہ پوشی فرماتے ہوئے میری بخشش فرمائے گا۔ اگر اس معمولی رقم کو مخلوق خدا پر خرچ کرنے سے مجھے میرے مولیٰ کی رضا ملے تو یہ سودا بہت سودمند ہے۔''

میں نے اگلے دن ایک درمیانے درجہ کی ایئر لائن کا اکانومی ٹکٹ خرید کر ان کی خدمت میں پیش کر دیا لیکن اپنی بے وقوفی سے دوبارہ عرض کیا کہ آپ کو فرسٹ کلاس میں سفر کرنا چاہئے تھا۔ آپ یہ سن کر خاموش رہے۔ اسی شام کو مجھے اچانک اس ائیر لائن کے جنرل منیجر کا فون آیا اور اس

نے دریافت کیا کہ تم نے جو ٹکٹ سر ظفر اللہ خان کیلئے خریدا ہے، کیا یہ وہی ظفر اللہ خان ہیں جو پاکستان کے وزیر خارجہ اور انٹرنیشنل کورٹ کے صدر تھے۔ میں نے کہا ہاں یہ وہی ہیں۔ اس نے کہا کہ اگر ممکن ہو تو وہ اگلے دن حضرت چوہدری صاحبؓ سے اور مجھ سے ملنا چاہیں گے۔ میں نے اگلے دن انہیں چائے پر بلایا۔ وہ تشریف لائے اور حضرت چوہدری صاحبؓ کو مخاطب کر کے فرمانے لگے کہ جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ ان کی ایئر لائن پر حضرت چوہدری صاحبؓ سفر کرنے والے ہیں تو انہوں نے فوراً اپنے ہیڈ آفس سے رابطہ کیا اور ان کو بتایا کہ سر ظفر اللہ خان ان کی فلائیٹ سے کراچی جا رہے ہیں۔ اس پر مجھے ہیڈ آفس سے یہ ہدایت موصول ہوئی کہ سر ظفر اللہ خان کے ٹکٹ کو فرسٹ کلاس میں بدل دیا جائے اور انہیں V.I.P کی تمام سہولیات میسر کی جائیں اور فلائٹ کے دوران ان کی خدمت کیلئے ائر ہوسٹس مخصوص کی جائیں اور ان سے اکانومی اور فرسٹ کلاس کے درمیان کے کرایہ کا فرق ہرگز قبول نہ کیا جائے۔

جب یہ صاحب چلے گئے تو حضرت چوہدری صاحبؓ نے میرا ہاتھ پکڑ کر نہایت جذباتی انداز میں فرمایا:

’’امام صاحب! آپ بار بار مجھے فرسٹ کلاس میں سفر کرنے کو کہہ رہے تھے اور میں اس بات پر مصر تھا کہ میں اکانومی سے ہی سفر کروں گا اور رقم بچا کر غریبوں پر خرچ کروں گا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اس بحث و مباحثہ کو آسمان سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنی محبت کا اظہار یوں کیا کہ اس نے ایئر لائن کے جنرل منیجر کو تحریک کی کہ ظفر اللہ خان جو ہمارا ایک عاجز بندہ ہے اور ہمیں پیارا ہے، اسے فرسٹ کلاس میں سفر کراؤ۔ خواہ اس کے پاس اکانومی کا ٹکٹ ہی کیوں نہ ہو!‘‘

میں نے دیکھا کہ یہ بات کرتے ہوئے اِنکی آنکھیں پُرنم تھیں۔

قارئین سے درخواست کروں گا کہ حضرت چوہدری صاحبؓ کی مغفرت اور بلندیٔ درجات کیلئے ہمیشہ دعا کرتے رہیں۔ آمین۔ (روزنامہ الفضل 10 جولائی 2004ء)

❖

کبھی فراموش نہ ہونے والی یادوں

کی

متاعِ عزیز

از- سلیمہ ناہید رفیق اہلیہ بشیر احمد رفیق

میں اس بات پر جتنا بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ادا کروں کم ہے کہ اس نے محض اپنے فضل سے اس عاجز کو متواتر دس سال حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ کی خدمت کی توفیق عطا فرمائی۔ یوں تو 1959ء سے ہی حضرت چوہدری صاحبؓ سے اس تعلق کا آغاز ہوا۔ آپ ان دنوں جب بھی لندن تشریف لاتے ہمارے ہاں تشریف لاتے اور ایک وقت کا کھانا ضرور ہمارے ساتھ تناول فرماتے، لیکن 1973ء میں جب ہیگ سے مستقلاً نقل مکانی کر کے لندن تشریف لائے تو لندن مشن کے ایک فلیٹ میں جو ہمارے فلیٹ سے ملحق تھا، رہائش پذیر ہوئے اور ہماری درخواست کو، کہ کھانا ہمارے ساتھ تناول فرمایا کریں، قبول کر کے ہم پر احسان فرمایا۔

حضرت چوہدری صاحبؓ کو اس عرصہ میں میں نے بہت قریب سے دیکھا اور میں علیٰ وجہ البصیرت کہہ سکتی ہوں کہ ائمہ احمدیت کے بعد میں نے ان کو بہت عظیم پایا ہے۔ آپ مجھ سے، میرے بچوں سے شفیق باپ کی طرح پیار کرتے تھے۔ ہمارے دُکھ سُکھ میں برابر کے شریک رہتے تھے۔ میرے بچوں کی تربیت ایسے رنگ میں فرمائی کہ ان کا یہ احسان بھی میں تا عمر نہ بھلا سکوں گی۔

حضرت چوہدری صاحبؓ کھانے کے معاملہ میں نہایت سادگی پسند تھے۔ ان دس سالوں کے طویل عرصہ میں مجھے ایک دفعہ بھی یاد نہیں کہ انہوں نے کبھی کھانے میں نقص نکالا ہو۔ بس جو بھی کھانا ان کے آگے رکھ دیا، کھا لیا کرتے تھے۔ میں اکثر باصرار پوچھتی کہ اپنی من پسند کوئی چیز

بتائیں تو آپ کی خدمت میں پیش کروں۔ لیکن ان کا ایک ہی جواب ہوتا تھا کہ اس بات کا دھیان رکھ کر کہ میں ذیابیطس کا مریض ہوں، آپ جو بھی پکائیں گے میں شوق سے کھا لیا کروں گا۔ دہی اور شہد آپ کو بہت پسند تھے۔ آئس کریم بھی شام کے کھانے میں پسند فرماتے تھے۔ غذا کی مقدار بہت تھوڑی تھی۔

آپ عمر کے لحاظ سے میرے والد صاحب سے بھی زیادہ عمر کے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ میرے خاوند مشن کے کاموں میں مصروف ہونے کی وجہ سے کھانے کے وقت پر گھر نہ پہنچ سکتے تھے۔ حضرت چوہدری صاحبؓ مقررہ وقت پر ڈائننگ ٹیبل پر تشریف لاتے۔ میں کھانا پیش کرتی۔ آپ سارا وقت نظریں نیچی رکھتے۔ بات بھی کرتے تو نظر ہرگز اُوپر نہ اُٹھاتے۔ یہی حال میری بچیوں کے ساتھ تھا۔ ان سے بعض اوقات گھنٹوں باتیں کرتے رہتے تھے لیکن مجال ہے جو دورانِ گفتگو نظر اُونچی کی ہو۔ مجھے عام طور پر ''خانم'' کے لفظ سے خطاب فرمایا کرتے تھے۔

آپ کی عادت تھی کہ جس کا نام لینا ہوتا تھا اُس کا پورا نام پکارتے تھے۔ ہم اپنے بیٹے کو پیار سے کُوکُو پکارتے ہیں۔ حضرت چوہدری صاحبؓ نے ایک دفعہ فرمایا کہ دیکھو اس کا نام منیر احمد ہے۔ اتنے خوبصورت نام کے ہوتے ہوئے اسے کُوکُو پکارنا نہ معلوم آپ کو کیوں اچھا لگتا ہے۔ آپ نے باوجود بے تکلفی کے بھی کبھی منیر احمد کو کُوکُو کے نام سے یاد نہیں کیا۔ یہی حال بچیوں کے ناموں کا تھا۔ ہر بچی کو اس کے پورے نام سے یاد فرماتے تھے۔ بچوں کے مسائل میں بالکل گھر کے ایک فرد کی طرح دلچسپی لیتے تھے۔ ایک دفعہ میں نے انہیں دُعا کیلئے عرض کیا تو فرمانے لگے خانم! آپ کو مجھے دُعا کی یاددہانی نہیں کرانی چاہیئے۔ میں بالالتزام آپ کے لئے، آپ کے خاوند کے لئے اور بچوں اور آپ کے ماں باپ کیلئے نام بنام روزانہ بلاناغہ دُعا کرتا ہوں۔ جب میری بچی امۃ الجمیل کی شادی ہوئی تو آپ روزانہ ہی شادی کے انتظامات کے بارہ میں دریافت فرماتے۔ شادی سے چند روز قبل فرمایا کہ مجھے نہ تو شادی بیاہ کی رُسوم کا علم ہے اور نہ ہی میں ان کا قائل ہوں۔

اس لئے بحیثیت امۃ الجمیل کا بزرگ ہونے کے میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اسے کوئی اچھا سا تحفہ پیش کروں۔ کیونکہ اس نے میری بڑی خدمت کی ہے اور ایک چیک مجھے دیا کہ اس سے اس کیلئے جو چاہو اور امۃ الجمیل کو پسند ہو خرید کر امۃ الجمیل کو پیش کر دو۔ ہم نے چیک نہ لینے پر اصرار کیا تو فرمایا کیا آپ امۃ الجمیل کو میری بچی نہیں سمجھتے؟ میری دوسری بیٹی امۃ النصیر کی شادی پاکستان آ کر ہوئی۔ چونکہ بارات نے پشاور سے آنا تھا اور رخصتانہ کی تقریب کھاریاں میں منعقد ہونی تھی جہاں میرے دیور کرنل نذیر احمد اسٹیشن کمانڈر تھے۔ ہم نے حضرت چوہدری صاحبؓ کو دُعا کیلئے کہا اور کہا کہ چونکہ آپ کے لئے شادی میں شرکت کیلئے کھاریاں آنا مشکل ہوگا۔ اسلئے آپ صرف دُعا سے ہماری مدد فرمائیں۔ آپ نے فرمایا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں امۃ النصیر کی شادی میں شرکت نہ کروں گا۔ چنانچہ آپ کھاریاں تشریف لائے اور عزیزہ امۃ الجمیل کی طرح امۃ النصیر کا نکاح بھی خود ہی پڑھا۔ رختصانہ سے قبل آپ نے اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ آپ امۃ النصیر سے الگ ملنا چاہتے ہیں۔ اس کا انتظام کر دیا گیا۔ آپ اندر تشریف لے گئے۔ امۃ النصیر کے سر پر ہاتھ رکھ کر کافی دیر دُعا کی، اسے بیش قیمت نصائح سے نوازا۔ اور تحفہ کے طور پر اسے کچھ رقم عنایت فرمائی۔ ایک دفعہ میرے بیٹے منیر احمد کو داخلہ کے سلسلہ میں ریفرنس کی ضرورت پیش آ گئی۔ آپ کو علم ہوا تو از خود ایک اعلیٰ سرٹیفکیٹ منیر احمد کو دیا اور فرمایا جہاں ضرورت پڑے اسے استعمال کرو۔ اس سرٹیفکیٹ میں منیر احمد کی بہت تعریف فرمائی تھی اور آخر میں اپنے نام کے ساتھ ’’سابق صدر عالمی عدالت انصاف‘‘ تحریر فرمایا تھا۔ یہ خط منیر احمد کے پاس محفوظ ہے اور ہم سب کا قیمتی سرمایہ ہے۔

ہمارے پاکستان آنے کے بعد حضرت چوہدری صاحبؓ جب بھی ربوہ تشریف لاتے ہمارے گھر ضرور قدم رنجہ فرماتے۔ میرے خاوند نے کئی بار اصرار بھی کیا کہ آپ کو ہمارے ہاں آنے سے زحمت اُٹھانی پڑتی ہوگی اس لئے آپ جب ربوہ تشریف لاویں تو ہمیں اطلاع فرماویں ہم حاضر ہو جائیں گے، لیکن نہ مانتے اور آخر تک یہ التزام رکھا کہ جب بھی ربوہ تشریف لاتے ہمارے گھر کو

ضرور برکت بخشتے۔ ہر بچے کا تفصیل سے حال دریافت کرتے۔ اگر کسی بچے نے باقاعدگی سے خط و کتابت نہ کی ہوتی تو اس کا شکوہ فرماتے۔

ٹیلی ویژن گھر میں رکھنا آپ کو پسند نہ تھا۔ بچوں کو بھی اس سے دُور رہنے کی تلقین فرماتے اور اکثر انہیں کہا کرتے تھے کہ جب سے ٹیلی ویژن آیا ہے لوگوں میں اعلیٰ ادبی ذوق ختم ہوتا جا رہا ہے اور وقت بالکل ضائع ہوتا چلا جا رہا ہے۔ ایک دفعہ میرے بیٹے نے عرض کیا اگر ٹی وی کا استعمال صرف خبروں کیلئے ہو تو پھر بھی آپ کو اعتراض ہوگا۔ فرمانے لگے۔ میں تم سے زیادہ باخبر رہتا ہوں اور مجھے دنیا بھر کی خبریں روزانہ اخبارات سے معلوم ہو جاتی ہیں۔ ان اخبارات کو پڑھنے سے نہ صرف خبریں ہی معلوم ہوتی ہیں بلکہ انگریزی زبان پر بھی قدرت پیدا ہوتی ہے۔

حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ خلیفۃ المسیح الثالث سے آپ کو بیحد محبت تھی۔ آپ کو باوجو ذیابیطس، وقت پر کھانے کی عادت تھی اور عین وقت پر آپ ڈائیننگ ٹیبل پر تشریف لاتے تھے لیکن جب حضورؒ تشریف لاتے تو مجھے فرمایا کرتے کہ آپ ساری توجہ حضورؒ کے آرام پر دیں۔ میرے اوقات کی فکر نہ کریں۔ میرے پاس بسکٹ وغیرہ ہیں۔ وقت پر کھانا نہ مل سکا تو بسکٹ کھا لیا کروں گا۔ حضورؒ کے دوروں کے دوران میں آپ کے لئے پرہیزی کھانے کا اس طرح اہتمام نہ کر سکتی جو عام طور پر کرتی تھی۔ لیکن کبھی یہ فرمائش نہ کی کہ عام کھانا جو تیار ہوا ہے وہ کیوں بھجوایا۔ حضورؒ کو بھی حضرت چوہدری صاحبؓ کے آرام کا بیحد خیال رہتا تھا۔ ایک دفعہ حضورؒ نے مجھے ہدایت فرمائی کہ اس بات پر سختی سے کاربند رہو کہ حضرت چوہدری صاحبؓ کو ہم سے پہلے کھانا بھجوایا جائے۔

جب ہم لندن سے مستقلاً ربوہ آنے والے تھے تو میں نے عرض کیا کہ لندن چھوڑنے کا مجھے کوئی افسوس نہیں ہے۔ افسوس اور غم صرف اس بات کا ہے کہ آپ کی خدمت سے محروم ہو جاؤں گی۔ آپ میری یہ بات سن کر خاموش رہے۔ بعد میں ایک خط میں میرے خاوند کو لکھا کہ اس دن

جب خانم نے مجھ سے یہ بات کی تھی تو میں جذباتی ہوگیا تھا اس لئے خانم کو جواب نہ دے سکا۔ اور مجھے اس دن فخر بھی محسوس ہوا کہ ایسا بھی کوئی وجود ہے جو میری خدمت سے محرومی پر اداسی اور افسردگی محسوس کرتا ہے۔

ایک دفعہ ہم جلسہ سالانہ میں شرکت کیلئے پاکستان آئے۔ حضرت چوہدری صاحبؓ ہم سے پہلے لاہور تشریف لا چکے تھے۔ آپ نے خط لکھا اور فرمایا کہ ربوہ جانے سے قبل لاہور میرے گھر آپ کا قیام ہوگا اور ایک دو دن میرے پاس رہنے کے بعد آپ کو ربوہ جانے کی اجازت ہوگی۔ چنانچہ جب ہم لاہور پہنچے تو آپ نے ائرپورٹ پر اپنی گاڑی ہمیں لینے کیلئے بھجوائی ہوئی تھی۔ گھر پہنچے تو آپ نے بہت مسرت سے ہمارا استقبال فرمایا۔ باورچی کو بلا کر ہدایت فرمائی کہ امام صاحب کو کافی پینے کی عادت ہے۔ ان سے وقتاً فوقتاً دریافت کرتے رہنا۔ اور جب کہیں ان کیلئے کافی تیار کر کے ان کے کمرہ میں لے جانا۔ پھر ہمارے ساتھ جس کمرہ میں ہمیں ٹھہرانا تھا تشریف لے گئے۔ ہمارے آرام کی ایک ایک چیز خود چیک فرمائی اور دو دن قیام کے دوران درجنوں مرتبہ دریافت کیا کہ کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔ ہمیں شرم آتی تھی کہ آپ کیوں بار بار ہمارے آرام و آسائش کیلئے اتنی تکلیف کرتے ہیں۔

آپ پیار، محبت اور شفقت کا ایک مجسمہ تھے۔ آپ کی یادیں ایسی ہیں جو بھلائے نہیں بھول سکتیں۔ میرے والدین فوت ہو چکے ہیں۔ حضرت چوہدری صاحبؓ کی وفات کا غم خدا شاہد ہے مجھے اپنے والدین کے غم سے کم نہیں ہوا اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہم بے سہارا رہ گئے ہیں۔

میرا چھوٹا بیٹا محمود احمد ہسپتال میں پیدا ہوا۔ آپ پیدائش کے اگلے دن ہسپتال تشریف لائے۔ مجھے محمود احمد کی پیدائش پر مبارکباد دی۔ دیر تک محمود احمد کے پاس کھڑے رہے اور دُعا کرتے رہے۔ محمود احمد کے ساتھ ہمیشہ بہت شفقت سے پیش آتے رہے۔ اس کی معصوم شرارتوں سے محظوظ ہوا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ربوہ تشریف لائے تو محمود احمد کو بلا کر اُسے اس کی آٹو گراف بُک

پر اپنے دستخط کر کے دیئے جو محمود احمد کے پاس محفوظ ہیں۔

میری بیٹی بشریٰ ناہید سے بہت محبت سے پیش آتے تھے۔ بشریٰ ناہید ابھی چھوٹی تھی اور اس کی ڈیوٹی تھی کہ روزانہ صبح سویرے حضرت چوہدری صاحبؓ کی ڈاک اور صبح کا اخبار ان کو پہنچایا کرے۔ وہ یہ ڈیوٹی بڑی مستعدی سے سرانجام دیا کرتی تھی۔ امۃ النصیر اور بشریٰ ناہید ہفتہ میں ایک بار آپ کے فلیٹ کی صفائی بھی کیا کرتی تھیں۔ ان مواقع پر حضرت چوہدری صاحبؓ انہیں قیمتی نصائح سے سرفراز فرمایا کرتے تھے۔ غرض حضرت چوہدری صاحبؓ نے میرے بچوں، مجھے اور میرے خاوند کو بالکل اپنے بچوں کی طرح پیار دیا۔ ہمارے دُکھ سُکھ میں شریک رہے اور ہمارے گھر کے ایک سرپرست کے طور پر ہمارے ساتھ رہے۔ (از کتاب خوشگوار یادیں)

◆

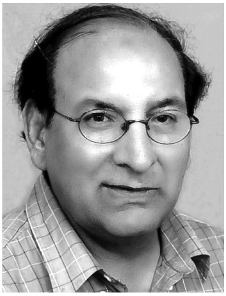

چوہدری سر محمد ظفر للہ خاں صاحب کی 1978 میں کینیڈا تشریف آوری کا احوال

مکرم زکریا ورک، ٹورنٹو

آج سے چالیس سال قبل جماعت احمدیہ عالمگیر کی ایک بزرگ اور قابل صد احترام شخصیت سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب، لندن سے کینیڈا جماعت احمدیہ کے دوسرے کنونشن (جلسہ سالانہ جولائی 1978) کی صدارت کیلئے ٹورنٹو تشریف لائے تھے۔ ان حسین یادوں کو ضبط تحریر میں لانے کیلئے کچھ تو مَیں نے اپنی یادداشت پر انحصار اور اعتبار کیا ہے مگر اس کے ساتھ میرے پاس جو پرانے کاغذات، جلسہ کی تیاری کے ضمن میں اس وقت کی پرانی خط وکتابت، جلسہ سالانہ کا شائع شدہ پروگرام، اخبار الفضل میں جلسہ سالانہ کی طبع شدہ رپورٹ، اور مقامی اخبارات میں جو خبریں شائع ہوئی تھیں ان پر انحصار کیا گیا ہے۔ پوری کوشش کی گئی ہے کہ تمام واقعات پوری امانت ودیانت کے ساتھ من وعن جیسے روپذیر ہوئے تھے ان کو بیان کیا جائے۔

جماعت احمدیہ ٹورنٹو کی مجلس عاملہ میں عاجز اس وقت جنرل سیکرٹری کے فرائض سرانجام دے رہا تھا۔ کینیڈا جماعت کا پہلا جلسہ سالانہ جو دسمبر 1977 کو منعقد ہوُا تھا اس کا بھی خاکسار سیکرٹری کنونشن تھا۔ (الفضل ربوہ میں اس کی رپورٹ 17 جولائی 2006 کو دوسری بار شائع ہوئی تھی)۔ مجلس عاملہ کے اجلاس میں مربی صاحب کے ایماء پر راقم کو کنونشن کا سیکرٹری مقرر کیا گیا۔ چنانچہ مجھے یہ فرض بھی سونپا گیا کہ میں چوہدری صاحب موصوف سے لندن فون پر رابطہ کروں اور مزید تفصیلات طے کرنے کیلئے خط وکتابت بھی کروں۔ الحمدللہ کہ چوہدری صاحب جلسہ سالانہ کی صدارت کیلئے رضامند ہوگئے۔ جماعت احمدیہ کینیڈا کو یہ خوش خبری سنانے کیلئے عاجز نے جماعتوں

کے صدر صاحبان کے نام ایک خط 14 جون 1978 کو روانہ کیا جس میں لکھا گیا تھا کہ: مجھے آپ کو یہ اطلاع دیتے ہوئے نہایت مسرت اور شادمانی محسوس ہوتی ہے کہ جماعت احمدیہ کینیڈا کے دوسرے سالانہ کنونشن کا افتتاح حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے کمال شفقت سے منظور فرمالیا ہے۔ چوہدری صاحب ممدوح انشاء اللہ العزیز مؤرخہ 30 جون کو شام کے وقت ٹورنٹو ورود مسعود فرمائیں گے اور یکم جولائی 78 کو صبح دس بجے کنونشن کا افتتاح فرمائیں گے۔ ازراہ کرم یہ ضروری اطلاع جماعت کے ہر فرد کو بذریعہ ٹیلی فون جلد از جلد فرمادیں۔''

راقم نے ہوٹل میں قیام کیلئے Inn on the Park سے رابطہ کر کے ایک آرام دہ کمرہ ریزرو کر لیا۔ اس کے بعد ائر لائن ٹکٹ کی خرید کا کام تھا۔ عاجز نے فرسٹ کلاس کا ٹکٹ خرید کر چوہدری صاحب موصوف کو اطلاع دی تو آپ کی طرف سے 19 جون 1978 کا اپنے ہاتھ سے تحریر کردہ نامہ موصول ہوا جس میں آپ نے فرمایا:

''ایک ہفتہ ہوا یہاں کسی سفری ایجنسی کے دفتر سے مجھے ٹیلی فون پر بتایا گیا کہ انہیں کینیڈا سے میرا ٹکٹ تیار کرنے کی ہدایت ہوئی ہے۔ میں نے انہیں بتا دیا کہ میرا ٹکٹ لندن، ٹورنٹو، نیویارک لندن کا ہوگا۔ لندن سے روانگی 30 جون ٹورنٹو سے نیویارک 3 جولائی (Open)، نیویارک سے لندن 9 جولائی B.A۔ (مراد برٹش ائرویز) پرواز جو ساڑھے نو بجے صبح روانہ ہوتی ہے۔ تو انہوں نے دریافت کیا کہ ٹکٹ درجہ اول ہو یا اکانومی میں نے پوچھا تمہیں کیا ہدایت ہے انہوں نے کہا اس بارے میں کوئی ہدایت نہیں۔ میں نے کہا اس صورت میں اکانومی۔ انہوں نے کہا اب ہم ٹورنٹو سے تصدیق کر کے تمہیں ٹکٹ بھجوا دیں گے۔۔۔ 17 جون کو سید منصور احمد بشیر صاحب نے ٹیلی فون پر فرمایا تمہاری عمر اور صحت کے مدنظر یہاں احباب نے فیصلہ کیا کہ تم اول درجے میں سفر کرو اور ہم یہی انتظام کر رہے ہیں۔ خاکسار نے ان کا شکریہ ادا کیا اور احباب جماعت کی اس عنایت پر الحمدللہ کہا۔ انہوں نے ہوٹل کا بھی بتایا۔ والسلام خاکسار ظفر اللہ خاں۔''

اس کے ساتھ عاجز نے ایک پریس ریلز تیار کیا جو صوبہ اونٹاریو کی لفٹنینٹ گورنر، صوبہ کے ہر دلعزیز چیف منسٹر ولیم ڈیوس William G. Davis، ایڈیٹر ٹورنٹو سٹار، ٹورنٹو سن، پاکستانی اخبار کرسینٹ انٹرنیشنل، پاکستانی ریڈیو صدائے پاکستان، انڈین ریڈیو، ممبران پارلیمنٹ کو بھجوایا گیا۔ صوبہ اونٹاریو کے چیف منسٹر نے اپنے پیغام میں فرمایا:

It is a great pleasure for me to extend my greetings to the members of the Ahmadiyya Movement Canada as your hold your second annual convention here in Toronto. On behalf of the government and the people of Ontario, may I extend to all of you my very best wishes for a happy and productive convention.

24 جون 1978 کے مقامی کثیر الاشاعت اخبار ٹورنٹو سٹار میں صفحہ G6 چھوٹی سی خبر شائع ہوئی:

Sir Zafrulla Khan, former foreign minister of Pakistan and president of UN general council, will open two day convention of the Ahmadiyya Movement in Islam in Canada, July 1, in Earl Haig Secondary School, Willodale, On display will betranslations of the Holy Quran and book on the life Muhammad and of Jesus.

اردو اخبار ہلال پاکستان 15 جون 1978 نے جلسہ سالانہ کے ضمن میں خبر دی: سر ظفر اللہ خاں ٹورنٹو میں۔ اس کے بعد اخبار ٹورنٹو سٹار کی 30 جون 1978 کی اشاعت میں ہماری طرف سے اشتہار شائع ہوا جس کا عنوان تھا: Exhibition of Islamic Books جلسہ سالانہ کا پروگرام بھی شائع کر کے وسیع تعداد میں تقسیم کر دیا گیا۔

چوہدری صاحب موصوف کی ٹورنٹو آمد

حسب پروگرام چوہدری صاحب موصوف 30 جون 1978 کو برٹش ائر ویز فلائٹ سے

ٹورنٹو تشریف لائے۔ ائر پورٹ پر آپ کو خوش آمدید کہنے کیلئے مشنری انچارج سید منصور احمد بشیر کے علاوہ مجلس عاملہ کے ممبران، ارکان ملا کر دو درجن احباب تھے۔ عاجز کی یہ خوش قسمتی ہے کہ مجھے آپ کی کار ڈرائیو کرنے کی سعادت حاصل ہوئی اور آپ کو پہلے سے طے شدہ ہوٹل ان آن دی پارک Inn on the Park پہنچا دیا گیا جو ہمارے مشن ہاؤس سے زیادہ دور نہ تھا۔ شام کو آپ نے نماز مغرب اور عشاء مشن ہاؤس میں مولانا عطاء اللہ کلیم کے اقتداء میں ادا کیں اور بعد میں حاضرین کو مختصر سی مجلس میں علم اور یقین سے مالا مال کیا۔ اس کے بعد ہوٹل تشریف لے گئے۔ آپ کو اپنے کمرے میں پہنچا کر جب عاجز نے رخصت طلب کی تو آپ نے فرمایا آپ کے پاس کوئی کتاب ہے رات کو سونے سے قبل کوئی نہ کوئی کتاب ضرور پڑھتا ہوں۔ چنانچہ عاجز نے اپنی کار میں سے Ahmadiyya Movement in the Service of Holy Quran لا کر دی تو آپ نے اطمینان کا اظہار کیا۔ اگلے دن کیلئے ہدایت فرما دی کہ فلاں وقت پر آ جانا۔

جلسہ سالانہ کا پہلا روز

یکم جولائی کو جلسہ کی کاروائی صبح دس بجے شروع ہونا تھی اسلئے راقم وقت مقررہ پر ہوٹل پہنچ گیا اور چوہدری صاحب کے ہمراہ جلسہ گاہ پہنچ گیا۔ جب ہم ہوٹل میں چھٹی منزل سے نیچے کی طرف سے آ رہے تھے تو ایلی ویٹر میں داخل ہونے کیلئے ایک منتظر گورے نے پوچھا کیا یہ ایلیویٹر نیچے جا رہا ہے۔؟ چوہدری صاحب نے بے ساختہ اس کو جواب دیا What goes up must come down۔ یہ سن کو وہ بہت محظوظ ہوا۔ افسوس جلسہ گاہ میں صبح دس بجے حاضری زیادہ نہ تھی مگر اس کے باوجود چوہدری صاحب کی صدارت میں اجلاس شروع کیا گیا۔ حاضری کے بارے میں آپ نے کچھ ریمارکس دئے۔ وہاں صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب بھی تشریف لا چکے تھے جو ان دنوں خوش قسمتی سے نارتھ امریکہ کے دورہ پر تشریف لائے ہوئے تھے۔ یوں جماعت احمدیہ کی دو مقتدر بزرگ ہستیوں اور گنج ہائے گراں مایہ نے اپنے فیض سے متمتع کرتے ہوئے اس روحانی جلسہ کو رونق

بخشی۔ چوہدری صاحب ممدوح نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کا جلسہ سالانہ کیلئے اردو پیغام پڑھا اور پھر اس کا انگلش ترجمہ پیش کیا۔ ساتھ ہی اس وجد آفریں پیغام کی عالمانہ رنگ میں تشریح بھی فرمائی۔ بارہ بجے جماعت احمدیہ امریکہ کے امیر الحاج مظفر احمد ظفر نے دلوں کو گرما دینے والی خلافت کی برکات کے موضوع پر تقریر کی جو صبح کے سیشن کی آخری تقریر تھی۔ جلسہ چونکہ ایک ہائی سکول میں ہو رہا تھا اس لئے کیفے ٹیریا میں پانچ صد کے قریب حاضرین کیلئے پر تکلف لنچ کا انتظام تھا۔ میرے استفسار پر چوہدری صاحب نے ارشاد فرمایا کہ میرے لئے KFC چکن لائی جائے کیونکہ اس میں مصالحہ جات کم ہوتے ہیں۔ چکن میں بھی آپ نے drumsticks لانے کا ارشاد فرمایا۔ خواہش کی تعمیل میں گرما گرم تازہ خوشبودار چکن برادرم فضل الرحمن ینگ سٹریٹ سے لے کر آئے اور آپ نے جملہ احباب خلیفہ عبدالعزیز، ڈاکٹر مومن، مبارک احمد خاں، سلیم صدیقی، مصطفٰی ثابت، راقم السطور کے درمیان بیٹھ کر مختلف موضوعات پر ہلکی پھلکی گفتگو کرتے ہوئے لنچ کو خوب انجوائے کیا۔ ایک دوست نے اعتراض کے رنگ میں کوئی بات کی تو آپ نے سختی سے اس کی سرزنش فرمائی۔ لنچ کے بعد نماز ظہر اور عصر (حضرت) صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب کے اقتداء میں ادا کی گئیں۔

دوپہر کے سیشن کا آغاز دو بجے مولانا عطاء اللہ کلیم کی صدارت میں شروع ہوا۔ حافظ بشیر الدین عبید اللہ نے اطمینان قلب پر تقریر فرمائی۔ یہ اجلاس چار بجے ختم ہوا تو شام کو خدام الاحمدیہ کے تحت والی بال کے میچوں کا انتظام کیا گیا تھا۔ عاجز چوہدری صاحب کو لے کر واپس ان کو ہوٹل لے آیا۔ ریڈیو صدائے پاکستان کے عادل تیموری آپ کا انٹرویو کرنے ہوٹل تشریف لائے۔ چھ بجے کے قریب مجلس عاملہ کے ممبران کے ہمراہ چوہدری صاحب ٹورنٹو کے مضافات سکاربرو میں ہائی وے Hwy 7 کے پاس سات ایکٹر کا وہ قطعہ زمین دیکھنے گئے جو جماعت کینیڈا نے مستقبل کی مسجد کی تعمیر کیلئے خرید کیا تھا۔ چوہدری صاحب نے قطعہ زمین کو دیکھ کر زیادہ خوشی کا اظہار نہ فرمایا

اور ایک شعر سنایا جس کا مفہوم یہ تھا کہ جنگل میں مور ناچا، کس نے دیکھا۔ آپ نے فرمایا شہر کے اندر مسجد بنائیں تا زیادہ سے زیادہ لوگوں سے روابطہ پیدا ہوسکیں اور میل جول بڑھے۔ چوہدری صاحب کے قیام کے دوران خاکسار روزانہ ڈائری لکھا کرتا تھا مگر وائے افسوس امتداد زمانہ سے وہ آسودہ خاک ہوگئی۔

اگلے روز یعنی بروز اتوار خاکسار کی رہائش گاہ پر چوہدری صاحب کے ناشتہ کا انتظام کیا گیا تھا۔ عاجز نے شہر میں آئے ہوئے تمام مقتدر مربیان سلسلہ کو بھی دعوت دے رکھی تھی کہ وہ بھی ناشتہ چوہدری صاحب کے ہمراہ کریں۔ چنانچہ مولانا عطاء اللہ کلیم، محمد ابراہیم جمونی، مولانا محمد صدیق گورداسپوری، مسعود احمد جہلمی، کے علاوہ مصطفیٰ ثابت، اور دیگر احباب تشریف لائے۔ چوہدری صاحب کی ناشتے میں مرغوب غذا کا عاجز کی اہلیہ کو معلوم تھا اس لئے انہوں نے علی الصبح تازہ پراٹھے بنا رکھے تھے جو دہی کے ساتھ انہوں نے تناول فرمائے۔ مصطفی ثابت مصری نے تربوز میں سے بیج نکال دئے تھے وہ خربوزے کے ساتھ پیش کیا گیا۔ آخر پر چوہدری صاحب نے چائے نوش فرمائی (جس پیالی میں چائے پی تھی وہ میرے گھر میں کئی سال تک یادگار نشانی کے طور پر محفوظ رہی)۔ خاکسار نے چوہدری صاحب کو ان کی تصنیف کردہ دو کتابیں پیش کیں کہ ان پر آٹو گراف مرحمت فرمادیں۔ یعنی Islam: its meaning for modern man، اور تذکرہ کا انگلش ترجمہ۔ پہلی کتاب دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا، کیا میں یہ کتاب لے جاسکتا ہوں کیونکہ میں ایک عرصہ سے اس کی تلاش میں تھا؟۔ میرا ارادہ اس کا دوسرا ایڈیشن شائع کرنے کا ہے۔ چنانچہ کتاب کا دوسرا ایڈیشن 1980 میں زیور طبع سے آراستہ ہؤا تھا۔ تذکرہ کے انگلش ترجمہ پر آپ نے بہ کمال شفقت دستخط فرما دئے جو 40 سال سے میرے پاس محفوظ تھا۔ اپریل 2018 میں راقم نے یہ تاریخی اور یادگار کتاب جامعہ احمدیہ کینیڈا کی لائبریری کو تحفہ میں دے دی ہے۔

جلسہ سالانہ کا دوسرا روز

دو روزہ جلسہ سالانہ کے دوسرے روز کا پہلا سیشن صبح عین وقت پر شروع ہوُا ، اور (حضرت) صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب مسند صدارت پر رونق افروز ہوئے۔ جملہ تقاریر کے علاوہ پروفیسر ڈاکٹر خلیل احمد ناصر (نیویارک) نے فصیح انگلش میں اسلامی سوسائٹی میں فرد کا کردار کے عنوان پر تقریر کی جو بہت پسند کی گئی۔ جلسہ کے بعد کئی احباب نے تقریر کی کاپی کی فرمائش کی۔ آخر پر مختلف جماعتوں کے صدران کو تقاریر کا موقعہ دیا گیا۔ بارہ بجے اجلاس ختم ہوُا تو حاضرین کی لنچ سے ضیافت کی گئی اور نماز ظہر اور عصر ادا کی گئیں۔

جلسہ سالانہ کا آخری سیشن ڈیڑھ بجے شروع ہوُا جس کی صدارت خلیفہ عبد العزیز نیشنل پریذیڈنٹ نے کی۔ محترم صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب کی تقریر ڈھائی بجے دوپہر تھی جس کو تمام احباب نے پورے انہماک اور دلجمعی کے ساتھ سنا۔ آخر پر چوہدری صاحب موصوف نے اردو میں بصیرت افروز خطاب فرمایا گویا علم وحکمت کا خزانہ تقسیم کیا اور دانش و دانائی کو نئی ضوعطا کی۔ پرسوز ، رقت آمیر اجتماعی دعا پر یہ تاریخی دوسرا جلسہ سالانہ اپنے اختتام کو پہنچا۔ اس موقعہ پر جلسہ میں شامل افراد کا گروپ فوٹو لیا گیا۔

ریڈیو انٹرویو

شام کو استراحت کے بعد آپ کا ریڈیو ’’وائس آف انڈیا‘‘ پر انٹرویو کا انتظام کیا گیا تھا۔ چنانچہ عاجز اور سلیم اختر صدیقی رات دس بجے آپ کے ہمراہ کالج سٹریٹ پر واقع CHIN ریڈیو سٹیشن گئے جہاں پروفیسر نرندر ناتھ نے آپ کا تفصیلی انٹرویو کیا جو رات ساڑھے دس بجے لائیو براڈ کاسٹ کیا گیا۔ یہ انٹرویو پچاس ہزار لوگوں نے سنا، خاص طور پر پاکستانی کمیونٹی میں اس کا چرچا خوب رہا کیونکہ ایک سوال کے جواب میں آپ نے آیت خاتم النبیین کی مدلل اور عالمانہ تشریح

فرمائی تھی۔

چوہدری صاحب موصوف کی سیکورٹی کیلئے خاکسار نے ٹورنٹو پولیس کو تحریری اطلاع دی تھی۔ اس سے پہلے 1976 میں جب حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ ٹورنٹو تشریف لائے تھے تو ایسا ہی انتظام کیا گیا تھا۔ چنانچہ ایک انڈر کور پولیس آفیسر نے جلسہ سالانہ اور چوہدری صاحب کی تفصیل جاننے کیلئے مجھ سے ملاقات کی۔ ملاقات کے آخر پر وہ کہنے لگا: ایک بزرگ شخصیت کو بھلا کون گزند پہنچانا چاہے گا؟ مگر پھر بھی ہم نظر رکھیں گے۔

اس موقعہ کا ایک واقعہ یاد آ رہا ہے۔ ریڈیو سٹیشن جانے کیلئے جب میں نے کار کا پچھلا دروازہ کھولا تو آپ نے فرمایا نہیں میں آگے بیٹھوں گا۔ اگلی سیٹ پر جب آپ بیٹھ گئے تو میں نے سیٹ بیلٹ نکال کر پیش کی تو فرمایا: یہ پھندہ مجھے کیوں لگانے لگے ہو؟ اسلئے سیٹ بیلٹ نہیں لگائی۔ اس وقت لازمی سیٹ بیلٹ لگانے کا قانون نہیں تھا، اب یہ جرم گردانا جاتا ہے۔ جتنے روز آپ کی معیت میں گزارنے کی سعادت حاصل ہوئی آپ صاف ستھرے ڈارک تھری پیس سوٹ میں ملبوس رہے، اور سر پر ترکی ٹوپی۔ آپ کی شخصیت من موہنی، رعب دار، پرکشش تھی۔ پنجابی میں گفتگو فرماتے اور مزاح بھی پسند فرماتے تھے۔ دلائل سے بھرپور قدرے وقفے سے تقریر ایسے فرماتے کہ ہر لفظ الگ الگ سنا جاتا تھا۔ آپ کو ذیابیطس ایک عرصہ دراز سے تھا۔ ایک دفعہ جب راقم وقت مقررہ سے ذرا پہلے ہوٹل پہنچ گیا۔ جب دروازہ کھٹکھٹایا تو فرمایا: کچھ دیر انتظار کریں میں ٹیکہ لگا لوں۔ اسراف کو سخت ناپسند فرماتے تھے یہاں تک کہ مسجد میں ٹوٹی سے گرتے پانی کو اسراف میں شمار فرماتے تھے۔

ٹورنٹو سے روانگی

اگلے روز 3 جولائی 1978 خاکسار چوہدری صاحب کو ٹورنٹو ائر پورٹ لے گیا جہاں کثیر تعداد میں احباب جماعت بھی آپ کو الوداع کہنے کیلئے آئے ہوئے تھے۔ روانگی سے قبل چوہدری

صاحب نے دعا کروائی اور تمام دوستوں سے مصافحہ کیا۔ آپ پروفیسر خلیل احمد ناصر کے ہمراہ بارہ بجے کی فلائٹ سے نیویارک گئے جہاں قریب ایک ہفتہ کے قیام کے بعد آپ لندن واپس تشریف لے گئے۔

آپ کے خطوط

خاکسار کو اپریل 1985 میں پاکستان جانے کا موقعہ ملا تو عاجز لاہور، حمید نصر اللہ صاحب، امیر جماعت احمدیہ کے دولت کدہ پر گیا تا چوہدری صاحب کی عیادت کرسکوں جو اس وقت علیل تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ چوہدری صاحب کی صحت اجازت نہیں دیتی کہ وہ کسی سے ملاقات کریں۔ قدرے مایوس ہو کر ربوہ واپس آ گیا۔ پرانی، دل لبھانے والی یادیں فلم کی طرح ذہن میں چلنے لگیں۔ ایام طفلی میں عاجز چوہدری صاحب کو دودھ کی طرح سفید لباس میں ملبوس ترکی ٹوپی پہنے ہاتھ میں چھڑی لئے جلسہ سالانہ کے دنوں مسجد مبارک سے اپنی کوٹھی کی طرف پیدل جاتے دیکھا کرتا تھا۔ ایک دفعہ تو کچھ فاصلہ آپ کے پیچھے چلتا رہا تا کہ غور سے دیکھ سکوں۔ جلسہ سالانہ کے دنوں میں سٹیج پر تشریف فرما ہوتے تو دور سے مشتاق آنکھوں سے دیکھا کرتا تھا۔ 1967 کی بات ہے برادرم اسحق خلیل کا مقالہ جس کو فضل عمر فاؤنڈیشن نے انعامی قرار دیا تھا اس کو عاجز نے کراچی سے شائع کیا تھا، اس کی ایک کاپی برادرم نے چوہدری صاحب کو جلسہ سالانہ کے دنوں میں پیش کی تو اس وقت راقم بھی ساتھ تھا۔

سب سے پہلا عریضہ خاکسار نے آپ کو 1969 میں لکھا جس کے جواب میں لاہور سے 24 نومبر 1969 کو آپ نے اپنے ہاتھ سے تحریر فرمایا:

”آپ کا گرامی نامہ میرے لئے خوشی کا باعث بھی ہے اور پریشانی کا موجب بھی۔ میں ایک نہایت عاجز پر تقصیر پر معاصی انسان ہوں۔ آپ کا حسن ظن طبعاً میرے لئے خوشکن ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ پریشانی اس وجہ سے ہے کہ جب آپ مجھے اپنے تصور کے

مطابق نہیں پائیں گے تو یہ امر آپ کے لئے صدمے کا باعث ہوگا۔ التجا ہے کہ آپ دردمندانہ دعا فرماتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل واحسان اور کمال ذرہ نوازی سے اس عاجز کی خطاؤں کو درگذر فرمائے، بخشش اور رحمت کی نگہہ اس حقیر بندے پر رکھے جیسا آپ اسے سمجھتے ہیں اس سے بھی بڑھ کر عطا فرمائے۔ خاتمہ بالخیر کرے اور اپنی وسیع مغفرت کی چادر میں ڈھانپ لے۔ آمین یا ارحم الرحمین۔ اس سے کچھ بعید نہیں۔ خاکسار آپکے لئے جیسے آپ نے ارشاد فرمایا دعا کرتا ہے اور انشاء اللہ کرتا رہیگا۔“

جب خاکسار 1970 میں کراچی میں لاء کالج کے میگزین کا اردو ایڈیٹر تھا تو آپ سے انگلش حصہ کے ایڈیٹر نے پبلک انٹرنیشنل لاء پر مضمون کی درخواست کی تھی۔ آپ نے مجھے اطلاع دی کہ چونکہ اس مضمون کیلئے ریسرچ ورک کی ضرورت ہوگی نیز میں دو اہم امور پر عدالتی کام میں مصروف ہوں اسلئے معذرت خواہ ہوں۔ پھر 1970 میں سوئٹزرلینڈ آکر بھی خاکسار آپ کو دعائیہ خطوط لکھتا رہا اور پدرانہ شفقت سے آپ ہمیشہ جواب مرحمت فرماتے تھے۔ برادرم ڈاکٹر اسحق خلیل (زیورخ) کو ایک خط کے جواب میں تحریر فرمایا:

Kindly tell him that I am continuing my humble supplications on his behalf also as since he first wrote to me I have added his name to yours in my prayers.

شنید ہے کہ چوہدری صاحب تین صد افراد کے نام لے کر دعا فرمایا کرتے تھے۔ غرضیکہ تمام خط و کتابت ناشر کتاب ہذا کو دے دی گئی ہے امید واثق ہے وہ جملہ خطوط کتاب میں شامل فرمادیں گے۔

چوہدری صاحب پہلی بار کینیڈا کب آئے؟

محترم چوہدری صاحب 76 سال قبل پہلی بار کینیڈا تشریف لائے تھے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ محترم چوہدری صاحب اکتوبر 1942 تک برٹش انڈیا کے چین میں چھ ماہ کیلئے ایجنٹ جنرل

تھے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد آپ Pacific Relations Conference میں شرکت کیلئے کینیڈا دسمبر 1942 میں نمائندہ ہندوستان کے طور پر تشریف لائے جو صوبہ کیوبک کے پہاڑی مقام مون ترِبلان (Mont Tremblan) میں منعقد ہوئی تھی۔ آپ کی خودنوشت سوانح حیات تحدیث نعمت میں 448 / 449 پر اس سفر کی روداد آپ نے یوں بیان کی:

''کانفرنس کا وقت آنے پر ہم نیویارک سے بذریعہ ریل راتوں رات کا سفر کر کے مانٹریال پہنچے اور وہاں سے گاڑی بدل کر مون ترِبلان پہنچے۔ سردیوں کا موسم تھا یہ مقام لارنشین کے پہاڑی علاقے میں ایک تفریحی مقام ہے۔ ان دنوں وہاں ہر طرف برف تھی۔ سٹیشن سے لاج تک ہم sledges میں گئے۔ کانفرنس کے اغراض کے مدنظر یہ مقام موزوں تھا۔۔۔ کانفرنس کے اختتام پر مجھے ارل آف ایتھلون Earl of Athlone، گورنر جنرل کینیڈا کی طرف سے دعوت آئی کہ میں آٹوا میں ان کے ہاں ٹھہروں۔ ہمارے ٹریڈ منسٹر جو ٹورنٹو میں مقیم تھے مصر تھے کہ میں ٹورنٹو بھی ضرور جاؤں۔ چنانچہ مون ترِبلان سے میں آٹوا گیا اور گورنر صاحب کے ہاں مہمان ہوا۔۔۔ سر لائی مین ڈف Sir Lyman Duff ان دنوں کینیڈا کی سپریم کورٹ کے چیف جسٹس تھے انہوں نے مجھے سپریم کورٹ کے اجلاس میں شریک ہونے کی دعوت دی جسے میں نے بڑی خوشی سے قبول کیا۔۔۔ بعد میں اونٹاریو کی سپریم کورٹ کے اجلاس میں بھی شریک ہوا۔۔۔ آٹوا سے ٹورنٹو گئے جہاں ایمپائیر پارلیمنٹری ایسوسی ایشن کی طرف سے مجھے شام کے کھانے کی دعوت دی گئی تھی۔''

(Sledges کا مطلب لکڑی، دھات کا ایسا ڈبہ ہے جس میں مسافر اور سامان برف یا آئس کے اوپر لے جائے جاتے، اس کے آگے کوئی جانور یا برفانی کتا ہوتا)۔

آئس ہاکی کا کھیل

ایک دفعہ امریکہ سے لندن واپس ملٹری بامبر جہاز کے ذریعہ جانے کیلئے آپ مانٹریال میں رکے اور بچوں کو آئس ہاکی کھیلتے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔

’’ایک شام ہمیں برف پر آئس ہاکی کا کھیل دیکھنے اتفاق ہوا۔ دل چسپ کھیل تھا۔ کھلاڑیوں کو تو شوق تھا ہی تماش بینوں کے جوش کی بھی انتہا نہیں تھی۔‘‘ (تحدیث نعمت 455)

دوسری بار آپ 1963 میں کینڈا تشریف لائے تحدیث نعمت کے صفحہ 686 پر کینیڈا کی سیر کے عنوان سے درج ہے:

’’انہی ایام میں شیخ اعجاز احمد جو ان دنوں اقوام متحدہ کے ادارہ خوراک وزراعت سے متعلق تھے اور اس ادارہ کے کانفرنس کے سلسلہ میں واشنگٹن آئے ہوئے تھے کانفرنس کے اختتام پر تین چار ہفتہ کی چھٹی لے کر نیو یارک آئے اور میرے پاس ٹھہرے۔ ان کے قیام کے دوران ہم نے تین چار روز کیلئے مانٹریال، اٹاوہ، ٹورنٹو اور نیاگرا کی سیر کو گئے۔ آٹوہ میں وزیر خارجہ پال مارٹن نے پارلیمنٹ ہاؤس میں دوپہر کے کھانے کی دعوت دی جس میں وزیر اعظم مسٹر لیسٹر پیئر سن Pearson Lester نے بھی شرکت کی۔۔۔ کھانے کے بعد پارلیمنٹ کا اجلاس شروع ہونے والا تھا۔ ہم اجلاس کی کاروائی دیکھنے کیلئے زائرین کی گیلری میں چلے گئے۔ پارلیمنٹ کے سپیکر سے مجھے نیاز حاصل تھا۔ اجلاس کی کاروائی شروع کرنے سے قبل انہوں نے میرے گیلری میں موجود ہونے کا اعلان پارلیمنٹ میں کیا جس پر اراکین نے خوشنودی سے زور زور ڈیسک بجائے اور خوش آمدید کے نعرے لگائے۔ ہم ٹورنٹو اور نیاگرا فال ہوتے ہوئے واپس نیو یارک آئے۔‘‘

صدائے پاکستان ریڈیو انٹرویو سے اقتباس

الفضل ربوہ میں کینیڈا کے دوسرے جلسہ کی روداد، دو قسطوں میں 14 اور 16 ستمبر 1978 کے صفحات کی زینت بنی تھی۔ ریڈیو صدائے پاکستان نے جو چوہدری صاحب موصوف کا انٹرویو نشر کیا تھا وہ الفضل 16 ستمبر 1978 کی اشاعت میں شامل تھا۔ اس میں سے دو معنی خیز سوال اور ان کے جواب یہاں دئے جاتے ہیں:

عادل تیموری: سرآپ نے قرآن مجید کا ترجمہ کیا ہے ترجمے کے دوران آپ کو کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے موزوں الفاظ نہیں ملتے، نیز ترجمہ کے دوران آپ نے کن کتابوں سے استفادہ کیا؟

سرظفراللہ: قرآن کا ترجمہ ایک نہایت مشکل امر ہے۔ ایک صاحب جنہوں نے قرآن کریم کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے وہ کیمبرج یونیورسٹی کے پروفیسر تھے ان کا نام آربری A.J. Arberry تھا ان کا ترجمہ بہت اچھا ہے انہوں نے لکھا ہے کیونکہ قرآن کریم کے معنی میں اتنی وسعت ہے کہ کوئی اور زبان اس کی متحمل نہیں ہوسکتی۔ ایک حد تک قرآن کریم کے معنی ہوسکتے ہیں۔ ایک تو وجہ یہ ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کیلئے اور تمام زمانوں کیلئے تعلیم رکھی ہوئی ہے۔ تو جوں جوں زمانہ بدلتا جائیگا قرآن کریم میں نئ تعلیم حاصل ہوتی چلی جاتی ہے۔ تو ایک وقت میں جو شخص ترجمہ کرے گا علاوہ ترجمہ کے جو مشکلات ہوتی ہیں کوئی بھی ترجمہ ہو ایک زبان سے دوسری زبان میں وہ قرآن کریم کے لحاظ سے کئی گنا بلکہ کئی سو گنا بڑھ جاتی ہے۔ جو پہلے تراجم تھے میں نے ان سے بھی فائدہ اٹھایا ہے خصوصاً ہماری جماعت کے اندر اردو میں تراجم اور تفاسیر موجود ہیں ان سے بھی فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے پھر بھی میں مانتا ہوں اور میں نے اس بات کی پیش لفظ میں تشریح کی ہے کہ یہ انسانی طاقت سے باہر ہے کہ قرآن کریم کے تمام معانی پر حاوی ہے۔ جو جس وقت میں اللہ تعالیٰ سمجھ دے اس کے مطابق کسی حد تک انسان بیان کرسکتا ہے۔ اس ترجمہ کے بعد اب اس کا دوسرا ایڈیشن بھی شائع ہو چکا ہے اب تیسرے کا انتظام ہو رہا ہے۔ مجھے بہت سے خطوط آئے ہیں جن میں ہماری جماعت والوں نے تو بہرصورت خوش آمدید کہا ہے اور وہ نیک رائے رکھتے ہیں۔ مگر اور لوگوں نے بھی لکھا ہے کہ اس ترجمے سے ہمیں قرآن کریم کے معانی کی سمجھ آسانی سے آجاتی ہے۔

عادل تیموری: سرآپ پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ کی حیثیت سے اور ہمارے وائس آف

پاکستان کے پروگرام میں اگر پاکستانی بھائیوں کو کوئی پیغام دینا چاہیں تو ہمیں بڑی خوشی ہوگی۔

سر ظفر اللہ: میں پاکستان کے سابق وزیر خارجہ کی حیثیت سے تو کچھ نہیں کہہ سکتا وہ حیثیت ختم ہو چکی ہے لیکن البتہ ایک پاکستانی ہونے کے لحاظ سے مجھے ہر جگہ جہاں مسلمان ہوں ہمدردی ہے۔ خصوصاً پاکستانی مسلمانوں سے کہ وہ میرے وطن کے باشندے ہیں مجھے ان سے گہری ہمدردی ہے۔ اگر میں کوئی پیغام ان کو دینا چاہوں گا تو وہ یہ ہوگا کہ آپ لوگ باہر آ کر ایک ایسی جگہ بسے ہیں جن کی معاشرت میں بعض اقدار ایسی ہیں جو ہماری اسلامی اقدار سے مقابلہ کرتی ہیں۔ ایک تو ان اقدار کے متعلق آپ کو احتیاط کرنی چاہئے کہ اسلامی جھنڈا سرنگوں نہ ہو۔ ان کی نقل میں آپ میں کوئی ایسی کمزوری پیدا نہ ہو جس سے اسلام منع کرتا ہے اور دوسرے میں یہ کہتا ہوں کہ جو ہماری اقدار ان کے ساتھ مشترک ہیں اس میں آپ ان کیلئے نمونہ بنیں کہ اسلام نے ہمیں ان باتوں میں جو تعلیم دی ہے وہ اس تعلیم سے اعلیٰ ہے لیکن ہم عملاً ان کو قائم کریں۔ اور یہ ثابت ہو جائے اور یہ لوگ سمجھنے لگ جائیں کہ یہ لوگ ہم سے اخلاقی لحاظ سے اور روحانیت کے لحاظ سے اعلیٰ درجہ ہے۔

اس طریق سے ہماری برتری ثابت ہوگی یہاں بھی ہوگی اور دوسرے علاقوں میں بھی ہوگی۔ اگر ہم اپنے اندر یہ حالت پیدا کر لیں تو یہ لوگ ہمیں کھلے بازوؤں سے خوش آمدید کہیں گے۔ بلکہ ہمارے پیچھے پڑیں گے کہ ہمیں بھی وہ باتیں بتاؤ جو تم کرتے ہو۔ یہ فوراً نہیں ہو جائیگا ایک سال کے اندر نہیں ہو جائیگا لیکن بہر حال اس کا نتیجہ ہوگا۔ مثلاً ایک مثال دیتا ہوں جو بڑی واضح ہے اگر ہمارے لوگ شراب سے پرہیز کریں اور ان لوگوں کو اس کی لعنتوں سے آگاہ کریں تو آخر کسی دن یہ لوگ چونکیں گے کہ یہ لوگ یہاں رہتے ہیں ان کے اندر یہ بات نہیں اور ہمارے اندر ہے۔ اور بھی کئی مثالیں ہیں بعض باتیں ہمارے اور ان کے درمیان قدر مشترک ہیں مثلاً تجارت میں دیانتداری۔

❁

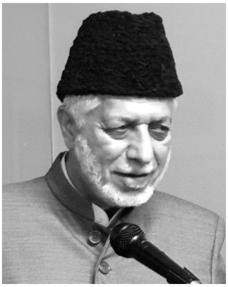

حضرت محمد ظفر اللہ خان صاحب جیسا مَیں نے دیکھا

عطاء المجیب راشد۔ امام مسجد فضل۔ لندن

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اتنی خوبیوں، سعادتوں اور امتیازات سے نوازا تھا کہ ان کے بارہ میں اب تک جو لکھا جا چکا ہے آئیندہ وقتوں میں اس سے بھی بہت زیادہ لکھا جائے گا میں اس مضمون میں حضرت چوہدری صاحبؓ کے حالاتِ زندگی، نمایاں کامیابیوں اور خدمات کے تذکرہ سے ہٹ کر اپنے ذاتی مشاہدات اور تجربات کی روشنی میں چند واقعات اور تاثرات لکھنا چاہتا ہوں تا کہ نئی نسل کے سامنے، جو ان کی زندگی میں انہیں دیکھ نہیں سکی، حضرت چوہدری صاحبؓ کی سیرت اور شخصیت کا کسی حد تک ایک مکمل نقشہ ابھر سکے۔

زندگی کی سب سے بڑی سعادت

سب سے پہلے تو میں ایک نہایت پُرلُطف اور دل پر گہرا اثر کرنے والی بات بیان کرنا چاہتا ہوں۔ پاکستان کے ایک ادبی رسالہ کے نمائندہ نے ایک دفعہ اپنے رسالہ کے خصوصی شمارہ کے لئے آپ کا انٹرویو لیتے ہوئے کچھ اس طرح کا سوال کیا کہ چوہدری صاحب! آپ نے زندگی میں کامیابیاں تو بے شمار حاصل کی ہیں، یہ بیان فرمائیں کہ آپ کے خیال میں آپ کی زندگی کی سب سے بڑی سعادت کیا ہے؟ حضرت چوہدری صاحبؓ نے اس بظاہر مشکل سوال کا بہت ہی برجستہ اور جامع جواب اس طرح دیا کہ میری زندگی کی سب سے بڑی سعادت یہ ہے کہ میں نے زمانہ کے امام حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود اور امام مہدی علیہ السلام کو شناخت کرنے اور ان

کے دستِ مبارک پر بیعت کرنے کی توفیق پائی۔ فالحمدللہ علی ذالک

ابتدائی تعارف

جب میں نے ہوش سنبھالا تو حضرت چوہدری صاحبؓ ایک بڑے انسان اور مدبر راہنما کے طور پر دنیا میں خوب مشہور تھے جلسہ سالانہ کے موقع پر مجھے آپ کی تقاریر سننے کا موقع ملا آپ کے اندازِ خطابت میں ایک جدت اور ندرت ہوتی تھی۔ آپ بات خوب کھول کر اور آسان طریق پر بیان فرماتے تا کہ سب اسے اچھی طرح سمجھ جائیں۔ یہ میرا دُور سے آپ سے ابتدائی تعارف تھا۔ اس کے بعد مجھے پہلی بار جب آپ سے براہ راست بات کرنے کا موقع ملا اور جس کی یاد میرے ذہن میں اچھی طرح نقش ہے وہ اس طرح ہے کہ حضرت ابا جان مرحوم ومغفور نے اپنے مکان ''بیت العطاء'' (دارالرحمت وسطی۔ ربوہ) میں چند بزرگان کی دعوت کی۔ ان میں چوہدری صاحبؓ بھی شامل تھے۔ دعوت کے بعد جب چوہدری صاحبؓ واپس جانے لگے تو حضرت ابا جان نے کہا کہ میں انہیں چھوڑنے ان کے ساتھ ان کی کوٹھی واقع دارالصدر غربی تک جاؤں۔ مجھے یاد ہے کہ چوہدری صاحب اور میں دونوں پیدل روانہ ہوئے۔ میں ان کی عظیم شخصیت اور ادب کی وجہ سے بالعموم خاموش ہی رہا لیکن آپ مختلف باتیں بیان فرماتے رہے۔ میں نے محسوس کیا کہ آپ بہت شفیق، بے تکلف اور سادہ طبیعت کے بزرگ انسان ہیں۔ باتوں کے دوران ایک بار انہوں نے میرے بازو کو کہنی کے اوپر سے پکڑا تو میرا بازو ان کی انگلیوں میں آ گیا۔ اس پر مجھے یاد ہے کہ چوہدری صاحبؓ فرمانے لگے Is that all کہ بس صرف اتنا ہی؟ ہم دونوں پیدل چلتے ہوئے ان کی کوٹھی تک پہنچ گئے۔ چوہدری صاحبؓ نے شکریہ ادا کیا اور میں نے دعا کی درخواست کی۔ یہ پندرہ بیس منٹ کی ملاقات میری ان سے پہلی ملاقات تھی اور اس کا حسین تاثر آج تک میرے ذہن پر نقش ہے۔

شفقتوں کا آغاز

آپ سے زیادہ ملاقاتوں کا موقع تو تب ملا جب میں مبلغ سلسلہ اور نائب امام کے طور پر 1970 میں لندن آیا۔ اس دور کے واقعات بغیر کسی خاص ترتیب کے بیان کرتا ہوں جن سے حضرت چوہدری صاحبؓ کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔ جب میں لندن آیا تو یہ میرے لیے بیرون پاکستان جانے کا پہلا موقع تھا۔ احمدیت کی برکت سے میں نے پہلی بار ہوائی جہاز کا سفر کیا۔ سکول اور کالج میں انگریزی پڑھنے کا موقع تو ملا لیکن لکھنے اور خاص طور پر بولنے کا ماحول زیادہ نہیں تھا۔ کالج اور جامعہ میں زبانی یاد کر کے چند تقاریر بھی کیں لیکن عام گفتگو اور بول چال کا محاورہ نہیں تھا۔ یہ بات میں اس لئے لکھ رہا ہوں کہ لندن آنے کے قریباً دو ماہ بعد میرا انگریزی کا امتحان ہو گیا۔ اور اس کے ممتحن تھے حضرت چوہدری صاحبؓ۔

ہوا یوں کہ محترم بشیر احمد خان رفیق صاحب نے جو اس وقت امام اور مبلغ انچارج تھے ایک دن مجھ سے کہا کہ اب کسی روز آپ نے مسجد میں خطبہ جمعہ بھی دینا ہے (جو انگریزی میں ہوتا تھا) میں نے عرض کی کہ ایسی بھی کیا جلدی ہے؟ بعد میں انشاء اللہ تعالیٰ مواقع ملتے رہیں گے۔ بات ختم ہو گئی۔ لیکن ہوا یہ کہ چند دنوں بعد جمعہ کا دن آیا اور جب میں سنتوں کی ادائیگی سے فارغ ہوا اور چند منٹوں بعد دوسری اذان ہو گئی تو خان صاحب محترم نے جو میرے ساتھ ہی بیٹھے تھے کہنی کے اشارہ سے فرمایا کہ خطبہ کے لئے اٹھیں۔ مَیں ذہنی طور پر بالکل تیار نہ تھا۔ لیکن موقع ایسا تھا کہ معذرت کی بھی کوئی گنجائش نہ تھی۔ مسجد نمازیوں سے بھری تھی۔ زیادہ بات بھی نہ کی جا سکتی تھی بہر حال مجھے اٹھنا پڑا۔ دعا کرتے ہوئے میں نے خطبہ کا آغاز تشہد، تعوذ اور سورہ فاتحہ سے کیا۔ یہ سب کچھ تو آسان تھا۔ اس عرصہ میں میں نے دائیں بائیں ن ایک نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ حضرت چوہدری صاحبؓ حسبِ معمول پہلی صف کے دائیں کونے میں کرسی پر تشریف رکھتے ہیں۔ آپ نے نئے خطیب کی آواز سنی تو نظر اٹھا کر میری طرف دیکھا۔ مجھے یقین ہے کہ دعا تو آپ نے ضرور کی

ہوگی لیکن میری حالت یہ تھی کہ حضرت چوہدری صاحبؓ کی شخصیت کا رعب بلکہ خوف دل پر چھایا ہوا تھا لیکن عین اس وقت مجھے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کی یہ نصیحت یاد آئی جو آپ نے الوداعی ملاقات میں فرمائی تھی کہ لندن جا کر خوب اعتماد اور بے تکلفی سے انگریزی بولنا اور ابتداء میں کوئی غلطی بھی ہو تو ہرگز نہ گھبرانا۔ اس نصیحت نے مجھے بہت حوصلہ دیا اور میں نے دل ہی دل میں یہ کہہ کر اپنے آپ کو حوصلہ دیا کہ چوہدری صاحبؓ بیٹھے ہیں تو کوئی بات نہیں۔ آخر چوہدری صاحبؓ نے بھی تو آہستہ آہستہ ترقی کرتے ہوئے اتنی شاندار انگریزی سیکھی ہے۔

چند لمحات میں یہ سب خیالات میرے ذہن سے گزر گئے اور میں نے اللہ پر توکل کرتے ہوئے خطبہ دینا شروع کر دیا۔ اب تو مجھے یاد بھی نہیں کہ خطبہ کس موضوع پر تھا۔ بہرحال پندرہ بیس منٹ کا خطبہ دیا اور خطبہ ثانیہ کے بعد نماز پڑھا دی۔ اس کے بعد سنتیں ادا کیں اور قدرے لمبی ادا کیں۔ یہ بھی خیال تھا کہ اس عرصہ میں حضرت چوہدری صاحبؓ اٹھ کر جا چکے ہوں گے اور یہ مرحلہ نہیں آئے گا کہ حضرت چوہدری صاحبؓ مسجد میں ہی میرا بازو پکڑ کر سب کے سامنے یوں گویا ہوں کہ راشد صاحب! انگریزی اس طرح نہیں بولی جاتی۔ یہ لفظ یوں نہیں بلکہ اس طرح ہے وغیرہ۔ میں سنتیں ادا کرنے کھڑا ہوا تو دیکھا کہ چوہدری صاحبؓ ابھی تک نماز میں مصروف ہیں۔ مَیں نے اسی میں خیریت جانی کہ جلدی جلدی مسجد سے روانہ ہو جاؤں۔ اب امتحان کے نتیجہ کا انتظار تھا۔ خیال یہی تھا کہ اولین فرصت میں حضرت چوہدری صاحبؓ کی طرف سے راہنمائی ملے گی۔ شام کو محترم بشیر رفیق صاحب ملے تو انہوں نے مبارکباد دی۔ میں نے پوچھا کس بات کی؟ تو کہنے لگے کہ چوہدری صاحبؓ نے آپ کو انگریزی میں پاس کر دیا ہے۔ میں نے الحمدللہ کہا اور یہی سوچا کہ چوہدری صاحب نے ازراہ مہربانی نئے خطیب کو اس کی پہلی کوشش میں اپنی وسعتِ قلبی سے رعایتی نمبر دے کر پاس کر دیا ہوگا۔ الحمدللہ کہ ان کی عنایات کا سلسلہ بعد میں بھی متنوع رنگ میں جاری رہا۔

درویشانہ اندازِ تبلیغ

اللہ تعالیٰ نے حضرت چوہدری صاحبؓ کو دنیا جہاں کی بے شمار نعمتوں اور اعزازات سے نوازا تھا۔ آپ دنیا کے عظیم محلات اور ایوانوں میں گئے عظیم شخصیات سے ملنے کے مواقع آپ کو ملے لیکن آپ طبعاً بہت ہی منکسر المزاج تھے اور آپ کی زندگی پر سادگی اور درویشی کا رنگ غالب تھا۔ اس کا ایک پہلو یہ تھا کہ آپ اپنی ذات پر خرچ میں بہت بچت کرتے لیکن راہِ خدا میں خرچ کرتے ہوئے اور غرباء اور طلباء کی امداد کے وقت خوب دل کھول کر خرچ کرتے تھے۔ اپنی ذات پر بچت کے حوالہ سے آپ کا ایک معمول یہ تھا کہ جب بھی آپ اپنے کاموں کے لئے سنٹرل لندن جاتے تو ڈسٹرکٹ لائن (District Line) کے ایسٹ پٹنی (East Putney) سٹیشن سے آتے جاتے تھے۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ اگرچہ پیدل راستہ کے لحاظ سے وہ دوسرے سٹیشن ساؤتھ فیلڈز (Southfields) سے قدرے دور تھا۔ لیکن وہاں سے جانے کی صورت میں کرایہ غالباً ایک پینس کم لگتا تھا۔ عام لوگ بالعموم ساؤتھ فیلڈز سٹیشن سے سفر کرتے اور کرایہ کے اس معمولی فرق کا خیال نہ کرتے اور اپنے آرام کو مقدم رکھتے تھے۔ حضرت چوہدری صاحبؓ ہر سفر میں ایک پینس کی بچت کرتے اور دوسروں کو بھی بتاتے اور اس کی تحریک فرماتے تھے۔ حضرت چوہدری صاحبؓ نے بتایا اور کئی بار یہ بات ان کی تقاریر میں سننا مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ بعض لوگ مجھ سے بحث کرنے لگ جاتے ہیں کہ چوہدری صاحب ایسا کرنے سے آپ کو کیا بچت ہوتی ہے میں کہتا ہوں: ایک پینس۔ وہ پھر کہتے ہیں آخر آپ کو فائدہ کیا ہوتا ہے؟ میں ان سے پھر کہتا ہوں: ایک پینس۔ حضرت چوہدری صاحبؓ یہ تذکرہ بہت تفصیل سے فرماتے اور اپنے مخصوص انداز میں احباب کو بتاتے کہ دیکھنے میں تو یہ ایک پینس کی بچت ہے لیکن اسی طرح بچت کرتے رہنے سے سینکڑوں ہزاروں پاؤنڈ کی بچت کی جاسکتی ہے۔ ایسے مواقع پر آپ ’’قطرہ قطرہ می شود دریا‘‘ کا فارسی محاورہ بھی استعمال فرماتے۔

حاجت مندوں کی امداد

آپ کا اندازِ نصیحت بہت موثر ہوتا۔ پھر اس نصیحت کے ساتھ ساتھ راہِ خدا میں فراخدلی سے خرچ کرنے کا آپ کا شاندار ذاتی نمونہ سب کے سامنے تھا۔ آپ نے ضرورت مند قابل طلبہ اور حاجت مندوں کی امداد کی خاطر ساؤتھ فیلڈز ٹرسٹ کے نام سے ایک ادارہ بنایا ہوا تھا جس سے وظائف بطورِ قرضہ حسنہ یا بطورِ امداد دیتے جو اپنی ذات میں عظیم خدمت اور صدقہ جاریہ تھا۔ علاوہ ازیں ضرورت مندوں کی امداد کا ایک وسیع سلسلہ تھا لیکن بالعموم ایسے رنگ میں امداد کرتے کہ کسی اور کو اس کا علم نہ ہو۔ مجھے اس ٹرسٹ کے ممبر کے طور پر کچھ عرصہ کام کرنے کا موقع ملا اور میں نے حضرت چوہدری صاحب ؓ کی سیرت کے اس پہلو کا بغور مشاہدہ کیا۔

عظیم مالی قربانی کا عاجزانہ انداز

دین کی راہ میں مالی قربانی کی ایک عظیم اور شاندار مثال یہ ہے کہ ایک وقت جماعت میں یہ تجویز چلی کہ جماعت احمدیہ برطانیہ کے مرکز میں موجود دو عمارتوں کو (جو کافی پرانی ہو چکی تھیں) گرا کر ایک بڑا کمپلیکس بنایا جائے جس میں ایک بڑا ہال، دفاتر، دو بڑے رہائشی مکان اور ایک چھوٹا رہائشی فلیٹ ہو۔ اس تعمیراتی منصوبہ کے لئے جماعت کے پاس اس وقت مطلوبہ رقم نہیں تھی۔ جماعتی ضروریات کے لئے بینک سے سود پر رقم لینا جماعت کا طریق نہیں۔ چوہدری صاحب سے درخواست کی گئی کہ کیا آپ یہ رقم مہیا فرما سکتے ہیں جو بعد ازاں آپ کو قسط وار واپس کر دی جائے گی۔ آپ نے اس تجویز سے اتفاق کیا۔ قرآنی تعلیم کے مطابق اس غرض سے ایک معاہدہ تحریر کیا گیا کہ حضرت چوہدری صاحب جماعت کو ایک لاکھ پاؤنڈ ادا کریں گے اور جماعت اس کی واپسی کی ذمہ دار ہوگی۔ ایک شام معاہدہ کی تحریر چوہدری صاحب کو دی گئی۔ انہوں نے کہا کہ میں بغور مطالعہ کرنے کے بعد دستخط کر کے کل دے دوں گا۔

اگلی صبح چوہدری صاحب نے فرمایا کہ میں نے اس بارہ میں سوچا تو میرے نفس نے مجھ سے کہا کہ ظفراللہ خان! آج تم جو کچھ ہو احمدیت کی بدولت ہو۔ تم نے جو کچھ پایا وہ سارے کا سارا اسی جماعت کا فیضان ہے۔ کیا اب تم اسی محسن جماعت کو ایک رقم قابلِ واپسی قرض کے طور پر دینا چاہتے ہو؟ میرے نفس نے مجھے بہت ملامت کی اور میں اپنے ارادہ پر بہت شرمسار ہوا اور بہت استغفار کی۔ اسی لمحہ میں نے یہ فیصلہ کرلیا کہ مطلوبہ رقم بطور قرض نہیں بلکہ ایک عاجزانہ عطیہ کے طور پر جماعت کی خدمت میں پیش کروں گا۔ یہ فرماتے ہوئے آپ نے معاہدہ کی تحریر پھاڑی اور ایک لاکھ پاؤنڈ کا چیک اسی وقت جماعت کے حوالہ کر دیا۔ اور ساتھ یہ درخواست بھی کی کہ میری اس ادائیگی کا حضرت خلیفہ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور شخص سے میری زندگی میں ہرگز ذکر نہ کیا جائے۔ قربانی، عاجزی اور اخلاص کا کیا شاندار نمونہ ہے۔

اس عمارت کے حوالہ سے ایک اور شاندار واقعہ اس جگہ ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ عمارت کا سنگ بنیاد 1967 میں رکھا گیا اور 1970 میں تکمیل ہوئی۔ حضرت چوہدری صاحب نے جماعت سے درخواست کی کہ جب تک ان کی زندگی ہے اور انہیں لندن میں قیام کے لئے جگہ کی ضرورت ہو تو عمارت کی دوسری منزل سے ملحقہ جو چھوٹا سا فلیٹ ہے اس میں رہائش کی اجازت عطا فرمائی جائے۔ حضرت خلیفہ المسیح الثالث رحمہ اللہ نے بخوشی اس کی اجازت عطا فرمائی۔ یہ چھوٹا سا فلیٹ واقعی بہت چھوٹا تھا۔ مجھے کئی بار اس فلیٹ میں جانے اور اس کو بغور دیکھنے کا موقع ملا۔ فلیٹ بہت مختصر تو تھا لیکن حضرت چوہدری صاحب کی مختصر اور سادہ ضروریات کے لئے بہت کافی تھا۔ ایک چھوٹا سا بیڈ روم تھا۔ مختصر سا کچن اور غسلخانہ تھا۔ ایک درمیانے سائز کا سٹنگ روم تھا جو آپ کے مطالعہ اور ترجمہ کے کام کا کمرہ تھا۔ آپ کا اکثر وقت اسی میں گزرتا۔ اسی میں ایک طرف سادہ سا صوفہ رکھا ہوتا آنے والوں مہمانوں سے اسی جگہ بات چیت ہو جاتی۔

چھوٹے بیڈ روم کا اوپر ذکر آیا ہے۔ یہ بیڈ روم اتنا مختصر تھا کہ ایک سنگل بیڈ کے علاوہ کپڑوں

کی چھوٹی الماری اور ایک چھوٹی سی میز اور کرسی ہوتی تھی چلنے پھرنے کی جگہ نہ ہونے کے برابر تھی۔ اس مختصر سے بیڈ روم میں آپ نے سالہا سال بڑی سادگی اور قناعت سے گزارا کیا۔ آپ کے ایک بے تکلف عزیز نے مجھے یہ واقعہ سنایا کہ حضرت چوہدری صاحب ایک بار انہیں اپنا فلیٹ دکھانے کے لئے ساتھ لئے گئے۔ جب اس چھوٹے سے بیڈ روم میں داخل ہوئے انہوں نے بے ساختہ کہا کہ اتنے چھوٹے سے بیڈ روم میں آپ کیسے گزارہ کرتے ہیں؟ یہ بات سن کر حضرت چوہدری صاحب نے جو برجستہ جواب دیا وہ عجیب عارفانہ جواب تھا۔ آپ نے فرمایا:

''جس جگہ آگے جانا ہے وہ تو اس سے بھی تنگ ہوگی''

اللہ کے پاک بندوں کی سوچ بھی کیا نرالی ہوتی ہے۔ قدم قدم پر آخرت یاد رہتی ہے اور ہر وقت اپنے آپ کو اس سفرِ آخرت کے لئے تیار کرتے رہتے ہیں۔

سادگی اور قناعت

حضرت چوہدری صاحبؓ کی زندگی میں سادگی، بے تکلفی، اور قناعت کا پہلو بہت نمایاں تھا۔ آپ کا لباس بہت عمدہ، صاف اور باوقار ہوتا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ آپ ایک ہی لباس کو لمبا عرصہ بہت احتیاط اور نفاست سے استعمال فرماتے اور اس بات کے ذکر کرنے میں کبھی عار محسوس نہ فرماتے کہ میرا یہ سوٹ کتنا پرانا ہے بلکہ بڑے شوق اور خود اعتمادی سے بیان کیا کرتے تھے کہ میں نے یہ سوٹ یا موزے فلاں سن میں فلاں دوکان سے اتنی قیمت میں خریدے تھے۔ مجھے یاد ہے ایک دفعہ مجھے بتایا کہ جو قمیص میں نے اس وقت پہنی ہوئی ہے وہ اتنے سال قبل میں نے نیویارک میں فلاں سڑک کے کنارے پر واقع ایک دوکان سے ایک ڈالر میں خریدی تھی۔ الغرض یہ بات احباب میں بہت معروف تھی کہ چوہدری صاحب ایک لباس کو لمبا عرصہ استعمال کرتے ہیں۔

یہ لکھتے ہوئے مجھے یاد آیا کہ ایک عید کے موقع پر حضرت چوہدری صاحبؓ نے اس عاجز کو ایک اُونی مفلر عید کے تحفہ کے طور پر دیا۔ مفلر دیتے ہوئے آپ نے خاص طور پر فرمایا کہ یہ مفلر پُرانا

نہیں، میں نے اسے صرف ایک دفعہ استعمال کیا ہے اور یہ دن وہ تھا جب میں نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے اجلاس کی صدارت کی تھی۔ میں نے یہ قیمتی اور یادگار تحفہ بہت شکریہ کے ساتھ وصول کیا۔

آپ کا مرغوب ترین موضوع

حضرت چوہدری صاحبؓ کا اندازِ گفتگو بھی عجیب شان رکھتا تھا۔ جماعتی اجلاسات میں آپ کا اندازِ بیان بہت پُرتاثیر اور معلوماتی ہوتا۔ موضوع کے عین مطابق، با موقع اور ٹھوس گفتگو فرماتے۔ ایک بات جس کا ذکر میں نے آپ کی زبان سے بارہا سنا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر کرنا ہے۔ اس پہلو پر آپ اپنے تربیتی خطابات میں بہت زور دیتے اور اکثر آیت کریمہ

لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ (سورہ ابراہیم 8:14)

کا حوالہ دیا کرتے تھے۔ اپنی گفتگو میں بھی شکرِ نعمت کا مضمون بارہا بیان فرماتے اور اس انداز میں بیان فرماتے کہ سننے والے اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے۔ بسا اوقات میں نے یہ بات مشاہدہ کی کہ آپ کسی بے تکلف مجلس میں بیٹھے ہیں اور اپنی زندگی کے واقعات اور اللہ تعالیٰ کے احسانات کا ذکر آنے پر آپ کی آواز بھرّا جاتی اور شکرگزاری کے جذبہ سے آنکھوں میں آنسو آجاتے۔

میں کہہ سکتا ہوں کہ شکرگزاری آپ کا مرغوب ترین موضوعِ گفتگو تھا۔ آپ نے اسی جذبہ سے سرشار ہو کر اپنی خودنوشت سوانح عمری کا نام بھی ''تحدیثِ نعمت'' رکھا جو آپ کی ذات کے حوالہ سے خوب جچتا ہے۔ اس کتاب کی ایک خاص بات یہ ہے کہ واقعات کے ضمن میں جہاں بھی کسی شخص کی طرف سے مدد یا حسنِ سلوک کا ذکر آتا تو آپ اس کا شکریہ ادا کرنا نہ بھولتے بلکہ دعائیہ الفاظ بھی درج فرماتے۔ اللہ تعالیٰ کے شکر کے ساتھ ساتھ اس کے بندوں کا شکر ادا کرنا اس عبدِ شکور کی مبارک زندگی کا لازمی حصہ تھا۔

دعا اور نمازوں کا اہتمام

حضرت چوہدری صاحبؓ بہت دعا گو انسان تھے۔ دعا اور عبادت ان کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ نمازوں کا بہت اہتمام کرتے۔ نمازوں کے صحیح اوقات پر ہمیشہ بہت گہری نظر رکھتے۔ جب بھی ہالینڈ سے لندن آتے تو نمازوں کے اوقات کا ضرور دریافت فرماتے۔ نماز بہت اہتمام خوبصورتی، یکسوئی اور آرام سے اول وقت میں ادا فرماتے۔ نماز میں تلاوت سنتے وقت ایسے شخص کی تلاوت کو پسند فرماتے جو مضمون کو سمجھتے ہوئے اور اس کا لحاظ رکھتے ہوئے مناسب جگہ پر ٹھہرتے ہوئے تلاوت کرتا ہو۔ مسجد میں آنے کے بعد اپنا وقت نماز سے قبل اور بعد تسبیحات اور ذکر الٰہی میں گزارتے۔

صبح کی سیر

صبح کی سیر کا بہت اہتمام فرماتے اور یہ سارا وقت ذکر الٰہی اور دعاؤں کے لئے وقف کر دیتے۔ اس غرض سے آپ نے اپنے ذہن میں دعاؤں اور ذکر الٰہی کا ایک نقشہ اور ترتیب بنائی ہوئی تھی۔ اس کے مطابق آپ سارے وقت کو اس نیک کام میں گزارتے۔ میں نے کئی دفعہ آپ سے سنا کہ جب میں سیر کرتے ہوئے فلاں جگہ یا فلاں موڑ پر پہنچتا ہوں تو اس وقت تک میں نے اتنی دفعہ درود کا ورد کر لیا ہوتا ہے یا فلاں دعا مکمل کر لی ہوتی ہے۔ اگر کسی روز فجر کے بعد بارش ہو رہی ہوتی تو آپ محمود ہال کے اندر چل پھر کر سیر کا وقت پورا کر لیتے۔ اس طرح دعاؤں اور تسبیحات کی مقررہ تعداد میں ورد پورا کرنے سے آپ کو فاصلہ کا اندازہ بھی ہو جاتا تھا۔ سیر کے حوالہ سے ایک دلچسپ بات یاد آئی جو ایک دفعہ آپ نے مجھے بتائی۔ فرمانے لگے کہ فلاں شکل وشباہت کا ایک انگریز شخص ہے جو ہر روز صبح کی سیر میں ایک خاص مقام پر مجھے ملتا ہے۔ وہ آ رہا ہوتا ہے اور میں جا رہا ہوتا ہوں۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو گڈ مارننگ (Good morning) کہتے ہیں۔ فرماتے تھے کہ وہ شخص وقت کا بہت ہی پابند لگتا ہے اور پھر مسکراتے

ہوئے فرماتے کہ میں بھی تو اس سے کم نہیں ہوں!

دعا اور نمازوں کا اہتمام

دعاؤں کے حوالہ سے یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جو لوگ آپ سے دعا کی درخواست کرتے (اور ایسے لوگوں کی تعداد یقیناً کئی سو ہوگی) تو آپ ان کے نام اور ان کی ضروریات کو توجّہ سے سن کر اپنے حافظہ میں محفوظ کر لیتے۔ مجھے ایک دفعہ بتایا کہ میں نے ایسے سب لوگوں کی فہرست ایک خاص ترتیب سے ذہن میں بنائی ہوئی ہے اور ان کی ضروریات کے لحاظ سے مختلف گروپ بھی بنائے ہوئے ہیں۔ اس طریق سے سب کے نام آپ کو یاد ہوتے اور سب کے لئے آپ باقاعدگی سے نام بنام دعا کرتے تھے۔

اس سلسلہ میں بعض لطائف بھی ہو جاتے۔ ایک مثال حضرت چوہدری صاحبؓ نے خود بیان فرمائی کہ ایک نوجوان نے ایک دفعہ ان سے درخواست کی کہ دعا کریں کہ میری شادی ہو جائے۔ بس اس کا نام حضرت چوہدری صاحبؓ کے ''کمپیوٹر'' میں داخل ہو گیا اور آپ اس کے متعلق دعا کرتے رہے۔ آپ نے بیان فرمایا کہ قریباً تین سال کے بعد وہ نوجوان مجھے ملا تو میں نے اس سے پوچھا کہ سناؤ شادی ہو گئی ہے؟۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا کہ چوہدری صاحب شادی ہو گئی ہے اور دو بچے بھی ہیں! چوہدری صاحب نے فرمایا کہ مجھے بتا تو دیا ہوتا، میں تو ابھی تک تمہاری شادی کے لئے دعا کر رہا ہوں!

زبردست حافظہ

اللہ تعالیٰ نے بے شمار علمی صلاحیتوں کے ساتھ آپ کو زبردست حافظہ بھی عطا فرمایا تھا۔ میں نے آپ کے ہاتھ میں کبھی ڈائری نہیں دیکھی۔ اپنی مصروفیات اور ملاقاتوں کے سب پروگرام ذہن میں محفوظ رکھتے اور کبھی کوئی دقت محسوس نہ کرتے تھے۔ خاص طور پر اپنے احباب اور تعلق والوں

کے فون نمبر سب آپ کو زبانی یاد تھے۔ جن دنوں آپ کا قیام لندن میں ہوتا تو آپ کا معمول تھا کہ اکثر دس گیارہ بجے میرے دفتر میں تشریف لے آتے۔ میز کے سامنے والی کرسی پر تشریف رکھتے اور فرماتے کہ فلاں شخص سے فون ملا دیں۔ میں فون کی کاپی کی طرف ہاتھ بڑھاتا تو فرماتے کہ ان کا نمبر میں آپ کو زبانی بتا دیتا ہوں۔ جب بھی آپ تشریف لاتے ہر بار ایسے ہی ہوتا۔ اس سلسلہ میں ایک حیران کن بات آپ نے یہ بتائی کہ جب میں برطانیہ میں ہوتا ہوں تو برطانیہ کے احباب کے ٹیلیفون نمبرز میرے ذہن میں روشن ہو جاتے ہیں اور جب میں امریکہ جاتا ہوں تو وہاں کے نمبرز روشن ہو جاتے ہیں اور برطانیہ کے نمبرز اس وقت ماند پڑ جاتے ہیں۔

اسی نوعیت کی ایک اور حیران کن بات یہ تھی کہ آپ سال کی مختلف تاریخوں کے بارہ میں زبانی بتا دیا کرتے تھے کہ اس تاریخ کو کون سا دن ہو گا۔ پروگرام بناتے وقت ہماری نظریں تو کیلنڈر کی طرف اٹھتیں لیکن چوہدری صاحب فوراً زبانی حساب کر کے بتا دیتے کہ کون سا دن ہو گا۔ میں نے ایک بار آپ سے پوچھا کہ اس کا راز اور طریق کیا ہے؟ تو فرمایا کہ جب نیا سال چڑھتا ہے تو میں اس کی چند اہم اور بنیادی تاریخوں کا دن اچھی طرح ذہن میں نقش کر لیتا ہوں اور جب ضرورت ہوتی ہے تو انہی اہم تاریخوں سے آگے پیچھے زبانی حساب کر کے دن معلوم کر لیتا ہوں۔

ایک حیران کن واقعہ

حضرت چوہدری صاحبؓ نے اپنے تفصیلی حالاتِ زندگی اپنی کتاب تحدیث نعمت میں خود تحریر فرمائے ہیں۔ یہ کتاب معلومات کا عظیم خزانہ ہے۔ جماعتی، سیاسی، ملکی بلکہ عالمگیر حالات پر یہ ایک جامع کتاب ہے۔ اس کتاب کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ یہ ساری کتاب یا اس کا بیشتر حصّہ حضرت چوہدری صاحب نے اپنی یادداشت کی بناء پر لکھا یا لکھوایا۔ کتاب مکمل ہو گئی تو آپ نے کسی دوست کے ذریعہ اس کے حوالہ جات، تاریخیں اور باقی تفاصیل احتیاطاً چیک کروالیں۔ غالباً

کسی تصحیح کی ضرورت نہیں پڑی تھی ۔ جب یہ کتاب شائع ہوگئی ۔ تو آپ نے اس کے کچھ نسخے میرے پاس دفتر میں رکھوا دیئے تا کہ خواہش مند احباب وہاں سے حاصل کر سکیں ۔ ایک روز جبکہ حضرت چوہدری صاحبؓ بھی میرے دفتر میں تشریف رکھتے تھے، ایک دوست آئے جو چند روز قبل کتاب لیکر گئے تھے ۔ کہنے لگے کہ اس نسخہ میں چند صفحات شامل نہیں ہیں ۔ غالباً جلد بندی میں رہ گئے ہیں ۔ میں نے وہ کتاب ان سے لے کر دوسری کتاب ان کو دیدی ۔ وہ جانے لگے تو حضرت چوہدری صاحبؓ نے ان سے پوچھا کہ جو کتاب آپ نے واپس کی ہے اس میں غائب صفحات سے پہلے اور بعد میں کیا بات بیان ہوئی ہے ۔ اس دوست نے کتاب دیکھ کر بتایا تو حضرت چوہدری صاحبؓ نے بیٹھے بیٹھے اس درمیانی عرصہ کی اہم باتیں ان کو بتا دیں اور فرمایا کہ میں نے خلاصۃً بیان کر دیا ہے باقی تفاصیل اب آپ گھر جا کر مطالعہ کر سکتے ہیں ۔

وقت کی پابندی

وقت کی پابندی بھی آپ کی زندگی کا ایک نمایاں وصف تھا ۔ آپ زندگی کے معمولات میں ہمیشہ اس بات کا بہت خیال رکھتے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین فرماتے بلکہ عملی طور پر اس کی تربیت بھی دیتے تھے ۔ آپ نے ایک بار لندن میں تعلیم القرآن کلاس جاری کی جس میں نوجوان طلبہ شامل ہوا کرتے تھے ۔ کلاس کا ایک وقت مقرر تھا اور پہلے روز ہی آپ نے سب کو واضح طور پر ہدایت کر دی کہ وقت کی پابندی کی جائے ۔ چنانچہ آپ کا طریق یہ تھا کہ وقت سے چند منٹ پہلے تشریف لاتے ، وقت ہو جانے پر کمرے کا دروازہ بند کروا دیتے اور دیر سے آنے والوں کو اندر آنے کی اجازت نہ ہوتی ۔ اس ڈسپلن کی وجہ سے سب طلبہ ایک دو روز میں ہی وقت کے پابند ہو گئے ۔

حضرت چوہدری صاحبؓ جب جنرل اسمبلی کے صدر مقرر ہوئے تو وہاں بھی آپ نے اجلاس ٹھیک وقت پر شروع کرنے کی روایت قائم کی ۔ اس طرح آپ نے اسمبلی کے ممبران کو جو

بالعموم تاخیر سے آیا کرتے تھے، پابندئ وقت کا عملی سبق سکھایا۔ وقت کی پابندی کے سلسلہ میں ایک دلچسپ واقعہ یاد آیا ۔ ایک دوست نے سنایا کہ ایک بار کراچی میں غالباً طلباء یا خدّام نے اپنے ایک اجلاس میں آپ سے درخواست کی گئی کہ ''اچھے مقرر کے اوصاف'' کے عنوان پر تقریر کریں۔ آپ نے بہت سے اوصاف کا ذکر کیا اور تفاصیل بیان کیں۔ آخری بات یہ بیان فرمائی کہ اچھے مقرر کی خوبی یہ ہے کہ اسے یہ بات اچھی طرح معلوم ہو کہ اس کی تقریر کا وقت کب ختم ہوتا ہے۔ آپ نے یہ فرمایا اور کرسی پر بیٹھ گئے۔ لوگوں نے دیکھا کہ آپ کی تقریر کے لئے مقررہ وقت پورا ہو گیا تھا!

لندن قیام کے دوران میں نے آپ کا یہ معمول دیکھا کہ آپ نمازیں مسجد میں آکر ادا فرماتے۔ ہم نے باہمی طور پر یہ طے کر لیا تھا کہ میں نماز کے لئے مسجد جاتے ہوئے حضرت چوہدری صاحبؓ کے فلیٹ کی گھنٹی بجا دیا کروں تا کہ آپ کو مصروفیات کے دوران یاددہانی ہو جائے۔ آپ وضو کر کے سنتوں یا نوافل کی ادائیگی کے بعد بالعموم ٹھیک وقت پر مسجد تشریف لے آتے بلکہ نماز سے چند منٹ پہلے آکر مسجد فضل میں پہلی صف میں دائیں کونے میں کرسی پر بیٹھ جاتے اور نماز شروع ہونے تک ذکر الٰہی میں مصروف رہتے۔ اگر دوست کم ہوتے تو نماز شروع ہونے کے وقت آپ اپنی کرسی خود اُٹھا کر صف کے کنارے پر رکھ لیتے اور نماز میں شامل ہو جاتے۔

بعض اوقات حضرت چوہدری صاحبؓ کے آنے میں کچھ تاخیر بھی ہو جاتی۔ اس صورت میں ہم سب آپ کے آنے کا انتظار کرتے اور آپ کے آنے پر نماز پڑھی جاتی۔ ایک روز ایک بے تکلف دوست نے چوہدری صاحبؓ سے یہ سوال کر دیا کہ چوہدری صاحب! آپ تو وقت کے بہت پابند ہیں اور پابندئ وقت میں آپ کی مثال بیان کی جاتی ہے لیکن یہ کیا بات ہے کہ بعض اوقات آپ نماز کے لئے دیر سے آتے ہیں؟ حضرت چوہدری اس سوال سے ناراض نہیں ہوئے بلکہ اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ فرمایا: بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو معاف کر دیتا ہے لیکن دنیا کے

لوگ معاف نہیں کرتے!

کفایت اور بچت کی خوبی

اب میں حضرت چوہدری صاحبؓ کی زندگی کا ایک اور نادر پہلو بیان کرنے لگا ہوں جس کو خود میں نے بارہا دیکھا اور آپ کے اکثر دوست احباب بھی اس کے چشم دید گواہ ہوں گے۔ اس کا تعلق کفایت اور بچت کی خوبی سے ہے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جب نہانے کے صابن کی ٹکیہ چھوٹی رہ جاتی ہے جس کو پنجابی زبان میں چپّر کہتے ہیں تو قریباً سب لوگ ہی اس کو بیکار سمجھتے ہوئے پھینک دیتے ہیں لیکن چوہدری صاحبؓ کا طریق یہ تھا کہ آپ اس چپّر کو اور صابن کی نئی ٹکیہ کو پانی لگا کر دونوں ہاتھوں سے دبا کر جوڑ لیتے اور پھر اس صابن کو استعمال کرتے۔ اگر کوئی اس بات پر کچھ تعجب یا حیرت کا اظہار کرتا تو آپ یہ سیدھی سادھی دلیل دیتے کہ جس چپّر سے کل تک تم نہاتے ہوئے کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے تو آج کیوں اسے استعمال کرتے ہوئے تمہیں شرم آتی ہے۔ میں نے خود کئی بار آپ کو (بعض صورتوں میں) دو رنگ کے صابنوں کو بھی جوڑتے ہوئے دیکھا ہے۔

اس تناظر میں ہونے والا ایک واقعہ بہت ہی دلچسپ ہے۔ ایک روز حضرت چوہدری صاحبؓ نماز ظہر کے لئے مسجد فضل تشریف لائے تو آپ نے بالکل نئے سلیپر پہنے ہوئے تھے جو آپ کے پاؤں میں بہت اچھے لگ رہے تھے۔ نماز سے فارغ ہو کر جاتے ہوئے جب آپ نے وہ سلیپر پہنے تو ایک بہت بے تکلّف دوست نے ان سلیپروں کو بہت حیرت سے دیکھا اور ایک خاص انداز میں کہنے لگے: ’’چوہدری صاحبؓ! یہ تو نئے سلیپر ہیں!‘‘ چوہدری صاحبؓ ان کے اس تبصرہ کو خوب سمجھ گئے اور مسکراتے ہوئے فرمایا:

’’نئے صابن سے پُرانا صابن تو جوڑا جا سکتا ہے لیکن نئے سلیپر کے ساتھ پُرانا سلیپر نہیں جُڑ سکتا!‘‘

سادہ طرزِ زندگی

ایک دفعہ حضرت چوہدری صاحبؓ نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں دوپہر کے کھانے کے لئے کسی قریبی سادہ سے ریسٹورنٹ جانا چاہتا ہوں۔ میں نے آپ کی خواہش کے مطابق مناسب جگہ تلاش کر لی جو مسجد سے قریب ہی گیرٹ لین پر تھی۔ ایک روز نماز کے بعد ہم دونوں پیدل روانہ ہوئے اور چند منٹوں میں منزل پر پہنچ گئے۔ یہ چھوٹا سا ریسٹورنٹ بہت صاف ستھرا تھا۔ چوہدری صاحبؓ کو پسند آیا۔ آپ تشریف فرما ہوئے تو میں نے کاؤنٹر پر جا کر ریسٹورنٹ کے مالک کو حضرت چوہدری صاحبؓ کا تعارف بھی کروا دیا اور کھانے کا آرڈر بھی دے دیا۔ فرائی کی ہوئی مچھلی چوہدری صاحبؓ کو بہت مرغوب تھی۔ مالک نے بڑے اہتمام سے مچھلی فرائی کی اور لوازمات کے ساتھ بہت ادب سے پیش کی۔ چوہدری صاحب کو کھانا بہت پسند آیا اور آپ نے شوق سے تناول فرمایا۔ واپس آنے لگے تو ریسٹورنٹ کے مالک نے آپ کا شکریہ بھی ادا کیا اور پرتپاک انداز میں الوداع کہا۔ چوہدری صاحبؓ کو یہ سارا انتظام بہت پسند آیا جو آپ کی سادگی اور بے تکلّفی کا شاندار نمونہ تھا۔ واپس بھی ہم دونوں پیدل آئے۔ راستہ میں حضرت چوہدری صاحب نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے کھانا بہت مزیدار تھا۔ اللہ تعالیٰ نے موقعہ دیا تو پھر بھی کبھی یہاں آئیں گے۔ لیکن پھر ایسا موقعہ نہ بن سکا۔

حضرت چوہدری صاحبؓ کو اردو بولتے وقت جگہ جگہ انگریزی الفاظ ملانے کی عادت نہ تھی۔ آپ حتی الامکان خود اس کا اہتمام فرماتے اور دوسروں کو اس کی تلقین فرماتے۔ مجھے یاد ہے ایک دفعہ ایک نوجوان نے آپ سے بات کرتے ہوئے یہی طریق اختیار کیا۔ جب اس نے اردو انگریزی کو ملا جلا کر بات کی تو چوہدری صاحبؓ نے اسے بڑے خوبصورت انداز میں سمجھایا۔ فرمایا: دیکھو! مجھے اردو بھی آتی ہے اور انگریزی بھی۔ تم جس زبان میں بات کرنا چاہتے ہو بڑے شوق

سے کرو لیکن دونوں زبانوں کو خلط ملط نہ کرو۔ میں نے دیکھا کہ سننے والوں پر وقتی طور آپ کی نصیحت کا اثر تو ضرور ہوتا لیکن جلد ہی ان کی پختہ عادت ان پر غالب آجاتی۔ مگر چوہدری صاحب اصلاح کے اس جہاد کا عَلَم ہمیشہ بلند رکھتے۔

ایک یادگار دعوت

ایک دفعہ ایک احمدی دوست نے جن کی رہائش لندن سے باہر ایک مضافاتی بستی میں تھی ،حضرت چوہدری صاحبؓ کو اپنے ہاں کھانے کی دعوت پر مدعو کیا۔ چوہدری صاحبؓ عام طور پر رات گئے تک دعوتوں کے سلسلہ کو پسند نہیں فرماتے تھے کیونکہ اس سے سونے اور جاگنے کے اوقات پر اثر پڑتا تھا۔ تاہم اس دوست کے پُرخلوص اصرار پر آپ رضامند ہو گئے۔ ان دنوں جماعت کی طرف سے یہ تحریک جاری تھی کہ گھر پر دعوتوں کے موقع پر ایک یا دو زیر تبلیغ دوستوں کو ضرور بُلا لیا جائے تاکہ دعوت الی اللہ کا فریضہ بھی ساتھ ساتھ ادا ہوتا رہے۔ اس روز بھی میزبان نے اپنے ایک انگریز نوجوان دوست کو بُلایا ہوا تھا۔ ان کو چوہدری صاحبؓ کے ساتھ بٹھایا گیا اور سارا وقت تعارف و اسلام احمدیت کے حوالہ سے ٹھوس بات چیت کا سلسلہ جاری رہا۔ جب کھانے اور دعا کے بعد چلنے کا وقت آیا تو میزبان دوست نے خواہش کی کہ چوہدری صاحبؓ کے ساتھ سب کی ایک اجتماعی تصویر ہو جائے۔ چوہدری صاحبؓ تصویر کھنچوانے کے شوقین نہ تھے جب بھی کوئی آپ کے ساتھ تصویر کھنچوانے کی خواہش کرتا تو آپ اکثر یہی فرماتے تھے کہ میں کھڑا ہوں یا بیٹھا ہوا ہوں۔ تم نے فوٹو کھینچنی ہے تو کھینچ لو۔ میں تکلّفات کا قائل نہیں ہوں۔

اس روز صورت یہ تھی کہ وقت کافی ہو چکا تھا اور ابھی لندن واپسی کا سفر بھی تھا۔ آپ چاہتے تھے کہ جلد از جلد روانگی ہو۔ صاحبِ خانہ کے اصرار پر تصویر کے لئے راضی تو ہو گئے لیکن بہت جلدی میں تھے۔ سب دوست چوہدری صاحبؓ کے گرد جمع ہو گئے۔ سب نے ٹوپیاں پہنی ہوئی تھیں سوائے اس انگریز مہمان کے۔ فوٹو کے بعد اُس مہمان کو احساس ہوا کہ صرف میں ہی ننگے سر

ہوں۔ مجھے بھی ٹوپی کے ساتھ تصویر بنوانی چاہیے۔ اس نے اِس خواہش کا اظہار کیا تو حضرت چوہدری صاحبؓ اکرامِ ضیف کی وجہ سے انکار نہ کر سکے۔ اب اس مہمان کے لئے مناسب ٹوپی کی تلاش شروع ہوئی۔ ٹوپی سر پر رکھی۔ یہ اس بیچارے کے لئے پہلا تجربہ تھا۔ پہلے تو آئینہ کے سامنے کھڑے ہو کر دیکھا اور پھر صاحبِ خانہ سے پوچھنے لگے کہ کیا یہ اچھی لگتی ہے۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ سارا وقت چوہدری صاحبؓ کو بہت ہی طویل لگ رہا تھا۔ بالآخر جب وہ انگریز نوجوان ٹوپی ٹھیک ٹھاک کرنے کے بعد چوہدری صاحبؓ کے ساتھ کھڑا ہوا تو چوہدری صاحبؓ نے اس نوجوان کو ایک ہی جامع فقرہ میں ساری بات سمجھا دی آپ نے بڑے مشفقانہ انداز میں فرمایا:

LOOK YOUNG MAN! DON'T WORRY ABOUT YOUR CAP .WHAT IS UNDER THE CAP THAT MATTERS!

اس برجستہ نصیحت سے سب بہت لطف واندوز ہوئے اور مہمان دوست نے بھی اس کو بڑے اچھے رنگ میں لیا۔

اندازِ خطابت

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ کو اللہ تعالیٰ نے ایک پُرتاثیر زبان عطا کی تھی۔ دنیا کے بڑے بڑے ایوانوں میں آپ نے پُرزور خطابات فرمائے اور اپنی خداداد ذہانت وفراست اور قوت استدلال کا لوہا منوایا۔ انگریزی زبان پر آپ کو بہت عبور حاصل تھا۔ بات کرنے کا انداز بہت موثر ہوتا اور سننے والوں کے دل پر نیک اثر ہوتا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت چوہدری صاحبؓ کو یہ ارشاد بھی فرمایا ہوا تھا کہ وہ ہالینڈ میں قیام کے دوران ہر ماہ ایک بار لندن آ کر جماعت کی تربیت کے لئے کچھ وقت دیا کریں۔ چنانچہ آپ تشریف لاتے، تربیتی اور تعلیمی کلاس بھی ہوتی اور ایک خطبہ جمعہ بھی۔ یہ خطبہ بالعموم انگریزی زبان میں ہوتا۔ احباب اور

بالخصوص نوجوان خدّام اس سے بھرپُور استفادہ کرتے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک بار آپ خطبہ جمعہ کے لئے کھڑے ہوئے تو ابتدا میں فرمایا کہ میں عام طور پر تو خطبہ جمعہ انگریزی میں بیان کرتا ہوں لیکن آج میں خطبہ اردو میں دوں گا۔ وجہ یہ بتائی کہ جو خاص بات میں احباب جماعت کے ذہن نشین کروانا چاہتا ہوں وہ بات میں انگریزی میں بیان نہ کرسکوں گا۔ یہ آپ کی عاجزی اور انکساری کی ایک مثال ہے وگرنہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالی نے آپ کو انگریزی زبان میں یدِطولیٰ عطا فرمایا تھا۔ غالبًا ایک وجہ یہ بھی ہوگی کہ انگریزی میں الفاظ کا ذخیرہ اتنا وسیع نہیں جتنا عربی یا اردو میں ہے۔ حضرت چوہدری صاحب ؓ کئی بار ہلکے پھلکے انداز میں یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ انگریزی روحانیت کی زبان نہیں اور بہت سے ایسے روحانی معارف اور دقیق مضامین ہیں جن کے بیان کے لئے انگریزی میں مناسب اور صحیح الفاظ نہیں ملتے۔

حضرت چوہدری صاحب ؓ کی مجالس بہت مفید اور پُرلُطف ہوتی تھیں۔ علمی نکات، معرفت کی باتیں اور موقع کی مناسبت سے ہلکے پھلکے لطائف اور واقعات بھی بیان فرماتے اور بڑے پُر لُطف انداز میں۔ ایک بار چوہدری صاحب ؓ نے بتایا کہ انہیں مشرقی افریقہ کے سفر میں نیروبی جانے کا اتفاق ہوا۔ آپ کو دعوت ملی کہ وہاں کی پنجابی ادبی انجمن کے اجلاس میں شامل ہوں اور تقریر بھی کریں۔ چوہدری صاحب ؓ نے بیان فرمایا کہ اس دعوت پر جاتے ہوئے مجھے خیال آیا کہ یہ لوگ ہیں تو پنجابی لیکن انگریزی کی چھاپ سے آزاد نہ ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس پنجابی ادبی انجمن کے اجلاس میں ہر مقرر نے انگریزی میں تقریر کی۔ آپ نے فرمایا کہ جب آخر میں میری باری آئی اور میں نے تقریر کا آغاز پنجابی زبان میں کیا تو حاظرین کی آنکھوں میں چمک آگئی۔ چوہدری صاحب ؓ نے ٹھیٹھ پنجابی زبان میں اپنا پُرلُطف خطاب مکمل کیا تو ایک سکھ دوست نے برملا کہا کہ ''اج تے سواد آگیا!''

بیان کردہ ایک لطیفہ

حضرت چوہدری صاحبؓ کا بیان کردہ ایک دلچسپ واقعہ ذہن میں آیا ہے وہ بھی بیان کر دیتا ہوں۔ چوہدری صاحبؓ ایک موقعہ پر جب تاشقند تشریف لے گئے تو وہاں کے مسلمانوں نے آپ کو دعوت پر مدعو کیا۔ مدعویین میں مفتی تاشقند بھی تھے جو بہت عظیم الجثہ تھے۔ کھانا شروع ہوا تو بعض شرکاء نے محسوس کیا کہ مفتی صاحب موصوف تو میدانِ ضیافت کے بڑے تیز رفتار شاہسوار ہیں۔ اس تیزی کو دیکھ کر حاضرین ضیافت میں سے کسی نے طنزاً مفتی صاحب سے مسئلہ کے رنگ میں دریافت کیا کہ جناب مفتی صاحب! یہ ارشاد فرمائیں کہ جب یہ کہنا ہو کہ فلاں شخص پوری طرح سیر ہو گیا ہے تو یہ کون سا موقع ہوتا ہے؟ یا کیسے اس بات کا پتہ لگ سکتا ہے کہ کوئی شخص واقعی اب سیر ہو گیا ہے؟ مفتی صاحب بڑے تجربہ کار اور جہاں دیدہ انسان تھے۔ طنزیہ سوال کا اشارہ خوب سمجھ گئے اور بڑے اعتماد سے جواب دیا کہ اس بارہ میں لوگوں کے اپنے اپنے تجربات ہو سکتے ہیں۔ میں تو اپنے طویل تجربہ کی روشنی میں یہ سمجھتا ہوں کہ کسی شخص کے بارہ میں سیر ہونے کا لفظ صرف اس وقت استعمال کیا جا سکتا ہے جب یا تو اس کے سامنے کا کھانا پوری طرح ختم ہو جائے یا وہ خود ختم ہو جائے! چوہدری صاحب یہ واقعہ کچھ اس دلچسپ انداز میں بیان فرماتے کہ ہر بار سننے کا ایک نیا لُطف آتا تھا۔

باقاعدگی

حضرت چوہدری صاحبؓ کی زندگی کا ایک عنوان باقاعدگی تھا۔ ہر کام بہت سلیقہ سے اور خوبصورت انداز میں کرتے۔ آپ کا دستخط کرنے کا انداز بھی بہت منفرد تھا۔ بہت آہستگی اور عمدگی سے دستخط کرتے جس کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا کہ اس شخص کی ساری زندگی بھی اسی خوبی اور عمدگی سے بسر ہو رہی ہے۔ ہالینڈ سے جب اختتام ہفتہ پر آپ لندن آتے تو آپ کا معمول یہ تھا عالمی عدالتِ

انصاف میں اپنے دفتر سے چلتے ہوئے ایک بہت مختصر سا فون کرتے اور سلام کے بعد فرماتے : راشد صاحب ! میں روانہ ہونے لگا ہوں ۔ آپ بھی روانہ ہو جائیں ، یہ فون سن کر میں بالعموم اسی وقت یا چند منٹ بعد مطار کے لئے روانہ ہو جاتا ۔ میرے وہاں پہنچتے ہی آپ اپنا مختصر ترین بریف کیس اٹھائے باہر تشریف لے آتے اور بعض اوقات تو یوں ہوتا کہ میرے مطار پر پہنچنے سے پہلے ہی چوہدری صاحبؓ تشریف لا کر انتظار فرمار ہے ہوتے ۔ مطار سے آتے یا جاتے وقت چوہدری صاحب کا دل پسند راستہ رچمنڈ پارک ہوا کرتا تھا ۔ یہ ایک قدرتی طرز کا خوبصورت اور پُرفضا پارک ہے جو مسجد فضل سے زیادہ دور بھی نہیں اور مطار کے راستہ میں واقعہ ہے ۔ چوہدری صاحبؓ کو اس رچمنڈ پارک سے گزرنا بہت مرغوب تھا ۔ فرمایا کرتے تھے کہ اس پارک کی تازہ ہوا اور پارک میں آزادانہ گھومنے پھرنے والے ہزاروں ہرنوں اور بارہ سنگوں کا نظارہ بہت اچھا لگتا ہے ۔ سیر بھی ہو جاتی ہے اور سفر بھی طے ہو جاتا ہے ۔

بے تکلف اندازِ گفتگو

حضرت چوہدری صاحبؓ کے ساتھ بے تکلف گفتگو کی مجالس بھی کیا عجب مجالس تھیں ۔ بہت شفقت سے محبت بھری گفتگو فرماتے ۔ آپ کی باتوں میں دینی اور روحانی امور کا تذکرہ بھی ہوتا ، پُر مغز علمی گفتگو بھی ہوتی ۔ اپنے ذاتی واقعات بھی بیان فرماتے جو بہت نصیحت آموز اور معلوماتی ہوتے ۔ لطائف بھی سناتے ۔ واقعات بیان کرتے ہوئے ان کی معین تفصیلات حیرت انگیز وضاحت سے بیان فرماتے ۔ تاریخ ، دن ، مقام ، جہاز اور موسم تک کا ذکر ہوتا ۔ آج بھی سوچ کر حیران ہوتا ہوں کہ آپ یہ سب تفاصیل کس طرح یاد رکھتے تھے ۔ کئی واقعات مختلف مجالس میں بیان فرماتے تو ان میں کبھی اعادہ بھی ہو جاتا لیکن تفاصیل میں تضاد نہ ہوتا ۔ آپ کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ آپ کسی کے سوال پوچھنے پر ناراض نہ ہوا کرتے تھے بلکہ موقع کے مطابق اس کا مختصر یا

مفصل جواب بہت خوش دلی سے دیتے۔

مجھے یاد ہے کہ ایک روز جبکہ ہم دونوں ہی کھانے کی میز پر بیٹھے تھے تو اچانک میرے ذہن میں ایک عجیب سوال آیا اور میں نے فوراً ہی پوچھ لیا۔ میں نے عرض کیا کہ چوہدری صاحب ؒ ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت نوازا ہے۔ بہت علوم عطا کئے ہیں۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آپ کو کیا نہیں آتا! میرا یہ سوال سن کر حضرت چوہدری صاحب ؒ مسکرائے اور فرمایا کہ آپ نے خوب سوال سوچا ہے۔ ایسا سوال اس سے پہلے کسی نے مجھ سے نہیں پوچھا۔

ذرا سا توقف کرنے کے بعد فرمایا کہ آپ کی یہ بات بالکل سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اس عاجز ناچیز کو بہت نوازا ہے اور میرے وجود کا ذرہ ذرہ ہمیشہ اس کے حضور شکر گزاری میں جھکا رہتا ہے۔ لیکن چند باتیں ایسی بھی ہیں جو مجھے نہیں آتیں۔ ان میں سے ایک تو ڈرائیونگ ہے اور دوسری ٹائپنگ ہے۔ ان دو باتوں کا آپ نے جلدی سے ذکر فرمایا اور ساتھ ہی فوراً یہ بھی فرمایا کہ میرے مولا کا مجھ پر یہ احسان ہے کہ ان دونوں باتوں کے نہ جاننے کے باوجود مجھے ساری زندگی کبھی کوئی دقّت یا کام میں روک پیدا نہیں ہوئی۔ پھر بڑی تفصیل سے بیان فرمایا کہ میری زندگی سفروں میں گزری اور گزر رہی ہے جب بھی، جہاں بھی، مجھے کسی جگہ جانے کی ضرورت پڑی تو میرے مولا نے اپنے اس بندہ کو نہ صرف کار مہیا فرمادی بلکہ اس کے ساتھ ڈرائیور بھی۔ مجھے ڈرائیونگ نہ جاننے کی وجہ سے کبھی بھی کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ پھر فرمایا کہ اسی طرح مجھے ساری زندگی لکھنے لکھانے کا کام رہا اور یہ میری زندگی کی اہم ترین مصروفیت رہی ہے۔ میرے مولا نے مجھ پر یہ فضل کیا اور اس کا یہ سلسلہ آج تک جاری ہے کہ جب بھی میں نے کوئی خط یا مضمون ٹائپ کروانا ہوتا تو نہ صرف مجھے کوئی نہ کوئی ٹائپسٹ مل جاتا بلکہ اکثر صورتوں میں تو پوری دفتری سہولیات میسر آجاتیں اور میری ہر ضرورت اللہ تعالیٰ کے فضل سے بغیر کسی دقّت کے پُوری ہوتی رہی اور آج بھی میرے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ محبت بھرا سلوک جاری ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ یہ

سب کچھ بیان کرتے وقت آپ کی آواز بار بار بھرّا جاتی اور آپ جذباتِ شکر سے مغلوب ہو کر آبدیدہ ہو جاتے!

سیرت کے مخفی گوشے

اب میں حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ کی سیرت کا ایک ایسا پہلو بیان کرنا چاہتا ہوں جس سے شاید بہت ہی کم لوگ واقف ہوں۔ میں تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان باتوں کا چشم دید گواہ ہوں۔ یہ واقعات زیادہ تر 1971 اور 1972 کے ہیں۔ حضرت چوہدری صاحبؓ کا قیام ایک مختصر سے فلیٹ میں ہوتا تھا جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ میرا قیام اسی منزل پر ساتھ والے دوسرے فلیٹ میں تھا (میری فیملی پاکستان میں تھی)۔ پروگرام کچھ اس طرح طے کیا ہوا تھا کہ چوہدری صاحب ایک معین وقت پر درمیانی دروازہ سے تشریف لائیں گے اور پھر ہم ایک ہی میز پر اکٹھے ناشتہ بھی کریں گے۔ میں مقررہ وقت سے ذرا پہلے درمیانی دروازے کو کھول دیتا اور چوہدری صاحبؓ رات کے گاؤن میں ملبوس عین وقت پر تشریف لے آتے۔ میں نے بھی گاؤن پہنا ہوتا۔ ہم دونوں کچن میں جا کر ناشتہ کی تیاری میں مصروف ہو جاتے۔

یہاں یہ ذکر کر دوں کہ پہلے روز ہی میں نے نہایت ادب سے اور پُرزور اصرار سے یہ درخواست کی کہ ناشتہ کی تیاری کی خدمت میرے سپرد رہنے دیں۔ یہ بات میرے لئے بہت باعث برکت وسعادت ہوگی۔ آپ تشریف رکھیں اور میں ناشتہ تیار کر کے آپ کے سامنے لے آوں گا لیکن حضرت چوہدری صاحبؓ نے بڑی قطعیت سے فرمایا کہ نہیں ایسے نہیں بلکہ میں بھی ناشتہ کی تیاری میں پوری طرح شامل ہوں گا۔ میرے لئے اس ارشاد کو ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ چنانچہ حضرت چوہدری صاحبؓ میرے ساتھ ناشتہ کی تیاری میں بھرپُور شامل ہوتے پھر کپ، پرچیں، اور پلیٹیں وغیرہ اٹھا کر ساتھ والے کمرے میں لے جاتے۔ وہاں ہم دونوں مل کر ناشتہ کرتے۔ بعد میں میرے اصرار کے باوجود آپ برتن دھونے میں بھی میرے ساتھ شریک

ہوتے۔ یہ لمحات میرے لئے بہت مشکل ضرور ہوتے لیکن الامر فوق الادب کے مطابق کچھ اور ممکن نہ تھا۔

قصہ ایک مالٹے کا

ایک روز بہت دلچسپ واقعہ ہوا۔ میں بازار گیا تو ایک دوکان پر کافی بڑے سائز کے خوشنما مالٹے نظر آئے۔ میں نے خرید لئے اور ناشتہ کی میز پر رکھ دیئے۔ اگلے روز حسب معمول حضرت چوہدری صاحبؓ تشریف لائے تو ناشتہ شروع کرنے سے پہلے آپ نے ایک مالٹا اپنے ہاتھ میں لیا اور مجھ سے دریافت فرمایا: راشد صاحب! کیا آپ آدھا مالٹا کھائیں گے؟ میں نے ناسمجھی اور ایک گونا بے تکلفی سے کہہ دیا کہ نہیں۔ اس پر چوہدری صاحبؓ نے یہ کہتے ہوئے مالٹا واپس رکھ دیا کہ پھر میں بھی نہیں کھاتا کیونکہ اس طرح باقی آدھا مالٹا ضائع ہو جائے گا۔ وجہ دراصل یہ تھی کہ چوہدری صاحبؓ کو شوگر کے مرض کی وجہ سے ڈاکٹری ہدایت یہ تھی کہ ایک چھوٹا مالٹا صبح کے وقت کھا سکتے ہیں یا مالٹا بڑا ہو تو اس کا نصف کھا لیا کریں۔ مجھے اس ہدایت کا علم نہ تھا۔ بہر حال اس روز تو لاعلمی میں یہ غلطی ہوگئی۔ اگلے روز ناشتہ پر چوہدری صاحبؓ نے پھر ایک مالٹا اٹھا کر بالکل وہی بات دہرائی تو میں نے فوراً کہا کہ جی ضرور کھاؤں گا۔ فرمایا کہ اچھا پھر اس مالٹے کو کاٹ لیتے ہیں آدھا خود لیا اور آدھا مجھے دے دیا۔ مجھے آپ کے ہاتھ سے آدھا مالٹا بھی مل گیا اور ایک مستقل سبق بھی!

ڈاکٹری ہدایات کی پابندی

جس دور میں میں نے حضرت چوہدری صاحبؓ کو دیکھا آپ کی غذا بہت تھوڑی اور منتخب ہوا کرتی تھی۔ آپ کو شوگر کا عارضہ تھا جو کم و بیش چالیس سال تک لاحق رہا لیکن آپ علاج کے سلسلہ میں ڈاکٹری ہدایات کی بہت سختی سے پابندی کرنے والے تھے۔ پُوری پُوری احتیاط فرماتے اور کسی کے زور دینے پر بھی ہدایت کے برخلاف کوئی چیز استعمال نہ کرتے تھے۔ یہی آپ کی صحت

کا راز تھا اور اللہ تعالی نے آپ کو لمبی اور فعال زندگی سے نوازا۔ آپ کے ڈسپلن اور ڈاکٹری ہدایات کی سختی سے پابندی کو دیکھتے ہوئے آپ کے بعض بے تکلف ساتھی یہ تبصرہ بھی کر جاتے کہ چوہدری صاحبؓ کو شوگر نہیں ہوئی بلکہ چوہدری صاحبؓ شوگر کو ہو گئے ہیں! یہ تبصرہ بعض اوقات آپ کے کانوں میں بھی پڑ جاتا۔ یہ سن کر آپ کے چہرہ پر ایک ہلکی اور باوقار مسکراہٹ پھیل جاتی لیکن آپ کے طریق عمل میں کوئی فرق نہ آتا۔

خلیفہ اوّل کی نصیحت

آپ کو گرم دودھ میں COCOA پاؤڈر ڈال کر پینا بہت مرغوب تھا۔ اس کی وجہ آپ یہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ جب میں پہلی بار یورپ کے لئے روانہ ہونے والا تھا تو میں حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ کی خدمتِ اقدس میں ملاقات، دعا اور عمومی راہنمائی کے لئے حاضر ہوا۔ اس موقع پر حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ نے آپ کو جو نصائح فرمائیں ان میں سے ایک کوکو کے استعمال کے بارہ میں تھی۔ آپؓ نے فرمایا کہ تم انگلستان جا رہے ہو جو ایک سرد ملک ہے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ وہاں کی سردی سے محفوظ رہنے کے لئے شراب پینے کی ضرورت پڑتی ہے۔ ہم طبیب ہیں اور خوب جانتے ہیں کہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ فرمایا کہ اگر تمہیں سردی کا دفاع کرنے کی ضرورت محسوس ہو تو کوکو استعمال کرنا۔ اس میں غذائیت بھی ہے اور سردی کے بداثرات سے بھی بچاتی ہے۔ یہ نصیحت ہمیشہ آپ نے یاد رکھی اور اس سے بہت فائدہ اٹھایا۔

ناشتہ خود بنایا

ایک روز آپ ناشتہ کے لئے تشریف لائے تو فرمایا آج میں چاہتا ہوں کہ سارے کا سارا ناشتہ خود تیار کروں۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کی یہ خواہش ہے تو ضرور بنائیں۔ چنانچہ چوہدری صاحبؓ نے دودھ گرم کرنے والے برتن میں دودھ ڈالا۔ پھر ایک ڈبل روٹی لے کر اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کئے اور دودھ میں ڈال دیئے۔ پھر اس میں دو انڈے توڑ کر ڈالے اور آخر

میں حسب پسند شہد ڈالا اور ان سب چیزوں کو اچھی طرح پکا لیا۔ آج بھی یہ بات لکھتے ہوئے یہ نظارہ میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ چوہدری صاحبؓ نے ہاتھ میں ایک چمچہ پکڑا ہوا ہے اور اس کو آہستہ آہستہ برتن میں ہلا رہے ہیں کہ کہیں کھانا نیچے نہ لگ جائے۔ چند منٹوں میں حلوہ کی طرح کا کھانا تیار ہو گیا اور پھر ہم دونوں نے مل کر ایک ہی برتن سے کھایا۔ واقعی کھانا بہت مزیدار تھا۔

ایک برتن سے ناشتہ

ایک روز بڑا ہی دلچسپ واقعہ ہوا۔ حضرت چوہدری صاحبؓ اور میں کچن میں ناشتہ تیار کر رہے تھے۔ جب میں نے انڈے فرائی کر لئے اور ان کو ایک پلیٹ میں ڈالنے لگا تو چوہدری صاحبؓ جو میرے بائیں طرف ساتھ ہی کھڑے یہ سب دیکھ رہے تھے آپ نے میرا بازو کہنی کے اُوپر سے پکڑا اور فرمایا: راشد صاحب! کیا کرنے لگے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ انڈے فرائی ہو گئے ہیں ان کو پلیٹ میں ڈالنے لگا ہوں تا کہ دوسرے کمرے میں جا کر ہم ان سے ناشتہ کریں۔ آپ نے فرمایا: لیکن اس پلیٹ کو دھونا کس نے ہے؟ میں نے عرض کی کہ خود ہی دھونا ہے اس پر آپ نے فرمایا: پلیٹ کو جو دھونا ہے تو کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ ہم فرائینگ پین (FRYING PAN) میں سے ہی انڈا کھا لیں! میں نے عرض کیا کہ جیسے آپ پسند فرمائیں۔ چنانچہ میں وہ فرائینگ پین اسی طرح اُٹھا کر ڈائیننگ روم (DINING ROOM) میں لے آیا اور یوں یہ سعادت ایک بار پھر میرے حصہ میں آئی کہ میں حضرت مسیح پاک علیہ السلام کے ایک بزرگ صحابی کے ساتھ ایک ہی برتن سے ناشتہ کیا۔

بھرپور زندگی

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے حضرت چوہدری صاحبؓ نے اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے سایہ نہایت کامیاب، بھرپُور اور مصروف زندگی گزاری۔ دنیاوی اور سیاسی مصروفیات میں بھی دینی پہلو

کو ہمیشہ مقدم رکھتے۔ نمازوں کی بروقت ادائیگی کا غیر معمولی تعہد سے اہتمام فرماتے۔ وقت سے بھرپُور فائدہ اُٹھاتے۔ ذکر الٰہی سے اپنے اوقات کو سجاتے۔ آپ نے زندگی بھر قلمی اور لسانی جہاد کیا۔ قرآن مجید کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا جو بہت مقبول ہوا۔ متعدد کتب تصنیف کیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ اور اپنی والدہ ماجدہ مرحومہ کے بارہ میں نہایت ایمان افروز کتب لکھیں۔ اپنے سوانح حیات بھی انتہائی عاجزی اور خاکساری کے انداز میں نہایت تفصیل سے لکھے۔ حضرت مسیح پاک علیہ السلام کی تحریرات کا بھی انگریزی میں ترجمہ کیا۔ زندگی کے آخری سالوں میں تو آپ نے دنیاوی مناصب سے معذرت کرتے ہوئے اپنے آپ کو کلیۃً دینی خدمات کے لئے وقف کر دیا تھا اور یہ سلسلہ زندگی کے آخر تک جاری رہا۔ آپ کی یہ خدمات ایک مستقل صدقہ جاریہ کا حکم رکھتی ہیں۔ جن دنوں آپ تالیف وتصنیف اور ترجمہ کے کاموں میں مصروف تھے اور آپ کا بیشتر وقت اسی کام میں صرف ہوتا تھا۔ آپ بیان فرمایا کرتے تھے کہ میں دن بھر کام میں مصروف رہتا۔ رات کو بھی دیر تک اس کا سلسلہ جاری رہتا اور بالآخر جب تھک کر سونے کا ارادہ کرتا ہوں تو میں اپنا قلم رکھ دیتا ہوں اور اپنے آپ سے یوں مخاطب ہوتا ہوں: ''ظفر اللہ خان! اب تُو بہت تھک گیا ہے۔ اب تو کچھ آرام کر لے۔ آج تمہیں اللہ تعالیٰ نے جو ہمت دی اس کے مطابق تو نے کام کر لیا۔ اب سو جاؤ۔ اگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں مزید مہلت دی تو باقی کام کل کر لینا۔ فرمایا کرتے تھے کہ یہ کہتے ہوئے میں بستر پر دراز ہو جاتا ہوں۔ کیا ہی صوفیانہ اور ایمان افروز انداز ہے سونے کا!

ایک فارسی مصرعہ آپ بہت کثرت سے اپنی گفتگو میں استعمال فرمایا کرتے تھے کہ ،، کارِ دنیا کسے تمام نکرد،، کہ دنیا کے کام تو اتنے ہیں کہ کبھی بھی کسی نے سب کام مکمل نہیں کئے۔ یہ بات بالکل درست ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے حضرت چوہدری صاحبؓ نے وقت کو بھرپُور طور پر استعمال کرنے اور نفع رساں کاموں میں خرچ کرنے میں ایک قابلِ تقلید مثال قائم کی ہے۔ آپ زندگی کے ہر دن کو اور وقت کے ہر لمحہ کو اللہ تعالیٰ کی نعمت یقین کرتے اور بہترین رنگ میں صرف کرنے کی

کوشش میں لگے رہتے۔ اس مضمون کو بیان کرتے ہوئے آپ اکثر اوقات ''مہلت'' کا لفظ استعمال فرماتے جو اس عارفانہ بیان میں خوب سجتا تھا۔ سونے کے حوالہ سے ایک اور بات یاد آئی۔ حضرت چوہدری صاحبؓ کی گفتگو میں شکرِ نعمت کا مضمون بہت کثرت سے آتا تھا سونے کے حوالہ سے آپ بارہا ذکر فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر جو بے شمار احسانات فرمائے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ سر تکیہ پر رکھتے ہی مجھے نیند آجاتی ہے۔ اور اس طرح میرا کوئی وقت ضائع نہیں جاتا۔ کئی بار یہ بھی بیان فرمایا کہ جب میں کار میں سفر کر رہا ہوتا ہوں اور کار ٹریفک لائٹ پر ذرا سی دیر کے لئے رُکتی ہے تو بسا اوقات اتنی دیر میں بھی میری آنکھ لگ جاتی ہے اور کار چلنے پر بیدار ہو جاتا ہوں۔

سفرِ آخرت کا بیان

اب مضمون کے آخر میں میں حضرت چوہدری صاحبؓ سے اپنی دو آخری ملاقاتوں کا ذکر کرتا ہوں۔ ایک آپ کی زندگی میں ہوئی اور ایک وفات کے بعد۔ جب میں 1983 میں دوسری بار لندن آیا تو اس وقت آپ لندن میں ہی قیام پذیر تھے لیکن یہ پروگرام پُوری طرح طے کر چکے تھے کہ اب میں نے اپنی زندگی کے بقیہ دن پاکستان میں گزارنے ہیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں چلتے پھرتے پاکستان جانا چاہتا ہوں تابوت میں بند ہو کر نہیں۔ میرے لندن آنے کے چند روز بعد 19 نومبر 1983 کو آپ کی پاکستان واپسی کا پروگرام بن چُکا تھا اور احباب سے الوداعی ملاقاتوں کا سلسلہ جاری تھا۔ محترم چوہدری صاحب بالعموم ہر کسی سے محبت اور شفقت سے پیش آتے۔ الوداعی ملاقاتوں میں تو یہ کیفیت اور بھی نمایاں تھی۔ بڑی عمر کے احبابِ جماعت اور نوجوانوں کے علاوہ بچوں سے بھی بہت شفقت سے پیش آتے تھے۔ لیکن عام طور پر بچوں کو گود میں بٹھانے کی صورت میں نے نہیں دیکھی۔ ہمارا بیٹا عزیزم عطاء المنعم راشد ان دنوں گیارہ ماہ کا تھا میں اسے اُٹھا کر چوہدری صاحبؓ سے ملوانے لے گیا کہ پھر نہ معلوم زندگی میں ایسا موقع دوبارہ مل سکے

یا نہ۔ حضرت چوہدری صاحبؓ نے اسے اُٹھا کر اپنی گود میں بٹھا لیا اور اس کی خوش قسمتی کہ وہ کچھ دیر آپ کی شفقت اور دعاؤں سے فیضیاب ہوتا رہا۔ اس نادر موقع کی ایک تصویر کسی دوست نے لے لی لیکن افسوس کہ اب معلوم نہیں کہ وہ کون دوست تھے اور یہ تصویر اب کہاں ہے۔

19 نومبر 1983 کو آپ نے لندن کے مطار ہیتھرو (Heathrow) سے پی آئی اے کے ذریعہ لاہور کی پرواز پر سفر کیا۔ مطار کا لفظ میں نے اس مضمون میں کئی بار خاص طور پر اس وجہ سے بھی لکھا ہے کہ حضرت چوہدری صاحبؓ ایہ ایک پسندیدہ لفظ تھا۔ ائیر پورٹ کی بجائے آپ ہمیشہ مطار کا لفظ استعمال فرماتے تھے۔ آپ کو الوداع کہنے والوں میں یہ عاجز بھی شامل تھا۔ اس موقعہ پر آپ سے معانقہ کی سعادت ملی جو ایک الوداعی معانقہ بن گیا۔ خوش قسمتی سے اس موقع پر لی گئی تصویر اب بھی موجود ہے۔

آپ کی وفات یکم ستمبر 1985 کو لاہور میں ہوئی۔ جماعت احمدیہ برطانیہ نے، جو چوہدری صاحبؓ مرحوم ومغفور کی از حد ممنون احسان جماعت ہے، حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالی کی منظوری سے اس موقعہ پر تین افراد جماعت پر مشتمل ایک وفد جنازہ میں شمولیت کے لئے پاکستان بھیجا۔ یہ عاجز بھی اس وفد میں شامل تھا۔ آپ کا جسدِ خاکی محترم چوہدری حمید نصر اللہ خان صاحب کے مکان میں تھا جہاں آپ کی وفات ہوئی تھی۔ تعزیت کے لئے آنے والے احبابِ جماعت و غیر از جماعت احباب کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ ہم اس کمرے میں داخل ہوئے جہاں آپ کا جسدِ خاکی رکھا ہوا تھا۔ سفید چادروں میں ملبوس یہ مردِ درویش ایک عجیب شان کے ساتھ آسودۂ خواب تھا۔ سینہ پر کلمہ طیبہ لا الٰہ الّا اللہ محمّد رسول اللہ کا بیج اس وقت بھی بڑی شان سے جگمگا رہا تھا جس کی عظمت کی خاطر آپ نے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو زندگی بھر وقف کئے رکھا۔

اس نفسِ مطمئنہ کے پُرنور چہرے کے دیدار کے بعد ہم نے لاہور اور ربوہ میں دوبار آپ کی نماز جنازہ میں شمولیت کی توفیق پائی۔ بعد ازاں جب حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالی کی

خصوصی اجازت سے آپ کی تدفین بہشتی مقبرہ ربوہ کے اندر قطعۂ خاص میں ہوئی تو اس موقع پر بھی اس عاجز کو تدفین میں حصّہ لینے کی سعادت نصیب ہوئی اور قبر تیار ہونے پر مٹی دی اور آخری دُعا میں بھی شریک ہوا۔ حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب ؓ ایک نہایت بابرکت اور کامیاب زندگی گزار کر اس دُنیا سے رُخصت ہوئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے قربِ خاص میں مقامِ محمود عطا فرمائے۔ آپ ؓ خود تو رُخصت ہو گئے لیکن آپ ؓ کی یادیں آج بھی زندہ ہیں اور ان کا نیک تذکرہ ہمیشہ جاری وساری رہے گا۔

◆

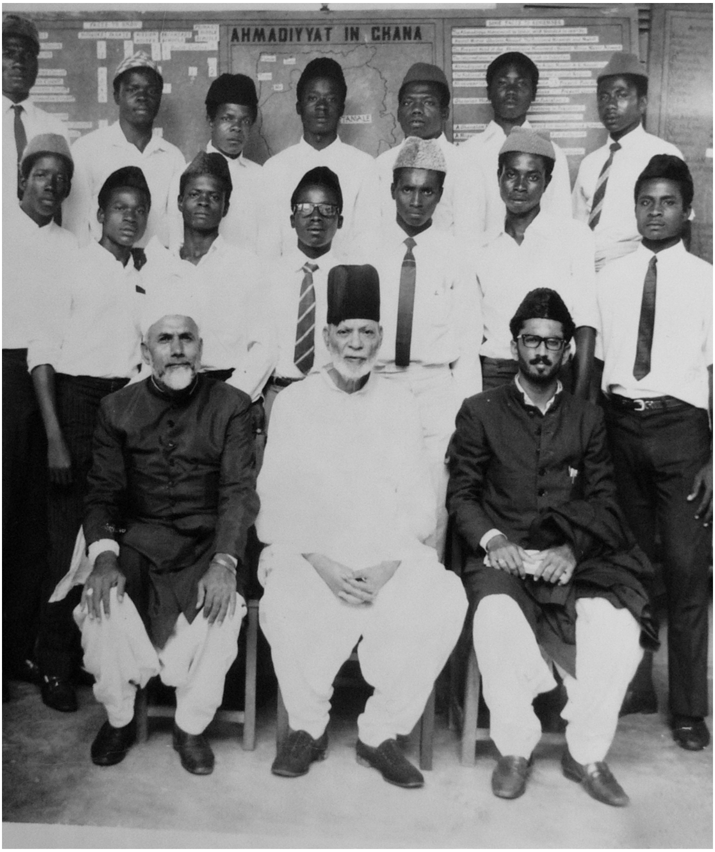

آپ کی طبیعت نہایت سادہ اور الجھاؤ کو پسند نہ کرتی تھی

مکرم ومحترم مولانا نسیم سیفی صاحب

جماعت احمدیہ کے جید عالم دین مکرم ومحترم مولانا نسیم سیفی صاحب ایڈیٹر ماہنامہ ’’تحریک جدید‘‘ ربوہ سابق رئیس التبلیغ افریقہ مرحوم، حضرت سر محمد ظفر اللہ خان صاحب کے بارے میں اپنی یادوں کو تحریر کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ

’’خاکسار دہلی میں حکومت ہند کے سپلائی ڈیپارٹمنٹ میں ملازم تھا۔ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ ان دنوں وائسرائے کی کونسل میں سپلائی وزیر تھے۔ آپ کی کوٹھی ہمارے دفاتر کے قریب تھی۔ چنانچہ جمعہ کی نماز آپ کی کوٹھی پر ہوا کرتی تھی۔ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ خطبہ بھی ارشاد فرماتے اور نماز بھی پڑھاتے۔ ان خطبوں میں ویسے تو بہت سی باتیں ایسی ہوتی تھیں جو یاد رکھنے کے قابل تھیں اور جن کو مشعل راہ بنایا جا سکتا ہے لیکن اپنے ذوق کے مطابق دو باتیں مجھے خاص طور پر یاد ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپ نے فرمایا کہ ’’میری طبیعت نہایت سادہ ہے اور الجھاؤ کو پسند نہیں کرتی۔‘‘ اور اس کی مثال یہ دی کہ:

> ’’مجھے کیلا پسند ہے، انار نہیں کیونکہ کیلا کھانا آسان ہے۔ ایک ہی دفعہ میں چھلکا اُتارا اور کھا لیا۔ لیکن انار کا پہلے اوپر کا سخت چھلکا اُتارو پھر اندر سے باریک چھلکا اور پھر ایک ایک دانہ کر کے اُس میں سے نکالو۔ اس الجھاؤ کی وجہ سے مجھے انار زیادہ پسند نہیں۔‘‘

اسی طرح ایک روز خطبہ اور نماز کے بعد فرمانے لگے کہ ایک شخص کا مجھے خط آیا ہے جس میں لکھا ہے کہ سنا ہے آپ کی وزارت بدل رہی ہے۔ میرا بیٹا آپ کی وزارت کے کسی دفتر میں ہے۔ اب معلوم نہیں اس کا کیا بنے گا۔ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ نے خط لکھنے والے دوست کا

نام تو نہیں لیا لیکن یہ فرمایا کہ یہ بات پڑھ کر میرے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی کہ یہ دوست مجھے خدا سمجھتے ہیں۔ میرے یہاں ہونے یا نہ ہونے سے کیا ہوتا ہے۔ ویسے بھی عام طور پر دہلی میں (احمدیہ جماعت کے حلقہ میں) یہ بات اکثر سننے میں آتی تھی کہ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ نوجوانوں کی ملازمت کے سلسلہ میں کوئی خاص کوشش نہیں فرماتے۔ محترم چوہدری صاحبؓ نہ سیاسی ہنگامہ آرائی کے قائل تھے اور نہ کبھی اس جھمیلے میں پڑتے تھے۔ جب ان کے دوست ان کی توجہ اس بات کی طرف مبذول کرواتے کہ انہیں عوام الناس سے تعلقات بڑھانے چاہئیں تو آپ کو یہ فرماتے سنا گیا کہ میں ان کا خیال تو رکھتا ہوں لیکن مجھے ان کی کسی سیاسی مدد کی ضرورت نہیں۔ میں جس کا کام کرتا ہوں یعنی اپنے کام میں جس شخص کا ذمہ دار ہوں وہ مجھ سے اور میرے کام سے خوش ہے اور بس کام کو اچھی طرح کرنا ہی میرا فرض ہے۔

خاکسار نے دہلی میں قیام کرنے کے دوران زندگی وقف کی اور چند ماہ بعد جب قادیان سے بیرون مُلک روانگی کا وقت قریب آیا تو حضرت چوہدری صاحبؓ قادیان میں تشریف فرما تھے۔ میرے ساتھ کچھ اور واقف زندگی بھی تھے جو بیرون ملک جا رہے تھے۔ چنانچہ حضرت امام جماعت احمدیہ سے اجازت لے کر محترم چوہدری صاحبؓ نے ہمارے گروپ کو خطاب کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ اس خطاب میں آپ نے لباس کے متعلق، جہاز میں یا دعوتوں میں کھانے کے متعلق، انگلستان میں گھروں میں داخلے اور کمروں میں، اوورکوٹ، چھتری وغیرہ کے سلسلہ میں نہایت مفید ہدایات سے نوازا۔ لباس کے متعلق آپ نے خاص طور پر بٹنوں کا ذکر کیا کہ ہر بٹن بند کرنے کیلئے ہوتا ہے نہ کہ چھوڑنے کیلئے۔ اپنی مثال دی کہ ایک دفعہ حکومت ہند کے نمائندے کے طور پر چین جا رہے تھے اور چین میں ان دنوں خاصی گرمی تھی۔ چنانچہ آپ نے کف کے بازوؤں والی قمیضیں سلوا لیں تاکہ نہ بٹن ہوں اور نہ بند کرنے پڑیں۔ کھانے کے متعلق آپ نے فرمایا صرف اتنا ہی پلیٹ میں ڈالیں جتنا کھا سکتے ہیں۔ بے شک تھوڑا ڈالیں اور ختم کر کے پھر مانگ لیں۔ لیکن زیادہ ڈال کر پلیٹ میں کچھ حصہ چھوڑ دینا نہایت معیوب ہے۔ آپ نے فرمایا انگلستان

(یا ایسے ہی دیگر ممالک میں) گھر میں داخل ہوتے وقت باہر کا گیٹ کھلا چھوڑیں گے تو ہوسکتا ہے کسی اور گھر کا کتا اندر داخل ہو جائے۔ اس لئے آپ باہر کا گیٹ بند کر کے آگے مکان کی طرف جائیں۔ اور پھر کمرے میں داخل ہونے سے پہلے اوورکوٹ جو عام طور پر بارش میں گیلا ہو چکا ہوتا ہے ہینگر پر ٹانگ دیں اور چھتری وغیرہ بھی وہیں رکھیں۔ آپ نے فرمایا کہ بعض دوست گیلے کوٹ کے ساتھ اندر کاؤچ پر بیٹھ جاتے ہیں اور کاؤچ کو گیلا کر کے خراب کر دیتے ہیں۔

یہ باتیں کس قدر ضروری ہیں اس کا صحیح اندازہ صرف اسی وقت ہوسکتا ہے جب انسان کسی بیرونی ملک میں جائے اور کسی کو ان باتوں کے خلاف کرتا دیکھے۔

حضرت چوہدری صاحبؓ ربوہ تشریف لائے ہوئے تھے تو آپ کو اطلاع ملی کہ نائیجیریا کے ایک مسلمان وکیل نسیم الیاس صاحب ہیگ کی عالمی عدالت کے جج مقرر ہو گئے۔ آپ نے مجھے گھر سے بلایا اور الیاس صاحب کے متعلق نہایت خوشی اور محبت کے ساتھ تمام تفاصیل پوچھیں۔

بات تو میرے نائیجیریا جانے سے پہلے کی ہے لیکن اس کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں۔ آپ 1945ء میں غالباً امریکہ جا رہے تھے۔ نائیجیریا کی جماعت نے گذارش کی کہ ان کی مسجد السجود کی بنیاد رکھتے جائیں۔ ان دنوں محترم حکیم فضل الرحمن صاحب نائیجیریا جماعت کے انچارج تھے۔ چنانچہ حضرت چوہدری صاحبؓ نائیجیریا تشریف لے گئے اور جماعت احمدیہ کی مسجد السجود کی بنیاد رکھی۔ اس تقریب میں آپ کی شمولیت نہایت بابرکت ثابت ہوئی۔ اسی مسجد السجود میں خاکسار کو بیس سال نمازیں ادا کرنے کی سعادت ملی۔ خاکسار 1945ء کے وسط میں نائیجیریا گیا اور 1964ء کے وسط میں وہاں سے واپس آیا۔ اسی مسجد السجود کا سنگ بنیاد ہمیشہ حضرت چوہدری صاحبؓ کی آمد یاد دلاتا رہا تھا اور آپ کا ذکر خیر کرنے کا موقع ملتا رہا۔

حضرت چوہدری صاحبؓ اتنے عظیم انسان تھے کہ ان کے ساتھ تو جس نے ایک مصافحہ بھی کیا ہوگا وہ اسے بھول نہیں سکے گا۔ خاکسار نے جو باتیں بیان کی ہیں وہ مختصر سہی لیکن ہمیشہ یاد رکھنے والی ہیں اور ان باتوں کو یاد کر کے دل سے دعا نکلتی ہے۔ نسیم سیفی

خلافت سے
حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحبؓ کو عشق تھا

مکرم ومحترم مولانا منیر الدین صاحب شمس، لندن

مکرم ومحترم مولانا منیر الدین صاحب شمس - ایڈیشنل وکیل التصنیف - لندن حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کے بارے میں تحریر کرتے ہیں کہ

میری یہ خوش قسمتی تھی کہ جب 1973ء میں میری تقرری نائب امام مسجد فضل لندن کے طور پر انگلستان میں ہوئی اور میں 2 جولائی کو لندن پہنچا تو چند روز کے بعد ہی 5 جولائی کو حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ ہیگ، ہالینڈ سے تشریف لائے اور مجھے آپ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے خاکسار ہند و پاکستان سے باہر سب سے کم عمر مبلغ تھا۔ حضرت چوہدری صاحبؓ نے مجھ سے فرمایا کہ وہ House of Commons میں تقریر کرنے تشریف لے جارہے ہیں اور اگر میں چاہوں تو ساتھ چلوں۔ تین روز قبل پاکستان سے انگلستان میں وارد ہونے والے کو اور کیا چاہئے تھا؟ خاکسار نے نہایت شکرگزاری کے جذبات کے ساتھ اس شفقت بھری پیشکش کو قبول کرلیا اور عرض کیا کہ صرف اجازت دیں کہ اوپر کمرہ سے ٹوپی لے آؤں۔ حضرت چوہدری صاحبؓ نیچے کار میں انتظار کرتے رہے اور جب میں نیچے آیا تو آپ نے مجھے دیکھا کہ میں صرف قمیض میں ہوں اور اوپر کوئی کوٹ یا جیکٹ نہیں پہنی ہوئی تو فرمانے لگے کہ دیکھیں آپ ابھی ابھی گرم ملک سے آئے ہیں۔ یہاں اوپر جیکٹ ضرور پہن لینی چاہئے ورنہ بیمار ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ پاکستان میں تو ہم سوٹ کے کوٹ کو کوٹ کہتے ہیں اس لئے میں نے عرض

کیا کہ میرے پاس کوٹ تو ہے لیکن کوئی جیکٹ نہیں۔ چنانچہ میں وہ کوٹ پہن کر آ گیا۔ آپ نے میری اصلاح فرمائی کہ دراصل اِسی کوٹ کو یہاں جیکٹ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ یہ حضرت چوہدری صاحبؓ کی طرف سے میری معلومات میں پہلا اضافہ تھا۔ جس کے بعد متعدد سال آپ سے ملاقات اور قریب رہنے کے مواقع میسر آتے رہے اور آپ سے بہت کچھ سیکھنے اور حاصل کرنے کی سعادت ملتی رہی۔

جب حضرت چوہدری صاحبؓ تقریر کرنے اور احباب سے ملاقاتوں سے فارغ ہوئے تو آپ نے ازراہ شفقت مجھے مسجد واپس آنے سے قبل بکنگھم پیلیس اور دریائے ٹیمز نیز دیگر مقامات کی سیر کروانے کے علاوہ بہت سی معلومات سے نوازا اور پھر اس دن کے بعد ان شفقتوں میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔

حضرت چوہدری صاحبؓ بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ آپ مبلغین سلسلہ کی بہت عزت و احترام کرتے تھے اور امیر کی اطاعت میں تو لاثانی تھے۔ جو اہم معاملہ ہوتا یا آپ سے کوئی تقریر کیلئے بھی عرض کرتا تو آپ ہمیشہ یہی فرماتے کہ پہلے امام صاحب (یعنی بشیر احمد خان صاحب رفیق جو امیر بھی تھے) سے اجازت حاصل کر لیں۔

خلافت سے تو آپ کو عشق تھا اور تن من دھن اس کیلئے قربان تھا۔ آپ سے جب پوچھا گیا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے دین و دنیا دونوں سے بے حد نوازا ہے۔ آخر اس کا راز کیا ہے؟ تو آپ کا یہی جواب تھا کہ اس کا راز صرف اور صرف خلیفہ وقت کی اطاعت اور اس سے محبت میں ہے۔

بہرحال یہ اس عظیم انسان کے بارہ میں کتاب ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اسے پڑھ کر جہاں لطف اندوز ہوں گے وہاں بہت سے امور میں آپ کو رہنمائی بھی حاصل ہوگی اور ایسے ایسے سبق و نصائح حاصل ہوں گی جو ہم سب کی زندگیوں میں راہنما ہوں گی۔ اللہ کرے کہ ایسا ہی ہو اور حضرت چوہدری صاحبؓ کی طرح ہمیں بھی اللہ تعالیٰ کی ہمیشہ تائید و نصرت کے ساتھ ساتھ دین و دنیا کی مقبول خدمات کی توفیق عطا ہوتی رہے۔ آمین۔

حضرت چوہدری صاحب ؓ کی تقریر میں عشق الٰہی کے موضوع پر بہت کچھ تھا

مکرم و محترم مولانا منیر احمد خادم صاحب قادیان

مکرم و محترم مولانا منیر احمد خادم صاحب سابق ایڈیٹر ہفت روزہ اخبار بدر قادیان حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ صاحب ؓ کے بارے میں اپنی یادوں کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

”تقسیم ملک ہوا تو ہمارے حصہ میں قیامِ قادیان کی سعادت آ گئی۔ میری پیدائش تقسیم کے پانچ سال بعد ہوئی۔ ایک بار حضرت چوہدری صاحب ؓ کو ربوہ کے جلسہ میں موٹر کار میں بیٹھے ہوئے بہت قریب سے دیکھا اور ان سے ملاقات بھی کی اور پھر جب حضرت چوہدری صاحب ؓ یکم جنوری 1974ء کو قادیان تشریف لائے تو ان کے ہمراہ اوروں کے ساتھ محترم امام بشیر احمد صاحب رفیق بھی تھے۔ قادیان کے استقبالیہ میں حضرت چوہدری صاحب ؓ کی تقریر سُنی جس میں دنیاوی باتیں تو بہت کم تھیں اور عشق الٰہی کے موضوع پر بہت کچھ تھا۔ اپنی تقریر میں اُنہوں نے پنجابی زبان میں کہا کہ جب بھی ہم کو کچھ ضرورت ہوتی ہے تو ہم تو بس کمرے کا دروازہ بند کر لیتے ہیں اور پھر اپنے رب کو جپھا مار لیتے ہیں (گلے لگا لیتے ہیں) اور اس کو کہتے ہیں کہ اب بس تجھے اُس وقت تک نہیں چھوڑیں گے جب تک تو راضی نہیں ہوگا۔ یہ بات انہوں نے اس قدر محبت سے پنجابی لہجہ میں بیان کی کہ سُننے والے بس عش عش کر اُٹھے۔ اُن کے چند یوم قیام قادیان میں یوں لگا کہ وہ ایک بے نفس انسان ہیں جو دنیا میں رہتے ہوئے بھی دنیا کے نہیں تھے۔

◆

جب چوہدری صاحب نے لندن کو الوداع کہا پاکستان میں مستقل رہائش کیلئے انگلستان سے آخری سفر کی خوبصورت اور دلآویز روداد

مکرم چوہدری منصور احمد صاحب بی ٹی لندن

موسم گرما سرزمینِ مغرب میں رنگینیاں بکھیر کر رخصت ہوگیا۔ اداس اداس راگ الاپتی ہوئی خزاں لندن کی بھیگی بھیگی شاموں کو سوگوار کر رہی تھی اور اس سال یہ سوگواری کچھ زیادہ ہی رنجیدہ و سنجیدہ ہے اور کیوں نہ ہو آج لندن سے وہ ہستی روانہ ہونے والی ہے جس کا وجود باغ و بہار ہے جو اپنی ذات میں ایک انجمن ہے اس کی ذات والا صفات سے اہل علم بھی فیض یاب ہوتے ہیں اور قانون دان بھی، اہل دانش بھی اور اہل سیاست بھی، جس کی صحبت سے بڑے بھی فائدہ اٹھاتے ہیں نوجوان بھی راہبری حاصل کرتے ہیں اور بچے بھی سبق لیتے ہیں دُنیا اس نابغۂ روزگار وجود کو بڑے بڑے القاب سے مخاطب کرتی ہے مگر ہم اسے ''باباجی'' اور حضرت چوہدری صاحب کے نام سے ہی جانتے ہیں۔

حضرت چوہدری صاحب کا رختِ سفر باندھنا کوئی نئی بات نہیں۔ وہ تو ہر وقت ہی سفر کے لئے تیار رہتے، کبھی کہیں سے پیغام آرہے ہیں اور کبھی کہیں سے دعوت نامے موصول ہو رہے ہیں۔ کوئی قانون کی گُتھی سُلجھانے کے دعوت دے رہا ہے تو کوئی اللہ کے گھر کی بنیادی اینٹ رکھنے کی دعوت دے رہا ہے۔ الغرض کسی نہ کسی سمت کی تیاری رہتی ہے۔ علاوہ ازیں یہ طریق بھی ایک لمبے عرصہ سے جاری تھا کہ موسمِ سرما کی آمد کے ساتھ وطن واپس جانے کا پروگرام بنتا اور موسم بہار کی آمد کے ساتھ وطن سے واپسی ہوتی۔ اُن کی شفقت کے طفیل اُن کے سفر کی تفاصیل سے کسی قدر مجھے بھی آگاہی ہوتی گاہے ہوائی جہاز کے ٹکٹ کے حصول اور متعلقہ سفری امور کے بارے

میں خاکسار کی خدمات پر خوشی کا اظہار فرماتے اور ہمیں اس طرح اُن کے قریب ہونے کے مواقع میسر آتے رہتے۔

واپسی کا سفر

نومبر 1982ء کی ایک صبح کو حضرت چوہدری صاحب کا ارشاد موصول ہوا کہ ”لاہور جا رہا ہوں۔“ مَیں تفصیلات سُننے کے لئے حاضر خدمت ہوا تو اور باتوں کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوا کہ امسال ٹکٹ یک طرفہ لینا ہے۔ بمشکل جذبات کو یک جا کیا اور عرض کی کہ ”چوہدری صاحب! یہ کیا سُن رہا ہوں ہم تو آپ کی واپسی کا انتظار جلسہ سالانہ کے فوراً بعد شروع کر دیتے ہیں مگر آپ آج ہمیں لطفِ انتظار سے بھی محروم کئے دے رہے ہیں؟ آپ نے انگریزی میں فرمایا

Mansoor! i do not like to go in a box

مَیں تابوت میں بند ہو کر واپس نہیں جانا چاہتا۔

یہ ہلا دینے والی غیر متوقع بات سُن کر مَیں سکتے میں آ گیا۔ سخت سے سخت دل بھی ایسے وقت میں بھر آتا اور یہاں تو دل بھی انسان کا تھا جو کسی کا ذرہ سا دکھ سُنکر چھلنی ہو جاتا ہے۔ آخر ہمت کر کے میں نے پھر عرض کی چوہدری صاحب! آپ کی ذات والا سے تو ہمیں زندگی کے سبق ملتے ہیں۔ آج یہ مایوسی اور تضاد کیا ہے؟ مجھے تسلی دیتے ہوئے فرمایا ”انسان پر ایسا وقت آ جاتا ہے۔ اب مَیں کمزور ہو گیا ہوں۔ مجھے ہر وقت کسی نہ کسی کی موجودگی کی ضرورت رہتی ہے (محترم انور صاحب کا ہلوں اور بیگم صاحبہ چوہدری انور احمد صاحب) انور اور امینہ بیگم میرا بہت خیال رکھتے ہیں۔ مجھے بھی تو اُن کا خیال چاہیے۔ ادھر (محترمہ) امۃ الحئی کی خواہش ہے کہ مَیں واپس لوٹ آؤں“ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد فرمایا کچھ احمدی خواتین آج صبح تشریف لائیں تھیں میری اس بات پر بہت روئیں۔ آخر مجھے اُن کو سمجھانا پڑا۔“ کچھ دیر اور بیٹھا۔۔۔ اور بیٹھنا بھی ایسا تھا کہ باقی وقت نظریں اُس پُرنور چہرہ پر مرکوز رہیں۔۔۔ اور آنکھیں اشکبار۔۔۔ جذبات کا لامتناہی

سلسلہ تھا۔۔۔ وہ تھے۔۔۔ میں تھا۔۔۔ اور خاموشی تھی۔۔۔ اور خاموشی بھی ایسی کے جس پر ہزار داستانیں قربان۔ مَیں چلا آیا۔

اظہارِ عقیدت

آخر یہ خبر عام ہو گئی کہ چوہدری صاحب اس سال واپس نہ آنے کے ارادے سے وطن واپس لوٹ رہے ہیں۔ جوں جوں یہ خبر جماعت میں پھیلنے لگی احبابِ کرام بغرض ملاقات تشریف لانے لگے اور یہ سلسلہ وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتا گیا حتیٰ کے چوہدری صاحب کو جہاں یہ خیال تھا کہ کسی کی دل شکنی نہ ہو وہاں اس خیال سے بھی ملاقاتوں میں مشکل پیش آ رہی تھی کہ ان کے پاس وقت کم ہے۔ مگر پھر بھی ہر کس و ناکس سے بلا امتیاز ملاقات فرماتے رہے اور دعائیں دیتے رہے مگر دوست تھے کہ اُمڈتے چلے آ رہے تھے حتی کے آپ کو یہ اعلان کروانا پڑا کہ 12 نومبر 1983ء کو امام صاحب بیت الفضل نے مجھے ''محمود ہال'' میں حاضر ہونے کا ارشاد فرمایا ہے اس لئے ملاقات اس موقعہ پر ہو جائے گی اور اس روز کے بعد دوست براہِ کرم ملاقات کے لئے تشریف نہ لائیں۔ مَیں معذرت خواہ ہوں وقت کم ہے کام زیادہ۔ ابھی بہت سے خطوط کا جواب دینا ہے۔''

چنانچہ وقتِ مقررہ پر محمود ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا اور تِل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ خواتین کا علیحدہ انتظام تھا مگر وہ بھی جگہ کی تنگی کی نظر ہو گیا۔ کیا بوڑھا اور کیا جوان کسی بچے اور مستورات الغرض ہر شخص اظہارِ عقیدت کے لئے جمع تھا۔ حضرت چوہدری صاحب کی ایک خدمات جلیلہ کا ایک مختصر مگر جامع الفاظ میں ذکر مکرم مولانا شیخ مبارک احمد صاحب نے کیا اور حضرت چوہدری صاحب کی صحتِ کاملہ اور سفر کے بخیر ہونے کے لئے درخواستِ دعا کے بعد مکرم مبارک احمد ساقی صاحب نے ایک الوداعی سپاس نامہ پیش کیا اور نہایت رقّت بھرے انداز میں یہ بھی فرمایا کہ ''تعمیل ارشاد میں یہ بات احباب کی خدمت میں عرض کی ہے کہ اگر کسی صاحب کو حضرت چوہدری صاحب سے کوئی شکایت، کوئی شکوہ ہو تو اب موقع ہے بیان کرے۔'' شکوہ شکایت کا تو سوال ہی نہ تھا احباب

کرام وفورِ جذبات کے زیر اثر اشکبار آنکھوں سے حضرت چوہدری صاحب کے چہرہ کو دیکھ رہے تھے۔ مکرم چوہدری صاحب کی دل کی حالت کا اندازہ کون لگا سکتا ہے؟ آخر سکوت کو ساقی صاحب نے توڑا اور بآواز بلند یہ اعلان کیا کہ

حضرت چوہدری صاحب سے کسی کو کوئی شکایت نہیں بلکہ ہم سب کسی نہ کسی رنگ میں ان کے احسانات کے تلے ہیں لیکن پھر بھی ہم بآواز بلند ''معافی'' کا اعلان کرتے ہیں چنانچہ ساقی صاحب نے بآواز بلند تین بار کہا معاف... معاف... معاف۔

درد بھرے دلوں اور کپکپاتے لبوں سے ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ'' کہتے ہوئے غم زدہ لوگ بوجھل بوجھل قدم اٹھاتے ہوئے اس جلیل القدر انسان سے مصافحہ کرتے ہوئے اشکبار ہو رہے تھے ایسی الوداعی مجلس لندن میں کبھی دیکھنے میں نہ آئی تھی۔ دل پھٹے جا رہے تھے۔ جذبات اُمڈے جا رہے تھے۔ سسکیوں کی مدھم مدھم آوازیں ماحول کو سوگوار کر رہی تھیں۔

روزِ سفر

آخر 19 نومبر آ ہی گیا۔ اُس روز محترم چوہدری صاحب نے وطن واپس روانہ ہونا تھا پرواز کا وقت ایک بجے دوپہر تھا اہل خانہ اور نہایت قریبی احباب گیارہ بجے مطار کے لئے روانہ ہوئے۔ امام صاحب بیت الفضل لندن اور مربیان کرام اور مجلس عاملِ کے چنیدہ احباب ''ہیتھرو'' کے لئے روانہ ہو چکے تھے۔ ان تمام احباب کے علاوہ ایک اور ہستی بھی ائر پورٹ جانے کے لئے بے قرار تھی مگر اس عام اعلان کے پیش نظر کہ 'احباب ائر پورٹ پر تشریف نہ لے جائیں'' وہ اپنے آپ کو مجبور پا رہی تھی۔ خاکسار کو جہاں اُس ہستی کے جذبات کا علم تھا۔ وہاں اس بات سے بھی باخبر تھا کہ چوہدری صاحب خود بھی اس ہستی کو پیار اور محبت سے دیکھتے ہیں۔ وہ ہستی جس نے سالہا سال حضرت چوہدری صاحب کی خدمت کی ساری جماعت احمدیہ حضرت چوہدری صاحب سے پیار کرتی ہے اور چوہدری صاحب اس ہستی سے پیار کرتے ہیں۔ وہ بزرگ اور دعا گو ہستی ہمارے

اپنے ’’بھائی جی‘‘ کی ہستی ہے جسے دُنیا شیخ محمد حسن صاحب کے نام سے جانتی ہے۔ چنانچہ انہیں ساتھ لے جانے کی اجازت حاصل کر لی۔ پاکستان انٹرنیشنل ائر لائن کے مینیجر سیلز مینیجر (لندن) مکرم خواجہ سلیم جہانگر صاحب نے کمال عقیدت سے اپنے فرائض منصبی ادا کرتے ہوئے تمام ضروری انتظامات کروا دئے اور تمام متعلقہ احباب نے لندن اسلام آباد اور لاہور ائیر پورٹ میں جس محبت تندہی اور خلوصِ دل سے فرائض کی بجا آوری کی۔ اور چوہدری صاحب کی دعاؤں سے حصہ پایا وہ اب تاریخ کا حصہ بن چکا ہے۔ ’’شالیمار لاؤنج‘‘ میں سب احباب جمع ہو گئے اور ہم سب کے علاوہ پی آئی اے کے سرکردہ عہدیداران بھی حضرت چوہدری صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے اپنے جذبات کا اظہار فرماتے رہے۔ اور پھر ساڑھے بارہ بجے ایک لمبی اور پُر سوز دعا کے بعد روانگی ہوئی۔ حضرت چوہدری صاحب کو پہیوں والی کرسی (ویل چیئر) پر بٹھایا گیا۔ جسے مکرم علیم الدین صاحب (پی آئی اے) نہایت احتیاط اور محبت سے چلا رہے تھے یہ عاجز ساتھ ساتھ تھا۔ تمام ممبران قافلہ خراماں خراماں چلے آ رہے تھے۔ مسافروں کی آرام گاہ میں داخل ہونے سے قبل مکرم چوہدری صاحب نے سب کو ’’السلام علیکم‘‘ کہا دعائیں دیں خواتین سے بھی بھابھی جان (محترمہ امینہ بیگم صاحبہ) میری اہلیہ متین احمد اور بیٹی طاہرہ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور عزیزان کرشن محمود، طارق محمود خالد محمود (ابن حسن صاحب) کو پیار سے دیکھا اور لاؤنج میں تشریف لے گئے۔ پی آئی اے کی انتظامیہ نے بہت عمدہ اور احسن انتظام کر رکھا تھا۔ جہاز کے کپتان خود تشریف لائے اور مہمانِ خصوصی کو خوش آمدید کہا اور اپنے نائبین کو ضروری ہدایات دیں۔ راقم الحروف کے بارے میں بھی خاص ہدایات دیں کہ انہیں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہو اور جب چوہدری صاحب یاد فرمائیں یا خود ان کے پاس جانا چاہیں کوئی روکاوٹ نہیں ہونی چاہیے۔‘‘ جزاہم اللہ احسن الجزاء۔

دوران پرواز بہت سے ہم سفروں سے چوہدری صاحب سے ملاقات کی خواہش کی میرے دفتر کے دو ساتھی مکرم ملک اسلم حمید صاحب اور مکرم محمد یونس صاحب بھی اُسی جہاز میں سفر کر رہے

تھے۔ اُنہوں نے بھی اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ چوہدری صاحب نے کھانے کے بعد اُن سے ملنا پسند فرمایا۔ چنانچہ دونوں حضرات وقت مقررہ پر تشریف لے آئے۔ زیادہ تر یونس صاحب سوالات کرتے رہے اور کبھی کسی وائسرائے کا ذکر ہوتا تو کبھی مسلم لیگ اور کانگریس کے متعلق معلومات حاصل ہوتیں۔ چوہدری صاحب بھی بہت خوش تھے پرانے تاریخی واقعات کا ذکر ہوتا رہا عین ممکن ہے کہ یہ گفتگو اور لمبی ہوتی مگر ائر ہوسٹس کی مداخلت کہ ''اب چائے کا وقت ہو گیا۔'' کے باعث دونوں احباب نے اجازت چاہی۔''

مَیں پتھروں میں بھی سویا ہوں

کھانے کے بعد میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی کہ چوہدری صاحب! اگر آپ پسند فرمائیں تو تھوڑی دیر آرام فرمالیں۔ ارشاد ہوا ''روٹی وی کھالئی سے تے نمازاں وی پڑھ لیّاں نے، گلّاں وی کرلیّاں نے ہُن تیری گل من لیئے۔'' (یعنی روٹی کھالی ہے۔ نمازیں پڑھ لی ہیں۔ باتیں بھی کر لیں ہیں اب تمہاری بات مان لینی چاہیے۔) چنانچہ مَیں نے سہارا دے کر اٹھایا دوسیٹوں کا ایک پلنگ نما بستر بنایا خوب کمبل اور تکھئے رکھے میری اس کاروائی کو آپ بغور دیکھتے رہے۔ پھر جب مَیں نے عرض کیا کہ چوہدری صاحب آئیں میں آپ کو لٹادوں تو میرے کندھے پر نہایت مشفقانہ ہاتھ رکھا اور فرمایا

چوہدری صاحب: میرے لئے نرم بستر بنا رہے ہو؟

منصور: کوشش میں ہوں پی آئی اے نے جو کچھ دے رکھا ہے۔ بس وہ سب چیزیں مَیں نے رکھ دی ہیں اللہ کرے بستر واقعی نرم ہو۔

چوہدری صاحب: تمہیں معلوم نہیں کہ مَیں پتھروں پر بھی سویا ہوں،

منصور: مجھے یہ فخر ہے کہ مَیں نے آپ کی بہت سی تقریریں سُنی ہیں مجھے یاد نہیں کہ آپ نے

کبھی یہ بات بیان کی ہو۔

چوہدری صاحب: ہاں میرا بھی یہی خیال ہے اس واقعہ کا ذکر نہیں ہوا۔

منصور: تو پھر چوہدری صاحب۔ پتھروں پر سونے کا پس منظر بیان کر دیں؟

چوہدری صاحب: پرانی بات ہے مَیں نے گوجرانوالہ سے رات کی گاڑی پکڑنی تھی معلوم ہوا کہ گاڑی چار پانچ گھنٹہ کے بعد آئے گی۔ اب مَیں نے سوچا کہ رات یہیں گزاروں۔ چنانچہ پلیٹ فارم کی سیٹوں پر لیٹ گیا۔

منصور: آئیں اب پلٹ فارم تو نہیں ہے مگر ان سیٹوں پر لیٹ جائیں۔

مَیں نے احتیاط سے انہیں لٹایا۔ خُنکی بڑھ رہی تھی اس لئے جسم کے ارد گرد خوب کمبل لپیٹ دئے تکیے ٹھیک سے رکھے اس کے بعد عرض کی کہ چوہدری صاحب! ایک دفعہ مَیں نے آپ سے سُنا تھا کہ آپ کو لیٹتے ہی نیند آجاتی ہے اور تین منٹ کے اندر اندر آپ گہری نیند میں سو جاتے ہیں کیا اب بھی یہی صورت ہے۔؟

چوہدری صاحب: ہاں اب بھی مجھے تین منٹ کے اندر نیند آجاتی ہے مگر ایک فرق ہے پہلے جب سوتا تھا تو پوری نیند لے کر اٹھتا تھا مگر اب سونے کے دوران گاہے گاہے بیدار ہو جاتا ہوں اور اب تو یہ حالت ہے کہ بس ایک گھنٹہ سویا پھر آنکھ کھلی۔

منصور: اچھا چوہدری صاحب آج میں دیکھوں گا کہ واقعی آپ تین منٹ کے اندر سوتے ہیں کہ نہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ابھی دو منٹ بھی نہ ہوئے تھے کہ وہ ہستی جس نے سوئی ہوئی قوموں کو بیدار کرنے کے لئے اپنی زندگی گذار دی نیند کے عالم میں چلی گئی اور مَیں تیز خیالات کی لہروں میں ہچکولے کھانے لگا۔

خدمت میں ہے سعادت

ابھی مَیں اپنی سیٹ پر آکر بیٹھا ہی تھا کہ ائر ہوسٹس نے اطلاع دی کہ سر ظفر اللہ انہیں بلا

رہے ہیں۔ فوراً حاضرِ خدمت ہوا تو چوہدری صاحب کو بیٹھے ہوا پایا۔ مَیں نے عرض کیا چوہدری صاحب نیند نہیں آرہی آپ جلدی سے اٹھ گئے فرمایا ’’نیند تو آ گئی تھی بس اتنا ہی آرام کرنا تھا پھر مجھے کہا کہ میرے موزے بدل دیں اور ایک نئے موزے کی جوڑی میرے طرف بڑھا دی۔ مَیں چوہدری صاحب کے سامنے فرش پر بیٹھ گیا اور موزے پہنانے کی خاطر ان کا پاؤں فرش سے اٹھا کر اپنے ہاتھوں میں لیا۔ انگلیوں پر ہلکے ہلکے زخم تھے اور پٹی بھی بندھی ہوئی تھی۔ مجھے کچھ اس خیال سے کہ نئے موزے پہناتے وقت پاؤں میں مزید تکلیف نہ ہو اور پھر کچھ اس خیال سے کہ ’’منصور! آج حضرت بانئ سلسلہ کے ایک جلیل القدر صحابی کے پاؤں چھونے کا موقع میسر آیا ہے۔‘‘ میں نے بہت احتیاط سے مگر ہولے ہولے موزے پہنانے شروع کئے۔ ممکن ہے کہ مَیں اپنے خیالات میں کچھ زیادہ ہی گُم ہو جاتا ہوں کہ چوہدری صاحب کے اس سوال پر کہ کیا موزہ تنگ ہے مَیں چونک پڑا۔ عرض کی نہیں چوہدری صاحب تنگ تو نہیں ہے مَیں خود ہی آہستہ آہستہ پہن رہا ہوں۔ علاوہ احتیاط کے یہ بھی خیال میرے ذہن میں تھا کہ اس پاؤں کو زیادہ سے زیادہ دیر تک اپنے ہاتھوں میں رکھوں خدا جانے پھر کبھی ایسا موقع میسر آئے کہ نہ آئے۔

منزل بہت سرعت سے قریب سے قریب تر آ رہی تھی باتوں باتوں میں چوہدری صاحب نے فرمایا کہ کپتان سے رابطہ قائم کرو اور یہ معلوم کرو کہ ہمارا جہاز کس وقت ایسے مقام میں پہنچے گا جہاں ہم فجر کی نماز ادا کر سکیں کیونکہ میرا تجربہ ہے کہ ہوائی جہاز میں سفر کرتے وقت اس بات کا بہت خیال رکھنا پڑتا ہے کہ صبح صادق شروع ہوتے ہی روشن دن میں بدل جاتی ہے۔ اس لئے مَیں چاہتا ہوں کہ ہمیں صحیح وقت کا علم ہونا چاہیے۔ چنانچہ اس ارشاد کی تعمیل بفضل خدا احسن طور پر ہو گئی۔ اور نماز فجر ادا ہو گئی۔ ہماری رفتار پرواز عین وقت کے مطابق تھی بلکہ موافق ہوا ہونے کی وجہ سے ہم قدرے وقت سے پہلے پہنچنے والے تھے۔ ہمیں اسلام آباد کے ہوائی مستقر پر صبح کے چار بج کر پچاس منٹ پر پہنچنا تھا مگر غالب خیال یہی تھا کہ ہم شاید دس منٹ پہلے ہی پہنچ جائیں۔ چنانچہ

حضرت چوہدری صاحب فرمانے لگے کہ ہماری لاہور کی پرواز کا وقت صبح کے 9 بجے ہے لیکن اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں اسلام آباد چار گھنٹے انتظار کرنا ہوگا۔ مَیں نے تجویز پیش کی کہ اگر چوہدری صاحب پسند فرماویں تو صبح چھ بجے جو جہاز لاہور جاتا ہے اس سے چلیں اس پرواز سے جانے کا فائدہ یہ ہوگا کہ ہم جلد لاہور پہنچ جائیں گے۔ مگر اس میں ایک بات یہ ہے کہ اس میں فرسٹ کلاس نہیں ہوتی۔ چھوٹا جہاز ہے۔ فرمانے لگے'' فرسٹ کلاس کے نہ ہونے سے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تمہاری رائے بہتر ہے مگر ہماری ریزروشن تو 9 بجے والی پرواز میں ہے۔ حمید (مکرم حمید نصر اللہ خان صاحب) کو بھی مَیں نے یہی کہا تھا کہ اُسی پر سیٹ بُک کروائے۔ اب اگر پروگرام بدلہ تو ممکن ہے کہ دقّت ہو۔'' مگر میرے اصرار پر فرمایا کہ'' تجویز معقول ہے۔ اُسی سے چلیں گے اب ایک کام کرو کہ کسی طرح حمید کو بھی اطلاع ہو جائے۔'' سو خدا کے فضل سے یہ جہاز کے کپتان صاحب کے توسط سے بغیر کسی دقّت کے ہو گیا اور کپتان صاحب نے خود آ کر یہ اطلاع دی کہ'' صبح والی پرواز میں آپ کا اور آپ کے ساتھیوں کا انتظام ہو گیا ہے۔ تھوڑی دیر میں ہم اسلام آباد کے بین الاقوامی مستقر پر اتر رہے تھے۔ جہاز کے انجن بند ہوئے تو اس وقت صبح کے چار بج کر چالیس منٹ تھے۔ چوہدری صاحب کی روانگی سے قبل جہاز کے کپتان اور دیگر اراکین فرسٹ کلاس کی لاؤنج میں آئے اور نہایت ادب اور وقار کے ساتھ ایک قطار میں کھڑے ہو گئے۔ مَیں نے چوہدری صاحب کو کوٹ پہنایا۔ ساتھ والا سامان لیا اور آہستہ آہستہ ان کے ساتھ چل دیا چوہدری صاحب کا ایک ہاتھ میرے کندھے پر تھا اور دائیں ہاتھ سے تمام لوگوں سے مصافحہ کیا۔ کپتان کا شکریہ ادا کیا اب سیڑھی لگ چکی تھی۔ جونہی ہم جہاز کے دروازے سے نکل کر باہر آئے تو اسلام آباد کی پیاری صبح کا سماں آنکھوں کے سامنے تھا۔ دل لبھانے والی لطیف ہوا چل رہی تھی۔ اس نے چوہدری صاحب کے چہرہ کو اور منور کر دیا۔ ہم آہستہ آہستہ سیڑھیوں سے اتر رہے تھے۔ جمبو جہاز کی سیڑھیوں سے اترتے وقت کم ازکم سات آٹھ منٹ لگ گئے ہوں گے مگر مَیں نے محسوس کیا جب

تک چوہدری صاحب نہیں اتر گئے ہوائی مستقر کا ہر شخص نہایت ادب اور احترام سے کھڑا رہا۔ یوں بھی مشرقی لوگ اپنے جذبات کے اظہار میں کنجوسی نہیں کرتے اور پھر اہل پنجاب تو جب تک اونچی آواز میں خوش آمدید نہ کہہ لیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اغلباً محبت ذرا کم ہوگئی ہے مگر اس وقت جب کے حضرت چوہدری صاحب کا وجود ان میں تھا مجھے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ پاکستان کا ایک بزرگ لیڈر کو مرحبا کہہ رہا ہے۔ جو ساری دنیا میں اپنے وطن کا نام روشن کر کے گھر واپس آیا ہے۔ کیا خاموشی تھی سب کی نگاہیں ایک وجود پر مرکوز تھیں اور وہ وجود تمام ہنگاموں سے بے نیاز خراماں خراماں چلا جا رہا تھا۔

تصویر سچی ہے

سیڑھیوں سے نیچے اترے تو پی آئی اے کے ایک سپیشل پسینجر ہنڈلنگ آفیسر کے علاوہ مکرم جناب حمید نصر اللہ خان صاحب اور مکرم جناب عبدالوہاب صاحب کو موجود پایا مصافحہ و معانقہ کے بعد ہم اسلام آباد کے نہایت خوبصورت وی آئی پی لاؤنج میں پہنچے۔ حسن اتفاق کہ وہاں کوئی صوبائی وزیر پنجاب کے اعلیٰ پولیس افسران کے ساتھ نہایت اطمینان کے ساتھ مصروفِ گفتگو تھے مگر جونہی حضرت چوہدری صاحب پر ان کی نظر پڑی تو وہ فوراً کھڑے ہو گئے اور پھر حضرت چوہدری صاحب تشریف فرما ہوئے تو ایک طرف مکرم حمید نصر اللہ صاحب بیٹھ گئے دوسری طرف مکرم وہاب صاحب اور خاکسار ان کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا کہ اتنے میں وزیر صاحب موصوف تشریف لائے نہایت ادب اور احترام سے چوہدری صاحب کو السلام علیکم کہا اور سر جھکا کر نہایت ادب سے کھڑے ہو گئے۔ چند لمحوں کے بعد وزیر موصوف نے خاموشی کو توڑا اور عرض کی ہمارے لائق کوئی خدمت؟ حضرت چوہدری صاحب نے ''جزاکم اللہ'' کہا اور شکریہ ادا کیا۔ جس پر وہ اجازت لے کر چلے گئے۔ مگر بوجہ ادب کے اُنہوں نے قدم پیچھے اٹھانے شروع کئے اور سر جھکائے آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے چلے گئے۔

اب مجھے چوہدری صاحب کے سامان کی وصولی کے لئے جانا پڑا۔ پی آئی اے کے ایک نوجوان اور مستعد صاحب میرے ساتھ چلے۔ سامان کے Tag انہیں کے پاس تھے۔ میں تو محض سامان وصولی کے لئے ان کے ساتھ گیا۔ تھوڑی دیر میں ہمارا سامان آ گیا۔ تو ہم نے اسے چیک کروانے کے لئے کسٹم آفیسر کے سامنے کھول کر سامان دیکھنا چاہا تو چابی کی ضرورت ہوگی اور وہ حضرت چوہدری صاحب کے پاس ہے چنانچہ وہ نوجوان دوڑتے ہوئے وی آئی پی لاؤنج میں پہنچے اور مدعا بیان کی چوہدری صاحب نے ہنس کر فرمایا کہ ’’سامان کو تالا نہیں لگا ہوا بلکہ بکس کھلا ہوا ہے۔‘‘ اس بے چارے کی حیرانگی کی کوئی انتہاء نہ رہی۔ واپس آئے تو مجھے کہا اور بہت حیرانگی کا اظہار کیا۔ ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ پی آئی اے کے ایک نہایت بزرگ صورت ملازم جنہوں نے ادنیٰ سی وردی پہن رکھی تھی۔ مجھ سے یوں مخاطب ہوئے ’’صاحب آپ چوہدری صاحب کے ساتھ آئے ہیں۔؟ مَیں نے اثبات میں سر ہلایا تو کہنے لگے کل کے اخبار میں ایک مضمون چھپا تھا۔ اس میں چوہدری صاحب کی تصویر بھی چھپی تھی مگر مضمون کسی مخالف نے لکھا ہوا تھا کیونکہ اس نے چوہدری صاحب پر بہت جھوٹے الزامات لگائے ہوئے تھے مگر جب مَیں اس تصویر کو دیکھتا تو مجھے یقین نہیں آتا تھا کہ مضمون نگار نے سچ بولا ہے کیونکہ تصویر سچی تھی اور مضمون جھوٹا اور آج جب کہ مَیں نے خود چوہدری صاحب کو دیکھ لیا تو مجھے یقین ہو گیا کہ جو باتیں مضمون نگار نے مخالفانہ رنگ میں تحریر کی ہیں وہ بالکل غلط ہے۔ پھر اُنہوں نے فرمایا کہ صاحب اگر اجازت دیں تو اس (چوہدری صاحب) کے سامان کو مَیں اٹھا لوں۔ مَیں نے کہا اس کام کے لئے تو مَیں لندن سے ساتھ آیا ہوں کوئی خاص ضرورت تو نہیں اس پر مَیں نے اُنہیں روپیوں کی صورت میں کچھ دینا چاہا تو وہ بزرگ رو پڑے اور کہنے لگے کہ ’’صاحب اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت کچھ دے رکھا ہے۔ مَیں روپیوں کے لئے سامان نہیں اٹھانا چاہتا تھا بلکہ اس غرض سے سامان کو چھونا چاہتا ہوں کہ یہ پاک اور بزرگ انسان کا سامان ہے اور مَیں اپنے بچوں اور آنے والی نسلوں سے کہہ سکوں گا کہ

چوہدری صاحب کا سامان مَیں نے اٹھایا تھا۔‘‘ چنانچہ اس پر مَیں نے اجازت دے دی اور ہم لاؤنج سے باہر آ گئے۔ اُس شخص کی خوشی اور مسرت قابل دید تھی۔

جذبہ محبت کا کرشمہ

چوہدری صاحب اور چوہدری حمید نصر اللہ خان صاحب کو چھ بجے والی فلائٹ پر رخصت کرنے کے بعد وہاب صاحب کی قیادت میں اپنی خالہ جان کے گھر پہنچا۔ وہ بیچارے مجھے صبح صبح دیکھ کر بہت حیران ہوئے۔ مگر اپنی راویتی محبت اور پیار سے انہوں نے جلدی جلدی ناشتہ تیار کیا کیونکہ مجھے پھر واپس ائرپورٹ جانا تھا تا کہ صبح 9 بجے والی فلائٹ سے لاہور پہنچ سکوں۔ لیکن ابھی ناشتہ ہو ہی رہا تھا کہ برادرم نصیر احمد صاحب تشریف لائے اور کہا کہ منصور! فوراً ائرپورٹ پہنچو کیونکہ جس جہاز سے چوہدری صاحب لاہور گئے تھے وہ واپس اسلام آباد آ گیا ہے۔ مَیں نے پوچھا خیریت تو ہے کہنے لگے کہ مجھے کچھ معلوم نہیں۔ وہیں چل کر معلوم ہوگا۔ چنانچہ ہم فوراً ائرپورٹ پہنچے۔ وی آئی پی لاؤنج میں جب دونوں چوہدری صاحب کو بخیریت دیکھا تو اطمینان ہوا۔ اور مکرم چوہدری صاحب نے مجھے دیکھتے ہی زور سے فرمایا کہ

Mansoor we could not go with out you.

مَیں نے عرض کیا چوہدری صاحب واپسی کیسے ہوگئی فرمانے لگے ’’لاہور ائرپورٹ پر بہت دھند تھی جہاز کا اتر نا ممکن نہ تھا۔ اس لئے واپسی ہوگئی۔‘‘ پھر ہم سب نو بجے والی فلائٹ سے اپنے پہلے پروگرام کے مطابق روانہ ہوئے اور نہایت اطمینان سے قریباً ساڑھے دس بجے چوہدری حمید نصر اللہ خان صاحب کی کوٹھی پر پہنچ گئے۔ جس کے بعد چوہدری صاحب سے اجازت لی۔ انہوں نے بہت محبت اور پیار سے رخصت کیا اور ڈھیر ساری دعائیں دیں اور مَیں بوجھل قدموں سے وہاں سے روانہ ہوا۔

شام کو ربوہ پہنچ گیا۔ اگلے دن حضور نے ملاقات کا شرف بخشا۔ میرے پیارے آقا نے

باوجود اس دن ملاقات کا وقت نہ تھا مجھے نہایت محبت اور پیار سے گلے لگایا۔ غالباً میرے آنے کی اطلاع تھی۔ کیونکہ مجھے دیکھتے ہی فرمایا ”خیریت سے پہنچ گئے۔“ میں نے عرض کیا! آپ کے دوست کو ساتھ لایا ہوں دریافت فرمایا کہ ”وہ خیریت سے ہیں۔“ اختصار سے عرض کر دیا۔ اور پھر حضور اقدس کی اجازت اور دعائیں لیتا ہوا اُسی شام ربوہ سے کراچی اور پھر کراچی سے لندن پہنچ گیا۔ الحمدللہ۔

اور اب 19 نومبر کا دن میری زندگی کا ایک ناقابل فراموش دن بن چُکا ہے اور اس کا ایک ایک لمحہ میرے لئے باعثِ برکت بھی ہے باعث رحمت بھی ہے۔ بس

”میرا جذبۂ محبت میرے کام آ گیا ہے۔“

(رسالہ خالد دسمبر 1985ء جنوری 1986ء صفحہ 173 تا 180)

* * *

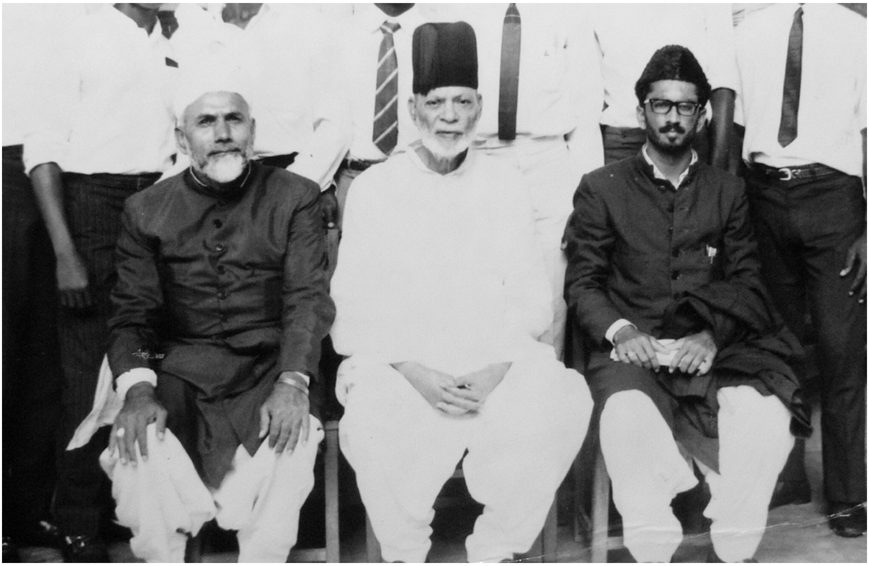

محترم چوہدری سر محمد ظفراللہ خاں

پروفیسر ڈاکٹر ناصر احمد پرویز پروازی کی نظر میں

پروفیسر سابق صدر شعبہ اردو تعلیم الاسلام کالج ربوہ

(مکرم پروفیسر ڈاکٹر ناصر احمد صاحب پرویز پروازی صاحب، پروفیسر سابق صدر شعبہ اردو تعلیم الاسلام کالج ربوہ نے پروفیسرز وائین ولاکس اور آئیسلی ۔ ٹی ۔ ایمبری کے متعدد موقعوں پر سر محمد ظفراللہ خاں صاحب سے 1962ء اور 1963ء کے دوران نیو یارک شہر میں حاصل کئے گئے، متعدد انٹرویوز کو اردو زبان میں ''کاغذی پیرہن'' کے نام سے شائع کیا ہے۔ ان انٹرویوز میں محترم چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب کی سیاسی زندگی کے اوپر زیادہ گفتگو ہے۔ مکرم ڈاکٹر پرویز پروازی صاحب کا مندرجہ ذیل مضمون اس کتاب کا دیباچہ ہے۔ یوں تو ساری کتاب ہی پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے لیکن طوالت کتاب کے پیش نظر ڈاکٹر صاحب کا یہ مضمون اور انٹرویو کا ایک نمونہ اگلی سطور میں پیش کیا جارہا ہے۔ مرتب)

محترم پروفیسر ڈاکٹر ناصر احمد پرویز پروازی تحریر کرتے ہیں کہ

''برصغیر کی تحریک آزادی میں مسلمانانِ ہند نے بھی پورے جوش وخروش اور ولولہ سے حصہ لیا۔ کچھ سیاسی میدان میں آزادی کے لئے کوشاں رہے اور کچھ انتظامی دائرہ عمل میں سعی کرتے رہے۔ مسلمانوں کے جن زعماء نے اپنے اثر ورسوخ اور تدبر کو اپنی قوم کی بہبودی کے لئے وقف کئے رکھا ان میں سر سلطان محمد خان، آغا خان سوم کا نام نامی سرفہرست ہے۔ مسلم لیگ کے قیام اور اس کے استحکام میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے۔ پنجاب کے جن بڑے لوگوں نے اس میدان میں سرگرمی دکھائی ان میں سر محمد شفیع اور سر محمد اقبال کے نام نمایاں ہیں۔ مگر جب ڈایارکی یعنی عملی کا نظام نافذ ہوا تو سر محمد شفیع کی جگہ سر فضل حسین نے لے لی کیوں کہ سیاسی جوڑ توڑ میں ان کا کم از کم پنجاب

میں کوئی حریف نہ تھا۔ اور پنجاب ہی ایسا صوبہ تھا جس میں مسلمانوں کی اکثریت تھی مگر اس اکثریت کو مؤثر بنانے اور فعال کرنے کے لئے جس تدبر اور سوجھ بوجھ کی ضرورت تھی وہ سر فضل حسین کے سوا کسی اور میں نہ تھی۔

دوعملی کے نظام کو کامیابی سے دوچار کرنے اور صوبہ پنجاب کو ایک پس ماندہ صوبہ سے دوسرے ترقی یافتہ صوبوں کے دوش بدوش لا کھڑا کرنے میں اس پارٹی کا بڑا حصہ تھا جسے یونینسٹ پارٹی کہا جاتا تھا اور جس کے قائد سر فضل حسین تھے۔ اس پارٹی کی بنیاد فرقہ وارانہ اکثریت و غیر اکثریت پر نہ تھی اس کی بنیاد دیہی کاشتکار طبقہ کی بہبود پر رکھی گئی اور اس میں مسلمان غیر مسلمان برابر کے شریک تھے، ہندو جاٹ ہوں یا مسلمان کاشتکار، سر چھوٹو رام ہوں یا سر شہاب الدین اس پارٹی کے پرچم تلے یکجا اور متحد تھے اور پنجاب کی حد تک یہ انتظام بہت مناسب و موزوں تھا۔ دوعملی کا نظام قائم ہوتے ہی جو اسمبلیاں قائم ہوئیں ان میں کچھ لوگ منتخب تھے کچھ نامزد۔ منتخب ہونے والوں میں پنجاب میں سیالکوٹ سے ایک نوعمر بیرسٹر منتخب ہو کر 1942ء میں اسمبلی میں پہنچا۔ اس کا اپنا خیال تھا کہ اس انتخاب میں اس کی جتنی بھی تائید ہوگی وہ اس کے والد صاحب کے اثر رسوخ کی وجہ سے ہوگی اور شاید ایسا ہی ہوا ہو کیوں کہ اس بیرسٹر کے والد اپنے علاقہ کے مانے ہوئے وکیل تھے اور لوگوں میں ان کی دیانت داری اور دینداری کا بہت شہرہ تھا۔ یہ بیرسٹر اسمبلی میں پہنچا تو اس کو اس کے مرشد کی جانب سے یونینسٹ پارٹی میں شامل ہونے کی ہدایت کی گئی چنانچہ یہ یونینسٹ پارٹی میں شامل ہو گیا اس کی سیٹ اپنے وقت کے دو نامور لوگوں کے درمیان تھی ایک جانب سر محمد اقبال کی سیٹ تھی اور دوسری جانب بہاولپور کے سابق وزیر اعظم مولوی سر رحیم بخش تھے۔ دونوں برطانوی حکومت کے خطاب یافتہ اور معزز لوگ تھے ان کے درمیان ایک نوآموز کو جگہ ملی۔ اللہ کی قدرت کہ وہ نوخیز، نوآموز دستور ساز ذہین و فطین اور تیز رو نکلا کہ دیکھتے دیکھتے آسمانِ وطن کا ستارہ بن کر چمکنے لگا۔ یونینسٹ پارٹی میں سر فضل حسین جیسے تجربہ کار رہنما کی

قیادت میں اس نے سیاستِ وطن کے اسرار و رموز سیکھے۔ اپنی قانونی قابلیت کا لوہا وہ ہائی کورٹ میں پہلے ہی منوا چکا تھا اب اس کی آئینی قابلیتوں کا چرچا ہونے لگا۔

1930ء میں جب مستقبل کے آئین پر غور و خوض کرنے کیلئے پہلی گول میز کانفرنس منعقد ہوئی تو اس کے مندوبین میں یہ نوجوان بھی شامل تھا۔ خود اس کا کہنا ہے کہ ان بڑے بڑے مدّبرین کے مابین اس کی حیثیت ایک ''کودک نادان'' کی تھی مگر وہ طفل مکتب دوسری اور تیسری کانفرنس میں بھی نامزد ہوا اور اپنی فراست کے ڈنکے پٹوا دیئے۔ ان کانفرنسوں میں سر آغا خان مسلمان وفد کے قائد سمجھے جاتے تھے۔ پہلی اور دوسری کانفرنس میں (مستقبل کے قائداعظم) مسٹر جناح بھی شریک تھے۔ دوسری میں گاندھی بھی شامل تھے۔ تیسری میں کانفرنس کے وقت تو ایسا معلوم ہوتا تھا مسلمانوں کی نمائندگی کا سارا بار اس کے کاندھوں پر آن پڑا ہے۔

جناب مسرت حسین زبیری آئی سی ایس کے بڑے نامور آدمی تھے۔ پاکستان میں بھی مقتدر عہدوں پر فائز رہے۔ انہوں نے اپنی خودنوشت انگریزی میں لکھی ہے اور اس کا نام رکھا ہے تاریخ کا سفر (A Voyage through history) وہ اپنی ٹریننگ کے سلسلہ میں لندن میں مقیم تھے ان دنوں الیکشن ہوئے آپ کو سر سیموئیل ہور کے الیکشن کے علاقہ کا معائنہ کا موقعہ ملا سر سیموئیل سے ان کی ملاقات بھی ہوئی۔

انہوں نے زبیری صاحب سے پوچھا کہ آپ کو'' آئی سی ایس میں کون سا صوبہ ملا ہے'' انہوں نے کہا پنجاب۔ سر سیموئیل کہنے لگے'' آپ خوش قسمت ہیں۔''

میں نے کہا'' اس میں خوش قسمتی کی کون سی بات؟'' کہنے لگے ''تم اس لئے خوش قسمت ہو کہ سر ظفر اللہ کا تعلق اس صوبے سے ہے اور تم اس صوبہ میں جا رہے ہو۔'' پھر کہنے لگے ''تم جانتے ہو سر ظفر اللہ گول میز کانفرنس کے تعلق میں یہاں آئے تھے اور ہماری اس وقت سے خط و کتابت ہے میرا ردّ عمل زیادہ ''شریفانہ'' نہیں تھا۔ میں نے کہا'' مگر کانفرنس میں تو ان سے زیادہ

مشہور و معروف لوگ بھی تھے مثلاً سر تیج بہادر سپرو، مسٹر جناح، سر سرینواس شاستری، انہوں نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔'' یوں تو سر آغا خان بھی تھے مگر کسی نے اتنا گہرا اثر نہیں چھوڑا جتنا سر ظفر اللہ چھوڑ کر گئے ہیں۔'' میں اس سے زیادہ ہضم نہیں کر سکا اس لئے میں نے موضوع بدل دیا۔''

(1. A Voyage through History by Musarrat Hussain Zuberi volume 1 Second edition Karachi Hamdard Foundation Press January 1987 Pl 260)

سر سیموئیل ہور کا خیال تھا مگر خود اس نو آموز کی کسر نفسی کا یہ عالم تھا'' جہاں پختہ کار صاحبِ تجربہ اصحاب مفید اور کار آمد تجاویز پیش کر سکتے تھے اور قیمتی مشورے دے سکتے تھے وہاں ایک کودک ناداں کے لئے نئے نئے تجربات حاصل کرنے اپنی حدِ نگاہ کو وسعت دینے اور اہل دانش کے فہم و ادراک سے فائدہ اٹھانے کے بہت سے مواقع تھے۔'' یہ کانفرنسیں ہندوستان کے آئینی مستقبل کے لئے بلائی گئی تھیں اور ان آئینی اصلاحات پر ملک کی آئندہ ترقی اور آزادی کا دارومدار تھا۔ دوسری گول میز کانفرنس میں اس نوعمر آئین ساز کی شہرت اتنی ہوگئی کہ سر فضل حسین کے چھٹی پر جانے پر اسے وائسرائے کی کونسل میں ان کا عارضی جانشین بنایا گیا یہ گویا اس شخص کے عروج کی ابتداء تھی مگر نہیں میں نے شائد درست نہیں کہا اس کے عروج کی بنیاد تو اس روز رکھ دی گئی تھی جب اس نوجوان کو جماعت احمدیہ نے نومبر 1917ء میں اس وقت کے وزیر ہند مسٹر مائینٹگو اور وائسرائے لارڈ چیمسفورڈ کے رُوبرو جماعت کا مؤقف پیش کرنے کی ذمہ داری سونپی تھی۔ آئینی میدان میں یہ اس کی پہلی پہلی ذمہ داری تھی اس کے بعد وہ اصلاحات نافذ ہوئیں جنہیں مائنٹگو چیمسفورڈ اصلاحات کا نام دیا جاتا ہے۔ اور جس کے نتیجہ میں ڈایارکی یعنی دوعملی کا نظام قائم ہوا۔

پھر وہ وقت بھی آ گیا کہ سر فضل حسین کے سبکدوش ہونے پر وائسرائے کی کونسل میں اس کا تقرر ہوا۔ وہ اس وقت کونسل کا سب سے کم عمر رُکن تھا اور پانچ سال کی ایک ٹرم ختم ہونے کے بعد دوسری بار اس کا تقرر ہوا۔ یہ برطانوی ہندوستان کی آئینی تاریخ کا انوکھا واقعہ تھا کہ کسی شخص کو

دوسری بار وائسرائے کی کونسل کا رکن مقرر کیا گیا ہو۔ دوسری میعاد ختم ہونے میں ابھی چار سال باقی تھے کہ یہ چیف جسٹس کے اصرار پر وائسرائے کے علی الرغم خود اپنی مرضی سے فیڈرل کورٹ میں چلے گئے۔ وائسرائے نے کہا بھی کہ تمہاری میعاد کا ابھی معتدبہ عرصہ باقی ہے جو اصلاحات نافذ ہو رہی ہیں ان میں تم بہتر مستقبل کی توقع رکھ سکتے ہو تم کیوں عدالت کی چار دیواری میں بند ہونا چاہتے ہو؟ مگر اللہ کے اس بندے نے جو گہرے مذہبی رُجحانات و خیالات رکھتا تھا اپنے مبشر خوابوں کی آواز پر کان دھرا اور عملی سیاسی منصب سے ہٹ کر عدالت میں منصفی کے منصب پر فائز ہو گیا۔ حالانکہ اس سے قبل وائسرائے لارڈ ولنگڈن اس سے کہہ چکے تھے کہ کیا تم پنجاب ہائی کورٹ کا چیف جسٹس بننا پسند کرو گے؟ اس نے انہیں صاف جواب دے دیا تھا کہ ایسا کرنا اس اعلیٰ منصب کے وقار کے منافی ہے حالانکہ حقیقت صرف یہ تھی کہ وہ پنجاب کے گورنر سر ہربرٹ ایمرسن سے ملنا نہیں چاہتا تھا جو اپنی فرقہ وارانہ ذہنیت کی وجہ سے جماعت احمدیہ کے خلاف تھا۔ پھر پریوی کونسل والے اسے پریوی کونسل میں لینا چاہتے تھے (جو سلطنت برطانیہ کا سب سے بڑا اور مقتدر انصاف کا ادارہ تھا۔) اس نے کہہ دیا کہ نہیں میں لندن اس لئے نہیں آنا چاہتا کہ جنگ کے حالات میں میں اپنے وطن کی بہتر خدمت کرنے کے مواقع سے محروم جاؤں گا اور میں اس کے لئے آمادہ نہیں۔

پنڈت نہرو نے عبوری حکومت کے زمانہ میں 1946ء میں اسے عالمی عدالت انصاف کے لئے نامزد کیا مگر وہ منتخب نہ ہو سکا۔ اس میں بھی خدا کی حکمت تھی ورنہ وہ پاکستان بننے کے بعد کی شاندار خدمات سے محروم رہ جاتا۔ اور ستم ظریفی یہ ہے کہ جب ایک بار عالمی عدالت انصاف سے فارغ ہونے کے بعد دوسری بار عالمی عدالت انصاف میں اس کے چناؤ کا سوال اُٹھا تو اپنے وطن ہی کے ایک مندوب نے اس کی مخالفت کی۔ گول میز کانفرنسوں کے دوران اس کی کارکردگی سے متاثر ہو کر برطانوی حکومت نے اسے نائٹ ہڈ دینا چاہی اسے اس نے خود کہہ کر رُکوا دیا۔ وائسرائے

کی کونسل میں آنے کے بعد اسے اس اعزاز کا ملنا لازم تھا ورنہ شاید یہ اس وقت بھی اس اعزاز سے انکار کر دیتا۔ یہ نہیں کہ وہ ہاں میں ہاں ملانے والا شخص تھا، نہیں جہاں اسے اختلاف کی بات کہنا ہوتی برملا کہتا تھا وائسرائے کی کاؤنسل میں بھی۔ عدالت میں تو وہ ”اختلاف کرنے والا جج“ سمجھا جاتا تھا حالانکہ فیڈرل کورٹ مرکزی برطانوی حکومت کے زیر انتظام تھی۔ لیگ آف نیشنز کے 1939ء کے اجلاس میں وہ برطانوی ہند کا نمائندہ تھا اس نے روس کی جارحیت کے خلاف برملا اپنے خیالات کا اظہار کیا حالانکہ برطانوی نمائندے لارڈ ہیلی ایسا کرنے میں جھجک محسوس کر رہے تھے۔ گول میز کانفرنسوں میں بھی اس کی برملا گوئی کا چرچا تھا اس نے برملا گوئی کا مظاہر کیا تو ایک سینئر مندوب مسٹر چنتامتی نے اسے چٹ لکھ کر بھیجی کہ

"in this gathering of reactionaries it is so refreshing to hear someone speak out with courage."

(تحدیث نعمت صفحہ۔273)

اور پہلی گول میز کانفرنس کا واقعہ ہے کہ جب ابھی یہ ”کودک ناداں“ لیتا تھا مکتبِ غمِ دل میں سبق ہنوز۔

گول میز کانفرنس میں مسلمانانِ ہند کی شاندار خدمات سرانجام دینے والے اس شخص کی سیاسی یادداشتیں اس وقت آپ کے ہاتھ میں ہیں جسے اپنوں نے نہیں غیروں نے محفوظ کر لیا تھا۔ وہ شخص جس نے کبھی خود کسی منصب کی خواہش نہیں کی مگر جسے اللہ تعالیٰ نے ایک سے بڑھکر ایک منصب عطا کیا اور دنیا اب بھی اس کو رشک کی نگاہوں سے دیکھتی ہے۔ تحریکِ آزادیء ہند میں اس کی خدمات کے باب میں میری مرتب کردہ کتاب ایک سویڈش سفیر کی نگاہ سے گذری تو اس نے اس شخص کا مختصر سا سی وی دیکھ کر حیرت سے کہا کہ دنیا میں کیسے کیسے نابغے موجود ہیں جو انسانی عمر کے محدود عرصہ میں کتنے مناصب حاصل کر سکتے ہیں وہ مختصر سا سوانحی خاکہ یوں بنتا ہے۔ (6 فروری 1893ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ کالج لاہور اور کنگز کالج لندن میں تعلیم حاصل کی

لنکنز ان سے بیرسٹر ہوئے۔ 1916ء سے 1935ء تک پنجاب ہائی کورٹ میں فوجداری کے چوٹی کے وکیل شمار ہوئے، ہائی کورٹ کی ججی اور چیف جسٹس مقرر ہونے سے بوجوہ انکار کیا۔ 1926ء سے 1935ء تک پنجاب کی دستور ساز اسمبلی کے رکن رہے۔ 1930ء، 31ء، اور 32ء میں ہونے والی گول میز کانفرنسوں میں شرکت کی، 1932ء میں پارلیمنٹ کی سیلیکٹ کمیٹی کے رُکن مقرر ہوئے 1934ء سے 1942ء تک وائسرائے کی ایگزیکٹو کاؤنسل کے رُکن رہے۔ 1939ء میں لیگ آف نیشنز کے آخری اجلاس میں برطانوی ہند کی نمائندگی کی۔ 1941ء سے 1947ء تک فیڈرل کورٹ آف انڈیا کے جج رہے۔ 1942ء میں فیڈرل کورٹ کا جج ہونے کے علاوہ چین میں انڈیا کے پہلے ایجنٹ جنرل رہے۔ جون 1947ء میں آزادیء ہند کے اعلان کے ساتھ ہی فیڈرل کورٹ آف انڈیا سے مستعفی ہوگئے۔ جون سے دسمبر 1947ء تک ہز ہائی نس بھوپال کے آئینی مشیر رہے۔ ستمبر سے نومبر 1947ء تک اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی میں پاکستان کے وفد کی سربراہی کی۔ 25دسمبر 1947ء کو بانیء پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کے اصرار پر پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ اور امور کامن ویلتھ مقرر ہوئے۔

1948ء سے 1954ء تک اقوامِ متحدہ کی سلامتی کاؤنسل میں انڈیا اور پاکستان کے مابین تنازعات پیش کرنے کے لئے پاکستان کے وفد کے سربراہ رہے۔ 1951ء میں جاپان کے معاہدہ امن کے لئے ہونے والی سان فرانسسکو کانفرنس میں پاکستان کی نمائندگی کی۔ 1954ء میں منیلا میں سیٹو کانفرنس میں پاکستان کی نمائندگی کی۔ 1954ء سے 1961ء تک اور پھر 1964ء سے 1973ء تک بین الاقوامی عدالت انصاف کے جج رہے۔ 1958ء سے 1961ء تک اسی عدالت کے نائب صدر اور پھر 1970ء سے 1973ء تک عالمی عدالت انصاف کے صدر رہے اور اپنی والدہ مرحومہ کے اس خواب کو اپنی آنکھوں میں پورا ہوتے دیکھا جس میں کہا گیا تھا۔ ''ہوگا چیف جسٹس ظفر اللہ خاں، نصر اللہ خاں کا بیٹا۔''

1961ء سے 1964ء تک اقوامِ متحدہ میں پاکستان کے مستقل مندوب مقرر ہوئے اور اس دوران 1962ء۔1963ء میں اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کے سترھویں اجلاس کے صدر منتخب ہوئے۔ شمالی افریقہ کے مسلمان ممالک کی جدوجہد آزادی میں جو نمایاں خدمات آپ نے انجام دیں اسکے نتیجہ میں 1964ء میں مراکش نے انہیں اپنا سب سے بڑا سول اعزاز عطا کیا۔ اسی سال اُردن نے بھی اپنا اعلیٰ ترین اعزاز انہیں پیش کیا۔ آپ لنکنز ان اور ایل ای ایس کے اعزازی فیلو تھے۔ کیمبرج یونیورسٹی نے انہیں ایل ایل ڈی کی اعزازی ڈگری عطا کی۔ ریٹائرمنٹ کے بعد آپ نے اپنا وقت اسلام کے بارہ میں لٹریچر لکھنے میں صرف کیا اور ان کا قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ عالمی شہرت رکھتا ہے۔‘‘

سر محمد ظفر اللہ خاں کی شخصیت پر بہت کچھ لکھا گیا ہے اور دنیا والے بہت کچھ لکھیں گے مگر میں سمجھتا ہوں کہ اب تک ان کی خدمات کا وہ اعتراف نہیں کیا گیا جو ان کا حق تھا۔ اس کی بڑی وجہ تو ان کے عقائد تھے جن سے عام مسلمانوں کو اختلاف تھا۔ تحریک آزادی میں ان کے کردار کے بارہ میں میری پہلی کتاب شائع ہوئی تو بعض دوستوں نے کہا کہ تم نے چوہدری صاحب کی احمدیت سے وابستگی کا ذکر کر کے اس کے کینوس کو احمدیوں تک محدود کر دیا ہے۔ حالانکہ میرے سامنے سر ظفر اللہ خان کی وہ گفتگو ہے جو وزیر ہند اور ان کے مابین ہوئی۔ جب وزیر ہند نے انہیں وائسرائے کی کاؤنسل پر مقرر کرنا چاہا تو سر ظفر اللہ نے منجملہ دیگر باتوں کے یہ بھی کہا کہ ’’میرا تعلق سلسلہ احمدیہ کے ساتھ ہے جس کے بعض عقائد سے عام مسلمانوں کو اختلاف ہے جب 1934ء میں میں نے سر فضل حسین کی جگہ کام کیا تھا تو اس وقت بھی اس بنا پر مسلمانوں کے ایک طبقے کی طرف سے میرے تقرر پر اعتراض کیا گیا تھا۔‘‘ (تحدیث نعمت صفحہ۔256)

پھر وزیر ہند نے انڈیا کمیٹی کے نام اپنے نوٹ مؤرخہ 15 فروری 1945ء میں سر ظفر اللہ کا لکھا ہوا نوٹ سرکولیٹ کرتے ہوئے لکھا کہ ’’وہ بڑے ذہین وفہیم آدمی ہیں، پنجابی ہیں اور متوازن

مسلمان نکتہ نظر کی نمائندگی کرتے ہیں مگر بدقسمتی سے ان کا تعلق ایک ایسے فرقہ سے ہے جس سے راسخ العقیدہ مسلمانوں کو اختلاف ہے۔"

(تحریک آزادی میں سرظفر اللہ کا حصہ۔ تاریدو تربیت تحشیہ ۔ پروفیسر ڈاکٹر پرویز پروازی، صفحہ 35)

یعنی سرظفر اللہ خان نے کبھی کسی جگہ کسی حال میں اپنی احمدیت کو نہیں چھپایا تو ان کے مرنے کے بعد کسی کو کیا حق ہے کہ وہ ان کی زندگی کے اس پہلو کو جو ان کے نزدیک خوش قسمتی اور دوسروں کے نزدیک "بدقسمتی" تھا نظر انداز کر دے۔ اب کے بھی میں ان کی احمدیت کا ذکر برملا کر رہا ہوں

ایں گناہیست کہ در شہرِ شما نیز کنم

اس کتاب میں بھی سرظفر اللہ خاں نے جماعت احمدیہ کے ساتھ اپنی وابستگی کا واشگاف الفاظ میں اعلان کیا ہے اس لئے میرے نزدیک ان کی احمدیت کو کسی صورت میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ "تحدیث نعمت" کا یہ اسلوب ہے۔ "سرونٹ آف گاڈ" کا بھی یہی لب لباب ہے۔ اور ان یادداشتوں میں جو آپ نے کولمبیا یونیورسٹی کو لکھوائی ہیں نہ صرف اپنی احمدیت کا ذکر کیا ہے۔ بلکہ اپنی اور اپنے والدین کی احمدیت کے ساتھ وابستگی کا بڑے فخر سے اعلان کیا ہے۔ **وذالك فضل اللہ یوتیہ من یشاء**۔

مشہور تاریخ دان کے۔کے۔عزیز نے اپنی کتاب "چند عظیم آدمیوں کی یادیں" میں سرظفر اللہ کے بارہ میں کیا حقیقت افروز بات لکھی ہے کہ سرظفر اللہ کو "مبدو فیض سے وہ ذہانت ودیعت ہوئی تھی جو مکر وریا کی بناوٹوں، قانونی چالبازیوں، سیاسی دوغلے پن اور سفارتی حیلہ جوئیوں کے سامنے اُساری ہوئی دیواروں کو چیر کر حقیقت تک پہنچ جاتی تھی۔ ان کا ذہن شیشہ کی طرح صاف تھا اور ان کی سوچ کی صداقت اس میں منعکس ہوتی تھی اُن کی بے پناہ محنت کے آگے پیچیدہ مسائل یا وقت کی کمی کے عذر محض ہیچ تھے۔ عدالت ہو یا دستور ساز اسمبلی یا کوئی اور عالمی ادارہ وہ اپنے مؤقف کے حق میں اپنے دلائل کو قدم بہ قدم آگے بڑھاتے، ایک کے بعد دوسری دلیل پیش کرتے

اور اپنے مؤقف کو مضبوط تر کرتے چلے جاتے تھے۔ وہ ایک چابک دست معمار کی طرح دلائل کی اینٹ پر اینٹ جماتے ہوئے ایک خوب صورت اور کلاسیکی عمارت کھڑی کر دیتے تھے۔ وہ اپنے دلائل و استدلال کی عمارت یوں اُستوار کرتے کہ کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہتی۔ زبان و بیان کی روانی ان کے استدلال میں قوت پیدا کرتی تھی اپنے مؤقف کی سچائی کا یقین ان کے لفظوں کو مجبور کر دیتا تھا کہ وہ ان کے سامنے سپاہیوں کی طرح صف بستہ رہیں‘ تقریر کرتے ہوئے ان کے منہ سے پھول جھڑتے تھے اور ان کے اشارات سے ہمیشہ بامعنی ہوتے تھے۔ یہ نہیں تھا کہ وہ اپنے مؤقف کو مہین لباس پہنا کر سامنے لے آئیں۔ ان کی باتوں کی سچائی واضح اور غیر مبہم ہوتی تھی اور استدلال کے شاندار لباس میں ملبوس ہوتی تھی۔ ان کی وفاداری خستہ اور کمزور نہیں تھی۔ نہ ہی ان میں سرد مہری کا تکبر یا غرور تھا کہ اپنے اوپر والوں کو باتوں میں لگائے رکھیں یا بحث مباحثوں میں ٹامک ٹوئیے مارتے رہیں۔ ان کی تربیت مختلف ماحول میں ہوئی تھی وہ حقائق کی منطق کو بحث و اختلاف کی منطق کے ساتھ آمیز کرنا جانتے تھے اور مسائل کو گفت و شنید کے ذریعہ حل کرنے میں یقین رکھتے تھے۔ وہ زندگی بھر شہرت اور آسودگی کی چکا چوند میں رہے مگر ان کی چال میں نرمی ‘تواضع اور انکساری نمایاں رہی‘ کامیابیوں کامرانیوں کی خوشبو انہیں کم دماغ نہ بنا سکی‘ دنیاوی مراتب کی شان و شوکت اور آن بان سے ان کے ذاتی وقار پر کوئی حرف نہ آیا نہ ان کی وضع میں کوئی خلل آیا اور نہ ہی ان کی انسانیت مسموم ہوئی۔ ظفر اللہ نے ساری عمر محنت اور یکسوئی اور فرض شناسی کے ساتھ اپنے ملک کی خدمت اور ملک بنانے والی تحریک کی خدمت کی ہم پاکستانی مسلمانوں نے انہیں اپنے مذہب سے تو نکال باہر کیا مگر ہمیں انہیں اپنے ذہنوں سے محو نہیں کر دینا چاہئے کیونکہ جو قومیں اپنے عظیم آدمیوں کو فراموش کر دیتی ہیں ان میں رفتہ رفتہ عظیم آدمی پیدا ہونا ہی بند ہو جاتے ہیں۔“

(عظیم آدمیوں کی یاد میں۔ کے۔ کے۔ عزیز وین گارڈ۔ لاہور 2002 صفحہ 83۔84)

میں احمدیت کے اس بطل جلیل کی چوتھی خودنوشت قارئین کے سامنے پیش کرتے ہوئے بڑی مسرت محسوس کر رہا ہوں۔ الحمد للہ کہ اس کام کی توفیق بھی ایک احمدی کے حصہ میں آئی کہ وہ اس خودنوشت کو اتمام اکمال دنیا کے سامنے پیش کر رہا ہے ورنہ مؤرخین میں سے ایک کا تو یہ حال ہے کہ ان صاحب نے کولمبیا یونیورسٹی کو لکھوائی گئی اس خودنوشت کو اپنے لئے ہوئے انٹرویوز کی شکل میں دنیا کے سامنے پیش کیا اور اس میں سے احمدیت سے سر ظفر اللہ کی وابستگی کا ذکر غائب کر دیا۔ بھلا سورج کی روشنی بھی دیکھنے والی آنکھوں سے اوجھل رکھی جا سکتی ہے؟۔

(بحوالہ کاغذی پیرہن صفحہ دیباچہ ناشر جے پرنٹرز، لاہور، 72 بیڈن روڈ، لاہور اشاعت اوّل جنوری 2004ء)

* * *

اس جیسا بے لوث مسافر کب آئے گا
رَختِ سِفر تھا جس کا آنسو اور دعائیں

عبد الکریم قدسی

سر ظفر اللہ کی یادداشتیں

انٹرویو پروفیسر ولکاکس اور پروفیسر ایمبری

ترجمہ پروفیسر ڈاکٹر پرویز پروازی

سوال: آپ دوسری گول میز کانفرنس میں چلے گئے تھے۔ کانفرنس میں کیا کچھ ہوا؟

سر ظفر اللہ خان: دوسری گول میز کانفرنس 1931 کے موسم خزاں میں ہوئی۔ اس کانفرنس کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ وائسرائے لارڈ ارون (جو بعد میں اپنے والد کی وفات کے بعد لارڈ ہیلیفیکس کے طور پر ان کے جانشین ہوئے) نے کانگریس کو اس کانفرنس میں شمولیت کے لئے راضی کرلیا۔ اس سلسلہ میں گاندھی اور وائسرائے میں جو معاہدہ ہوا وہ گاندھی ارون پیکٹ کہلاتا ہے۔ اس معاہدہ کے نتیجے میں گاندھی جی نے کانگریس سے یہ اختیار حاصل کرلیا کہ وہ دوسری گول میز کانفرنس میں کانگریس کے واحد نمائندہ ہوں گے۔ اس طرح کانفرنس کا افتتاح ہوا تو گاندھی جی لندن میں موجود تھے اور اس طرح تمام فریق اس کانفرنس میں شریک تھے۔ کانفرنس میں گاندھی جی کی شمولیت سے بڑی امیدیں وابستہ ہوگئی تھیں کہ شاید دو بڑے فریقوں یعنی ہندوؤں اور مسلمانوں میں مفاہمت کی کوئی صورت نکل آئے گی اسی طرح ہندوستان اور برطانیہ کے مابین آزادی اور خود مختاری کے مسائل کا کوئی حل تلاش کرلیا جائے گا۔ مسز سروجنی نائیڈو نے جو دونوں جانب بڑی احترام کی نظر سے دیکھی جاتی تھیں اور مسٹر گاندھی کی ذاتی دوست بھی تھیں، یہ کوشش بھی شروع کی کہ گاندھی اور مسلم وفد کے درمیان ملاقات ہوجائے۔ چنانچہ ہز ہائی نس آغا خان کے رٹز ہوٹل پکاڈلی کے کمرہ میں ملاقات طے ہوئی۔ مسٹر گاندھی تشریف لائے تو ہم سب نے احتراماً اٹھ کر ان کا استقبال کیا۔ ہم سب لوگ بے تکلفی سے بیٹھے ہوئے تھے۔ ہز ہائی نس آغا خان اور دوسروں نے انہیں کرسی پر بیٹھنے

کی پیشکش کی مگر گاندھی جی نے مسکرا کر کہا کہ نہیں وہ فرش پر بیٹھنا پسند کریں گے۔ سب کے اصرار کے باوجود کہ وہ صوفہ پر یا آرام کرسی پر تشریف رکھیں مگر انہوں نے فرش پر بیٹھنے کو ترجیح دی اور کہا کہ انہیں اسی طرح آرام ملتا ہے۔ چنانچہ وہ فرش پر بیٹھ گئے اور ہم میں سے کچھ لوگ بھی ان کے احترام میں فرش پر بیٹھ گئے۔ ان کے ہاتھ میں ساگوان کا خوب صورت سا بکس تھا لوگوں نے سمجھا کہ ان کے ہاتھ میں ریڈیو سیٹ ہے مگر ریڈیو سیٹ تک نظر نہیں جاتی تھی۔ سب لوگوں کے سلام و آداب کا جواب دے چکنے کے بعد گاندھی جی نے وہ بکس کھولا۔ اس میں سے ایک چھوٹا سا تہ کیا ہوا پیتل کا چرخہ نکلا۔ آپ نے بڑے اہتمام سے اسے کھولا۔ سب لوگ انہیں بڑی توجہ سے دیکھتے رہے۔ امید بندھی کہ شاید اس چرخہ سے ہی ہندو مسلم مفاہمت کا کوئی دھاگہ نکل آئے۔ آپ نے چرخہ کاتنا شروع کیا اور ایک دو تار کاتنے کے بعد عندیہ دیا کہ آپ گفتگو کے لئے تیار ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ اپنے مسلمان بھائی بندوں سے مفاہمت کرنے کے لئے بڑے مشتاق اور بے چین ہیں اور مستقبل کے آئین اور ملک کی آزادی کے لئے وہ انہیں ہر ممکن تحفظ کی ضمانت دینے کو تیار ہیں مگر اس میں دقت یہ ہے کہ روانہ ہونے سے قبل وہ کانگریس کے نمایاں ترین مسلمان رکن ڈاکٹر انصاری سے یہ وعدہ کر کے آئے ہیں کہ وہ ان کی عدم موجودگی میں ان معاملات پر کوئی سمجھوتہ نہیں کریں گے۔ اس لئے وہ پیش آمدہ مسئلہ پر ڈاکٹر انصاری کے صلاح مشورہ کے محتاج ہیں، آپ نے یہ حل تجویز کیا کہ گول میز کانفرنس میں شامل ہونے والا مسلمان وفد وزیر ہند سے درخواست کرے کہ وہ ڈاکٹر انصاری کو کانفرنس میں بہ طور مندوب مدعو کریں۔ یہ ٹیڑھا سوال تھا۔ لارڈ ارون اور گاندھی جی میں جب سمجھوتہ ہو گیا کہ کانگریس گول میز کانفرنس میں شریک ہوگی تو کانگریس نے گاندھی جی کو پورے اختیارات کے ساتھ اپنا واحد نمائندہ مقرر کر دیا۔ اس وقت غالباً کانگریس کی جانب سے یہ کوشش کی گئی تھی کہ ڈاکٹر انصاری کو بھی، جو بڑے نامور کانگریسی رہنما اور بڑی محترم شخصیت ہیں، بہ طور مسلم مندوب مدعو کیا جائے۔ اس پر بعض مسلمان رہنماؤں کو جو پہلی گول میز کانفرنس میں

شریک ہو چکے تھے اور اب دوسری کانفرنس میں مدعو تھے، بڑا سخت اعتراض تھا۔ انہیں ڈاکٹر انصاری کے خلاف کوئی شکایت نہیں تھی نہ انہیں دوسرے کانگریسی مسلمانوں کے مدعو کئے جانے پر کوئی اعتراض تھا۔ اعتراض تھا تو یہ کہ وہ کانفرنس میں کانگریس کے نمائندہ کی حیثیت سے بے شک شرکت کریں۔ مگر انہیں کانگریس کا نمائندہ ہی سمجھا جائے عام مسلمانوں کا نمائندہ تصور نہ کیا جائے۔ ان لوگوں کو یہ خدشہ تھا کہ اگر ڈاکٹر انصاری کو بہ طور مسلمان نمائندہ مدعو کیا گیا تو اس وجہ سے بعض اہم معاملات میں مسلمانوں کے موقف کو نقصان پہنچے گا اور وہ یہ خطرہ مول نہیں لینا چاہتے تھے۔ اس طرح ڈاکٹر انصاری کو مدعو نہیں کیا گیا تھا۔ جو لوگ ڈاکٹر انصاری کی مخالفت کر رہے تھے ان کا علی الاعلان یہ موقف تھا کہ اگر کانگریس چاہے تو اپنے سو نمائندوں میں سے ننانوے کانگریسی مسلمانوں کو اپنا نمائندہ بنا لے تو بھی انہیں کوئی اعتراض نہیں مگر کسی کانگریسی مسلمان کو عام مسلمانوں کے نمائندہ کے طور پر مدعو کئے جانے کا کوئی حق نہیں۔ اس لئے اب گاندھی جی نے اسی مشکل کو ذرا نئے انداز میں پیش کر کے مسلم وفد کے لئے بڑی مشکل پیدا کر دی کہ ایک بار ڈاکٹر انصاری کی شرکت کے خلاف اعتراض کرنے اور اسے رکوانے کے بعد وہ اب کیسے وزیر ہند سے کہیں کہ وہ ڈاکٹر انصاری کو کانفرنس میں مدعو کریں؟ یہ سلسلہ کوئی آدھ گھنٹے تک جاری رہا، گاندھی جی اصرار کرتے رہے کہ وہ ڈاکٹر انصاری کی عدم موجودگی میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے کیونکہ انہوں نے ان سے ایسا وعدہ کر رکھا ہے۔ اور مسلم وفد یہ کہتا رہا کہ ان کے لئے اب ایسا کرنا ممکن نہیں۔ اس موقعہ پر میں نے بحث میں شامل ہونے کا سوچا۔ میں بڑا ناتجربہ کار سا کارکن تھا مگر ایک بات مجھے سوجھی۔ میں نے گاندھی جی سے کہا کہ کیا میں کچھ عرض کر سکتا ہوں؟ گاندھی جی نے بڑی فراخدلی سے اجازت دی تو میں نے کہا کہ ”کیوں نہ ہم گفتگو جاری رکھیں اور جب ہم کسی سمجھوتے پر پہنچ جائیں تو اس وقت ہم سب یعنی گاندھی جی اور مسلم وفد کے اراکین مل کر ڈاکٹر انصاری کو مدعو کریں کہ وہ آ کر گفتگو میں شامل ہو جائیں اور سمجھوتہ کو آخری شکل دے دیں۔ میں نے یہ بھی کہا کہ اس

طرح مدعو کیا جانا ڈاکٹر انصاری کے لئے بھی کہیں زیادہ عزت افزائی کا موجب ہوگا بجائے اس کے کہ وہ اس حکومت کی جانب سے مدعو کئے جائیں جسے گاندھی جی کئی بار علی الاعلان شیطانی حکومت کہہ چکے ہیں۔'' گاندھی جی مسکرائے اور گفت وشنید جاری رکھنے پر راضی ہو گئے۔ یہ گفت وشنید کوئی دو تین اجلاسوں تک جاری رہی خلاصہ یہ تھا کہ جو نکات ان دنوں جناح کے چودہ نکات کے نام سے جانے جاتے تھے ان میں سے تیرہ پر اتفاق ہو گیا۔ مسٹر جناح بھی اس گفت وشنید میں شریک تھے اور بحث میں باقاعدہ حصہ لے رہے تھے۔ گاندھی کو تیرہ نکات سے کوئی اختلاف نہیں تھا جس نکتہ سے اختلاف تھا وہ جداگانہ نیابت کا جاری رہنا یعنی ہندوستان کی اسمبلیوں کے انتخابات میں اقلیتی فرقوں کی نشستیں مخصوص کی جائیں اور ان کو ان کے اپنے ووٹروں کے ووٹ سے منتخب ہونے والے نمائندوں سے پر کیا جائے۔ گاندھی جی کو یہ بات مشکل نظر آتی تھی اور وہ اسے مضرت رساں سمجھتے تھے کیونکہ اس طرح دونوں فریق جدا جدا رہتے تھے اور دیگر قباحتیں پیدا ہوتی تھیں۔ اگر مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ اسی طریق سے ان کے حقوق کا تحفظ کیا جا سکتا ہے اور بہ فرض محال گاندھی جی اس سے متفق بھی ہوں تو بھی ڈاکٹر انصاری کے بغیر اس مسئلہ پر کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ تو کیا کیا جائے؟ میں نے پھر بولنے کی اجازت چاہئے اور گاندھی جی سے کہا کہ میں اس بات کو صاف طور پر سمجھنے کے لئے ایک دو وضاحتی سوال کرنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے ازراہ کرم اجازت دی اور میں نے پوچھا جناب فرض کریں کہ ہم سب ڈاکٹر انصاری سے درخواست کریں کہ وہ یہاں آئیں اور وہ ہماری درخواست مان کر یہیں تشریف لے آئیں اور آپ ان سے کہیں کہ آپ وسیع تر مفاد میں سمجھوتہ کی خاطر ان نکات کو ماننے پر آمادہ ہیں، اس لئے وہ بھی انہیں ماننے پر آمادہ ہو جائیں، اور فرض کریں ڈاکٹر انصاری جواب میں کہیں کہ 'جناب میں آپ کا ادنیٰ خادم ہوں اور آپ کے لئے اپنی جان تک قربان کرنے کو تیار ہوں، مگر یہ مسئلہ انفرادی نہیں، قومی مسئلہ ہے جس کو میں دیانت داری سے ملک کے اور مسلمانوں کے مفاد میں نہیں سمجھتا، جن میں سے میں بھی ایک ہوں، اس لئے

میں دیانت داری سے اس کے حق میں نہیں ہوں تو آپ کا رویہ کیا ہوگا؟ گاندھی جی نے فرمایا اس صورت میں مَیں ڈاکٹر انصاری کے موقف کی حمایت کروں گا۔ میں نے سوال کیا 'فرض کیجئے اس دوران کانگریسی مسلمان اپنی رائے تبدیل کرلیں اور آپ کو تار دے کر مطلع کریں کہ ہم مفاہمت کی خاطر اس نکتہ پر اتفاق کرتے ہیں مگر ڈاکٹر انصاری اپنے موقف پر مصر رہیں تو آپ کا کیا رویہ ہوگا؟' گاندھی جی کہنے لگے میں پھر بھی ڈاکٹر انصاری کا ساتھ دوں گا۔ میں نے تیسرا سوال کیا 'جناب فرض کیجئے کہ صورت حال بالکل الٹ جائے ڈاکٹر انصاری آپ کے اور ہمارے کہنے سننے کے نتیجے میں ہمارے ساتھ اتفاق کرنے لگیں اور کہیں کہ وہ مفاہمت کی خاطر اسے تسلیم کرتے ہیں، مگر ہندوستان کے کانگریسی مسلمان آپ کو فوری پیغام بھیجیں کہ وہ ہرگز اس نکتہ پر مفاہمت نہیں کرسکتے تو آپ کس کا ساتھ دیں گے؟ گاندھی جی فرمانے لگے ڈاکٹر انصاری کا! اس ساری بحث کا نتیجہ یہ نکلا کہ آخری فیصلہ گاندھی جی کو نہیں ڈاکٹر انصاری کو کرنا ہے اور گاندھی جی ڈاکٹر انصاری کو قائل کرنے کی پوری کوشش کریں گے۔

ہم نے اس مسئلہ کو ایک طرف رکھ کر باقی تحفظات کے بارہ میں بات چیت جاری رکھی۔ انہیں کسی بات پر کوئی اعتراض نہیں تھا اگرچہ انہیں بعض معاملات کے بارہ میں شبہ تھا کہ وہ درست نہیں مگر اس کے باوجود وہ پیش رفت پر راضی تھے۔ دو تین اجلاسوں کے بعد ہم اس مفاہمت پر پہنچے تو مسلمان وفد نے کہا کہ اب وہ ارشاد فرمائیں کہ مشترکہ معاملات میں مسلمان وفد کو اب کیا کرنا ہے؟ انہوں نے کہا کہ وہ اپنی تجویز بعد میں بھیج دیں گے۔ تین یا چار روز بعد آپ نے کاغذ کے ایک پرزہ پر پنسل سے دونوں طرف لکھا ہوا خط بھیجا جس کے بارہ میں کچھ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ اس کا موضوع کیا ہے۔ اس کے پہلے پیراگراف میں لکھا تھا کہ کانگریس کا مطالبہ آزادی کا ہے جس میں فوج اور مالی امور پر مکمل اختیار شامل ہے، اس میں وضاحت کی گئی تھی کہ آزادی میں کوئی لگی لپٹی شامل نہ ہو۔ ہم نے سوچا کہ اگر ہمیں مناسب تحفظات مل جائیں تو ہمیں وضاحت کردہ صورت میں اس

مطالبہ کی حمایت کرنے میں کوئی باک نہیں ہونا چاہئے۔ مسلم وفد کو آخری تجویز نے بہت پریشان کیا جو یہ تھی کہ اگر آئین میں اچھوت اقوام کو کوئی تحفظات دئے جائیں تو مسلم وفد اس کی تائید نہ کرے بلکہ ان کی مخالفت کرے۔ ہم نے آپس میں اس پر غور کیا اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ بات قبول کرنا ہمارے بنیادی موقف کے خلاف ہوگا۔ یہ بات ٹھیک تھی کہ مسلمان صنعت، تجارت، تعلیم، تربیت اور ہر دوسرے میدان میں ہندوؤں سے کمزور تھے مگر اچھوتوں کے مقابلہ میں تعداد میں زیادہ تھے، تعلیم میں بہتر تھے، رہن سہن میں بھی ان سے بدرجہا اچھے تھے، تجارت میں بھی ہمارا کچھ حصہ تھا، اگر ہمیں اپنے لئے بعض تحفظات پر اصرار تھا تو ہم کانگریس کے نمائندے گاندھی جی کے موقف کی کس طرح حمایت کر سکتے تھے کہ اس طبقہ کو تحفظات کی ضرورت نہیں جو ہم سے کہیں کمزور حیثیت رکھتا ہے؟ اس تجویز پر ردوقدح کے بعد ہم نے گاندھی جی کو یہ جواب بھیج دیا کہ ہمارے مطالبات قبول کر لئے جانے کی صورت میں ہمارا موقف یہ ہوگا کہ اچھوتوں کے حقوق کا مسئلہ ہندو سوسائٹی کا اندرونی مسئلہ ہے اس لئے وہ جو فیصلہ بھی کریں گے مسلم وفد اس کی حمایت کرے گا مگر ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اچھوتوں کو تحفظات کی ضرورت نہیں! آخر وہ بھی ایک علیحدہ حیثیت رکھتے ہیں اور انہیں اس حیثیت سے متعلقہ معاملات میں سیاسی نمائیندگی بھی حاصل ہے۔ ہم یہ موقف کیسے اختیار کر سکتے ہیں کہ انہیں ہندو سوسائٹی کا رکن ہی سمجھا جائے اور ان کے معاملات پر علیحدہ طور پر غور نہ کیا جائے؟ یہاں بات چیت میں تعطل پیدا ہوگیا۔ گاندھی جی اچھوتوں کی علیحدہ حیثیت تسلیم کرنے کو ہرگز تیار نہیں تھے۔ یاد رہے کہ جولائی یا اگست 1932 میں جب فرقہ وارانہ فیصلہ یعنی کمیونل ایوارڈ شائع کیا گیا تو گاندھی جی نے مرن برت رکھ لیا۔ اس خوف سے کہ کہیں گاندھی جی سرگباش ہی نہ ہو جائیں، اچھوت پونا میں، جہاں وہ برت رکھے ہوئے تھے، جمع ہوئے اور وہاں آپس میں افہام و تفہیم ہوگئی اور اس طرح اچھوتوں کا مسئلہ حل ہوگیا۔ گاندھی جی اس معاملہ میں بڑے حساس تھے اس لئے ہمارے مابین کوئی مفاہمت نہ ہو سکی۔ وہ ہمارے مطالبات کے خلاف نہیں تھے (کم از کم وہ کہتے

یہی تھے انہیں ان سے کوئی اختلاف نہیں اور وہ کانگریس کو ہمارے مطالبات تسلیم کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش بھی کریں گے)، مگر مفاہمت محض اس لئے نہ ہوسکی کہ انہیں اچھوتوں کو علیحدہ نمائیندگی دینے اور ان کے لئے خاص انتظامات کرنا کسی صورت میں قبول نہیں تھا۔

(بحوالہ www.humsub.com.pk ترجمہ پروفیسر ڈاکٹر پرویز پروازی، صفحہ 44 تا 49

(بحوالہ کاغذی پیرہن ناشر جے پرنٹرز لاہور، 72 بیڈن روڈ، لاہور اشاعت اوّل جنوری 2004ء)

❋

اے اہل ! وطن مجھ کو بھلانا نہیں آسان
اس عہد کی پیشانی پر لکھا ہے میرا نام

عبد الکریم قدسی

چوہدری محمد ظفر اللہ خاں حضرت قائداعظمؒ کی نظر میں

ابو طاہر فارانی

پاکستان کے فرزند جلیل چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں کی کامگار و بامراد زندگی ایک ایسی کتاب ہے جس کا ہر ورق بفضلہٖ تعالیٰ پہلے ورق سے کہیں زیادہ روشن اور تابندہ ہے۔ بانئ پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ تو شروع ہی سے اُن کی صلاحیتوں کے معترف تھے۔ جس کے اظہار میں انہوں نے نہ صرف کبھی کسی قسم کے حجاب یا انقباض سے کام نہ لیا بلکہ اس تعلقِ خاطر کا بھرے ایوانوں میں اعلان کرنے میں لذت و فرحت محسوس کی۔ 1939ء میں جب اسمبلی میں انگلستان کے ساتھ نیا تجارتی معاہدہ پیش ہوا جو خالصۃً چوہدری صاحب موصوف ہی کی ذہانت سے ہو پایا تھا اس وقت کانگرس اپوزیشن میں تھی۔ اس لئے کانگرسی ارکان نے اس معاہدہ کی مخالفت کرنا ہی تھی۔۔۔ بحث سے قبل قائداعظمؒ نے سرہومی مودیؔ سے معاہدے کے بارے میں اُن کی رائے دریافت کی۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ

"میں تو ملِ اونرز ایسوسی ایشن کا 'صدر ہوں'

اور میری ایسوسی ایشن یہ چاہتی ہے کہ میں اسمبلی میں معاہدے کے خلاف رائے دوں۔ کیونکہ ان کی رائے میں اس معاہدہ کا زیادہ فائدہ تو ملک کے زمینداروں کو ہوگا جن کی کپاس زیادہ مقدار میں اور اچھی قیمت پر خریدی جائے گی، جس کے نتیجہ میں ملک کے اندر بھی کپاس کی قیمت بڑھ جائے گی۔ اور یہاں کے کارخانوں کا بنا ہوا کپڑا مہنگا ہو جائے گا۔ ادھر لنکا شائر کے بنے ہوئے کپڑے پر رعائتی نرخ سے محصول عائد ہونے کے نتیجے میں ان کے کپڑے کی قیمت کم ہو جائے

گی۔ اس طرح ہندوستانی مِل اونروں کو لنکا شائر والوں سے دونوں محاذ پر مقابلہ کرنا ہوگا۔ اور زمینداروں کو جو فائدہ پہنچے گا۔ اُس کی قیمت انہیں ادا کرنا ہوگی۔ گو میری ذاتی رائے یہ ہے کہ معاہدے کے اندر اس قسم کا توازن مدِ نظر رکھا گیا ہے کہ ہم اس کپڑے میں جو ہمارے کارخانوں میں بنایا جاتا ہے، پھر بھی لنکا شائر کا مقابلہ کرسکیں گے۔ اس لئے باوجود اپنی ایسوسی ایشن کی خواہش کے میں نے غیر جانبدار رہنے کا فیصلہ کیا ہے۔

سرہومی مودی نے قائداعظم سے گفتگو کے بعد گفتگو کا یہ ماحصل چوہدری صاحب کے بھی گوش گزار کردیا۔ مسٹر جناح (قائداعظم) اسمبلی میں آزاد پارٹی کے لیڈر تھے۔ اور فیصلہ کا انحصار اس پارٹی ہی کی رائے پر تھا اگر یہ پارٹی غیر جانبدار ہوجاتی تو کانگرس کی مخالفت کامیاب ہوجاتی تھی۔ گو حقائق کی رُو سے کانگرس کی مخالفت بھی محض برائے مخالفت تھی۔ اس مخالفت سے اس کو محض اپنی سیاسی ساکھ بڑھانا مقصود تھا ورنہ وہ خود سمجھتی تھی کہ معاہدہ ملک کے لئے فائدہ مند ہے اور اسمبلی معاہدے کی تائید کرے یا نہ کرے۔ حکومت معاہدے کا نفاذ کردے گی اور ملک کو جو فائدہ معاہدے سے حاصل ہوسکتا ہے وہ حاصل ہوجائے گا۔

اپنے بیٹے کی ستائش

اُدھر قائداعظم کی آزاد پارٹی کا مؤقف یہ تھا کہ کانگرس اُن کی مخالف ہے اور حکومت ان کی مؤید نہیں لہٰذا ہمارا غیر جانبدار رہنا ہی بہتر ہے معاہدہ تو بہ ہر حال نافذ ہو ہی جائے گا۔ لہٰذا اُن کے غیر جانبدار رہنے سے معاہدہ رد بھی ہوجائے تو ملک اُس کے فوائد سے محروم نہیں رہے گا۔۔۔۔ چنانچہ قائداعظم محمد علی جناح نے معاہدے کے متعلق جو تقریر کی تھی۔ اس میں گو معاہدہ کی بعض شقوں پر تنقید بھی کی لیکن اس کے ساتھ ہی اپنی روائتی دیانتداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس معاہدہ کو آٹووہ معاہدہ سے بہتر قرار دیا بلکہ یہاں تک فرمایا:-

”...اگرچہ ظفراللہ کی تعریف میں میرا کچھ کہنا ایسا ہی ہے جیسا کہ باپ کا اپنے بیٹے کی

ستائش کرنا لیکن اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ اس معاہدے کے متعلق اپنے فرض کو احسن طریقہ سے سرانجام دیا ہے اور اس کے لئے اُسے مبارک باد پیش کرتے ہوئے جو کچھ مختلف اطراف سے کہا گیا ہے میں اُس کی پوری طرح تائید کرتا ہوں۔“ (تحدیث نعمت طبع اوّل ص402)

قائد اعظمؒ کی طرف سے چوہدری ظفر اللہ خاں کی صلاحیتیں اور فراست و بصیرت کے اعتراف کی یہ داستان تقسیم ہند کے پہلے اس واقعہ ہی پر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ قیام پاکستان کے لئے جدوجہد اور اس مملکت عزیز کے معرضِ وجود میں آجانے کے بعد تو یہ تعلقِ خاطر ایک فقید المثال اعتماد کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔ اور قائداعظم پھر نازک سے نازک اور اہم سے اہم ترین ذمہ داری انہی کو سونپ دینے کے لئے بے قرار دکھائی دیتے ہیں۔

مسلم لیگ کی وکالت

برطانوی وزیر اعظم اٹیلی نے 2/جون 1947ء کے بیان مین تقسیم ملک کے منصوبے کا اعلان کیا تو اس اعلان کے فوراً بعد سر محمد ظفر اللہ خاں ”فیڈرل کورٹ آف انڈیا“ سے مستعفی ہو گئے، اور لاہور آکر دوبارہ وکالت کرنے کی منصوبہ بندی کر رہی رہے تھے کہ ہز ہائی نس نواب سر حمید اللہ خاں والئے بھوپال نے اُن سے کچھ عرصہ کے لئے بھوپال آجانے کے لئے کہا تا کہ اس مشکل مرحلہ میں جو والیانِ ریاست کو در پیش ہے وہ اُن سے مشورہ کر سکیں۔ چنانچہ چوہدری صاحب موصوف فیڈرل کورٹ سے علیحدہ ہوتے ہی بھوپال چلے گئے۔ پھر جب آزادئ ہند کے ایکٹ کا مسودہ پارلیمنٹ میں پیش ہونے کا وقت آیا تو نواب صاحب نے انہیں دو ہفتے کے لئے لنڈن چلے جانے کے لئے کہا تا کہ اپنے شناسا برطانوی ارکان پارلیمنٹ سے ملک کر اور مسودہ پر بحث کے دوران جائزہ لیا جا سکے۔ کہ کیا کسی ایسی وضاحت کا امکان ہے جس سے نئے آئین میں والیانِ ریاست ہائے ہند کے حقوق کی حفاظت ہو سکے تا کہ اس سے خاطر خواہ فائدہ اُٹھایا جا سکے۔ چوہدری صاحب ابھی نواب صاحب کے ارشاد کی تعمیل میں سفر کی تیاری فرما ہی رہے تھے کہ دلی

سے پیغام آیا کہ قائداعظم نے یاد فرمایا ہے۔ اور پھر جوں ہی ان کی خدمت میں حاضر ہوئے قائد اعظم نے فرمایا۔ پنجاب میں جو کمیشن حد بندی کے لئے قائم کیا جانے والا ہے اُس کے سامنے مسلم لیگ کی طرف سے وکالت کی ''ذمہ داری ہم تمہارے سپرد کرنا چاہتے ہیں'' چوہدری صاحب نے ان کے ارشاد کی تعمیل کی حامی بھرتے ہوئے عرض کیا کہ وہ نواب صاحب کے ارشاد کے تحت انگلستان جا رہے ہیں اور نہیں معلوم کمیشن کی کاروائی کب شروع ہو گی۔ اور انہیں تیاری کے لئے کتنا وقت ملے گا؟ اس سے اگلی گفتگو اب خود چوہدری صاحب ہی کی زبانی سماعت فرمایئے۔

قائداعظم :۔تم انگلستان کتنا عرصہ ٹھہرو گے۔

ظفراللہ خاں :۔ میرا اندازہ تو پندرہ دِن کا ہے۔

قائدِ اعظم :۔ پھر کوئی فکر نہیں کمیشن کی کاروائی شروع ہونے میں ابھی خاصی دیر ہے ابھی تو کوئی ایمپائر بھی مقرر نہیں ہوا۔

ظفراللہ خاں :۔ ایمپائر کے متعلق میں گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ ہمیں کسی ایسے شخص کے مُصر رہنا چاہئے جس کی دیانت پر پورا اعتماد ہو سکے آپ لندن کی رہائش کے زمانہ میں پریوی کونسل کے رُوبرو پریکٹس کرتے رہے ہیں۔ آپ کو اتفاق ہو گا۔ کہ ''برطانوی لارڈز آف اپیل'' اپنی روایات کے لحاظ سے اپنے فرائض کی انجام دہی میں دیانتدار اور غیر جانبدار ہوتے ہیں۔ آپ زور دیں کہ ان میں سے کسی کو ایمپائر مقرر کیا جائے۔ ہر انسان غلطی کر سکتا ہے لیکن ہمیں یہ یقین ہونا چاہئے کہ جو صاحب مقرر ہوں وہ کسی اثر و رسُوخ کے ماتحت یا کسی کے کہنے کہلانے کے نتیجہ میں کوئی فیصلہ نہ کریں گے۔

قائداعظم :۔''میں تمہارے مشورے کو ذہن میں رکھوں گا۔''

(تحدیث نعمت طبع اوّل ص498)

حد بندی کمیشن کے رُوبرُو بحث کے بعد چوہدری صاحب موصوف ابھی لاہور ہی میں تھے کہ

انہیں قائداعظم کا یہ تاکیدی پیغام ملا کہ وہ کمیشن سے فارغ ہونے کے بعد بھوپال جانے سے پہلے ان سے مِل کر جائیں، چنانچہ جب چوہدری صاحب پہنچے تو انہوں نے بکمال شفقت و محبت شام کے کھانے کی دعوت دی۔ معانقے کا شرف بخشا اور فرمایا۔

''میں تم سے بہت خوش ہوں اور تمہارا نہایت ممنون ہوں کہ جو کام تمہارے سپرد کیا گیا تھا۔ تم نے اُسے اعلیٰ قابلیت سے اور نہایت احسن طریق سے سرانجام دیا۔''

(تحدیث نعمت طبع اوّل ص509)

اقوامِ متحدہ میں قائدِ وفد

قائداعظم سے ملاقات کے بعد چوہدری صاحب بھوپال تشریف لے گئے اور ابھی نواب صاحب کی مشاورت ہی کا فرض انجام دے رہے تھے کہ اگست 1947ء کے آخر میں قائداعظم نے انہیں کراچی طلب فرمایا۔ اور جب یہ حاضر ہوئے تو بتایا کہ حیدرآباد سے میر لائق علی آئے تھے اور اعلیٰ حضرت حضرت نظام کی طرف سے پیغام لائے تھے کہ میں تمہیں صدرِ اعظم کی حیثیت سے حیدرآباد جانے پر آمادہ کرلوں۔ تاکہ تم اعلیٰ حضرت اور حکومت ہند کے درمیان مناسب سمجھوتہ کی صورت پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ میں نے انہیں یہ کہہ کر واپس حیدرآباد لوٹا دیا ہے کہ وہ اس سلسلہ میں اعلیٰ حضرت کی اس امر پر مبنی واضح تحریر لائیں کہ جو مشورہ تم دو گے یا جو تجویز تم کرو گے وہ اعلیٰ حضرت قبول فرمائیں گے۔ اور اس کے مطابق عمل کریں گے۔ چوہدری صاحب نے عرض کیا کہ وہ کسی شرط پر بھی حیدرآباد جانے کے لئے تیار نہیں۔ قائداعظم نے یہ سُن کر جواب دیا کہ ''یہ صورت پیدا ہی نہیں ہوگی کیونکہ اعلیٰ حضرت مطلوبہ تحریر نہیں دیں گے۔'' اور اس تمہیدی اور ضمنی گفتگو کے بعد فرمایا۔

''دراصل میں نے تمہیں اس لئے بُلایا ہے کہ تم اقوامِ متحدہ میں پاکستانی وفد کی قیادت کرو۔...''

سچ ہے کہ خُلوصِ نیت و حسنِ عمل کے باعث عُہدے اور مناصب ہمہ وقت پاکستان کے اس جلیل القدر فرزند کی جستجو میں رہے۔۔۔۔ اقوامِ متحدہ کے اس اجلاس میں سب سے اہم مسئلہ قضیۂ فلسطین تھا۔ جس کے بارے میں اقوامِ متحدہ کا ''فلسطین کمیشن'' تقسیم کی سفارش کر چکا تھا یہ وہی تاریخی اجلاس ہے جس میں مغربی طاقتوں کی فریب کاریوں پر مضطرب ہو کر اپنی تقریر کے دوران چوہدری صاحب نے انتباہاً یہاں تک کہہ دیا تھا۔۔

I beg you, i implore you. I ENTEREAT YOU NOT TO DESTROY" YOUR CREDIT IN ARAB COUNTRIES TOMORROW YOU MAY NEED "THEIR FRIEDSHIP BUT YOU WILL NEVER GET IT

یعنی جنگ عظیم اوّل کے دوران میں آپ نے جو وعدے عربوں سے کئے تھے اُن سے انحراف نہ کیجئے۔ ان کی خلاف ورزی نہ کیجئے۔ اگر آپ ایسا کریں گے تو بدعہدی کے مرتکب ہوں گے۔ اور آئندہ عربوں کا اعتماد آپ سے کُلی طور پر اُٹھ جائے گا اور آپ اُن کی دوستی کبھی حاصل نہ کر پائیں گے۔

وزارتِ خارجہ کا قلمدان

اقوامِ متحدہ سے واپسی پر چوہدری صاحب وفد کی سرگرمیوں کی رپورٹ پیش کرنے کے لئے قائداعظم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو قائداعظمؒ نے دریافت کیا کہ اب کیا پروگرام ہے؟ انہوں نے بتایا کہ اب وہ بھوپال جائیں گے۔ یہ سنتے ہی بانئ پاکستان نے قدرے تیز لہجے میں فرمایا۔

''تم کب ان مخمصوں سے نجات حاصل کرو گے؟ کیا تُم نہیں دیکھتے کہ ہمیں تمہاری یہاں ضرورت ہے۔''

(تحدیثِ نعمت طبع اوّل ص 526)

اس کے بعد جب قائداعظم کو معلوم ہوا کہ چوہدری صاحب لاہور ہو کر بھوپال جائیں گے۔

تو لاہور میں نواب زادہ لیاقت علی خاں سے ملنے کی تاکید فرمائی لاہور میں نواب زادہ صاحب سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے بدورانِ گفتگو تین مناصب کی کنایتہً پیش کش کی ۔ اوّل پاکستان سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کا منصب ۔ دوسرے صوبہ پنجاب کی چیف منسٹری اور تیسرے مرکز میں قلمدانِ وزارت جب جواب میں انہوں نے کہا کہ میں آپ کے ارشاد کے مطابق غور کرنے کے بعد عرض کروں گا تو نواب زادہ صاحب نے کہا۔

''لیکن قائداعظم چاہتے ہیں کہ تُم وزارتِ خارجہ کا قلمدان سنبھالو۔''

جواباً عرض کیا گیا کہ اس کے بعد غور کرنے اور ذاتی منشاء کی گنجائش ہی باقی کہاں رہی! نواب زادہ صاحب نے فرمایا کہ

'بس اتنی کہ جتنی جلدی ہو سکے تُم کراچی پہنچ جاؤ''

بڑے لوگ بڑے ہی ہوتے ہیں۔ نواب آف بھُوپال کو جب تمام صورت حال کا علم ہوا تو فرمایا:

''آپ کے مشورہ سے محرُوم ہو جانا میرے لئے ضرور پریشانی کا موجب ہوگا۔ لیکن میں اپنی خوشی اور ضرورت پر پاکستان کی ضرورت اور بہبودی کو ترجیح دیتا ہوں اور آپ کو قوم کی خدمت سے محروم نہیں کرنا چاہتا۔''

چنانچہ چوہدری صاحب بھُوپال سے رُخصت ہو کر 25 ر دسمبر 47ء کو کراچی پہنچ گئے ۔ وہ دن قائداعظم کی ''یومِ پیدائش'' تھا اُن کے اعزاز میں ایک استقبالیہ تقریب ترتیب دی گئی تھی چوہدری صاحب بھی اُس تقریب میں پہنچ گئے اس سے کاملاً بے خبر کہ قائداعظم نے ان کے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے۔ البتہ نواب زادہ نے اتنا ضرور اشارہ کیا کہ آج تمہیں حلف لینا ہوگا۔

اور پھر قائداعظمؒ کی تشریف آوری پر نواب زادہ لیاقت علی خاں نے اُنہیں اس نشست پر بیٹھنے کا اشارہ کیا جو اُن کے عین بائیں جانب تھی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ قائداعظمؒ آئے۔ تشریف فرما ہوئے اور

تشریف فرما ہوتے ہی فرمایا:

''ظفر اللہ خاں وزیر خارجہ کے منصب کا حلف لے گا۔''

اور چوہدری محمد ظفر اللہ خاں نے تعمیل ارشاد میں حلف اُٹھالیا۔ بے شک سونے کی پہچان زرگر اور موتی کی پہچان ایک جوہری ہی کرسکتا ہے۔

امام جماعت احمدیہ کا فیصلہ

چونکہ چیف جسٹس نے فریقین کو پریوی کونسل میں جانے کی اجازت بھی دے دی تھی اس لئے جب یہ معاملہ حضرت امام جماعت احمدیہ کے رُوبروپیش ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ بنیادی سوال تینوں عدالتوں کا فیصلہ ہمارے حق میں ہے۔ کہ ہم بحمد للہ مسلمان ہیں نماز کے لئے علیحدہ جماعت قائم کرنے کا فقہی مسئلہ کچھ بھی ہو عدالت کا فیصلہ قرین انصاف ہے۔!

(تحدیثِ نعمت طبع اوّل ص169)

مشکل کا حل

''اصل اقتباسات'' کے الفاظ تبدیل کر کے انہیں غلط مفہوم کا جامہ پہنا کر غلط اور سرتا سر منفی تاثر دینے کی حرکت اگر کسی ''احراری'' نے کی ہوتی تو نوٹس لینے کے قابل بھی نہ ہوتی کہ جھوٹ اُن کی غذا اور تاریخ مملکت پاکستان کو مسخ کرنا اُن کا مقصد حیات ہے۔۔۔۔ حیرت تو یہ ہے کہ ''جنگ'' ایسے کثیر الاشاعت اخبار نے ایسا کرتے وقت کوئی حجاب محسوس نہ کیا۔۔۔ (راقم السطور) کو اخبار مذکور کی داخلی مجبوریوں کا علم نہیں۔۔۔۔ اگر فی الواقعہ کوئی ایسی ہی مشکل درپیش ہو تو اُس سے ''نجات'' کی بھی ایک صورت ممکن ہے مثلاً یہ کہ جہاں ''جنگ'' کی پیشانی پر اس کی باقاعدہ ''تصدیق شدہ اشاعت'' کا اعلان درج ہوتا ہے اس کے نیچے ایک نوٹ روزانہ شائع کر دیا جایا کرے کہ: اس پرچے میں قارئین کو کچھ تاریخی، واقعاتی، فکری، دینی اور نظریاتی غلط بیانیاں محسوس

ہوں گی۔ جن کے بارے میں گزارش ہے کہ وہ دانستہ شائع کی گئی ہیں۔ تا کہ ہمارے وہ قارئین جو صرف جھوٹ اور غلط بیانیوں پر مبنی مواد ہی پسند کرتے ہیں۔

انہیں پرچہ پڑھتے وقت مایوسی نہ ہو
ایک عالی دماغ تھا نہ رہا

انا لِلّٰہِ وَ انا الیہِ راجعون

(بحوالہ ہفت روزہ لاہور 14/ستمبر 1985ء صفحہ 9۔10 اور 14)

◆

تو نے اقوامِ اقوام میں سب سے پہلے
اپنے لہو سے لکھا پاکستان کا نام

عبد الکریم قدسی

چوہدری سرمحمد ظفر اللہ خاں

فقیر سید وحید الدین کے قلم سے

جن کی ہر ملاقات ایک درس ہوتا ہے

’’ممتاز قانون دان اور بین الاقوامی شہرت کے جج چوہدری سرظفر اللہ خاں سے میرے ذاتی بلکہ خاندانی مراسم رہے ہیں۔ ڈسکہ ضلع سیالکوٹ ان کا آبائی وطن ہے۔ اُن کے والد بھی نامور وکیل تھے۔ اُنہیں سے میرے بزرگوں کے تعلقات کا آغاز ہوا۔ بعد میں ان کے چھوٹے بھائی شُکر اللہ خاں اور عبداللہ خاں میرے گہرے دوست رہے۔

چوہدری صاحب نے بیرسٹری پاس کر کے لاہور میں پریکٹس شروع کی تو رہائش ہمارے آبائی مکانات کے قریب ہی اختیار کی اور چند ابتدائی مقدمات کی پیروی کرنے کے بعد انہیں اپنے ہم عصروں میں نمایاں حیثیت حاصل ہوگئی۔

اُس زمانے میں تعلقات محض رسمی بات نہ سمجھے جاتے تھے، بلکہ انہیں برادرانہ محبت اور خلوص کا درجہ حاصل تھا مجھے یاد ہے کہ والد مرحوم جن دنوں غیر متوازن اور زائد اخراجات کی وجہ سے مقروض تھے، انہیں بعض مقدمات بھی لڑنا پڑے چوہدری ظفر اللہ خاں بغیر کسی فیس کے پوری دماغ سوزی اور جانفشانی کے ساتھ اُن کے مقدمات کی پیروی کرتے رہے۔ ایک دوست کی مشکلات سے باخبر رہنا اور فرض سمجھ کر اس کی اعانت کرنا کردار کی بڑی خوبی ہے۔ اور دوستی کا صحیح مفہوم بھی یہی ہے۔

اپنی غیر معمولی ذہانت اور خداداد لیاقت کی بناء پر اُن کی پریکٹس بہت جلد چمک گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے اُن کا شمار پنجاب ہائی کورٹ کے ممتاز وکلاء میں ہونے لگا۔ کچھ عرصہ بعد پنجاب ’’لجسیلٹیو کونسل‘‘ کی ممبری کا اعزاز حاصل ہوگیا۔ ایک طرف اُن کی خداداد صلاحیتیں تھیں۔ اور

دوسری طرف خدا تعالیٰ کی نگاہِ کرم ۔۔۔۔ سرکاری منصب یا عہدہ حاصل کرنے کے لئے جوڑ توڑ اور دوڑ دھوپ اس فن سے ان کی طبیعت کو کبھی مناسبت نہیں رہی۔ منصب اور اعزاز کی انہوں نے خود تمنا نہیں کی بلکہ یہ خود اُن کے تعاقب میں رہے۔

حکومت نے پیش کش کی کہ وہ پنجاب ہائی کورٹ کا جج بننا قبول کریں انہوں نے یہ پیش کش پسند نہ کی اور شکریئے کے ساتھ انکار کر دیا۔ لیکن جب میاں فضل حسین چند ماہ کے لئے رُخصت پر گئے۔ تو چوہدری صاحب نے چھ ماہ تک قائم مقام ''ممبر وائسرائے ایگزیکٹیو کونسل'' کی حیثیت سے فرائض انجام دیئے۔

ڈِنر کی بجائے لنچ

برِصغیر ہند کی قسمت کا فیصلہ کرنے کے لئے لندن میں یکے بعد دیگرے جو تین راؤنڈ ٹیبل کانفرنسیں ہوئیں۔ اُن سب میں انہوں نے ہندوستان کی نمائندگی کی۔ اور بنیادی اہمیت کے مسائل کی ترجمانی کا حق اپنے ضمیر کے اطمینان کی حد تک نمایاں طور پر ادا کیا۔ برطانوی ہند کے وائسرائے کا دستور تھا کہ مہینے میں ایک مرتبہ اپنی ایگزیکٹیو کونسل کے کسی ہندوستانی ممبر کے ہاں ڈنر کھانا قبول کرتا۔ اس طرح ایک تو حکومت اور ممبروں کے درمیان روابط مضبوط ہوتے اور دوسرے اُسے اس ہندوستانی ممبر کی عزت افزائی سمجھا جاتا۔ جب چوہدری ظفر اللہ خاں کی باری آئی تو انہوں نے وائسرائے سے کہا کہ ''میرے ہاں ڈنر کی بجائے لنچ قبول کیا جائے تو زیادہ موزوں ہوگا۔'' ساتھ ہی وجہ بیان کہ

''... رات کے کھانے پر شراب پیش کرنا میزبان کے فرائض میں شامل سمجھا جاتا ہے۔ اور میرے گھر میں یہ چیزیں مہیا نہیں ہو سکتی''

وائسرائے نے چوہدری صاحب کی معذرت کو سمجھ لیا۔ اور رات کو کھانے کی بجائے دن کے کھانے کی بات طے ہو گئی۔ یہ بات بظاہر معمولی ہے۔ لیکن جو لوگ مصلحتوں کے لئے آناً فاناً

اُصول قربان کر ڈالتے ہیں ان کے لئے عبرت کے پہلو سے خالی نہیں۔

بذلہ سنجی کی ایک مثال

دیرینہ تعلقات کو وضعداری کے ساتھ قائم رکھنا۔ ہر ملاقاتی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملنا اور مختصر سی گفتگو سے مخاطب پر اپنی شخصیت اور بالغ نظری کا نقش قائم کر دینا اُن کے اخلاق و کردار کی قابل ذکر مثالیں ہیں۔ یہ مثال اس اعتبار سے اور بھی دلچسپ ہے کہ اُن سے ملنے والا خواہ کسی علمی استعداد اور ذہنی سطح کا آدمی ہو۔ موصوف اپنی خوش خلقی کے باعث اسے کسی احساس کمتری میں مبتلا نہیں ہونے دیتے۔ گفتگو کرتے وقت تفنّن طبع اور بذلہ سنجی کا جو بھی موقع مل جائے اُسے ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ جن دنوں چوہدری صاحب پاکستان کے وزیر خارجہ تھے۔ ہندوستان کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو کراچی آئے۔ یہاں ان کے اعزاز میں ایک شاندار دعوتِ استقبالیہ کا اہتمام کیا گیا۔ مَیں بھی اُس میں شریک تھا۔ دعوت سے چند روز پیشتر چوہدری صاحب نے مجھے پیغام بھیجا کہ پنڈت نہرو کی واپسی پر مَیں چند روز کے لئے لاہور جاؤں گا۔ اس موقع پر تمہاری موٹر میری سواری میں رہے گی۔

چنانچہ میں نے لاہور ٹیلی فون کر کے فوراً ہدایت کر دی۔ دعوتِ استقبالیہ میں چوہدری صاحب سب مہمانوں سے ملتے ملاتے میری طرف بھی آئے اور ہنس کر فرمایا:

''بھائی تجھے میرا کام یاد ہے۔''

میں نے عرض کیا ''... بھلا باپ کا حکم کبھی بیٹا بھول سکتا ہے۔'' ان کے سامنے میرا ماضی تھا اور والد مرحوم کی زندگی بھی فوراً مسکرائے اور کہا: ''میراں اگر اس طرح میرا حکم مانو گے جس طرح اپنے باپ کا حکم مانتے تھے تو میرا کام ہو چکا۔ ہاں اگر اس طرح مانو گے جس طرح میری بات وہ مانتا تھا تو یقینا ہو جائے گا۔ اس جملے پر حاضرین نے جن میں میرے بعض عزیز بھی شامل تھے زور کا قہقہہ لگایا کہ سب مہمانوں کی نظریں ہماری طرف اُٹھ گئیں۔

میکالے کے جملے

جوانی کے جذباتی دور میں ایک دفعہ چوہدری صاحب کے سامنے بر سبیل تذکرہ میرے منہ سے نکل گیا کہ میکالےؔ کا حافظہ بہت اچھا ہے۔ اس کے بعد مجھے میکالےؔ کے دو ایک جملے از بر تھے وہ حرف بحرف سُنا دیئے۔ عنفوانِ شباب کا عالم تھا فِکر کی پختگی حاصل نہ تھی۔ اس موقع پر میں نے لفظ بلفظ جو فقرے سُنائے اس میں ایک طرح اپنی قابلیت کا اظہار مقصود تھا۔ یہ کمزوری لوگوں میں عام نظر آتی ہے۔ مَیں اپنے آپ کو اس سے بالاتر نہ رکھ سکا۔ چوہدری صاحب میری کوشش کی تہ کو پہنچ گئے اور اس سے لطف بھی اُٹھایا۔ لیکن یہ بات انہیں ہمیشہ یاد رہی۔ چنانچہ آج تک جب بھی ملاقات کا موقع ملتا۔ گفتگو کے دوران کسی نہ کسی طور پر میکالےؔ کا ذکر ضرور کر جاتے ہیں۔

’’... حتیٰ کہ جب میں نے 1964ء کے آخر میں ’’روزگار فقیر‘‘ شائع کر کے اس کا ایک نسخہ اُن کی خدمت میں نیویارک بھجوایا تو انہوں نے اس پر اظہار پسندیدگی فرماتے ہوئے مجھے یہ فقرہ لکھا۔ ’’مجھے یقین ہوگیا ہے کہ تُم صرف میکالےؔ کے اسکالر نہیں ہو بلکہ اس کے علاوہ اور بھی کُچھ جانتے ہو۔‘‘

ایک دلچسپ واقعہ

شیخ اعجاز احمد صاحب نے ایک ملاقات کے دوران مجھے یہ دلچسپ واقعہ سنایا کہ جن دنوں علامہ اقبال اپنی شہرۂ آفاق کتاب ’’پیامِ مشرق‘‘ مرتب فرما رہے تھے۔ انہیں ایک مقدمے کی پیروی کے سلسلہ میں جھنگ جانا پڑا۔ عجیب اتفاق ہے کہ اُسی مقدمے میں سر عبدالقادر اور چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں بھی پیش ہو رہے تھے۔ اور جاتے وقت علامہ اقبالؔ کے ہمسفر تھے۔ علامہ مرحوم سفر کے دوران سر عبدالقادر اور چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں کو ’’پیامِ مشرق‘‘ کی پیش کش بحضور اعلیٰ حضرت امیر امان اللہ خاں فرمانروائے افغانستان میں جہاں علامہ نے پیر مغرب شاعر الانوی

(گوئٹے) کا اور اپنا مقابلہ کرتے ہوئے فرمایا ہے ؎

اُو چمن زادے چمن پروردہ ٔ
من ومیدم از زمینِ مردۂ
او چو بلبل درچمن فردوس گوش
من بہ صحرا چوں جرس گرم سروش

وہاں انہوں نے مندرجہ ذیل اشعار بھی ان دونوں احباب کو سنائے تھے۔ جو بعد میں کسی وجہ سے ’’پیامِ مشرق‘‘ میں شائع نہیں ہوئے اور اب صرف چوہدری صاحب اور شیخ صاحب کے حافظے میں محفوظ ہیں ؎

او زمحبوبی عزیز کشودے
من چو یوسف ہندیٔ سوداگرے
ازغلامی ضعفِ پیری ازبدن
از غلامی رُوح گردد مار تن

اس چھوٹے سے واقعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ چوہدری صاحب صرف اعلیٰ قانون دان ہی نہیں ہیں ادب وشاعری سے بھی انہیں گہرا شغف ہے شاید اسی لئے اپنی تحریر اور گفتگو میں اُردو اور فارسی کے معیاری اشعار بیان کرجانا اُن کا معمول ہے۔

ماں کی دُعا

دوستوں کے ساتھ وضعداری، چھوٹوں کے ساتھ رواداری کا یہ عالم ہے کہ چوہدری صاحب اب بھی جب پاکستان تشریف لاتے ہیں تو اپنے پُرانے دوستوں کو اور اُن کے بچوں کو خاص طور پر بُلواتے ہیں۔ اور کوشش یہی کرتے ہیں کہ ان کا میزبان اُن سب کو کھانے پر مدعو کرے۔ ایک سال پہلے کی بات ہے وہ کراچی تشریف لائے میرے لڑکے ایاز الدین نے کہا میں بھی چوہدری

صاحب کو دیکھنا چاہتا ہوں لہٰذا میں اُسے اپنے ہمراہ لے گیا۔ اس ملاقات میں چوہدری صاحب سے جو گفتگو ہوئی اور مختلف معاملات پر وہ جس انداز سے باتیں کرتے رہے۔ میرا لڑکا جو چند سال قبل ولایت سے تعلیم حاصل کر کے آیا ہے اس سے بہت متاثر ہوا اور چوہدری صاحب کی غیر معمُولی لیاقت و ذہانت پر ششدر ہو کر اس نے واپسی پر مجھ سے سوال کیا کہ ’’ چوہدری صاحب کی اس قدر کامیابی اور ترقی کا راز اُن کی لیاقت اور ذہانت کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔‘‘

میں نے کہا ’’میں تمہیں سب سے بڑا راز بتا سکتا ہوں ’’ماں کی دُعا‘‘ یہ بات میں نے اِس علم کی بناء پر کہی کہ چوہدری صاحب کو اپنی والدہ ماجدہ سے بے پناہ محبت تھی۔ اور وہ ہمیشہ ایک سعادت مند بیٹے کی طرح اپنی ماں کا احترام کرتے رہے۔ اُن کی والدہ بھی اپنے فرمانبردار بیٹے پر جان چھڑکتی تھیں اور ہر وقت کی دعاؤں میں اُنہیں یاد رکھتی تھیں۔ دُوسرے دن پھر چوہدری صاحب سے ملاقات ہوئی تو میں نے لڑکے کے سوال اور اپنا جواب انہیں سنایا۔ چوہدری صاحب نے فرمایا تم نے سچ کہا۔ یہ کہہ کر وہ چند لمحوں کے لئے گہری سوچ میں پڑ گئے جیسے انہیں اپنی شفیق والدہ کی تربیت اور محبت کا زمانہ یاد آ گیا۔ اور ان کی بے پناہ شفقت سے محرومی کا احساس جاگ اُٹھا ہو۔

مُحدود ضُروریات

سادگی، شرافت، صاف گوئی اور معاملہ فہمی ان کی فطرت ثانیہ ہے۔ خُدا نے اُن کو بڑے سے بڑے منصب پر سرفراز کیا۔ لیکن انہوں نے کبھی اپنے آپ کو خُدا کے ایک حقیر اور ناچیز بندے سے زیادہ نہ سمجھا۔ تکبر اور نخوت کی آلودگی سے اُن کا دامن ہمیشہ پاک رہا۔ اپنی ضروریات کو انہوں نے اس قدر محدود کر رکھا ہے کہ ہزاروں روپے کی ماہوار آمدن ہوتے ہوئے اُن کی اپنی ذات پر چند سو سے زیادہ صرف نہیں ہوتے۔ باقی روپیہ ہر ماہ ضرورت مند طلباء اور مستحق غریبوں اور یتیموں کو بھیج دیتے ہیں۔ جس زمانے میں اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کے صدر منتخب ہوئے تو اُن کا معمول یہ

تھا کہ۔ علی الصبح بیدار ہو کر غسل کرتے۔ تولیہ صابن تک خود لے کر جاتے پھر نماز پڑھتے اپنے کپڑوں پر خود استری کرتے۔ اس کے بعد اپنے جوتوں پر خود ہی پالش کرتے پھر سیر کے لئے دو تین میل پیدل جاتے اور وقت مقررہ پر اقوامِ متحدہ کے دفتر پہنچ جاتے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ دفتر میں ایک منٹ کی تاخیر سے پہنچے ہوں۔۔۔۔۔ ان کی طبیعت میں اس قدر انکسار ہے کہ دنیا اپنے دل میں انہیں کسی اعزاز و مرتبے کی شخصیت سمجھتی ہو وہ اپنا کوئی کام اپنے ہاتھ سے کرنا عار نہیں سمجھتے۔

لڑکی کی شادی پر

میری لڑکی کی شادی کے موقع پر اتفاق سے چوہدری صاحب لاہور میں موجود تھے، مجھے اُن کی موجودگی کا علم نہ تھا لیکن جیسے ہی انہیں معلوم ہوا۔ میرے مکان پر تشریف لائے اور فرمایا:

''میں نے سنا ہے کہ آج شام کو تمہاری لڑکی کی شادی ہے اس تقریب میں اگر کوئی کام میرے کرنے کا ہو تو بے تکلفی کے ساتھ کہہ دو۔ میں اس کے لئے حاضر ہوں۔''

اُن کی اس بزرگانہ شفقت سے میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور میرے منہ سے بے اختیار نکلا کہ

''آپ نے آج والد مرحوم کی غیر موجودگی اور ان کی شفقت سے محرومی کے احساس کو دُور کر دیا۔''

شام کو بارات کی پیشوائی کے لئے وہ میزبان کے ہمراہ موجود تھے۔ جب مہمانوں کو کھانا پیش کرنے کا وقت آیا تو چوہدری صاحب خود اس انتظام اور نگرانی میں گھر والوں کی طرح شریک تھے ہر مہمان کے پاس خود جا کر پوچھتے اور دیکھتے کہ کہاں اور کس میز پر کس چیز کی ضرورت ہے۔

تعلقات نباہنے کی وضعداری

اکثر سوچتا ہوں ان کی شُہرت دنیا کے کونے کونے میں پھیل چکی ہے۔ ان کے تعارف اور

شناسائی کا دائرہ لامحدُود ہے۔ سرکاری فرائض اور ذمہ داریوں کے سلسلہ میں ان کی مصرُوفیات اپنی جگہ ہیں۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود اُنہوں نے تعلقات و مراسم کے لئے سالہا سال پہلے جو وضع اختیار کی تھی وہ اپنی جگہ قائم ہے۔ انہیں دنیا کے کسی کونے سے جب بھی پاکستان آنے کا موقع ملا ہے مجھے اُسی طرح یاد فرماتے ہیں۔ اُن کی ہر ملاقات ایک درس ہوتا ہے۔ باتوں باتوں میں قرآن و حدیث کے حوالے بھی اکثر دیتے جاتے ہیں۔ اُردو، فارسی، عربی اور انگریزی میں اُن کا مطالعہ بے حد وسیع ہے۔ اُن کے بہت سے لطائف مُجھے یاد ہیں۔ مگر وہ انگریزی زبان میں ہیں۔ احتمال ہے کہ اردو میں منتقل کرنے سے اُن کا لطف جاتا رہے گا۔ اس لئے کہ ہر زبان کا ایک خاص مزاج اور خاص انداز ہوتا ہے۔

(فقیر سید وحید الدین کے ذاتی تاثرات کے مجموعے ''انجمن'' سے ماخوذ بحوالہ ہفت روزہ لاہور 7/ستمبر 1985ء صفحہ 1 و 11)

* * *

یہ دور تجھے لاکھ بھلائے بھی تو کیا ہے
تاریخ یہ تجھے ہر طور یاد رکھے گی

عبد الکریم قدسی

چوہدری محمد ظفر اللہ خاں اور ہمعصر مشاہیر

میاں محمد ابراہیم کے قلم سے

نمُونہ مشتے از خِروارے

ممتاز صحافی مسٹر چنتا مُنی

1930ء میں لندن میں پہلی گول میز کانفرنس منعقد ہوئی۔ سر آغا خاں۔ مولانا شوکت علی۔ مولانا محمد علی، سر میاں محمد شفیع، مسٹر (جناح) قائداعظم، سر سید سلطان احمد، نواب صاحب چھتاری، خان بہادر حافظ ہدایت حسین، سر عبدالحلیم غزنوی، مولوی ابوالقاسم فضل الحق، سر غلام حسین ہدایت اللہ، نواب سر عبدالقیوم خاں، بیگم شاہ نواز اور چوہدری محمد ظفر اللہ خاں مُسلمان مندوب تھے اس اجلاس میں چوہدری صاحب نے ہندوستان کی آزادی کا مطالبہ کرتے ہوئے جو تقاریر کیں، اُن سے متاثر ہو کر آزمودہ کار اور بارسوخ صحافی مسٹر چنتا مُنی نے اُن پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

''رجعت پسندوں کے اس اجتماع میں کسی ایک کو اتنی جرأت کے ساتھ بولتے سننا میرے لئے ایک خوش کُن امر ہے۔''

سر سری نواس شاستری

نیز عظیم المرتبت ہندو مندوب سر سری نواس شاستری نے جناب چوہدری صاحب سے کہا:

میں آپ کی تقریر کو اس مجلس میں جس قدر بامقصد اور انمول قرار دیتا ہوں آپ اس کو باور بھی نہیں کر سکتے...''

ہر لفظ دستاویز

کچھ عرصہ بعد پارلیمنٹ کے ایک کمرہ میں جب چوہدری صاحب کی اسلامؔ کے اقتصادی نظام کے موضُوع پر تقریر ہوئی تو لارڈ سنیگی نے کہا:

”مجھے ظفر اللہ خاں کے ساتھ کام کرنے کا فخر حاصل رہا ہے میں اس کے متعلق صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جب یہ کوئی یہ بات کہہ دے تو اس پر پختگی سے قائم رہتا ہے اس کے لفظ ہی دستاویز ہے اس کے دستخط کی ضرورت نہیں رہتی۔۔۔۔“

اسی کانفرنس میں جب پنڈت نانک چند نے صوبائی خودمختاری کے ضمن میں یہ کہا کہ دوسرے صوبوں میں تو قانون اور امن عامہ کا محکمہ صوبائی ذمہ دار حکومت کے اختیار میں ہونا چاہئے۔ لیکن پنجاب میں نہیں کیوں کہ اس صوبہ میں اکثریت مسلمانوں کی ہے۔ اور مسلمان آبادی کا نہایت غیر ذمہ دار عنصر ہیں۔

”تو چوہدری محمد ظفر اللہ خاں نے مسئلہ زیر بحث پر فرمایا کہ میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ اگر یہ امتیاز برتا گیا تو ہماری یہ تمام محنت جو ہم برسوں سے کر رہے ہیں۔ بالکل اکارت جائے گی“ اُن کے منہ سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ لارڈ سنیکی نے جو اجلاس کی صدارت کر رہے تھے۔ بڑے جوش میں کہا: ”مجھے کلی اتفاق ہے۔“

مسٹر ونسٹن چرچل

گول میز کانفرنس کے نتیجہ میں حکومت برطانیہ نے اپنی تجاویز قرطاس ابیض کی شکل میں پارلیمنٹ میں پیش کیں مشترکہ کمیٹی کے کام میں اعانت کے لئے ہندوستان سے ایک وفد کمیٹی کے ساتھ شامل کیا گیا جس میں چوہدری صاحب بھی شامل تھے۔ جو اصحاب کمیٹی کے رُوبرو شہادت دینے کے لئے آئے

ان میں مؤثر ترین شخصیت مسٹر ونسٹن چرچل تھے۔ چوہدری صاحب نے اُن پر سوالات کرتے وقت اپنے لب ولہجہ میں اُن کا پورا احترام مدِّ نظر رکھا اور وہ بھی خوش اخلاقی سے جواب دیتے گئے۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ چوہدری صاحب اُن کے مسلّمات سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ

”ہندوستان نہ صرف آزادی کا طالب ہے بلکہ اس کے لئے تیار بھی ہے۔“

تو اُن کے روّیہ میں تبدیلی ہوئی۔ اور انہوں نے سوالات کو ٹالنا شروع کر دیا۔ ایک سوال کو جب دو بار ٹال چکے۔ تو چوہدری صاحب نے کہا

”مسٹر چرچل مجھے یہ مشکل پیش ہے کہ میں باوجود دو بار کوشش کرنے کے اپنا مطلب آپ پر واضح نہیں کر سکا۔ مجھے اجازت دیں تو مَیں پھر کوشش کروں“

اس طرح چوہدری صاحب اپنے سوالات کو اس طور پر ٹالتے رہے کہ جواب میں مسٹر چرچل کو ٹالنے کی گنجائش نہ رہی وہ جب بحث ختم ہوئی تو مسٹر چرچل نے کہا:

”لارڈ چیئر مین! میں نے تو محسوس نہیں کیا کہ مسٹر ظفر اللہ خاں کو انگریزی اُن کی مادری زبان نہ ہونے کی وجہ سے کوئی مشکل پیش آئی ہو۔۔۔۔۔“

مسٹر چرچل کی شہادت ختم ہو چکی تو ساری کمیٹی نے دیر تک چیئرز کے ساتھ انہیں خراجِ تحسین پیش کیا۔ مسٹر چرچل اپنی کرسی سے اُٹھ کر چوہدری صاحب کے پاس تشریف لائے مصافحہ کیا اور مسکراتے ہوئے کہا۔

اس کمیٹی کے رُوبرو تم نے دو گھنٹے تک میرا ناک میں دم کئے رکھا۔“

مولانا ظفر علی خاں

نومبر 1945ء میں دورانِ بحث نواب آف ڈیرہ نے خواہش کی کہ کانگرس کے ارکان اپنی تقاریر میں شلوک اور منتر پڑھ کر اپنے دلائل کی پختگی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کیا ہم بھی مجاز ہیں کہ

قرآن کریم کی آیات سے استدلال کریں چوہدری صاحب نے کہا آپ بھی ویسے ہیں آزاد ہیں اور چوہدری صاحب نے اپنی تقریر کے ہر نکتے کی تائید میں قرآن کریم سے سند پیش کیا۔ آپ کی تقریر کے خاتمہ پر مولانا ظفر علی خاں اپنی جگہ سے اُٹھ کر چوہدری صاحب کے پاس آئے اور بڑے جوش سے کہا ''آج آپ نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔''

ہاتھوں کو بوسہ دے کر

ایک دریدہ دہن شخص راجپالؔ نے ایک نہایت شرمناک کتابچہ ''رنگیلا رسول'' شائع کیا اور مسٹر جسٹس دلیپ سنگھ نے قرار دیا کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی توہین قانون کی زد میں نہیں آتی اور مُلزم کو بَری کر دیا۔ اس فیصلہ سے مسلمانوں کے جذبات سخت مجروح ہوئے لاہور سے شائع ہونے والے ایک جریدے ''مسلم آؤٹ لُک'' میں ایک اداریہ شائع ہوا جس میں مسٹر دلیپ سنگھ کے فیصلہ پر سخت تنقید کی گئی اس پر اخبار کے خلاف توہین عدالت کا نوٹس جاری ہوا مسلمانوں کی ایک مشاورتی مجلس میں قرار پایا کہ اس کیس کی وکالت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں کریں۔ چوہدری صاحب نے پہلے عدالت پر واضح کیا کہ زیرِ بحث اداریہ ''جائز تنقید'' کی حد سے تجاوز نہیں کرتا اور بحث کے آخر میں کہا

''اگر اس جج متعلقہ کی توہین لازم آتی ہے تو رسُول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عزت کی حفاظت کی سعی میں اگر ہائی کورٹ کے ایک جج کی توہین ہوگئی تو یہ امر ناگزیر تھا جس کی پوری ذمہ داری مسئول علیہم تسلیم کرتے ہیں۔ جب بحث ختم ہوئی تو مولانا ظفر علی خاں سامعین کے حصہ سے کٹہرے کو ہٹا کر چوہدری صاحب کی طرف لپکے اور ان کے ہاتھوں کو بوسہ دے کر بلند آواز سے کہا

''آج تم نے ان لوگوں کا منہ کالا کر دیا جو کہتے ہیں مسلمانوں میں کوئی قابل وکیل نہیں ملتا۔''

کوزے میں دریا بند کرنے کا معجزہ

1940ـ41ء میں چوہدری صاحب کو ''امریکن بار ایسوسی ایشن واشنگٹن'' کے اجلاس

سے خطاب کی دعوت دی گئی وقت پندرہ منٹ اور موضوع دو تھے۔ ”INDIA'S WAR.. EFFORT“ اور ”INDIA'S LEGAL JUDICIAL SYSTEM“

چوہدری صاحب نے اس مرکب موضوع پر خطاب ختم کیا تو صاحبِ صدر نے آپ کی تقریر کو سراہتے ہوئے کہا۔

”ابھی ابھی ہم نے دریا کوزے میں بند کرنے کا معجزہ دیکھا ہے“

ہندوستان کی آزادی کا مطالبہ

1954ء میں چیتھم ہاؤس لنڈن میں ”رائل انسٹی ٹیوٹ آف انٹرنیشنل آفیئرز“ کی سرپرستی میں دولت مشترکہ کے نمائندگان کی ایک کانفرنس کا اہتمام کیا گیا۔ ہندوستان کی طرف سے بھی وفد نے شرکت کی۔ سربراہ وفد چوہدری محمد ظفر اللہ خاں نے ہندوستان کی جنگی سرگرمیوں کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ جنگ کے مختلف محاذوں پر برطانیہ اور اتحادیوں کی آزادی کے سلسلہ میں پچیس لاکھ ہندوستانی کسی نہ کسی حیثیت میں مختلف انواع کی قربانیاں دیتے رہے ہیں لیکن دولتِ مشترکہ کے سیاستدانو! کیا یہ ستم ظریفی نہیں کہ ہندوستان کے پچیس لاکھ فرزندوں نے میدانِ جنگ میں مملکت برطانیہ کی آزادی کی خاطر دادِ شجاعت دی ہو لیکن خود ہندوستان ابھی تک اپنی آزادی کا منتظر اور اس کے لئے ملتجی ہو۔“ یہ حالتِ زار دیر تک قائم نہیں رہ سکتی۔ ”ہندوستان بیدار ہو چکا ہے اور آزاد ہو کر رہے گا۔“

بے باک انتباہ

یہ اجلاس سہ پہر کو ختم ہوا اور شام کے اخبار ”اسٹار“ میں اس تقریر کا ایک ایک لفظ موٹے حروف میں چھپا ہوا تھا۔ کچھ عرصہ بعد کانگرسی لیڈر مسٹر آصف علی نے چوہدری صاحب سے کہا کہ جن دنوں لندن میں آپ نے یہ تقریر کی تھی، ان دنوں پنڈت نہرو اور کانگرس کے بعض دیگر سرکردہ اراکین اورنگ آباد (دکن) کے قلعہ میں نظر بند تھے ہم کانفرنس کے اس اجلاس کی کاروائی

ریڈیو پر سُن رہے تھے۔ جب تم نے ''دولتِ مشترکہ کے سیاست دانو! کہہ کر آواز بلند کی تو ہم سب توجہ سے تمہاری تقریر سننے لگے۔ پنڈت نہرو تو اپنا کان ریڈیو کے بہت قریب لے آئے جب تم نے تقریر ختم کی تو پنڈت جی نے کہا:

''اس شخص نے تو ہم سے بھی بڑھ کر بے باکی سے حکومتِ برطانیہ کو متنبہ کیا ہے۔''

آئینی جدوجہد کا آخری مرحلہ

حکومتِ برطانیہ کی طرف سے ''رائل انسٹی ٹیوٹ آف انٹرنیشنل افیئرز'' کانفرنس میں آزادئ ہند کی تائید میں اُسی شام کھانے پر تقریر کی۔ اس دعوت میں حکومتِ برطانیہ کے تمام اراکین مدعو تھے۔ چوہدری صاحب نے اپنی تقریر میں کہا۔

''حکومتِ برطانیہ ہندو مسلمان اختلاف کا عُذر رکھ کر اپنی ذمہ داری سے گریز نہیں کرسکتی۔ بے شک یہ مسئلہ مشکل ہے لیکن برطانیہ کا تدبّر اس مشکل کا حل تجویز کرنے سے عاجز نہیں ہونا چاہئے۔ اگر ہندو مسلم اختلاف ہی سب سے بڑی روک ہے، تو برطانیہ اپنی نیک نیتی کا ثبوت اس واضح اعلان سے پیش کرسکتا ہے کہ اگر فلاں تاریخ تک ہندوستان کی طرف سے ہندو مسلم اختلاف کا متفقہ حل پیش نہ کیا گیا تو حکومت برطانیہ اپنی طرف سے ایک قرین انصاف حل تجویز کرکے اس کی بناء پر ہندوستان کے لئے ایک آئین وضع کرے گی، تقریر کے بعد وزراء نے اس تجویز سے گہری دلچسپی کا اظہار کیا۔ دو دن بعد لبرل پارٹی کے لیڈر ملے اور چوہدری صاحب کو دیکھتے ہی کہا:

''مبارک ہو تمہاری تقریریں کے نتیجہ میں کیبنٹ کے زور دینے پر وائسرئے ہند لارڈ دیول کو مشورہ کے لئے لندن بلایا گیا ہے۔ چنانچہ لارڈ دیول لنڈن تشریف لائے اور ہندوستان کی آئینی جدوجہد کا آخری مرحلہ شروع ہو گیا۔''

مؤثر ترین وکالت کا اعتراف

جب چوہدری صاحب وائسرائے کونسل میں جانے لگے تو دیوان رام لال ایڈووکیٹ نے

مذاقاً کہا۔

''ظفراللہ! اب تمہاری وزارت کا عہدہ سنبھالنے کا وقت قریب آرہا ہے یا تو تم میرے ساتھ دوستانہ مروّت کا سلوک کرو کہ تم پریکٹس بند کر دو یا پھر میں تمہارے یہاں سے رُخصت ہونے تک رُخصت لے لیتا ہوں۔ مقدمات کا فیصلہ تو ایک طرف ہو یا دُوسری طرف اس سے مجھے کچھ پریشانی نہیں لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ اگر کسی روز تُم نے یہ کہہ دیا کہ میرا ملزم تو بے گناہ ہے البتہ کہ قتل ایڈووکیٹ جنرل نے کیا ہے تو چیف جسٹس پھانسی کا پھندا میرے گلے میں ڈال دیں گے۔''

چیف جسٹس ینگ

اور الوداعی ڈنر میں چیف جسٹس ینگ نے تقریر کرتے ہوئے کہا

''ایک لحاظ سے میں نے اطمینان کا سانس لیا ہے کہ یہ اب یہاں سے جلد جانے والا ہے۔ کیوں کہ اس کی موجودگی اس صوبہ کے امن وامان کے لئے خطرے کا باعث ہورہی تھی۔ جب یہ میرے اجلاس کے کمرہ میں داخل ہوتا تھا تو میں چوکس ہو جاتا تھا۔ مبادا! اس کے زور خطابت کے اثر کے ماتحت مجھ سے سرکار کے حق میں کوئی بے انصافی سرزد ہو جائے۔ باوجود اس کے نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ کوئی شخص چاہے کسی بھی جُرم کا مرتکب ہوا ہو اسے وکیل کر لیتا تو صاف بچ نکلتا تھا۔

محمد علی جناح قائداعظم

1937ء میں ہندوستانی وفد کی قیادت آپ کے سپرد ہوئی۔ آپ کے ساتھ چھ سرکاری مشیر تھے اُن میں نواب زادہ لیاقت علی خاں بھی شامل تھے۔ (جو دس سال بعد پاکستان کے پہلے وزیر اعظم ہوئے) چوہدری صاحب نے معاہدہ کی جو شرائط پیش کیں کیبنٹ نے اُنہیں منظور کر لیا۔ وزیر اعظم نے کہا کہ

''میں ظفراللہ کو جانتا ہوں اگر وہ کہتا ہے کہ وہ اس سے آگے نہیں جا سکتا، پھر جو کچھ وہ کہتا ہے

وہ ہمیں تسلیم کرنا ہوگا یا معاہدہ ترک کرنا ہوگا۔ لیکن اس سے کامن ویلتھ کے دُوسرے ممالک پر خوشگوار اثر نہیں ہوگا۔ اس لئے مناسب یہی ہے کہ اُس کی آخری پیش کش کو منظور کر لیا جائے۔'' پھر جب 1939ء میں اسمبلی کے اجلاس میں نیا تجارتی معاہدہ پیش ہوا (قائداعظم) محمد علی جناح نے جو آزاد پارٹی کے لیڈر تھے۔ اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے کہا:

''اگرچہ ظفراللہ کی تعریف میں میرا کچھ کہنا ایسا ہی ہے جیسا ایک باپ کا اپنے بیٹے کی ستائش کرنا لیکن اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ اُس نے معاہدہ کے متعلق اپنے فرض کو احسن طریقہ سے سرانجام دیا ہے اور اس کے لئے اسے مبارک باد پیش کرتے ہوئے کہا گیا ہے۔ میں اُس کی پُوری طرح تائید کرتا ہوں۔''

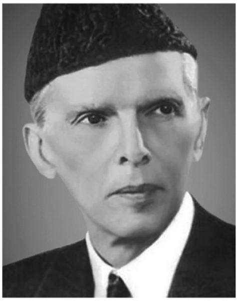

قائداعظمؒ کے آخری دستخط

ع۔ ترسے گا سدا تیری قیادت کو زمانہ

قائداعظمؒ کے اسسٹنٹ پرائیویٹ سیکریٹری جناب فرّخ امین رقمطراز ہیں کہ بیماری کے پورے زمانے میں قائداعظم نے اُس وقت تک سرکاری کاموں کا سلسلہ جاری رکھا جب تک ان میں ذرا بھی سکت باقی رہی۔ ہم انہیں کاموں کی اطلاع نہ دیتے لیکن اگر انہیں پتہ چل جاتا تو وہ کام کرنے پر مصر ہوتے۔ مجھے وہ دن ہمیشہ یاد رہے گا۔ جب انہوں نے یُو۔ این۔ او میں پاکستان کی نمائندگی کرنے کے لئے سر محمد ظفراللہ خاں کو پورے اختیار دینے کے لئے آخری سرکاری کاغذ پر دستخط کئے۔

قائداعظمؒ اپنی مسہری پر لیٹے ہوئے تھے۔ میں نے کاغذ اُن کے سامنے پیش کیا۔ اس پر نظر ڈال کر قائداعظمؒ نے میری طرف دیکھا اور فرمایا ''امین کچھ نظر نہیں آرہا''

میں نے یہ سمجھ کر کہ روشنی کی کمی کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے بجلی روشن کردی۔ قائداعظمؒ نے پھر کاغذ پر نظر ڈالی اور اسے پڑھنے کی کوشش کرتے ہوئے ذرا سی دیر میں نظر وہاں سے ہٹالی۔ اور

میری طرف دیکھا۔ میں سمجھ گیا کہ کاغذ کو پڑھنے میں انہیں اب بھی دقت ہو رہی ہے۔ کمرے کی بائیں طرف ایک کھڑکی تھی۔ اُس پر موٹا سا پردہ پڑا ہوا تھا۔ کھڑکی کے پاس جا کر میں نے پردہ سرکا دیا کہ باہر سے روشنی آ سکے۔ اس مرتبہ بھی قائداعظمؒ کاغذ کو اچھی طرح نہ پڑھ سکے۔ دل کہہ رہا تھا یا اللہ یہ کیا ہوا؟ اتنے میں مجھے دیکھا اور فرمایا ''مجھے اُٹھا کر بٹھاؤ''

میں نے حکم کی تعمیل کی اور پیچھے کی طرف دو تکیے رکھ کر انہیں بٹھانے کی کوشش کی لیکن قائداعظمؒ کے لئے یہ بھی ممکن نہ ہوا کہ وہ اس طرح بیٹھ کر کاغذ پر دستخط کر سکیں۔ اس صورت حال سے انہیں بڑی الجھن ہوئی فرمانے لگے ''مجھے سہارا دو۔ تا کہ میں پوری طرح بیٹھ سکوں' میں نے ہاتھوں کے سہارے سے اُن کے جسم کو اور سیدھا کیا۔ میں اُن کے سامنے کی طرف کھڑا تھا۔ اور میرے دونوں ہاتھ ان کی پسلیوں کے نیچے تھے۔ اس طرح اگر وہ کاغذ پر دستخط کرنا بھی چاہتے تو میرے دونوں ہاتھ اُن کے لئے رکاوٹ پیدا کرتے اس لئے میں نے اُن کو ایک ہاتھ سے روکا اور پیچھے کی طرف جا کر اپنے دونوں ہاتھوں پر سنبھال لیا۔ اُس وقت میرے دل کی یہ کیفیت تھی کہ جیسے میں نے شیشے کی کوئی بہت نازک سی چیز پکڑ رکھی ہے اور میری ذرا سی کوتاہی سے بھی اس نازک شیشے میں بل پڑ جائے گا۔ قائداعظمؒ نے اس وقت فرمایا مضبوطی سے پکڑو' یہ الفاظ تحکمانہ انداز میں کہے گئے تھے لیکن آواز میں کسی قدر ضعف تھا۔ اس طرح قائداعظمؒ نے بڑی مشکل سے اس کاغذ پر دستخط کئے۔ اس دستخط کا نقش اب بھی میرے سامنے ہے اس میں قائداعظمؒ کے پچھلے دستخطوں کی سی اُستواری نہ تھی۔ اس وقت میرا دل رو رہا تھا۔ یہ نحیف جسم اور ہڈیوں کا ڈھانچہ اس شخص کا تھا جس نے برسوں ہندوستانی اور انگریزی سیاستدانوں کا مقابلہ کیا اور جس نے بیشتر مسلمانوں کو ایک منظم اور طاقتور قوم بنایا اس کی آج یہ حالت ہے کہ جب وہ کاغذ پر دستخط کر چکے تو قطعی تھک چکے تھے۔ انہوں نے بڑے دردناک انداز میں فرمایا۔

''امین میں بھی ہانپ رہا ہوں اور تم بھی ہانپ رہے ہو''

میرا سانس تیز تھا لیکن اس لئے نہیں کہ قائداعظمؒ کو سہارا دینے سے تھک گیا تھا۔ میں تو اس لئے ہانپ رہا تھا کہ اپنے جذبات پر قابو پانے کی کوشش نے مجھے تھکا دیا تھا۔ میرے ہاتھوں اور میرے جسم سے ملحق پاکستان کی سب سے محبوب شخصیت تھی۔ وہ شخص جس کے ایک اشارہ پر لاکھوں آدمی اپنی جان قربان کرنے پر تیار ہو جائیں اور اس وقت اُس کی حالت تھی کہ بیماری کے ہاتھوں میں بے بس تھا۔ میرے ذہن میں جو اضطراب پیدا ہوا وہ میرے لئے ناقابلِ برداشت تھا۔ اس لئے قائداعظمؒ کو بستر پر لٹاتے ہی میں تیزی سے باہر نکل گیا۔ اور خُوب پھُوٹ پھُوٹ کر رویا۔“

(لاہور 5/ اکتوبر 1985 صفحہ 10۔11)

* * *

جب قیدِ تعصب سے رہا ہوگا زمانہ
ابنائے چمن! ہم کو بہت یاد کرو گے

عبدالکریم قدسی

عظیم قانون داں سر ظفر اللہ خان

اشرف طاہر

قائداعظم کے قریبی ساتھی بین الاقوامی شہرت کے حامل۔ نہایت ممتاز، بلند پایہ قانون دان ومدبر مسلم لیگ کے صدر پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ ہیگ کی عالمی عدالت کے صدر اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کے 17 ویں اجلاس کے پریذیڈنٹ شمالی افریقہ کے مسلم ممالک کی آزادی اور مسئلہ فلسطین کے بارے میں اقوامِ متحدہ میں عربوں کے نڈر اور جری ترجمان ومحسن مؤرخہ یکم ستمبر 1985ء کو 92 سال کی عمر میں لاہور میں وفات پا گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

آپ 9 فروری 1893ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے والدین نے ظفر اللہ نام رکھا لیکن بعد میں جب آپ حصول تعلیم کے لئے انگلستان تشریف لے گئے تو آپ کے ایک دوست قاضی ظہور حسین صاحب نے وزٹنگ کارڈ چھپواتے ہوئے آپ کے نام کے ساتھ ’’محمد‘‘ کے بابرکت لفظ کا اضافہ کردیا جسے چوہدری صاحب نے نہایت محبت اور عقیدت کے ساتھ ساری عمر نام کا جزو بنائے رکھا آپ کے والد صاحب کا نام چوہدری نصر اللہ خاں تھا جو اپنے وقت میں سیالکوٹ کے نامور اور مشہور وکیل تھے۔ آپ کی والدہ محترمہ کا اسم گرامی حسین بی بی تھا جو نہایت خدا رسیدہ شخصیت تھیں آپ نے ابتدائی تعلیم سیالکوٹ میں حاصل کی میٹرک کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا اور یہیں سے پنجاب یونیورسٹی سے گریجوایشن کرنے کے بعد عازم برطانیہ ہوئے جہاں آپ کنگز کالج لندن میں داخل ہوئے اور لنکن ان سے بار ایٹ لا کی ڈگری حاصل کی 1914ء میں وطن واپسی پر قانون کی پریکٹس شروع کی 1926ء سے 1973ء تک آپ کو مختلف حیثیتوں سے ایک ملک و ملت کی اس شاندار اور ممتاز رنگ میں خدمت کی توفیق مل سکی جس کا اپنوں اور غیروں سبھی نے برملا اعتراف کیا، 1974ء میں آپ کا بطور صدر عالمی عدالت انصاف دوبارہ تقرر یقینی تھا لیکن آپ نے

اپنے ایک خواب کی بنا پر فوراً وزارت امور خارجہ پاکستان چٹھی لکھ دی کہ اراکین عدالت کے انتخاب کے سلسلہ میں میرا نام واپس لے لیا جائے اور یوں تو ہر قسم کی دنیاوی سرگرمیوں کو چھوڑ کر اپنی تمام صلاحیتیں اور توانائیاں جماعت احمدیہ کی خدمت میں صرف کرنی شروع کر دیں اور اس مقصد کے لئے آپ ایک معمولی فلیٹ میں فروکش ہو گئے اور جماعت کی خدمت کے لئے تراجم اور تالیف وتصنیف کا کام شروع کر دیا یہ سلسلہ دس سال تک جاری رہا اور 1983ء میں آپ خرابیٔ صحت کی بنا پر لاہور آ گئے جہاں آپ وفات تک مقیم رہے۔

گول میز کانفرنس اور قوم

چوہدری ظفراللہ خان کی سنہری خدمات:-

کانفرنس لندن میں تین بار منعقد ہوئی (1) نومبر 1930ء تا جنوری 1931ء۔ (2) ستمبر 1931ء تا دسمبر 1931ء (3) نومبر 1932ء تا دسمبر 1932ء چوہدری صاحب ہندوستان کے مسلمانوں کی طرف سے بطور نمائندہ ان تینوں کانفرنسوں میں شامل ہوئے پہلی دو کانفرنسوں میں مستقبل کے قائداعظم محمد علی جناح بھی شامل ہوئے تھے گول میز کانفرنس اور اس کی تجاویز پر غور کرنے والی پارلیمنٹری کمیٹی کی رپورٹ 1934ء میں شائع ہوئی جسے 1935ء میں برطانوی پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں نے پاس کر دیا اور اس کا نام ''گورنمنٹ آف انڈیا'' رکھا گیا جو ہندوستان میں یکم اپریل 1937ء سے نافذ کیا گیا۔

ہندوستان کے اس جدید آئین اساسی میں مسلمانوں کے کم وبیش تمام مطالبات منظور کر لئے گئے جداگانہ انتخاب بدستور قائم رہا۔ صوبہ سرحد میں مکمل اصلاحات رائج کر دی گئیں سندھ کو بمبئی سے علیحدہ کر کے ایک جداگانہ صوبہ کی حیثیت دے دی گئی۔

پنجاب میں مسلمانوں کی اکثریت (اگرچہ بے حد قلیل) قائم ہو گئی البتہ بنگال سے متعلق مسلم

مطالبہ تسلیم نہ کیا جا سکا اور مسلمانوں کی آئینی اکثریت قائم نہ ہوئی۔ البتہ کانگریس کا زور وہاں بھی توڑ دیا گیا اس کے علاوہ گورنروں کو اس قسم کی ہدایات جاری کر دی گئیں کہ صوبائی وزارتوں میں مسلمانوں کو ایک تہائی ضرور ملنا چاہئے اور ان کامیابیوں کا سہرا چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب کے سر تھا جنہوں نے کامیاب وکالت کو خیر باد کہہ کر چار سال تک اپنی لگاتار کوششیں ملک کی آئین سازی کے نقشہ میں مسلم حقوق کا رنگ بھرنے کے لئے وقف کئے رکھیں۔

اسلامی ہند کی مسلمانوں کی تاریخ میں چوہدری ظفر اللہ کا اسلامی حقوق کی پاسبانی و ترجمانی کا فریضہ جس خوش اسلوبی سے ادا کیا اس پر ہندی مسلمانوں نے کھلے دل سے خراجِ تحسین ادا کیا اور سیاسی معاملات میں آپ کی بلندیٔ فکر و اصابت رائے کا سکہ بڑے بڑے مدبران سیاست کے قلوب پر بیٹھ گیا اور مسلمانوں نے مدلل و پر زور تقریروں پیچیدہ مسائل میں برمحل راہ نمائی سے امت مسلمہ کی شاندار خدمات کا اقرار کیا اور جب آپ لندن سے واپس آئے تو آپ کا شاندار استقبال کیا گیا اور 1934ء میں آپ آنر ایبل سر میاں فضل حسین کی جگہ وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے بلا مقابلہ ممبر منتخب کر لئے گئے۔

24/ اکتوبر 1934ء میں آپ کی لفظی تصویر پیش کرتے ہوئے لکھا، دراز قد مضبوط اور بھاری جسم عمر چالیس سال سے زیادہ گندمی رنگ چوڑا چکلا چہرہ۔ فراخ چشم، فراخ عقل، فراخ علم قوم مسلمان عقیدہ قادیانی چپ رہتے تھے اور بولتے ہیں تو کانٹے میں تول کر اور بہت احتیاط کے ساتھ پورا تول کر بولتے ہیں۔ سیاسی عقل ہندوستان کے ہر مسلمان سے زیادہ رکھتے ہیں۔ وزیر اعظم ہند۔ وزیر ہند اور وائسرائے اور سب سیاسی انگریز ان کی قابلیت کے مداح ہیں۔ اور ہندو لیڈر بھی بادلِ نخواستہ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ شخص ہمارا حریف تو ہے مگر بڑا ہی دانشمند حریف ہے اور بڑا ہی کارگر حریف ہے گو میز کانفرنس میں ہر ہندو اور مسلمان اور ہر انگریز نے چوہدری ظفر اللہ خاں کی لیاقت کو مانا اور کہا کہ مسلمانوں میں اگر کوئی ایسا آدمی ہے جو فضول اور بے کار بات زبان سے نہیں

نکالتا اور نئے زمانہ کے پالیٹکس پیچیدہ کو اچھی طرح سمجھتا ہے تو وہ۔

چوہدری ظفر اللہ قادیانیہے میاں فضل حسین قادیانی نہیں ہیں مگر وہ اس قادیانی کو اپنا سیاسی فرزند اور سپوت بیٹا تصور کرتے ہیں۔ ظفر اللہ ہر انسانی عیب سے پاک اور بے لوث ہے‘‘۔

ہم آپ کی ان حالیہ مصروفیتوں اور خدمات اسلامی کو معرض محبت میں لانا چاہتے ہیں جن کے لئے آپ کو بہت بڑے ایثار سے کام لینا پڑا ہے آج چار سال قبل سے آپ اس پریکٹس پر لات مار کر جس کی آمدنی اوسطاً پانچ چھ ہزار ہے محض ملت اسلامی کی خدمات انجام دینے کی خاطر انگلستان میں بڑی تندہی کے ساتھ کام کر رہے ہیں جن کو نہ صرف پنجاب کے بلکہ تمام ہندوستان کے مقتدر اور چوٹی کے راہنماؤں نے تسلیم کیا۔

مسلم لیگ کی صدارت

آپ آل انڈیا مسلم لیگ کے بانیوں میں سے تھے اور 1931ء میں آپ آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر مقرر ہوئے۔ مسلم لیگ کا اجلاس دہلی 26 ر دسمبر 1931ء کو مسجد فتح پوری کے جیون بخش ہال میں زیر صدارت سر محمد ظفر اللہ خان منعقد ہونا قرار پایا تھا۔ لیکن کئی روز سے احراریوں اور کانگریسی علماء نے جلسہ میں رکاوٹ ڈالنے اور چوہدری کو محض احمدی ہونے کی وجہ سے بدنام کرنے میں اپنی تمام تر کوششیں صرف کر دیں۔ اور آپ کا سیاہ جھنڈیوں سے استقبال کیا گیا۔ اور بالآخر ہال پر قبضہ کر لیا۔ جس پر مُسلم لیگ کے ایک سومندوبین خانصاحب نواب علی صاحب کی کوٹھی واقعہ کیلنگ روڈ نئی دہلی میں جمع ہوئے خان صاحب ایس ایم عبداللہ صدر مجلس استقبالیہ کے خطبہ کے بعد سر مولوی محمد یعقوب صاحب سیکریٹری مسلم لیگ نے لیگ کونسل کے انتخاب کے مطابق چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب سے فرائض صدارت ادا کرنے کی درخواست کی۔ اور چوہدری صاحب کرسی صدارت پر بیٹھ گئے۔ اور ایک مضبوط اور فاضلانہ خطبہ صدارت پڑھ کر سنایا۔ اس خطبہ میں آپ نے مسلم نقطہ نگاہ کی ترجمانی کرتے ہوئے ملک کے تمام پیچیدہ اور لاینحل مسائل مثلاً وفاق،

وفاقی مجالس قانون ، مالیات وفاق ،حق رائے دہندگی ، عدالت وفاق، صوبہ جاتی خودمختاری مسلمانوں کے اساسی حقوق، وغیرہ پر سیر حاصل روشنی ڈالی، اور نہایت صاف اور واضح لفظوں میں مسلمانوں کے مؤقف کی معقولیت مہر نیم روز کی طرح روشن کر دکھائی۔

یہ خطبہ صدارت مسلم لیگ کی تاریخ میں نہایت درجہ اہمیت رکھتا ہے۔ جسے اسلامی پریس نے بے حد سراہا چنانچہ چند مسلم اخبارت کی آراء درجِ ذیل ہے۔

روز نامہ انقلاب اخبار یکم جنوری 1932ء کے پرچہ میں خطبہ صدارت درج کرتے ہوئے لکھا۔ ’’چوہدری ظفر اللہ خان صاحب آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس دہلی کے صدر کی حیثیت سے جو خطبہ پڑھا۔ اس میں سیاسیات ہند اور سیاسیات اسلامی کے تمام مسائل پر نہایت سیاست سادگی اور سنجیدگی سے اظہار خیالات فرمایا‘‘۔

اخبار الامان دہلی 30/دسمبر 1931ء نے لکھا کہ

’’جہاں تک آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی تجاویز اور اس کے خطبۂ صدارت کا تعلق ہے اس میں پوری پوری مسلمانان ہند کی ترجمانی کی گئی ہے۔ اور اس لحاظ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ بروقت مسلمانانِ ہند کی صحیح ترجمانی کرنے میں یہ اجلاس گزشتہ جلسوں سے زیادہ کامیاب رہا۔‘‘

وزیر اعظم کے اس تاریخی اعلان پر جو اس نے 2/دسمبر کو گول میز کانفرنس میں پیش کیا گیا تھا مایوسی کا اظہار یا افسوس کیا گیا ہے۔ اور یہ بتایا گیا کہ جب تک وہ مسلمانوں کے فلاں فلاں مطالبات نہ منظور کریں۔ اس وقت تک مسلمان محض اعلان سے ہرگز مطمئن نہیں ہو سکتے۔ اس طرح ایک اہم تجویز آل انڈیا مسلم لیگ اور آل انڈیا مسلم کانفرنس کو متحد کرنے لئے منظور کی گئی جس پر مسلمانوں حتیٰ کہ اہل انگلستان کا لوہا مانے ہوئے ہیں۔

(اخبار انقلاب لاہور ۔13/جولائی 1941ء لکھتا ہے کہ

’’سر سموئیل ہور وزیر ہند نے اپنی ایک تقریر میں اعلان کیا تھا کہ گول میز کانفرنسوں کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا انہیں حل کرنے لئے قیمتی اور نتیجہ خیز خدمات سر محمد ظفر اللہ خان نے انجام دیں۔‘‘

جناب سید حبیب صاحب ایڈیٹر اخبار سیاست لاہور (19؍ اکتوبر 1934ء) نے لکھا ہے۔

’’چوہدری صاحب بار ہا مسلمانوں کی طرف سے پنجاب کونسل میں نمائندہ بن کر آئے۔ ایک دفعہ اُن کو اعزاز بلا مقابلہ نصیب ہوا۔ کونسل کے اندر مسلمانوں کے عام مفاد کی نمائندگی کرتے رہے۔ سائمن کمیشن میں انہوں نے مسلم نمائندہ کی حیثیت سے کام کیا۔ مسٹر فضل حسین کی جگہ عارضی طور پر وزیر مقرر ہوئے اور گول میز کانفرنس میں مسلم نمائندہ کی حیثیت سے لئے گئے۔

چوہدری صاحب نے جہاں جہاں بھی مسلمانوں کی خدمت کی وہاں ہمیشہ مفاد ملت کا خیال رکھا کسی بھی موقع پر ان کے کسی بد ترین دشمن کو بھی یہ کہنے کی جرأت نہیں ہوئی کہ انہوں نے قادیانیت کو مفادِ اسلام پر ترجیح دی۔ انہوں نے لندن میں اپنا اور مسلمانوں کا نام روشن کیا۔ مسٹر آغا خان اور دوسرے مسلمان ان کی قابلیت، محنت، جانفشانی، اور مفادِ اسلام کے لئے ان کی عرق ریزی کے مداح رہے۔‘‘

اخبار مسلم آواز کراچی جون 1952ء لکھتا ہے کہ

’’سر ظفر اللہ خاں کے متعلق قائد اعظم محمد علی جناح اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ’’ظفر اللہ خاں کا دماغ خداوند کریم کا زبردست انعام ہے‘‘۔

اخبار ’’شہباز‘‘ لاہور 6؍ جولائی 1941ء نے لکھا کہ

’’1930ء میں ہندوستانی اصلاحات کے سلسلے میں لندن میں گول میز کانفرنس کے اجلاس شروع ہوئے سر محمد ظفر اللہ خاں تینوں گول میز کانفرنسوں اور ہندوستانی اصلاحات سے متعلق دونوں ہی ایوانوں کی مشترکہ پارلیمنٹری کمیٹی کے مندوب تھے ان کانفرنسوں اور کمیٹی میں آپ نے جو

شاندار خدمات سرانجام دیں اُن سے ہندوستان میں اور ہندوستان سے دلچسپی رکھنے والے برطانوی حلقوں میں آپ کی شہرت میں بہت اضافہ ہوگیا۔ مشترکہ پارلیمنٹری کمیٹی کے چیئر مین لارڈ لینلیتھ گو تھے۔

اس کمیٹی میں سر ظفر اللہ خان نے جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے انہیں بے حد مقبولیت ہوئی اور انہوں نے برطانیہ کے صفِ اول کے بعض ممتاز ترین مثلاً چیمبرلین اور مارکوئیس آف سالبری کے رشتۂ دوستی سے منسلک کر دیا۔ سر ظفر اللہ خاں نے انگلستان کے ہوشیار ترین مباحث اور سیاست دان چرچل پر زبردست جرح کی۔ مسٹر چرچل کمیٹی کے سامنے شہادت دے کر فارغ ہوئے تو سر ظفر اللہ خاں سے ازراہ مزاح کہنے لگے آپ نے کمیٹی کے سامنے مجھے دو گھنٹے بہت بری طرح رگیدا ہے۔ ''

الخیل دہلی نے اپنے یکم جنوری 1932ء کے پرچہ میں لکھا کہ

''چوہدری ظفر اللہ خاں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس دہلی میں جو خطبۂ صدارت ارشاد فرمایا وہ اپنی نوعیت اور سودمندی کے اعتبار سے وقت کا ایک اہم خطبہ ہے۔ اور اس میں مسلم جذبات کی صحیح ترجمانی کی ہے، ہم چوہدری صاحب کے ممنون ہیں کہ آپ نے مسلم جذبات کی سچی وکالت کی اور حکومت اور دنیا کو ایک دفعہ اور متنبہ کر دیا کہ اگر مسلمانوں کے حقیقی مطالبات منظور نہ کئے گئے اور انتخاب جداگانہ کے قیام میں پنجاب و بنگال میں مسلم اکثریت کے تحفظ، سندھ کی غیر مشروط علیحدگی اور سرحد کو حقیقی اصلاحات عطا کرنے کی طرف مستورانہ اقدام نہ اٹھایا گیا تو یہاں کوئی آئین کامیاب نہ ہوگا، اور مسلمان ہرگز مطمئن نہ ہوں گے مسلم حقوق کی وکالت کا جو طریقہ آپ نے اختیار کیا ہے وہ بہت درست تھا۔ تمام خطبہ آپ کی فاضلانہ اور دلیرانہ جذبات کی ترجمانی ہے۔ آپ نے اس خطبۂ صدارت میں جن گراں قدر خیالات کا اظہار کیا ہے۔ حقیقت میں وہی مسلمانوں کے خیالات ہیں اس خطبہ کو پڑھ کر مخالفین کو یقینا اپنے احتجاجی فعل و عمل پر افسوس ہوا

ہوگا اور ہونا بھی چاہئے۔"

الغرض آپ قائداعظم کے ایسے معتمد خاص تھے کہ قائداعظم انہیں اپنا سیاسی فرزند قرار دیتے تھے اور جب کبھی آپ سفارتی فرائض ادا کرنے کے بعد واپس لوٹتے تو قائداعظم ان سے معانقہ فرماتے اور یہ اعزاز کسی اور کو نہیں ملا۔ بلاشبہ آپ بہترین وکیل بہترین جج بہترین فلاسفر، بہترین مدبر، اور بہترین مصنف تھے۔ آپ اس قدر بے پناہ خوبیوں کے مالک تھے۔ جن کا احاطہ ممکن نہیں یہ گوہر نایاب وجود ایک بھرپور کامیاب زندگی بسر کرنے کے بعد ہزاروں من مٹی کے نیچے محو استراحت ہے۔ جسے مدتوں یاد رکھا جائے گا۔ مدتوں برسوں۔

(روزنامہ معراج کراچی 18 و 19 ستمبر 1985ء صفحہ نمبر 35)

* * *

اس کے پہلو میں محبت ہی محبت تھی نہاں
اک گھنا برگد تھا ایسا جس کا سایہ تھا گھنا

عبد الکریم قدسی

حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ
کی
عظیم الشان علمی و سیاسی خدمات

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحبؓ

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں

1940ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ایک اہم تقریب منعقد ہورہی تھی۔ جس میں تقسیم انعامات کے لئے آنریبل چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی خدمت میں درخواست کی گئی جسے آپ نے بخوشی قبول فرمایا۔ اور آپ 9 مارچ 1940ء کو دہلی سے بذریعہ کار کلکتہ میل سوا نو بجے وارد علی گڑھ ہوئے۔ ریلوے اسٹیشن پر معززین نے آپ کا پرتپاک استقبال کیا جن میں حسب ذیل خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

1۔ آنریبل سر شاہ محمد سلیمان صاحب وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی و جج فیڈرل کورٹ دہلی۔

2۔ مسٹر اے۔ بی۔ اے حلیم صاحب پرو وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

3۔ مسٹر اے۔ ٹی نقوی آئی سی ایس کلکٹر ضلع علی گڑھ۔

4۔ ڈاکٹر ہادی حسن صاحب صدر شعبہ فارسی مسلم یونیورسٹی۔

5۔ کیپٹن حیدر خانصاحب صدر شعبہ کیمسٹری مسلم یونیورسٹی۔

6۔ ڈاکٹر طاہر رضوی صاحب صدر شعبہ جغرافیہ مسلم یونیورسٹی۔

7۔ خاں بہادر شیخ محمد عبداللہ صاحب۔

8۔ مسٹر عبداللہ بٹ لیکچرر مسلم یونیورسٹی۔

آنریبل چوہدری صاحب اسٹیشن سے بذریعہ کار مسلم یونیورسٹی کی طرف روانہ ہوئے جہاں وکٹوریہ گیٹ پر یونیورسٹی کے رائڈنگ سکواڈ (RIDINGSQUAD) نے آپ کو سلامی دی۔ پھر آنریبل چوہدری صاحب نے آنریبل سر شاہ محمد سلیمان صاحب کے ہمراہ تمام یونیورسٹی کا چکر لگایا اور قریباً ہر شعبہ کا معائنہ فرمایا۔ ساڑھے چار بجے بعد دوپہر آپ کے اعزاز میں یونیورسٹی کی

طرف سے دعوت چائے دی گئی۔ اس کے بعد کھیلوں کے جلسہ تقسیم انعامات میں جناب چوہدری صاحب نے انعامات تقسیم فرمائے۔ اختتام پر مسٹر اے بی اے حلیم صاحب پرووائس چانسلر مسلم یونیورسٹی نے آپ کا انگریزی میں شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔ ہم آنریبل چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب کے نہایت شکر گزار ہیں۔ جو اپنی گونا گوں مصروفیات کے باوجود اپنے کام کا حرج کرکے یہاں تشریف لائے نیز آپ کی غیر معمولی قابلیت اعلیٰ پایہ کے مدبر سیاستدان اور پارلیمنٹرین ہونے کا ذکر نہایت شاندار الفاظ میں کیا۔

اس کے جواب میں چوہدری صاحب نے سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد اردو میں تقریر کی جس میں فرمایا کہ میں آپ لوگوں کا نہایت شکر گزار ہوں کہ آپ نے میری عزت افزائی کی ہے۔ اور میں چاہتا ہوں کہ میں بھی آپ کی تواضع کروں۔ آپ حیران ہوں گے۔ کیونکہ آپ کا خیال ہوگا کہ میں انگریزی میں تقریر کروں گا لیکن میں آج چونکہ ایسے موضوع پر کچھ کہنا چاہتا ہوں جس کے لئے اردو زبان زیادہ موزوں ہے۔ اس لئے میں اسی سے کام لوں گا۔ آپ نے بارہا سیاست اور دیگر مسائل پر عالمانہ تقریریں سنی ہوں گی لیکن آج میں ایسے موضوع پر کچھ کہنا چاہتا ہوں جو میرے نزدیک سب سے اہم ہے آپ نے حدیث **انما الاعمال بالنیات** کی تشریح وتفسیر نہایت پر اثر اور لطیف پیرایہ میں کی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے واقعات اور دیگر بزرگوں کے حالات بیان کئے۔

آپ نے فرمایا جو کام کیا جائے اس کے لئے نیت نیک ہونی چاہئے اور وہ کام خدا ہی کے لئے ہونا چاہئے۔ تمہارا اٹھنا بیٹھنا چلنا پھرنا سب کچھ خدا تعالیٰ کے لئے ہونا چاہئے۔ اور ہر کام کرتے وقت تمہاری نیت نیک ہونی چاہئے۔ اگر کھیلوں کے میدان میں کھیلو تو اس میں بھی خدا تعالیٰ کی رضا اور خوشی کو مدنظر رکھ کر کھیلو اس موقعہ پر آپ نے حضرت اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ بیان کیا کہ آپ جب دریائے اٹک پر پہنچے تو آپ کو معلوم ہوا کہ یہاں ایک غیر مسلم ہے جو بہت بڑا

تیراک ہے اور کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس پر آپ کی غیرت نے گوارا نہ کیا کہ وہاں سے آگے بڑھیں۔ وہیں ڈیرے ڈال دیئے۔ اور تیرنا شروع کر دیا۔ آخر اتنی مشق کر لی کہ اس غیر مسلم کو چیلنج دے کر شکست دی۔ ہمارے نوجوانوں کو چاہئے کہ ہر کام میں اسلام کی برتری ترقی اور بہبودی کی کوشش کریں۔

یہ مختصر ذکر ہے اس تقریر کا جو آنریبل چوہدری صاحب نے کی۔ سامعین پر اس کا بے حد اثر ہوا۔ طلباء نے دوران تقریر کئی مرتبہ خوشی کے اظہار کے لئے چیئر کیا۔ جلسہ کے اختتام پر طلباء نے جناب چوہدری صاحب کو تین دفعہ چیئر کیا اس کے بعد آپ ریلوے سٹیشن پر تشریف لے گئے۔ جہاں آپ کو مسلم یونیورسٹی کے خاکساروں نے سلامی دی اور آپ نے ان کا معائنہ کیا۔ سوا سات بجے شام کی گاڑی کلکتہ میل سے آپ واپس دہلی تشریف لے گئے۔

(بحوالہ الفضل قادیان 16 مارچ 1940ء صفحہ 6)

* * *

علی گڑھ کالج

قرارداد لاہور 1940ء

اور چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب

پروفیسر راجا نصر اللہ خان

قائداعظم کی قیادت میں الگ وطن کا مطالبہ پروان چڑھنے لگا

جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں انگریزوں کے دور حکومت کے دوران آزادی ہند کی تحریک ایک لمبے عرصہ تک جاری رہی اور اس میں ہندوستان کی تمام اہم قوموں یعنی ہندوؤں، مسلمانوں اور سکھوں نے مل جل کر حصہ لیا یہاں تک کہ مسلمانوں کے عظیم اور ممتاز لیڈر محمد علی جناح ہندو مسلم اتحاد کے سفیر کہلاتے تھے اور انہوں نے پورے عزم اور خلوص سے بھرپور کوشش کی کہ ہندو لیڈر بشمول گاندھی اور نہرو مسلمانان ہند کی بھی بہتری اور حقوق کا خیال کریں تا کہ آزادی ہند کی تحریک کو مل جل کر کامیاب بنایا جا سکے لیکن جیسا کہ مختلف واقعات اور حالات سے ثابت ہوتا رہا ہندوؤں کی تنگ نظری، مسلم دشمنی، خود غرضی اور بعض اپنوں کی بیگانگی نے بھی محمد علی جناح اور مسلمانوں کو یہاں تک مایوس کیا کہ آخر کار عظیم مسلمان لیڈر محمد علی جناح ہندوستان چھوڑ کر انگلینڈ میں سکونت پذیر ہو گئے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے حضرت مصلح موعود کے دردمند دل کی خواہش اور پُر حکمت کاوش کا نتیجہ تھا کہ محمد علی جناح ہندوستان واپس آنے پر رضامند ہو گئے اور اس طرح 1934ء میں مسلمانان ہند کو پھر سے ان کا عظیم لیڈر یعنی قائداعظم میسر آ گیا۔

ہندو کی عیاری آخر مسلمانوں کی بیداری کا باعث بن گئی

سابق سول سرونٹ اور معروف قلمکار اور مصنف شوکت علی شاہ اپنے کالم حرمت حروف میں تحریر کرتے ہیں:۔

’’جب یہ بات واضح ہوگئی کہ انگریز کا جانا ٹھہر گیا ہے۔ صبح گیا کہ شام گیا تو مسلمانوں نے مقدور بھر کوشش کی کہ ملک تقسیم نہ ہو۔ انہیں آئینی تحفظات درکار تھے جس پر ہندو کسی طور راضی نہ ہوئے۔ وہ انہیں عددی اکثریت کے بل بوتے پر سیاسی، سماجی اور معاشی طور پر نیست و نابود کرنا چاہتے تھے۔ چالاک بنئے کے ذہن کو پڑھتے ہوئے اور اس کی چالوں کو سمجھتے ہوئے جب مسلمانوں نے الگ ملک کا مطالبہ کیا تو ہندوؤں نے اس کی مخالفت میں آسمان سر پر اٹھالیا۔ اس کو مجذوب کی بڑ اور دیوانے کا خواب کہا گیا۔ غیر تو غیر اپنے بھی کسی خوش فہمی یا غلط فہمی کی وجہ سے مخالفت پر اتر آئے ان میں مولانا ابوالکلام آزاد اور حسین احمد مدنی پیش پیش تھے مولانا آزاد بہت بڑے عالم تھے لیکن ان کی سیاسی سوچ علمی بصیرت کا ساتھ نہ دے پائی۔‘‘

(از مضمون مطبوعہ نوائے وقت مؤرخہ 8/اگست 2012ء)

23 مارچ 1940ء کی فیصلہ کن قرارداد لاہور

قائداعظم محمد علی جناح 1934ء میں انگلستان سے واپس ہندوستان تشریف لے آئے اس کے بعد قائداعظم اور ان کے مخلص ساتھیوں نے بڑے زور شور سے مسلمانان ہند کو مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع کرنا شروع کر دیا اور ہندوستان بھر کے مسلمان اپنی مرضی سے کندھے سے کندھا ملا کر مسلم لیگ کی حمایت میں جمع ہوتے گئے اور ایک فعال قوت کی شکل اختیار کرتے گئے۔ آخر 23 مارچ 1940ء کا فیصلہ کن دن آ پہنچا جب قائداعظم کی صدارت میں مسلمانوں کے لئے ایک الگ وطن کے خدوخال واضح کرنے کے لئے قرارداد لاہور (جسے بعد میں بجا طور پر قرارداد پاکستان کا نام دیا گیا) پیش کی گئی۔ قرارداد پاکستان کے ذریعہ گویا وطن عزیز پاکستان کی بنیاد رکھ دی گئی۔

قرارداد پاکستان کی بنیادی اہمیت اور ملی فوائد

یہ قرارداد کس طرح پاکستان کی بنیاد اور مسلمانان ہند کے لئے بے بہا فوائد اور برکات کا باعث بنی اس کے لئے اہل علم و قلم کے کچھ اہم حوالے پیش کئے جاتے ہیں۔ متذکرہ قرارداد کا نتیجہ

پاکستان معرض وجود میں آیا۔ معروف علمی و ادبی اور کہنہ مشق قلمکار ڈاکٹر محمد اجمل نیازی کے کالم بے نیازیاں کے یہ الفاظ پڑھتے ہیں:۔

’’مارچ کی 23 تاریخ بہت اہم ہے۔ میرے خیال میں 23 مارچ 14/ اگست سے بھی زیادہ اہم ہے۔ 23 مارچ 1940ء کو قرارداد پاکستان پیش کی گئی اور سات سال کے اندر 14/ اگست کو پاکستان معرض وجود میں آیا۔ تحریک پاکستان، تحریک آزادی بھی تھی۔‘‘

(نوائے وقت مؤرخہ 9 مئی 2012ء)

معروف اور قابل صحافی احسان اللہ ثاقب اپنے مضمون میں تحریر کرتے ہیں:۔

’’قرارداد لاہور کی تاریخی اہمیت مسلمہ ہے۔ یہ قرارداد 23 مارچ 1940ء کو لاہور کے منٹو پارک (موجودہ اقبال پارک) میں لاکھوں فرزندان اسلام نے منظور کی۔ اس قرارداد کی تاریخی اہمیت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اس نے مسلمانان ہند کے لئے ایک الگ۔ آزاد خودمختار مسلم ریاست کا نصب العین متعین کیا جس کے نتیجے میں صرف سات سال اور 5 ماہ کے قلیل عرصہ میں توحید و رسالت کے پروانوں کو خودمختار وطن عزیز حاصل ہو گیا۔ یہ قرارداد مسلمانوں کے سچے جذبات اور احساسات کی آئینہ دار تھی اس کا جادو سر چڑھ کر بولا۔ جذبوں کی سچائی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اگرچہ اس قرارداد میں پاکستان کا لفظ کہیں بھی استعمال نہیں کیا گیا مگر اس کے باوجود اسے قرارداد لاہور کی بجائے زیادہ تر قرارداد پاکستان کا نام دیا جاتا ہے۔‘‘

آگے چل کر مضمون نگار رقمطراز ہیں:۔

’’قرارداد لاہور کی منظوری کے بعد پشاور سے لے کر چاٹگام تک مسلم قوم آزادی حاصل کرنے کے لئے دشمن کے سامنے ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئی۔ شہر شہر گاؤں گاؤں ہر زبان پر یہ نعرے تھے ’’آزادی کا مطلب کیا۔ لا الٰہ الا اللہ۔ بن کے رہے گا پاکستان۔ لے کے رہیں گے پاکستان۔‘‘ دوسری جانب قرارداد لاہور نے ہندو قیادت کو بوکھلاہٹ میں مبتلا کر دیا۔ مثال کے طور

پر گاندھی نے مسلمانوں کے الگ وطن کے مطالبے اور تقسیم ہند کی تجویز کو ناقابلِ عمل قرار دیا...... مگر قائداعظم نے ہندو راہنماؤں کے اعتراضات کو رد کرتے ہوئے کہا:۔

’’قدرت نے پہلے ہی ہندوستان کو تقسیم کر رکھا ہے اور اس کے حصے علیحدہ علیحدہ ہیں۔ ہندوستان کے نقشے پر مسلم ہندوستان اور ہندو ہندوستان پہلے ہی موجود ہیں۔‘‘ بالآخر 14/اگست 1947ء کو قرارداد لاہور نے اپنا تاریخی رنگ دکھایا جب اسلامی ریاست پاکستان آزاد دنیا کے نقشہ پر ابھری۔‘‘ (نوائے وقت مؤرخہ 24 مارچ 2012ء)

پہلی بار علیحدہ وطن کا مطالبہ اور ہندو پریس کا فائدہ مند پروپیگنڈا

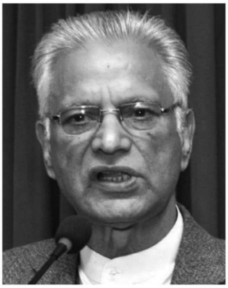

معروف مصنف اور اہل علم ونظر مضمون نگار جناب **قیوم نظامی** اپنے مضمون 23 مارچ 1940ء کی قرارداد کے پس منظر میں لکھتے ہیں:۔

’’23 مارچ 1940ء کی قرارداد لاہور اس لحاظ سے تاریخی اہمیت کی حامل ہے کہ تحریک پاکستان کے دوران بھارت کے مسلمانوں نے پہلی بار اس قرارداد کے ذریعے ایک علیحدہ وطن حاصل کرنے کا مطالبہ کیا اور وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ ایک ہی وطن میں ہندوؤں کی بالادستی میں رہنا مسلمانوں کے مفاد میں نہیں ہے۔ 1940ء کی قرارداد چونکہ پہلی قرارداد تھی جس میں مسلمانوں کی منزل کی نشاندہی کی گئی تھی اور جسے تاریخی شہر لاہور میں آل انڈیا مسلم لیگ کے جنرل باڈی کونسل کے اجلاس میں قائداعظم کی صدارت میں پُرجوش انداز میں منظور کیا گیا تھا لہٰذا ہر سال اس تاریخی قرارداد کی یاد منائی جاتی ہے۔ 1940ء کی قرارداد پریس میں شائع ہوئی تو اس پر پورے بھارت میں تبصرے ہوئے بیانات جاری ہوئے، کالم لکھے گئے۔ بھارت کے ہندو لیڈروں نے قرارداد لاہور کو قرارداد پاکستان کا نام دیا جسے مسلمانوں نے قبول کر لیا۔‘‘

(نوائے وقت مؤرخہ 23 مارچ 2012ء)

اس وقت مسلمان ایک قوم تھے

معروف مضمون نگار مصباح کوکب اپنے مضمون بعنوان 23 مارچ میں تحریر کرتی ہیں:۔

”23 مارچ ایک تاریخ ساز دن ہے۔ آج سے 72 برس قبل 1940ء کو منٹو پارک لاہور میں آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ کنونشن ہوا تھا جس کی صدارت قائداعظم نے کی تھی۔ اس وقت مسلمان ایک قوم تھے ان میں جذبہ تھا، سچی لگن تھی، عزم وارادہ تھا، سب کی زبان پر تھا کہ لے کے رہیں گے پاکستان۔ بن کے رہے گا پاکستان اور پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ۔

اس وقت مسلمان پنجابی، سندھی، سرحدی، بلوچی، بنگالی یا پٹھان ہرگز نہ تھے اور نہ ہی کوئی شیعہ تھا اور نہ ہی سنی بلکہ صرف مسلمان تھے اور سب ایک تھے اور قائداعظم نے بھی مسلمانوں کو جمہوریت کے تین راہنما اصول ایمان (Faith)، اتحاد (Unity) اور نظم وضبط (Discipline) سے روشناس کر دیا تھا اور پھر انہی راہنما اصولوں پر عمل کرتے ہوئے۔ مسلمانوں نے ایک منظم اور متحد قوم بن کر 1940ء سے 1947ء تک جدوجہد کرتے ہوئے سات سال کے مختصر عرصہ میں علیحدہ وطن حاصل کر لیا۔ لیکن جونہی اس ملک کو بنانے والے اللہ کو پیارے ہو گئے تو ابن الوقت مصلحت آمیز اقتدار پرست وڈیرہ شاہی اور جاگیردارانہ ذہنیت نے اجارہ داری قائم کر لی۔ وہ لوگ جو شریک سفر نہ تھے انہیں نوازا گیا اور ساتھ ہی لوٹ کھسوٹ کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔“ (نوائے وقت مؤرخہ 23 مارچ 2012ء)

جناب **مجید نظامی** کچھ تاریخی حقائق بیان کرتے ہیں:۔

”قرارداد پاکستان منظور ہونے کے بعد سات سال کے مختصر عرصہ میں انگریزوں، ہندوؤں اور سکھوں کی مخالفت کے باوجود پاکستان معرض وجود میں آ گیا۔ پاکستان کے مخالفین میں مسلمان بھی تھے جن میں کانگریسی مسلمان، احراری مسلمان اور خاکسار مسلمان شامل تھے...... دوقومی نظریہ پاکستان کی بنیاد ہے یعنی ہندو اور

مسلمان دو الگ الگ قوم تھے اور ہیں۔ ‘‘

(نوائے وقت 24 مارچ 2012ء صفحہ 6 کالم 6)

صاحب علم و فکر مصنف اور مضمون نگار جناب قیوم نظامی کے ماضی قریب میں شائع ہونے والے مضمون ’’ پنجاب میں مسلم لیگ کے ابتدائی سال ‘‘ سے یہ اقتباس پڑھتے ہیں۔

’’ 23 مارچ 1940ء کو مینار پاکستان لاہور میں آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجتماع ہوا جس میں قرارداد لاہور منظور ہوئی جسے بعد میں قرارداد پاکستان کے نام سے پکارا گیا۔ یہ قرارداد مسلمانوں کی تمناؤں، آرزوؤں اور تصورات کی آئینہ دار تھی جس نے ہندوستانی تاریخ کو متاثر کیا۔ اس تاریخی قرارداد نے بھارت کے مسلمانوں کو علیحدہ شناخت اور نصب العین دیا۔ ‘‘

(نوائے وقت مؤرخہ 14 جولائی 2014ء ادارتی صفحہ)

تاریخ ساز قرارداد پاکستان کا مسودہ کس نے تیار کیا

قارئین کرام نے قرارداد لاہور کی بنیادی اہمیت اور مسلمانان ہند کے اتحاد اور ولولہ میں اس قرارداد کا مرکزی کردار جس کے نتیجہ میں آزاد وطن پاکستان کی بنیاد اور اٹھان اور عظیم عمارت استوار ہوئی کے متعلق ٹھوس حقائق پر مبنی حوالے پڑھ لئے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ایسی زبردست اور بے بہا دستاویز کس عالی دماغ اور مخلص خادم ملت کا نتیجہ فکر اور قلمی شاہکار تھا۔ شائد یہ راز کبھی بھی پوری طرح آشکار نہ ہو پاتا اگر عوامی نیشنل پارٹی کے لیڈر ولی خان اپنی کتاب Facts are Facts میں ایک اہم تاریخی دستاویز کا انکشاف نہ کرتے جو انہوں نے برطانیہ کی انڈیا آفس لائبریری میں دیکھی اور اپنی کتاب میں اس کا تذکرہ کیا لیکن خود ہی یہ نتیجہ اخذ کر لیا کہ پاکستان گویا قائداعظم اور مسلم لیگ نے نہیں بنایا تھا بلکہ اس میں انگریزوں کا ہاتھ تھا۔ ولی خان کے اس بیان سے ملک میں کافی ہلچل مچ گئی۔ اس صورتحال پر فرزند پاکستان اور قائداعظم کے معتمد خاص اور سابق وزیر خارجہ پاکستان چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان نے اس زمانہ کے مشہور انگریزی اخبار پاکستان ٹائمز

لاہور کی 13 فروری 1982ء کی اشاعت میں ایک مفصل واضح اور محنت طلب مضمون تحریر کیا۔ ایڈیٹر صاحب پاکستان ٹائمز نے اس مضمون کو چوہدری ظفر اللہ خان وضاحت کرتے ہیں کے عنوان سے ایک خصوصی نوٹ کے ساتھ شائع کیا جس میں بتایا گیا کہ (ترجمہ) ’’سر محمد ظفر اللہ نے فروری 1940ء کے آخر نصف میں (وائسرائے ہند) لارڈ لنلتھگو کو جو نوٹ بھیجا تھا اس کا پس منظر اور اس وقت کے حالات کی تفصیل بیان کرنے کے لئے چوہدری صاحب نے بہت محنت اور کاوش سے کام لیا ہے۔ ولی خان نے ایک اردو مجلّہ کے ساتھ انٹرویو میں اس نوٹ پر اپنے الزامات کی بنیاد رکھی تھی۔‘‘

قارئین کرام جملہ معترضہ کے طور پر یاد آیا کہ اس حقیقت کا ڈاکٹر صفدر محمود نے بھی اپنے مخالفانہ مضمون مطبوعہ روزنامہ جنگ میں اعتراف کیا ہے کہ:۔

’’تاریخ بتاتی ہے کہ جب ہندوستان کے وائسرائے لارڈ لنلتھگو نے 20 مارچ 1939ء کو یہ اعلان کیا کہ ہندوستان کو جلد ڈومینین کا درجہ دیا جائے گا یعنی آزادی دے دی جائے گی تو اس اعلان کے حوالے سے سر ظفر اللہ خان نے وائسرائے کے لئے نوٹ تیار کیا جس میں مسلم لیگ اور کانگرس کے مطالبات کا تجزیہ کیا گیا تھا۔‘‘

نیز ڈاکٹر صفدر محمود کم از کم یہ بھی تسلیم کرتے ہیں:

کہ ’’اس نوٹ میں چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان نے چوہدری رحمت علی کی سکیم اور مشرق اور مغرب میں دو مسلمان مملکتوں کے قیام کا جائزہ لیا تھا۔‘‘

(روزنامہ جنگ مؤرخہ 27 نومبر 2011ء)

اب چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان کے متذکرہ مضمون مطبوعہ پاکستان ٹائمز (13 فروری 1982ء) کے کچھ اہم اور متعلقہ حصوں کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

چوہدری رحمت علی کا تجویز کردہ پاکستان

’’چوہدری رحمت علی نے جس پاکستان کی تجویز پیش کی اس کا بنیادی نکتہ برصغیر پاک و ہند کی مسلم اور غیر مسلم آبادی کا مکمل تبادلہ تھا تاکہ اس کی ساری کی ساری مسلم آبادی برصغیر کے شمال مغربی علاقہ میں منتقل ہو جائے اور اس علاقہ کی غیر مسلم آبادی برصغیر کے نسبتاً بڑے علاقے میں منتقل ہو جائے یہ مکمل طور پر ناقابل عمل سکیم تھی جس پر اگر عمل کرنے کی کوشش کی جاتی تو یہ اس مسلم آبادی کے لئے ناقابل بیان مصائب اور تکالیف کا موجب ہوتا جو متحدہ صوبہ جات، بہار، بنگال، آسام، اڑیسہ، وسطی صوبہ جات، مدراس، بمبئی اور شمال مغربی علاقہ سے باہر واقع ہندوستانی ریاستوں میں بس رہی تھی۔‘‘

سر محمد ظفر اللہ خان کے تحریر کردہ نوٹ میں لارڈ لنلتھگو کو کوئی دخل نہیں تھا

سر محمد ظفر اللہ خان تحریر کرتے ہیں:۔

’’میں اپنے اس نوٹ کی کچھ وضاحت کرتا ہوں جس کا ذکر لارڈ لنلتھگو نے 12 مارچ 1940ء کو لارڈ زٹ لینڈ (Lord Zetland) کے نام اپنے خط میں کیا تھا۔ یہ نوٹ ماہ فروری 1940ء کے آخر نصف میں تیار کیا گیا تھا اور اسے لارڈ لنلتھگو کو بروقت پہنچا دیا گیا تھا تاکہ اسے اس سرکاری (ڈاک والے) تھیلے میں شامل کر لیا جائے جو لارڈ لنلتھگو کے 12 مارچ والے خط سے پہلے جانا تھا۔ اس خط اور (میرے) نوٹ کے بغور مطالعے سے یہ بات کسی شک وشبہ کے بغیر واضح ہو جاتی ہے کہ یہ نوٹ میں نے ذاتی طور پر پہل کر کے خود تیار کیا تھا اور میں اس کے مندرجات کے ہر حصے کا اکیلا ذمہ دار تھا۔ لارڈ لنلتھگو کا یہ نوٹ لکھوانے سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں تھا۔‘‘

پاکستان سکیم اور علیحدگی کی تقسیم کا واضح فرق

’’حال ہی میں جس سکیم کو بھاری تعداد میں مسلمانوں کی حمایت حاصل ہوئی ہے وہ (چوہدری رحمت علی کی) پاکستان کی سکیم نہیں بلکہ وہ سکیم ہے جسے ہم ’’علیحدگی کی سکیم‘‘ کا نام دے سکتے ہیں ان دونوں سکیموں میں سب سے اہم فرق یہ ہے کہ پاکستان سکیم کا ایک لازمی جزو آبادیوں کا تبادلہ ہے جبکہ علیحدگی کی سکیم میں اس قسم کا کوئی ناممکن اور نا قابل عمل عنصر شامل نہیں۔ مختصر طور پر علیحدگی کی تقسیم یہ ہے کہ ایک شمال مشرقی فیڈریشن بنائی جائے جو بنگال اور آسام کے موجودہ صوبوں پر مشتمل ہو اور ایک شمال مغربی فیڈریشن بنائی جائے۔ جو پنجاب، سندھ، شمال مغربی سرحدی صوبہ، بلوچستان اور سرحدی قبائلی علاقہ جات پر مشتمل ہو۔ یہ بات کم سے کم عقل والے شخص پر بھی واضح ہو جائے گی کہ جس پاکستان سکیم کا یہاں ذکر کیا گیا ہے۔ وہ رحمت علی والی سکیم ہے۔ جس کو اب تک پاکستان کا نام دیا جاتا ہے۔‘‘

محترم چوہدری صاحب نے اپنے تفصیلی نوٹ میں کئی حقائق بیان کرتے ہوئے اس بات کا بھی ذکر کیا ہے کہ

’’جیسا کہ لارڈ لنلتھگو کے 12 مارچ 1940ء کے مکتوب بنام سیکرٹری آف سٹیٹ برائے انڈیا میں خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ میرے نوٹ کی ایک کاپی پہلے ہی قائداعظم کو بھیج دی گئی تھی۔‘‘

نوٹ کی اہمیت اور انفرادیت

چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان مزید واضح کرتے ہیں:۔

’’جیسا کہ میں نے واضح کیا ہے کہ میں پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ لارڈ لنلتھگو کے 12 مارچ 1940ء کے خط میں میرے جس نوٹ کا حوالہ دیا گیا ہے وہ اس حقیقت پر مبنی تھا کہ ہندوستان میں مسلمان ایک واضح طور پر علیحدہ قوم ہیں اور یہ کہ آئینی مسئلے کا واحد تسلی بخش اور قابل

قبول حل یہ ہے کہ شمال مشرقی اور شمال مغربی علاقوں پر مشتمل فیڈریشن قائم کی جائے اور یہ بالکل وہی مطالبہ تھا جو کچھ دنوں بعد 23 مارچ 1940ء کی مسلم لیگ کی قرارداد میں پیش کیا گیا۔ دو قومی نظریہ اور شمال مشرقی اور شمال مغربی فیڈریشنز کے قیام کی سکیم میرے نوٹ میں اتنی تفصیل اور وضاحت سے پیش کی گئی ہے جو میرے ہمعصروں یا مجھ سے پہلے لوگوں میں سے کسی کی دستاویز یا بیان میں قطعاً نہیں ملتی۔''

کامیابی کا سہرا اول و آخر قائداعظم کے سر ہے

محترم چوہدری سر محمد ظفراللہ خان اپنے متذکرہ مضمون مطبوعہ پاکستان ٹائمز کے آخری حصہ میں حصول پاکستان کے سلسلہ میں قائداعظم کو زبردست خراج تحسین اور کریڈٹ پیش کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:۔

''آخر میں اپنی بات یہاں پر ختم کرتا ہوں کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ میں نے اپنے نوٹ میں واضح طور پر شمال مشرقی اور شمال مغربی Federations کی سکیم پیش کی تھی لیکن بہرحال اس سے اس تمکنت میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں آتی کہ پاکستان کے حصول اور کامیابی کا کریڈٹ صرف اور صرف قائداعظم کو جاتا ہے۔''

(پاکستان ٹائمز مؤرخہ 13 فروری 1982ء صفحہ 4-5)

قرارداد میں کیسا زبردست تصور پیش کیا گیا تھا

اب ایک نیا اور اہم حوالہ ڈاکٹر مجید نظامی کے ماضی قریب کے مضمون ''3 جون 1947ء یوم نوید آزادی'' (مطبوعہ نوائے وقت) سے پڑھ لیجئے۔

جناب مجید نظامی متذکرہ مضمون کے آخری کالم میں قرارداد لاہور کی خصوصی اہمیت اور وسعت یوں اجاگر کرتے ہیں۔

’’23 مارچ 1940ء کی قرارداد لاہور میں تو یہ تصور پیش کیا گیا تھا کہ برصغیر کے شمال مغرب اور شمال مشرق کے مسلم اکثریتی علاقے مسلمانوں کی نئی آزاد مملکت کا حصہ ہوں گے اس کے تحت مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان (موجودہ بنگلہ دیش) کے تمام علاقوں کے علاوہ مشرقی پنجاب ہندوستان کے مغرب میں واقع موجودہ اتر پردیش کا سہارنپور ڈویژن پورے کا پورا بنگال اور آسام بشمول ہندوستان کی ریاست بہار کا ضلع پرنیا اور کشمیر بھی پاکستان کا حصہ ہونا چاہئے تھا...... المختصر ماؤنٹ بیٹن جب متحدہ ہندوستان کے مشن کو پورا کرنے میں ناکام رہا تو اس کا انتقام اس نے قائداعظم اور مسلمانوں کو ایک کٹا پھٹا پاکستان دے کر لیا۔ اس کی اس تاریخی بددیانتی کا خمیازہ پاکستان آج بھی بھگت رہا ہے۔‘‘ (نوائے وقت مؤرخہ 3 جون 2014ء ادارتی صفحہ)

قرارداد لاہور کے مصنف کے طور پر ایک ہی نام نمایاں رہا ہے

اگر ہم مارچ 1940ء کے بعد مختلف ادوار کا جائزہ لیں تو کبھی سینہ بہ سینہ اور کبھی اہل علم و خبر کے حوالوں سے قرارداد لاہور (بعد میں ہمیشہ کے لئے قرارداد پاکستان) کے مصنف کے طور پر چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب کا نام ہی نمایاں نظر آتا ہے۔ اب اس سلسلہ میں بعض معروف اہل علم و قلم کے اہم اور واضح حوالے پیش کئے جاتے ہیں۔

نئی نسل کو یہ یاد دلوانا ضروری ہے

معروف علمی و ادبی شخصیت اور کالم نگار محترمہ زاہدہ حنا اپنے کالم نرم گرم میں تحریر کرتی ہیں:۔

’’یہاں نئی نسل کو یہ یاد دلوانا ضروری ہے کہ یہ وہی ظفر اللہ خان تھے جنہوں نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور قرارداد پاکستان کی عبارت کو تحریر کرنے والوں میں سے تھے۔ بانی پاکستان نے ان کو پاکستان کا پہلا وزیر خارجہ مقرر کیا اور باؤنڈری کمیشن کے سامنے

پاکستان کے وکیل کے طور پر پیش ہوئے۔ سلامتی کونسل میں پاکستان کی طرف سے کشمیر کا مقدمہ بھی انہوں نے لڑا تھا۔'' (روزنامہ ایکسپریس 2 جون 2010ء)

چوہدری صاحب نے ہی قرارداد پاکستان کا مسودہ تیار کیا

دی نیوز انگریزی مؤرخہ 20 نومبر 2011ء کی اشاعت میں جرأتمند خاتون صحافی اور اینکر پرسن ثنا بچہ اپنے مضمون اقلیتی رپورٹ کے کالم نمبر 2 میں تحریر کرتی ہیں (ترجمہ) ''مجھے اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ ہم نے ان لوگوں کو بھلا دیا ہے جنہوں نے اس قرارداد کا مسودہ تیار کرنے میں مدد کی جس کے نتیجے میں ہمیں پاکستان حاصل ہوا۔ محمد ظفر اللہ خان ایک احمدی تھے لیکن انہوں نے ہی قرارداد پاکستان کا مسودہ تیار کیا اور جب پاکستان اور ہندوستان کے درمیان آئندہ کی حد بندی کا فیصلہ کرنے کا موقع آیا تو انہوں نے ہی مسلم لیگ کا نقطہ نظر (حد بندی کمیشن کے سامنے۔ مترجم) پیش کیا۔ انہوں نے پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ کی حیثیت سے بھی وطن عزیز کی خدمات انجام دیں محمد علی جناح اپنے روشن خیالات اور کشادہ دلی کے باعث اپنے ملک کی نمائندگی اور خدمت کے لئے استحقاق اور اہلیت کی بنا پر لوگوں کا انتخاب کیا کرتے تھے نہ کہ مذہب، ذات یا عقیدہ کی وجہ سے۔'' (دی نیوز مؤرخہ 20 نومبر 2011ء)

قرارداد لاہور کے مصنف سر ظفر اللہ خان ہی تھے

اسلام آباد کی معروف نیشنل یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی (NUST) کے لیکچرار جناب حسین احمد اپنے مضمون مطبوعہ Daily Times (22 دسمبر 2012ء) میں تحریر کرتے ہیں:۔

(ترجمہ) یہ سر ظفر اللہ خان ہی تھے جنہوں نے قرارداد لاہور کا بھی مسودہ تیار کیا تھا۔ جس میں پہلی دفعہ پاکستان کا تصور پیش کیا گیا۔ سر ظفر اللہ خان کا تعلق بہر حال ...... احمدیہ فرقہ سے تھا۔ اس لئے اس سلسلہ میں ان کے کردار کو سالہا سال تک صیغہ راز میں رکھا گیا۔ یہاں تک کہ حال ہی

میں لارڈ لنلتھگو کی تحریر کردہ دستاویزات اور خطوط نے سر ظفر اللہ خان کے کردار کی مرکزی حیثیت کو منکشف کر دیا ہے۔ (ڈیلی ٹائمز (انگریزی) مؤرخہ 22 دسمبر 2012ء)

ایک نقطہ پر جمع ہونے کی بنیادی دستاویز

وقیع و بے باک صحافی جناب محمد احمد اپنے تفصیلی مضمون The Forgotten Hero Mohammad Zafrullah Khan مطبوعہ ڈیلی ٹائمز (مؤرخہ یکم ستمبر 2013ء) میں رقمطراز ہیں:۔

سر ظفر اللہ خان کی مسلمانان ہند کی تحریک آزادی کے لئے سب سے بڑی خدمت قرارداد لاہور (قرارداد پاکستان) کی تیاری ہے جو ہماری قومیت کے ایک نقطہ پر جمع ہونے کی بنیادی دستاویز ہے۔ قرارداد لاہور ایک وسیع البنیاد حل تھا جس میں کئی ایک Solutions کی گنجائش موجود تھی جن کا مقصد ہندوستان کے مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت اور پاسبانی کرنا تھا۔

(ڈیلی ٹائمز مؤرخہ یکم ستمبر 2013ء)

انگریزی روزنامہ Dawn (18-6-2017) کا سپیشل۔ صفحہ 4۔ تاریخی حوالہ روزنامہ ”ڈان“ نے اپنی 18 جون کی اشاعت کا پورا صفحہ نمبر 4 مطالبۂ پاکستان کی تاریخی ”قرارداد لاہور“ (پاکستان) 23 مارچ 1940ء سے معنون کیا ہے۔ اس صفحہ پر سب سے اوپر والی لائن میں قائد اعظم کی نمایاں تصویر دی گئی ہے۔ جس کے متعلق تحریر کیا گیا ہے کہ وہ 22 مارچ 1940ء کو منٹو پارک لاہور (موجودہ اقبال پارک) میں ایک جم غفیر سے مخاطب ہیں...... درمیان والی لائن کی بائیں جانب پہلے نمبر پر چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان کی تصویر ہے جس کے متعلق صفحہ کے آخری حصے میں یہ الفاظ درج ہیں۔ (ترجمہ):

”سر ظفر اللہ خان (فوٹو۔ درمیان والی لائن بائیں جانب پہلے نمبر پر) کو ”قرارداد“ (پاکستان) کا اولین و بنیادی مسودہ تیار کرنے کا کریڈٹ حاصل ہے۔ بعد میں اس کے اہم نکات

ایک میمورنڈم (یادداشت) کی شکل میں دہلی میں وائسرائے لارڈ لنلتھگو کو پیش کئے گئے اس کے بعد لاہور میں (مسلم لیگ کی۔ مترجم) ورکنگ کمیٹی نے اسے مزید سنوارا (اور آخری شکل دی)۔”

(ڈان (انگریزی) مورخہ 18 جون 2017ء صفحہ 4 سپیشل)

یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و احسان ہے کہ 23 مارچ 1940ء کی قرارداد پاکستان کے صرف سات سال بعد اللہ تعالیٰ نے قائداعظم اور ان کے مخلص ساتھیوں کی انتھک اور بے لوث کوششوں اور کاوشوں کے نتیجہ میں مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہو جانے والے مسلمانان ہند کی مدد فرمائی اور 14 ر اگست 1947ء کو بفضل اللہ تعالیٰ پیارا پاکستان دنیا کے نقشے پر سورج کی مانند طلوع ہوا۔ اللہ تعالیٰ اپنا خاص فضل فرمائے اور وطن عزیز کو ہمیشہ سلامت و سرفراز رکھے۔ آمین

یہ دیس ہمارا ہے اسے ہم نے سنوارا ہے
اس کا ہر اک ذرہ ہمیں جان سے پیارا ہے
رنگ اس کو دیئے ہم نے اسے ہم نے نکھارا ہے

◆

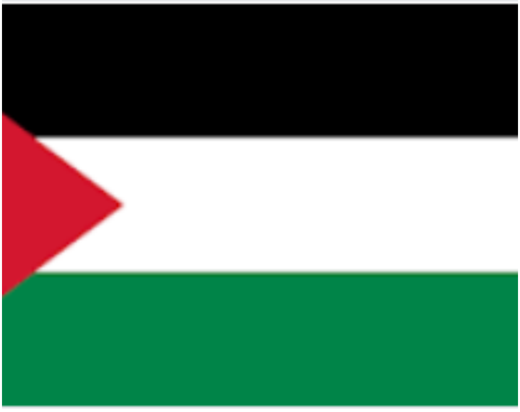

فلسطین کا جھنڈا۔

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں کا لنڈن کی کامن ویلتھ ریلیشنز کانفرنس میں آزادی کا پرجوش کلمہ حق

احمدیت کے بطل جلیل حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب کی عالم اسلام کے لئے کی گئی عظیم الشان خدمات اتنی اہم اور بنیادی ہیں کہ مستقبل کا کوئی انصاف پسند مؤرخ ان سے آنکھیں بند کر کے نہیں گذر سکتا۔ آپ کی چند اہم خدمات تاریخ احمدیت کے حوالہ سے درج کی جاتی ہیں۔

مورخ احمدیت **مولانا دوست محمد شاہد** صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ ”1945ء کا سال ہندوستان کے سیاسی مطلع پر ایک نہایت مایوس کن ماحول میں طلوع ہوا۔ آزادی ہند کے تعلق میں کرپس مشن 1 کی ناکامی کے بعد ہندوستان اور انگلستان کے درمیان زبردست تعطل پیدا ہو چکا تھا اور باہمی سمجھوتہ کے امکانات بظاہر ختم ہو چکے تھے اور اس کے لئے ہندوستانی اور انگریز دونوں ہی کوئی نیا قدم اٹھانے کے لئے تیار نہیں تھے بلکہ اس زمانہ قریب کے عرصہ میں برطانوی پارلیمنٹ میں ہندوستان کی آزادی سے متعلق سوالات کے جو بھی جوابات دیئے گئے وہ حد درجہ مایوس کن تھے اور عام طور پر یہ سمجھا جا رہا تھا کہ ہندوستان کو آزاد کرنے کا سوال ایک عملی سیاست کے طور پر انگلستان کے سیاسی مدبروں کے سامنے نہیں آ سکتا۔ علاوہ ازیں لارڈ ویول جو کرپس مشن کی آمد کے وقت ہندوستان کی فوجوں کے کمانڈر انچیف تھے اور اب وائسرائے ہند کے عہدہ پر تھے۔ ہندوستانی حقوق آزادی کے عموماً اور تحریک پاکستان کے خصوصاً بہت مخالف سمجھے جاتے تھے۔ چنانچہ وہ 14۔ دسمبر 1944ء کو ایسوسی ایٹڈ چیمبر آف کامرس کے

سپاسنامہ کا جواب دیتے ہوئے یہاں تک کہہ چکے تھے کہ۔

’’اگر ہندوستان سیاسی اختلافات کے بخار میں مبتلا رہا اور اس کے سیاسی ڈاکٹروں نے فیصلہ کیا کہ اس کے جسم پر بڑا آپریشن ہونا چاہئے جیسا کہ پاکستان۔ تو ہندوستان ایک بہترین موقعہ کھو دے گا اور یہ عظیم ملک خوشحالی اور فلاح کی جنگ میں ناکامیاب رہے گا۔

(قائداعظم اور اُن کا عہد صفحہ 344 از رئیس احمد جعفری ندوی ناشر مقبول اکیڈمی لاہور)

ان مخدوش اور سراسر ناموافق حالات میں جبکہ کسی کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ ہندوستان اور انگلستان کے درمیان مفاہمت کی کوئی صورت پیدا ہونے والی ہے اللہ تعالیٰ نے ’’اسیروں کے رستگار‘‘ حضرت سیدنا المصلح الموعود کو تحریک فرمائی کہ انگلستان اور ہندوستان کو سمجھوتہ کی دعوت دیں اور انہیں توجہ دلائیں کہ انہیں آپس میں صلح کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اس آسمانی دعوت کو جو مختلف الہاموں اور کشوف اور رؤیا کے نتیجہ میں تھی۔ اگر ہندوستان کی آزادی کا روحانی پس منظر قرار دیا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کیونکہ اس کے بعد نہ صرف ہندوستان بلکہ انگلستان کی ملکی سیاسیات میں یکایک غیر معمولی تغیرات و انقلابات پیدا ہو گئے بلکہ صرف ڈھائی سال کے نہایت قلیل عرصہ میں ہندوستان غیر ملکی تسلط سے آزاد ہو گیا اور پاکستان جیسی عظیم اسلامی مملکت معرض وجود میں آ گئی۔

حضرت مصلح موعود کا پیغام صلح

چنانچہ حضرت مصلح موعود نے 12 جنوری 1945ء کو مسجد اقصیٰ قادیان کے منبر پر ایک انقلاب انگیز خطبہ ارشاد فرمایا جس میں انگلستان اور ہندوستان دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

’’وقت آ گیا ہے کہ انگلستان برٹش ایمپائر کے دوسرے ممالک بالخصوص ہندوستان کے ساتھ زیادہ سے زیادہ میل جول رکھے اور اس کے ساتھ صلح کرنے کے لئے پرانے جھگڑوں کو بھلا دے۔ اور دونوں مل کر دنیا میں آئندہ ترقیات اور امن کی بنیادوں کو مضبوط کریں...اے

انگلستان تیرا فائدہ ہندوستان سے صلح کرنے میں ہے... دوسری طرف میں ہندوستان کو یہی نصیحت کرتا ہوں کہ وہ بھی انگلستان کے ساتھ اپنے پرانے اختلافات کو بھلا دے۔"

نیز فرمایا۔

"میں اپنی طرف سے دنیا کو صلح کا پیغام دیتا ہوں۔ میں انگلستان کو دعوت دیتا ہوں کہ آؤ! اور ہندوستان سے صلح کرلو اور میں ہندوستان کو دعوت دیتا ہوں کہ جاؤ! اور انگلستان سے صلح کرلو اور میں ہندوستان کی ہر قوم کو دعوت دیتا ہوں اور پورے ادب و احترام کے ساتھ دعوت دیتا ہوں بلکہ لجاجت اور خوشامد سے ہر ایک کو دعوت دیتا ہوں کہ آپس میں صلح کرلو اور میں ہر قوم کو یقین دلاتا ہوں کہ جہاں تک دینوی تعاون کا تعلق ہے ہم ان کی باہمی صلح اور محبت کے لئے تعاون کرنے کو تیار ہیں اور میں دنیا کی ہر قوم کو یہ یقین دلاتا ہوں کہ ہم کسی کے دشمن نہیں۔ ہم کانگرنس کے بھی دشمن نہیں ہم ہندو مہاسبھا والوں کے بھی دشمن نہیں مسلم لیگ والوں کے بھی دشمن نہیں اور زمیندارہ لیگ والوں کے بھی دشمن نہیں۔ اور خاکساروں کے بھی دشمن نہیں۔ اور خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ ہم تو احراریوں کے بھی دشمن نہیں۔ ہم ہر ایک کے خیر خواہ ہیں اور ہم صرف ان کی ان باتوں کو برا مناتے ہیں جو دین میں دخل اندازی کرنے والی ہوتی ہیں۔ ورنہ ہم کسی کے دشمن نہیں ہیں اور ہم سب سے کہتے ہیں کہ ہمیں چھوڑ دو کہ ہم خدا تعالیٰ کی اور اس کی مخلوق کی خدمت کریں۔ ساری دنیا سیاسیات میں الجھی ہوئی ہے۔ اگر ہم چند لوگ اس سے علیحدہ رہیں اور مذہب کی تبلیغ کا کام کریں تو دنیا کا کیا نقصان ہو جائے گا۔"

(الفضل 17 جنوری 1945ء صفحہ 5 کالم 3)

حضرت امیر المومنینؓ نے انگلستان و ہندوستان کے نام صلح کا پیغام دینے کے ساتھ ہی یہ خبر دی کہ اگرچہ آپ کی دعوت مصالحت کا سیاسی دنیا پر بظاہر کوئی اثر نہیں ہوسکتا مگر خدا تعالیٰ قادر ہے کہ وہ آپ کی آواز کو بلند کرنے اور موثر بنانے کا انتظام فرمادے۔ چنانچہ حضور نے فرمایا۔

''اس میں شبہ نہیں کہ میرا ایسی نصیحت کرنا اس زمانہ میں جبکہ ہماری جماعت ایک نہایت قلیل جماعت ہے بالکل ایک بے معنی سی چیز نظر آتی ہے۔ میری آواز کا نہ ہندوستان پر اثر ہوسکتا ہے اور نہ انگلستان پر اثر ہوسکتا ہے۔... میں انگلستان کو نصیحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں خواہ میری یہ نصیحت ہوا میں ہی اڑ جائے اور اب تو ہوا میں اڑنے والی آواز کو بھی پکڑنے کے سامان بھی پیدا ہو چکے ہیں۔ یہ ریڈیو ہوا میں سے ہی آواز کو پکڑنے کا آلہ ہے۔ پس مجھے اس صورت میں اپنی آواز کے ہوا میں اڑ جانے کا بھی کیا خوف ہوسکا ہے جبکہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری ہوا میں اڑنے والی آواز کو بھی لوگوں کے کانوں تک پہنچا دے۔''

(الفضل 17 جنوری 1945ء صفحہ 1۔2)

کامن ویلتھ ریلیشنز کانفرنس میں

چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کا حریت پرور خطاب

اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں کی زبان کو بسا اوقات اپنی زبان بنالیتا ہے۔ یہی صورت یہاں ہوئی۔ حضرت امیر المومنین کے خطبہ کے معاً بعد اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے سامان پیدا کر دیئے کہ حکومت ہند نے احمدیت کے مایہ ناز فرزند چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کو (جو ان دنوں ہندوستان کی فیڈرل کورٹ کے جج تھے) کامن ویلتھ ریلیشنز کانفرنس میں ہندوستانی وفد کے قائد کی حیثیت سے انگلستان بھجوایا۔ 17۔ فروری 1945ء کو (Chatham House) میں کانفرنس کا افتتاح ہوا جس میں آپ کو بھی بتاریخ 19۔ فروری (خطاب کرنے کا موقعہ دیا گیا۔ باوجود یہ کہ آپ اس وقت سرکاری نمائندہ تھے اللہ تعالیٰ نے اپنے تصرف خاص سے آپ کو یہ توفیق بخشی کہ آپ نے حضرت مصلح موعود کے خطبہ کے بیان کردہ مطالب کو نہایت عمدگی اور کمال خوبی سے اپنی زبان میں انگلستان کے سامنے رکھا اور برطانیہ سے ہندوستان کے لئے مکمل درجہ نو آبادیات دیئے

جانے کا مطالبہ ایسے پرزور اثر انگیز اور پرقوت وشوکت الفاظ میں پیش فرمایا کہ پوری دنیا میں ایک تہلکہ مچ گیا۔ چنانچہ انگلستان کے سربرآوردہ اخبارات میں بڑے بڑے لیڈروں نے چوہدری صاحب کی تقریر کے خلاف یا اس کی تائید میں مضامین لکھے۔ انگلستان سے امریکہ کے نمائندوں نے تاروں کے ذریعہ اس آواز کو امریکہ میں پھیلایا اور رائٹر کے نمائندہ نے اسے ہندوستان میں پہنچایا۔ اور پھر ہندوستان کے مختلف گوشوں سے اس کی تائید میں آوازیں بلند ہونا شروع ہوئیں۔ اس طرح تھوڑے دنوں کے اندر اندر حضرت مصلح موعود کی آواز سے ہندوستان انگلستان اور امریکہ گونج اٹھے۔ (الفضل 23 جون 1945ء صفحہ 2 کالم 2)

محترم چوہدری صاحب نے کامن ویلتھ ریلیشنز کانفرنس میں جو معرکتہ الاراء تقریر کی اس نے تاریخ آزادی ہند میں ایک نئے اور سنہری باب کا اضافہ کیا۔ آپ نے فرمایا۔

’’ہندوستان کو اپنے حصول مقصد سے زیادہ دیر تک روکا نہیں جاسکتا۔ ہندوستان نے برطانوی قوموں کی آبادی کی حفاظت کے لئے پچیس لاکھ فوج میدان میں بھیجی ہے مگر وہ اپنی آزادی کے لئے دوسروں سے بھیک مانگ رہا ہے۔ ہندوستان کی حالت اب بدل چکی ہے۔ جنگ نے اسے اپنی اہمیت کا پورا احساس کرا دیا ہے۔ اس کے صنعتی ذرائع منظم ہو چکے ہیں اور آج وہ اتحادیوں کے لئے اسلحہ کے گودام کا کام دے رہا ہے۔ اتحادی چین کو بڑی چار طاقتوں میں شمار کرنے لگے ہیں۔ مگر ہندوستان کی اہمیت بھی کچھ کم نہیں۔ ہندوستان کئی پہلوؤں سے چین سے آگے ہے۔ چین صرف آبادی اور رقبہ کے مقابلے میں آگے ہے ورنہ صنعت، قوت، ساخت، اعلیٰ تعلیم، آرٹ، سائنس، رسل و رسائل، صحت، قیام امن و آئین اور دیگر تمام معاملات میں ہندوستان کا درجہ بلند ہے۔ ہندوستان کے اندرونی اختلافات کچھ بھی ہوں مگر وہ چینیوں کے باہمی تفاوت سے زیادہ خطرناک ثابت نہیں ہو سکتے۔ ہندوستان پر کئی بار حملے ہوئے ہیں مگر ہندوستان نے کبھی بھی کسی پر حملہ نہیں کیا۔ ہندوستان کب تک انتظار کر سکتا ہے۔ وہ آزادی کی طرف پیش قدمی

کر چکا ہے۔ اب اسے امداد دیں اور اس کے راستہ میں مزاحم نہ ہوں اسے کوئی روک نہیں سکے گا۔ اگر آپ چاہیں گے تو وہ کامن ویلتھ کے اندر رہ کر ہی آزادی حاصل کرے گا۔''

ہندوستان کی جنگی کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا۔

''جنگ سے پہلے ہندوستان مقروض تھا مگر دوران جنگ میں اس نے اتنی مالی امداد دی ہے کہ اب وہ قرض خواہ بن گیا ہے۔ اس نے رضا کارانہ طور پر 25 لاکھ فوج دی ہے۔ آئندہ امن کے قیام میں ہندوستان کی جنگی کوششوں کو خاص اہمیت حاصل ہوگی۔''

(الفضل 24 فروری 1945ء صفحہ 6 کالم 1۔2)

چوہدری محمد ظفر اللہ صاحب کی تقریر کی اخباروں میں دھوم

چونکہ برطانوی ہند کی تاریخ میں یہ پہلی مثال تھی کہ حکومت کے ایک سر برآوردہ نمائندہ نے ہندوستانیوں کے سیاسی اور ملکی جذبات کی وضاحت و ترجمانی کا فرض اس جرات اور بے باکی سے ادا کیا ہو۔ اس لئے ہندوستان کے سب سیاسی حلقوں نے اس نعرہ آزادی کے بلند کرنے پر چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب کو زبردست خراج تحسین ادا کیا اور ملک کے مقتدر ہندو اور مسلم پریس نے بکثرت تعریفی مضامین لکھے جن میں سے بعض بطور نمونہ درج ذیل کئے جاتے ہیں۔

1۔ اخبار انقلاب

اخبار انقلاب مورخہ 22۔ فروری 1945ء نے ''سر ظفر اللہ خاں کی صاف گوئی'' کے عنوان سے حسب ذیل ایڈیٹوریل لکھا۔

''چوہدری سر ظفر اللہ خاں نے کامن ویلتھ کی کانفرنس) منعقدہ لنڈن (میں جو تقریر فرمائی وہ ہر انگریز اور اتحادی ملکوں کے ہر فرد کے لئے دلی توجہ کی مستحق ہے۔ کیا اس ستم ظریفی کی کوئی مثال مل سکتی ہے کہ جس ہندوستان کے پچیس لاکھ بہادر مختلف جنگی میدانوں میں جمعیۃ اقوام برطانیہ کی

آزادی کے محفوظ رکھنے کی خاطر لڑ رہے ہیں وہ خود آزادی سے محروم ہے!

یہ الفاظ کسی غیر ذمہ دار مقرر کی زبان سے نہیں نکلے جس نے مجمع عام میں عوام سے نعرے لگوانے کے لئے یہ طریق بیان اختیار کیا ہو بلکہ ایک ذمہ دار ہندوستانی وفد کے قائد و رہنما کے الفاظ ہیں اور کوئی شخص ان کی سچائی اور درستی میں ایک لمحہ کے لئے بھی شبہ نہیں کر سکتا۔ گزشتہ ساڑھے پانچ برس میں ایک موقع بھی نہیں آیا کہ ہندوستان نے بحیثیت مجموعی اور بہ اعتبار عمومی جنگ کے سلسلے میں اپنے واجبات و فرائض کی بجاآوری کا بہتر سے بہتر ثبوت نہ دیا ہو۔ جن جماعتوں نے جنگی مساعی میں پورا اور سرگرم حصہ نہ لیا یا جن کی طرف سے ان کی مخالفت ہوئی ان کا عذر بھی اس کے سوا کیا تھا کہ ہندوستان کو آزادی نہیں ملی اور آزادی مل جائے تو اس وسیع سرزمین کے لامتناہی وسائل کو اس پیمانے پر جنگ کے لئے حرکت میں لایا جاسکتا ہے کہ دنیا حیران رہ جائے۔ ان جماعتوں کے طریق و تدابیر سے اور بعض حالتوں میں مقاصد سے بھی اختلاف کیا جاسکتا ہے اور خود ہم نے بھی ان کی تنقید میں کبھی تامل نہیں کیا۔ لیکن کیا یہ حقیقت حد درجہ رنجیدہ نہیں کہ جن جماعتوں نے ہر سعی کو حصول آزادی پر موقوف و ملتوی رکھا ان کے طرز عمل سے اختلاف کیا گیا۔ لیکن جن جماعتوں اور گروہوں نے کسی شرط یا عہد و پیمان کے بغیر ہر قسم کی قربانیوں کو آزادی جمہوریت کی حمایت کے خیال سے نیز ہندوستان کی حفاظت کے خیال سے ضروری قرار دیا۔ وہ بھی اس وقت تک منزل آزادی سے قریب تر نہیں ہوئے۔

بلاشبہ ہندوستان میں اختلافات موجود ہیں اور ان اختلافات کا فیصلہ خود ہندوستانیوں کو کرنا چاہئے اس لئے بھی کہ وہی فیصلہ کے حقدار ہیں اور اس لئے بھی کہ انہی کا فیصلہ پائدار ہوگا۔ چوہدری سر ظفر اللہ خاں نے اس سلسلہ میں چین کی مثال پیش کی کہ وہاں بھی کمیونسٹوں اور مارشل چیانگ کائی شیک کی قومی پارٹی) کومنتانگ (میں اختلافات ہیں۔ ہم اس مثال کو ہر لحاظ سے اپنے حالات کے مطابق نہیں سمجھتے۔ تاہم کیا حکومت برطانیہ کے لئے یہ زیبا ہے کہ ہمارے اختلافات کی وجہ سے

سارے سلسلہ کاروبار کو معطل کئے بیٹھی رہے اور چپ چاپ یہ دیکھتی رہے کہ کب ہمارے اختلافات مٹتے ہیں اور کب اسے آزادی ہند کے مسئلے پر سنجیدگی کے ساتھ توجہ کا موقع ملتا ہے۔''

(الفضل 24 فروری 1945ء صفحہ 6 کالم 4)

2۔ اخبار احسان

اخبار احسان نے 22۔ فروری 1945ء کی اشاعت میں لکھا۔

''سرظفر اللہ خاں نے لندن میں ایک اور تقریر کی جس میں ایک سرکاری ممبر ہونے کے باوجود آپ نے صاف گوئی سے کام لیا ہے۔ آپ نے برطانوی مدبروں سے کہا ہے کہ ان نازک لمحات میں برطانیہ کو جو فتوحات ہوئی ہیں وہ قابل تعریف ہیں۔ امریکہ سے برطانیہ نے معاملہ کیا تو اس میں برطانیہ کو کامیابی ہوئی۔ روس سے بات چیت ہوئی تو اس میں بھی برطانیہ کو فتح ہوئی آگے بڑھنے کے لئے جس طرف بھی قدم اٹھے تو برطانیہ کو ناکامی نہ ہوئی۔ لیکن اس لمبی چوڑی دنیا میں کیا برطانیہ صرف ہندوستان کے معاملے میں ہی شکست تسلیم کرنا چاہتا ہے؟ معلوم نہیں برطانیہ کے مدبروں نے سرظفر اللہ کی ان باتوں کو کن جذبات کے ماتحت سنا ہے لیکن یہ ایک حقیقت ہے جس کا احساس آج سرظفر اللہ جیسے انسان کو بھی ہو رہا ہے اور کس قدر افسوسناک واقعہ ہوگا۔ اگر برطانوی مدبروں کے دل میں تبدیلی واقع نہ ہوئی۔ آپ نے یہاں تک کہہ دیا کہ ہندوستان آزاد ہونا چاہتا ہے خواہ اسے کامن ویلتھ) دول متحدہ (سے باہر ہی کیوں نہ رہنا پڑے۔ ہندوستان دول متحدہ میں بھی شریک ہوسکتا ہے بشرطیکہ وہ اپنی قسمت کا آپ مالک ہو اور باہر سے کوئی دباؤ اس پر نہ پڑے اور دوسری شرط یہ ہے کہ درجہ نو آبادیات میں وہ نسلی امتیاز کا شکار نہ ہو اور اس کا درجہ بالکل مساوی ہو۔ یہ باتیں بالکل صاف ہیں۔''

(الفضل 24 فروری 1945ء صفحہ 7 کالم 1)

اخبار پیام

3۔ حیدر آباد دکن کے روزانہ اخبار پیام (مورخہ 8۔ ربیع الاول 1324ھ مطابق 22۔ فروری 1945ء) نے ''ایک اجنبی کی آواز'' کے عنوان سے لکھا۔

''بہت عرصہ ہوا کہ سر ظفر اللہ خاں قومی زندگی سے بیگانہ ہو چکے ہیں۔ ان کی دنیا لال وردیوں والے چوبداروں اور سرخ قالینوں والے حکومت کے ایوانوں کی دنیا ہے اس لئے حیرت ہوئی ایک خوشگوار حیرت کہ تعلقات دولت مشترکہ کی کانفرنس میں ہندوستانی وفد کے لیڈر کی حیثیت سے انہوں نے اپنی تقریر میں یہ کیسی عجیب عجیب باتیں فرما دیں کیا وہ کوئی عصبی ہیجان کا لمحہ تھا جب وہ کہہ بیٹھے کہ۔

''دولت مشترکہ کے مدبرو! کیا تم اس عجیب طنز کو محسوس نہیں کرتے کہ ہندوستان کے 30 لاکھ سپاہی میدان جنگ میں دولت مشترکہ کی اقوام کی آزادیوں کو محفوظ کرنے کی جدوجہد کر رہے ہوں اور پھر خود اپنی آزادی کی بھیک مانگتے رہیں؟''

اور پھر یہ کہ ''کب تک تمہارے خیال میں ہندوستان انتظار کرتا رہے گا؟ ہندوستان کا قافلہ اب جادہ پیما ہے خواہ تم اس کی مدد کرو یا اس کا راستہ روکو اس کو اب کوئی بھی روک نہیں سکتا۔ ہندوستان آزاد ہو کر رہے گا مگر وہ دولت مشترکہ کے اندر رہے گا اگر تم اس کو اندر رہنے دو گے اور اس کو وہ مرتبہ دو گے جو اس کا حق ہے مگر وہ اس حلقہ سے باہر بھی چلا جائے گا اگر تم اس کے لئے کوئی دوسرا چارہ کار باقی نہ رکھو گے''

اور پھر ''اپنی سیاسی آزادی کے لئے برطانیہ کی دست نگری کرنے سے اب ہندوستان اکتا گیا ہے۔ سیاسی میدان میں اپنی مایوسی اور ناکامی کا احساس اب اس اندیشہ سے بڑھتا جاتا ہے کہ کہیں ان مابعد جنگ انتظامات میں جن میں سے بعض پر اس کانفرنس میں بحث ہوگی وہ کسی ذلیل بے چارگی کی حالت میں نہ دھکیل دیا جائے۔''

سر ظفر اللہ کی شخصیت ہمارے ملک کی ایک بہت شاندار شخصیت رہی ہے جب تک وہ دہلی اور شملہ کے سرکاری خلوت خانوں کی آسائشوں سے مانوس نہ ہوئی تھی موصوف کی ذہنی اور دماغی قابلیت کا لوہا سب مانتے ہیں۔ اس قابلیت کے نقوش آج بھی ہماری قومی زندگی میں موجود ہیں۔ مگر یہ آواز جو ہم نے آج لندن کے ایک ایوان میں سنی اب تو ایک اجنبی کی آواز معلوم ہوتی ہے تاہم حقائق کی قوت اس سے ظاہر ہے۔ یعنی یہ حقیقت ظاہر ہے کہ وطن کی اولاد اگر اس سے جدا کسی دوسری دنیا میں بھی آباد ہو۔ تب بھی اس کی زندگی میں ایسے لمحے آتے ہیں کہ وہ اسی ایوان کے فرش پر جس کے اندر اس کی قدرتی صلاحیتیں محفوظ کر لی گئی ہیں ایک کلمہ حق کہہ سکتی ہے۔ سر ظفر اللہ کی اس آواز میں ایک گرج ہے ایک دھماکا ہے جس کو ہم نظر انداز نہیں کر سکتے لیکن کیا وہ بھی نظر انداز نہ کر سکیں گے دولت مشترکہ کے مدبرین! جن کو سر ظفر اللہ نے مخاطب کیا؟

انہوں نے فرمایا کہ کیا ہندوستان کی حالت چین سے بھی بدتر ہے۔ کیا ہندوستان کے اندرونی اختلافات چینی کونٹانگ اور چینی اشتراکیوں کے اختلافات سے بھی زیادہ ہیں؟ پھر یہ کیا بات ہے کہ آج چین کو چار بڑے اکابر میں شمار کیا جاتا ہے مگر ہندوستان کا مقام کہیں بھی نہیں؟

بہت مشکل ہے اس بات کا سمجھنا اور بتانا کہ سر ظفر اللہ کی زبان سے یہ سب کچھ کن حالات میں کہا گیا اور آیا یہ کہ ان کا کہا ہوا 10 ڈاؤننگ اسٹریٹ تک بھی پہنچ سکے گا یا نہیں۔ لیکن یہ تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے ہندوستان کے اس نام نہاد وفد کی قیادت کا فرض انجام دیا اس سے آگے ہم نہیں کہہ سکتے کہ پھر بھی وہ کچھ کہیں گے یا نہیں اور ان کے شرکاء کار بھی کچھ کہیں گے یا نہیں یا یہ ایک آواز یورپ کی بین الاقوامی سیاست کے صحرائے لق و دق میں صرف ایک ہی دفع بلند ہو کر گم ہو جائے گی!'' (الفضل 8 مارچ 1945ء صفحہ 9 کالم 1 سے 3)

اخبار پربھات

4۔ روزنامہ ''پربھات'' 20۔ فروری 1945ء نے یہ نوٹ شائع کیا۔

’’ہندوستان کی طرف سے سر ظفر اللہ بطور نمائندہ اس کانفرنس میں تشریف لے گئے ہیں۔ ان کی پہلی تقریر بہت زوردار ہے اور دل خوشکن بھی۔ کیونکہ انہیں نے کامن ویلتھ کے دوسرے ممبروں کو صاف الفاظ میں بتایا کہ بیس پچیس لاکھ سپاہی مہیا کرنے والا ملک اگر آزادی سے محروم رہا تو جنگ کے بعد بھی دنیا میں امن نہیں ہوسکتا۔ ایک ایک ہندوستانی کو سر ظفر اللہ کا ممنون ہونا چاہئے کہ انہوں نے انگریزوں کے گھر جا کر حق کی بات کہہ دی۔‘‘

(الفضل 24 فروری 1945ء صفحہ 6 کالم 2۔ 3)

اخبار ویر بھارت

5۔ ’’اخبار ویر بھارت‘‘ 20۔ فروری 1945ء نے ایک طویل مضمون میں یہ تبصرہ لکھا۔

’’سر ظفر اللہ نے کامن ویلتھ کانفرنس میں بجا طور پر یہ سوال کیا کہ جس ہندوستان کے پچیس لاکھ سپاہی دنیا کو آزاد کرانے کے لئے لڑ رہے ہیں کیا اس کا بدستور غلام رہنا باعث شرم نہیں ہے؟‘‘

(الفضل 24 فروری 1945ء صفحہ 6 کالم 2۔ 3)

اخبار پرتاپ

6۔ ’’اخبار پرتاپ‘‘ مورخہ 22۔ فروری 1945ء نے چوہدری صاحب کی معرکتہ الاراء تقریر کا ذکر درج ذیل الفاظ میں کیا۔

’’ہندوستان کے فیڈرل کورٹ کے جج سر محمد ظفر اللہ آج کل لنڈن گئے ہوئے ہیں۔ آپ کامن ویلتھ ریلیشنز کانفرنس میں ہندوستانی ڈیلی گیشن کے لیڈر ہیں۔ لنڈن میں آپ نے جو تقریریں کی ہیں ان سے ہندوستان تو کیا ساری کامن ویلتھ میں تہلکہ مچ گیا ہے۔ کوئی امید نہ کرسکتا تھا کہ سر ظفر اللہ جیسا شخص بھی برطانیہ کی مذمت ایسے الفاظ میں کرسکتا ہے۔ چند دن ہوئے آپ نے ایک تقریر کی جسے سن کر یو۔ پی کے سابق گورنر سر میلکم ہیلی جو اس وقت لارڈ ہیلی آف سرگودھا ہیں آگ بگولہ ہو گئے اور میٹنگ سے اٹھ کر چلے گئے۔ آپ نے برطانوی حکمرانوں کو وہ کھری کھری

سنائیں کہ سننے والے دنگ رہ گئے۔ برطانوی حکومت کے درجنوں تنخواہ دار ایجنٹوں کے کئے کرائے پر آپ کی ایک تقریر نے پانی پھیر دیا۔

عام سوال یہ کیا جا رہا ہے کہ یہ کیسے ہوا کہ ایسے ایسے لوگ بھی جو برطانیہ کی بدولت ان ممتاز عہدوں پر پہنچے ہیں آج اس کے خلاف ہو رہے ہیں۔ جواب صاف ہے۔ برطانوی حکومت ہر ایک کو چکمہ دینا چاہتی ہے اور جن لوگوں میں ابھی تک ضمیر باقی ہے وہ ان حالات کو برداشت نہیں کر سکتے۔'' (الفضل 24 فروری 1945ء صفحہ 6 کالم 4)

اخبار ''ریاست''

7۔ ''اخبار ریاست'' 26۔ فروری 1945ء نے ''برطانیہ کے مخلص دوستوں کی آواز'' کے عنوان سے حسب ذیل نوٹ شائع کیا۔

''چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں جج فیڈرل کورٹ ایک بلند کیریکٹر شخصیت ہیں اور آپ کے لئے یہ ممکن نہیں کہ آپ کے دل اور زبان میں فرق ہو۔ چنانچہ چوہدری صاحب چونکہ برطانیہ کے مخلص دوست ہیں۔ آپ نے اپنے ان اصلی جذبات کو کبھی چھپانے کی کوشش نہ کی اور جب کبھی آپ کو برطانوی پالیسی اور برطانوی مدبروں سے اختلاف ہوا تو آپ نے اس اختلاف کو بھی کھلے طور پر بیان کر دیا۔

چوہدری سر ظفر اللہ نے برطانیہ کے مخلص دوست ہوتے ہوئے حال میں جو بیان دیا ہے وہ برطانوی مدبروں کی آنکھیں کھولنے کا باعث ہونا چاہئے۔ آپ نے برطانیہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ہندوستان کی آزادی کی خواہش کو اب نہیں دبایا جا سکتا۔ کاروان آزادی اب تیزی سے منزل کی طرف رواں ہے۔ تم اس کی مدد کر دیا نہ کرو۔ آزادی کی منزل میں اس کے قدم اب متزلزل نہیں ہو سکتے۔ 25 لاکھ ہندوستانی میدان جنگ میں اقوام دولت مشترکہ کی آزادی قائم رکھنے کے لئے جنگ کر رہے ہیں لیکن وہ خود اپنی آزادی سے محروم ہیں۔''

گاندھی اور کانگرسی لیڈروں کو تو خیر برطانیہ اپنا دشمن سمجھتا ہے اور ان کی تحریکوں اور مطالبات کو دبانے کی کوشش کی جاتی ہے مگر سر ظفر اللہ تو برطانیہ کے دشمن نہیں اور برطانیہ کے نامزد ہو کر کامن ویلتھ ریلیشنز کانفرنس میں شامل ہوئے۔ برطانوی قوم اگر اپنے ان مخلص دوستوں کی رائے پر بھی توجہ نہ کرے تو اس قوم کی بدنصیبی پر کیا شک ہے۔

اے کاش! برطانیہ کے مدبر سر ظفر اللہ کے اس بیان کو آنکھیں کھول کر پڑھیں اور ہندوستان کو آزادی دی جائے۔ (الفضل 8 مارچ 1945ء صفحہ 6 کالم 3)

رسالہ ”پریت لڑی“

8۔ سکھوں کے مشہور گورمکھی رسالہ پریت لڑی نے اپنے مارچ 1945ء کے پرچہ میں ”سر ظفر اللہ“ کے زیر عنوان لکھا۔

”لنڈن میں ڈومینز کی کانفرنس ہو رہی ہے۔ سر ظفر اللہ ہندوستان کے نمائندے ہیں اور جو زوردار بے خوف اور بے لاگ تقریریں انہوں نے کی ہیں انگریز سوچ میں پڑ گئے ہیں۔ سر ظفر اللہ نے تنبیہہ کی ہے کہ اگر ہندوستان سے انصاف نہ کیا گیا اور مکمل آزادی کی تاریخ مقرر نہ کی گئی تو انگریز ہندوستان کی دوستی ہمیشہ کے لئے گنوا لیں گے۔ ان کی تقریروں کا تمام دنیا میں چرچا ہو رہا ہے۔ ہم اپنے بھائی کے شکر گزار ہیں۔

مدت سے ہم نے یہ امید کرنا چھوڑ دیا ہے کہ سرکاری طور پر بھیجا ہوا ہمارا نمائندہ کبھی ہماری بھی ترجمانی کرے گا۔ ہم نے کبھی دلچسپی سے پڑھا ہی نہیں کہ یہ نمائندے وہاں جا کر کیا کہتے ہیں لیکن سر ظفر اللہ کی دلیری پر ہم فخر کرتے ہیں۔“ (ترجمہ پریت لڑی مارچ 1945ء)

چوہدری صاحب کی لنڈن ریڈیو سے اہم تقریر

چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے 17۔ فروری 1945ء کو صرف کامن ویلتھ کانفرنس کے

افتتاحی اجلاس میں ہی نعرہ آزادی بلند نہیں کیا بلکہ اس روز عشائیہ کی ایک خصوصی سرکاری تقریب میں بھی اپنے موقف کی تائید میں موثر تقریر فرمائی۔ ازاں بعد اپنے قیام انگلستان کے دوران ایک تقریر لنڈن ریڈیو سے براڈ کاسٹ کی جس میں ہندوستان کی سیاسی مشکلات کا حل پیش فرمایا اور بتایا کہ میں نے حکومت برطانیہ کے سامنے تجویز رکھی ہے کہ اس کی طرف سے اعلان کیا جائے کہ جنگ عظیم کے خاتمہ کے ایک سال بعد تک اگر ہندوستانی جماعتوں میں کوئی سمجھوتہ ہو گیا تو برطانیہ اسے تسلیم کرے گا۔ اگر سمجھوتہ نہ ہو سکا تو ہندوستان میں ایک عبوری آئین کا نفاذ کر کے ملک کو درجہ نو آبادیات دے دے گا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا۔

میں نے جب سے انگلستان میں قدم رکھا ہے مجھ سے ہندوستان کی آئینی الجھنوں کے بارے میں بہت سے سوالات پوچھے جا رہے ہیں۔ مثلاً ہندوستان کا سیاسی قضیہ کیوں حل نہیں ہوتا؟ ہندو اور مسلمان کیوں مفاہمت نہیں کرتے؟ ہندوستان کو کب آزادی ملے گی؟ ہندوستان آزاد ہو کر کامن ویلتھ میں شامل رہے گا یا نہیں؟ ان سوالات کا جواب دینا آسان کام نہیں۔ کیونکہ جہاں تک برطانیہ کا تعلق ہے وہ کہہ چکا ہے کہ ہندوستانی آپس میں کوئی سمجھوتہ کر کے کوئی آئین بنا لیں برطانیہ اسے منظور کرے گا۔ دوسری طرف ہندوستانی آپس میں سمجھوتہ نہیں کرتے اور یہ مسئلہ ایک الجھن سی بن کر رہ گیا ہے۔ تین سال پیشتر سر سٹیفورڈ کرپس ہندوستان گئے تھے۔ اس وقت سے آج تک ہندوستان میں الجھن سلجھانے کی بڑی کوششیں ہوئیں مگر ناکام رہیں۔

...اس وقت محاذ جنگ پر 25 لاکھ ہندوستانی سپاہی دنیا کی آزادی کے لئے اپنی جانیں قربان کر رہے ہیں۔ ہندوستان کی طرف سے اس قدر سامان جنگ فراہم کیا گیا ہے کہ آج ہندوستان جیسا مقروض ملک قرض خواہ بن گیا ہے۔ صنعت و حرفت بہت زیادہ ترقی کر گئی ہے مگر اس کے سیاسی مستقبل کا کوئی حل پیدا نہیں ہوا۔ اور اس کے بغیر سب ترقیاں فضول ہیں۔ میں نے برطانوی مدبروں کے سامنے یہ تجویز رکھی ہے کہ ان کی طرف سے یہ اعلان ہونا چاہئے کہ اگر

ہندوستان کے لوگ جنگ جاپان کے اختتام کے ایک سال بعد تک کوئی سمجھوتہ پیش کریں تو برطانیہ اسے تسلیم کرے گا۔ اگر سمجھوتہ نہ کر سکیں تو برطانیہ اپنی طرف سے آئین تیار کر کے پارلیمنٹ میں پیش کر دے گا۔ اس کی شکل یہی ہوگی کہ ہندوستان کو آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، کینیڈا اور جنوبی افریقہ کا سا درجہ دیا جائے گا۔ ہندوستان کی اسمبلی کو پارلیمنٹ کے منظور کردہ آئین میں ترمیم کرنے کا اختیار حاصل ہوگا تاکہ بعد میں ہندوستانی آپس میں اتحاد کر کے آئین کو اپنے ڈھب کے مطابق لا سکیں۔ بہرحال حکومت کو ایسا اعلان کر دینا چاہئے جس سے دسمبر 1947ء تک ہندوستان کی آئین سازی کی ذمہ داری برطانیہ پر عائد ہو۔۔۔۔ میں نے حکومت برطانیہ سے یہ درخواست کی ہے کہ اگر ہندوستان کی کوئی سیاسی جماعت اس آئین سے علیحدہ رہنے کی خواہش رکھتی ہو تو اس کے لئے ایسا کرنے کی گنجائش رکھی جائے۔ دوسری گنجائشیں بھی رکھی جائیں۔۔۔۔۔ اس وقت ہندوستان میں ایک جماعت 17 ایسی بھی ہے جو مرکزی آئین سے اپنے آپ کو الگ رکھنے کی کوشش کر رہی ہے لہذا برطانوی پارلیمنٹ کی طرف سے جو آئین منظور ہو اس میں اس امر کی گنجائش ضرور رکھنی چاہئے۔ بعض برطانوی مدبر کہتے ہیں کہ ہندوستان کے آئین کی ذمہ داری برطانیہ پر عائد نہیں ہونا چاہئے۔ لیکن ان کا یہ بہانہ بالکل عذر لنگ کی حیثیت رکھتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کی سیاسی الجھن کا حل برطانیہ کو دنیا بھر میں سرخرو کر دے گا۔ اگر وہ اس کام میں عہدہ برآ ہو گیا تو دنیا میں اس کی عزت میں چار چاند لگ جائیں گے۔ ناکام رہا تو اس کے وقار کو بٹہ لگ جائے گا۔۔۔۔ اس نے یونان یوگوسلاویہ اور پولینڈ جیسے ملکوں کے ناقابل حل سوالات کو حل کر دکھایا ہے۔ کیا ہندوستان کا حق برطانیہ پر اس قدر بھی نہیں جتنا یوگوسلاویہ پولینڈ اور یونان کا ہے۔ اگر برطانیہ ہندوستان کا مسئلہ حل کر دے تو اس سے بہت سی الجھنیں حل ہو جائیں گی۔ خود انگلستان کی بہبود کا تقاضا بھی یہی ہے۔” (بحوالہ اخبار الفضل 12 مارچ 1945ء)

چوہدری صاحب نے اپنی یہی تجویز اخبار سپیکٹیٹر SPECTATOR کے ایک مضمون

میں بھی نہایت وضاحت سے بیان فرمائی اور آخر میں لکھا کہ برطانوی حکومت کو یاد رکھنا چاہئے کہ ہندوستان کے مسئلہ کے حل پر دنیا کے امن اور تہذیب کے مستقبل کا دارومدار ہے اور اس کی اہمیت اس قدر زیادہ ہے کہ بعض حلقوں کو اس کا احساس نہیں۔

(بحوالہ اخبار الفضل 12 مارچ 1945ء)

چوہدری صاحب کا ”ہندوستان سٹینڈرڈ“ کے نمائندہ سے انٹرویو

چوہدری صاحب نے 22۔ فروری 1945ء کو ”ہندوستان سٹینڈرڈ“ کے نمائندہ سے ایک انٹرویو میں کہا کہ میری سرکردگی میں جو وفد یہاں آیا ہے وہ دو سوالات کا قطعی فیصلہ کرانے کے بعد ہندوستان واپس جائے گا۔ پہلا سوال یہ ہے کہ ہم جنوبی افریقہ کے ڈیلیگیشن کا اس وقت تک پیچھا نہیں چھوڑیں گے جب تک وہ ہندوستانیوں کو شہریت کے مساوی حقوق دینے کے لئے تیار نہ ہوگا۔ اگر اس نے ہمارا یہ مطالبہ منظور نہ کیا تو اسے ہندوستان کی طرف سے پوری پوری انتقامی کارروائی کے لئے تیار ہو جانا چاہئے دوسرا سوال ہندوستان کی آزادی ہے خواہ ہندوستان برطانوی کامن ویلتھ کے اندر رہنا منظور کرے یا باہر ہو جائے۔

(الفضل 24 فروری 1945 صفحہ 8 کالم 2)

برطانوی مدبرین کے خیالات میں زلزلہ

آزادی ہند سے متعلق چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب کی تجویز نے برطانوی مدبرین کے خیالات میں ایک زبردست زلزلہ برپا کر دیا۔ لنڈن کے بااثر اور مشہور روزنامہ لنڈن ٹائمز (LONDON TIMES) کے کالموں میں متعدد انگریزوں کے اس تجویز کی نسبت مراسلات شائع ہوئے اور ”لنڈن ٹائمز“ 20۔ مارچ 1945ء نے اپنے اداریہ میں ان خطوط کا خلاصہ شائع کر کے ان کی بناء پر دو نکتے پیش کئے۔

ایک یہ کہ برطانیہ کو خود اس کارروائی کے اختیار کرنے کا ذمہ دار ہونا چاہئے جو ہندوستان کے متعلق اس کی اعلان کی ہوئی پالیسی کو موثر طور پر نافذ کرنے کا یقین حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے۔

دوسرا یہ کہ موجودہ حالت میں محض کرپس مشن کی پیشکش پر یہ کہہ کر انحصار کرنا کہ اسے قبول کرلو یا رد کردو اب کافی نہیں رہا۔ نیز لکھا۔

''یہ حقیقت میں جنگ کے دوران اور جنگ کے بعد بھی ہندوستانی برطانوی تعاون کے لئے خطرناک ہے۔'' (الفضل 22 مارچ 1945ء صفحہ 8 کالم 2)

''لنڈن ٹائمز'' کی اسی اشاعت میں چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب کا ایک مضمون بھی چھپا جس پر اخبار نے اپنے لیڈنگ آرٹیکل میں یہ تبصرہ کیا کہ۔

''آنریبل سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی وہ سکیم جو انہوں نے اپنے اس آرٹیکل میں بیان کی ہے جو دوسری جگہ اسی صفحہ پر درج ہے گو وہ مسلم نقطہ نگاہ سے لکھی گئی ہے۔ لیکن بلاشبہ مدبرانہ نقطہ نگاہ کی مظہر ہے اور سر موصوف کے وسیع تجربہ پر) جو انہیں اپنے ملک کی خدمت کے سلسلہ میں انتظامی ڈپلومیٹک اور جوڈیشل امور میں حاصل ہے (دال ہے۔ اس سے دوسرے نقطہ ہائے نگاہ کے کماحقہ بیان و تفہیم کے لئے یکساں رستہ کھل جاتا ہے۔ اس طرح یہ آرٹیکل ہندوستان کے مسئلہ پر فرقہ وارانہ جھگڑوں اور کشمکش کی بجائے محققانہ اور پر از معلومات مفید بحث کا موقعہ پیدا کرتا ہے۔''

(الفضل 26 مارچ 1945ء صفحہ 8)

اخبار ''گلاسگو ہیرلڈ'' نے 15۔ مارچ 1945ء کی اشاعت میں چوہدری صاحب کی سکیم پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ اس قسم کے ہر اقدام کا خیر مقدم کرنا چاہئے۔ گو ممکن ہے ابتداء میں مسٹر گاندھی اور جناح اس سے متفق نہ ہوں۔

وائسرائے ہند کو لندن آنے کی ہدایت

چوہدری محمد ظفراللہ خاں صاحب کی حریت پرور اور انقلاب انگیز تقریروں کا اثر برطانیہ کے عوامی اور صحافتی حلقوں سے بڑھ کر خود برطانوی حکومت پر ہوا اور اس نے چوہدری صاحب کی نئی سکیم کے پیش نظر لارڈ ویول وائسرائے ہند کو انتقال اقتدار کا نیا فارمولا تجویز کرنے اور ہندوستان کو مصالحت کی پیشکش کرنے کے لئے لندن طلب کر لیا۔

وائسرائے کے دورہ انگلستان کی نسبت ممبران پارلیمنٹ کے تاثرات

برطانوی پارلیمنٹ کے ممبران نے لارڈ ویول کے انگلستان میں آنے کی تجویز کا پرجوش خیر مقدم کیا۔ چنانچہ مسٹر پیتھک لارنس لیبر ممبر نے ایک بیان میں کہا کہ یورپ کی جنگ کا خاتمہ نزدیک نظر آ رہا ہے اور اس موقعہ پر لارڈ ویول کا لنڈن آنا ہندوستانی مسئلہ کے حل کی طرف اہم پیش قدمی کا باعث ہوسکتا ہے۔ بلاشبہ سر محمد ظفراللہ خاں کی تازہ تجویز زیر غور آئے گی۔ علاوہ ازیں سپرد 23 مصالحتی کمیٹی کی تجاویز کا بھی بے تابی سے انتظار کیا جا رہا ہے۔ ان کو بھی بھاری اہمیت حاصل ہے مسٹر ایمونل شنویل نے کہا۔ ڈیڈ لاک ختم کرنے اور مسئلہ کے حل کے لئے یہ نہایت موزوں موقعہ ہے اور لارڈ ویول اس وقت ہندوستانی صورت حالات کے متعلق تازہ ترین واقفیت اور اپنے سیاسی تاثرات سے آگاہ کر سکیں گے میں سمجھتا ہوں کہ گزشتہ دنوں مسٹر ایمری نے ہندوستان کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا وہ بھی پر امید ہیں۔ ان سب چیزوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سمجھوتہ کا کافی امکان ہے۔ برطانیہ اس کا خیر مقدم کرے گا۔ روس اور امریکہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ وہ اسے بے حد پسند کریں گے۔ مسٹر آرتھر گرین وڈ لیڈر آف نیشنل اپوزیشن نے کہا کہ مجھے یقین ہے کہ لارڈ ویول کا دورہ ضرور کامیاب رہے گا۔ پارلیمنٹ میں بھی اور پارلیمنٹ کے باہر بھی گزشتہ ہفتوں سے ایسے آثار نمایاں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ

ہندوستانی مسئلہ کے متعلق فضاء سازگار ہو رہی ہے۔ برطانیہ میں بے شمار لوگ اس کے حل کا بے تابی سے انتظار کر رہے ہیں۔ لارڈ ویول نہ صرف مشرق بعید کی جنگ کے سلسلے میں صلاح ومشورہ کریں گے بلکہ ہندوستان کا سیاسی مسئلہ بھی زیر غور آئے گا۔ پروفیسر جارج کاٹلن نے کہا کہ مجھے امید ہے کہ موجودہ بات چیت سے تعطل ختم ہو کر کوئی تعمیری پروگرام سامنے آئے گا۔

(الفضل 24 مارچ 1945ء صفحہ 8 کالم 4)

انگلستان میں آزادی ہند سے متعلق سرگرمیوں کی تفصیل چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کے قلم سے

چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب اپنی خودنوشت سوانح میں کامن ویلتھ ریلیشنز کانفرنس کی تقریب پر اپنی تقاریر اور ان کے ردعمل پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

”1945ء کی فروری میں Chatham_House میں

Royal Institute of International Affairs کی سرپرستی میں COMMON WEALTH کے نمائندگان کی ایک کانفرنس کا اہتمام کیا گیا۔ ہندوستان کی INSTITUTE کی طرف سے بھی ایک وفد نے اس کانفرنس میں شرکت کی۔ وفد کے اراکین میں جناب کنور سر مہاراج سنگھ، جناب میر مقبول محمود، جناب C_L_MEHTA جناب خواجہ سرور حسن اور خاکسار شامل تھے۔ افتتاحی اجلاس میں ہر وفد کے قائد سے پانچ پانچ منٹ کی تقریر میں اختصاراً اپنے اپنے ملک کی جنگی سرگرمیوں کا خلاصہ بیان کرنے کی استدعا کی گئی۔ ہندوستان کی باری آنے پر میں نے تین منٹ تو ہندوستان کی جنگی سرگرمیوں کا خلاصہ بیان کرنے میں صرف کئے اور بتایا کہ پچیس لاکھ ہندوستانی کسی نہ کسی حیثیت میں جنگ کے مختلف محاذوں پر برطانوی اور اتحادی آزادی اور سالمیت کی حفاظت اور دفاع میں مختلف انواع کی خدمات سرانجام دیتے رہے ہیں اور جسم وجان کی قربانی پیش کرنے میں ان کی طرف سے دریغ نہیں ہوا۔ علاوہ فوجی اور براہ راست جنگی امداد

کے سامان حرب اور ذخائر خوراک مہیا کرنے میں بھی ہندوستان نے نمایاں خدمت کی ہے اور قابل قدر نمونہ قائم کیا ہے۔ اس سلسلے میں چیدہ تفاصیل کا ذکر کرنے کے بعد میں نے کہا۔

سیاست دانایان مملکت! کیا یہ امر آپ کے لئے باعث حیرت نہیں کہ ہندوستان کے پچیس لاکھ فرزند میدان جنگ میں مملکت کی آزادی کی حفاظت کے لئے ہتھیار بند اور کمر بستہ ہوں اور ہندوستان ابھی تک اپنی آزادی کا منتظر اور اس کے لئے ملتجی ہو؟ شاید ایک مثال اس کیفیت کو واضح کرنے میں ممد ہو سکے۔ چین کی آبادی اور رقبہ ہندوستان کی آبادی اور رقبے سے بے شک فزوں تر ہیں۔ لیکن وسعت اور آبادی کے علاوہ چین باقی ہر لحاظ سے آج ہندوستان سے کوسوں پیچھے ہے۔ تعلیم صنعت حرفت وسائل آمدورفت غرض خوشحالی کے تمام عناصر کے لحاظ سے ہندوستان چین کی نسبت کہیں آگے نظر آتا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ چین تو آج دنیا کی بڑی طاقتوں میں شمار ہوتا ہے اور ہندوستان کسی گنتی میں نہیں؟ کیا اس کی صرف یہی وجہ نہیں کہ چین آزاد ہے اور ہندوستان غیر آزاد؟ لیکن یہ حالت اب دیر تک قائم نہیں رہ سکتی۔ ہندوستان بیدار ہو چکا ہے اور آزاد ہو کر رہے گا۔ مملکت کے اندر رہ کر اگر آپ سب کو یہ منظور ہو اور مملکت کو ترک کر کے اگر آپ اس کے لئے اور کوئی رستہ نہ چھوڑیں!

یہ اجلاس سہ پہر کو ہوا تھا۔ اجلاس کے ختم ہونے پر جب ہم CHATHAM_HOUSE سے نکلے تو شام کے اخبار STAR میں میری تقریر کا یہ حصہ لفظ بلفظ موٹے حروف میں چھپا ہوا تھا اور لوگ اس پرچے کو بڑے شوق سے خرید رہے تھے۔ کچھ عرصہ بعد جناب آصف علی صاحب نے مجھ سے ذکر کیا۔ جب لندن میں تم نے یہ تقریر کی۔ پنڈت جواہر لال نہرو اور کانگرس کے چند سرکردہ اراکین جن میں میں بھی شامل تھا اورنگ آباد دکن کے قلعے میں نظر بند تھے اور کانفرنس کے اس اجلاس کی کارروائی کو ریڈیو پر سن رہے تھے۔ جب تم نے سیاست دانایان مملکت کہہ کر آواز بلند کی تو ہم سب توجہ سے تمہاری تقریر سننے لگے۔ پنڈت نہرو نے تو اپنا کان ریڈیو کے بہت قریب

کر دیا۔ جب تم نے تقریر ختم کی تو انہوں نے کہا یہ شخص تو ہم سے بھی بڑھ کر صفائی سے انہیں متنبہ کرتا ہے۔

اسی شام حکومت کی طرف سے کانفرنس کے اعزاز میں HOTEL CLARIDGES۔ میں شام کے کھانے کی دعوت تھی۔ حکومت کی طرف سے Lord Cranbourne جو اس وقت LORD PRIVY SEAL تھے اور بعد میں اپنے والد کی وفات پر Marquiss of Salisbury ہوئے میزبانی کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ لیکن وزیراعظم مسٹر چرچل کے سوائے حکومت کے تمام اراکین بشمول نائب وزیراعظم مسٹر اٹیلی اور لارڈ چانسلر لارڈ سائمن دعوت میں موجود تھے اور کھانے میں شامل تھے۔ لارڈ کرنبورن نے مہمانوں کا جام صحت تجویز کرتے ہوئے Commonwealth کی اہمیت کے بعض پہلوؤں کی وضاحت کی۔ مہمانوں کی طرف سے میزبان کی تقریر کا نیم مزاحیہ جواب تو ایک کینیڈین مندوب مسٹر سٹینفورڈ نے دیا۔ اور وہ ایک اخبار کے ایڈیٹر ہونے کے لحاظ سے اس کے اہل بھی تھے اور سنجیدہ جواب دینے کی ذمہ داری مجھ پر ڈالی گئی۔ میری سہ پہر کی تقریر کا بہت چرچا ہو چکا تھا اور توقع کی جاتی تھی کہ میں ہندوستان کی آزادی کے موضوع پر مزید کچھ کہوں۔ دعوت میں جانے سے پہلے میں یہ بھی سن چکا تھا کہ ہندوستان کی آزادی میں تاخیر کی ذمہ داری تمام تر حکومت برطانیہ پر نہیں ڈالی جا سکتی۔ کیونکہ ہندو مسلمان اختلاف کے پیش نظر حکومت برطانیہ بہت حد تک معذور گردانی جا سکتی ہے۔ میں نے اپنی تقریر کے دوران میں آزادی کے موضوع پر کہا کہ حکومت برطانیہ ہندو مسلمان اختلاف کا عذر رکھ کر اپنی ذمہ داری سے گریز نہیں کر سکتی۔ جنگ کے دوران میں برطانیہ بہت سی مشکلات کا حل دریافت کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ کیا ہندوستان کی آزادی ہی ایک ایسا مسئلہ ہے جس کا حل دریافت کرنے سے برطانیہ عاجز ہے؟ بے شک یہ مسئلہ مشکل ہے لیکن برطانیہ کی تدبیر اس کا حل تجویز کرنے سے عاجز نہیں آنی چاہیئے۔ اگر ہندو مسلمان اختلاف ہی اس مسئلے کا حل تجویز کرنے

کے رستے میں سب سے بڑی روک ہے تو برطانیہ اپنی نیک نیتی کا ثبوت اس طور پر پیش کر سکتا ہے کہ اس کی طرف سے یہ واضح اعلان کر دیا جائے کہ اگر فلاں تاریخ تک ہندو مسلمان اختلافات کا حل متفقہ طور پر تجویز نہ ہوا تو برطانیہ اپنی طرف سے ایک قرین انصاف حل تجویز کر کے اس کی بناء پر ہندوستان کے لئے ایک ایسا آئین وضع کر دے گا جس کی رو سے ہندوستان کو دیگر نو آبادیات کا درجہ حاصل ہو جائے اور اس آئین کو جاری کر دیا جائے گا۔ لیکن یہ آئین عارضی ہوگا۔ جونہی مستقل آئین پر فرقہ وارانہ اختلافات رفع ہو کر اتفاق ہو جائے گا پارلیمنٹ متفقہ آئین دستور کے مطابق وضع کر دے گی اور اسے رائج کر دیا جائے گا۔ اس اعلان کے نتیجے میں ہندوستان بلکہ تمام دنیا برطانیہ کے حسن نیت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوگی۔

دعوت کے اختتام پر بہت سے وزراء نے میری تجویز کے متعلق گہری دلچسپی کا اظہار کیا۔ لارڈ سائمن نے کہا۔ تم جلد کسی دن House of Lords میں لارڈ چانسلر کے فلیٹ میں دوپہر کا کھانا میرے ساتھ کھاؤ۔ میں تمہاری تجویز کے متعلق تم سے بات چیت کرنا چاہتا ہوں۔ تین چار دن کے اندر میں ان کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ لیکن اس سے قبل میری ان تقریروں کے دو دن بعد ہی سہ پہر کے اجلاس کے لئے اپنے ہوٹل سے چھ Chatham House جا رہا تھا۔ راستے میں لبرل پارٹی کے لیڈر MR۔DAVIES CLEMENT مل گئے۔ وہ بھی کانفرنس کے اجلاس کے لئے جا رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی کہا۔ مبارک ہو۔ ابھی یہ خبر بصیغہ راز ہے کسی سے ذکر نہ کرنا۔ تمہاری تقریروں کے نتیجے میں کیبنٹ کے زور دینے پر وائسرائے ہند لارڈ ویول کو مشورے کے لئے لندن بلایا گیا ہے۔ میں نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی کہ اس نے اس عاجز کی حقیر کوشش کو نوازا اور اسے پر اثر بنایا۔ چنانچہ لارڈ ویول لندن تشریف لائے اور ہندوستان کی آئینی جدوجہد کا آخری مرحلہ شروع ہو گیا۔“

(تحدیث نعمت بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 9 صفحہ 239 تا 258 مطبوعہ قادیان سن اشاعت 2007ء)

مسئلہ فلسطین اور جماعت احمدیہ نیز حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی عظیم خدمات

احمدیت کی تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی عالم اسلام کو دینی روحانی اور حتی کہ سیاسی اعتبار سے مشکلات پیش آئیں تو انکے دفاع کے لئے اور انکی راہنمائی کے لئے جو پہلی آواز اٹھی وہ یا تو امام جماعت احمدیہ کی آواز تھی یا آپ کی ہدایت کے مطابق افراد جماعت کی آواز تھی۔ اور جب کبھی خطرات لاحق ہوئے تو پہلی آواز جس دردمند دل سے نکلی وہ جماعت احمدیہ کی آواز تھی۔ جہاں احمدیت نے عرب اور اسلامی ملکوں کی آزادی کے حصول میں گرانقدر اور بے لوث خدمات سرانجام دیں وہاں مسئلہ فلسطین اور اسکے حل میں بھی سب سے زیادہ حصہ ڈالا۔ بلکہ اسے سیاسی ہی نہیں ایک دینی مسئلہ قرار دے کر اس کے حل کے لئے ایسی سرتوڑ کوششیں کیں جیسی کہ جماعت احمدیہ اسلام کے دفاع میں کوششیں کرتی رہی ہے اور جو جماعت احمدیہ کا خاصا رہی ہیں۔ مسئلہ فلسطین میں جماعتی کوششوں کے تذکرہ سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قارئین کرام کی آگاہی کے لئے اس مسئلہ کا پس منظر بیان کر دیا جائے۔

مسئلہ فلسطین کا پس منظر

فلسطین کو یہودیت کا مرکز بنانے کی تحریک انیسویں صدی کے آخر میں شروع ہوئی جب عالمی صہیونی انجمن کی بنیاد ڈالی گئی۔ اور ''بیل'' کے مقام پر طے پایا کہ فلسطین میں یہودیوں کا ایک وطن بنایا جائے۔ صہیونی تحریک کے لیڈروں نے پہلے تو سلطان ترکی کو اس بات پر آمادہ کرنیکی کوشش کی کہ یہودی وطن کے قیام کی اجازت دی جائے۔ مگر ترکی حکومت نے انکار کر دیا۔

1903ء میں حکومت برطانیہ نے تجویز پیش کی کہ یہودی کینیا کو اپنا وطن بنا لیں۔ لیکن یہودی رضا مند نہ ہوئے۔ 1914ء میں جب پہلی عالمی جنگ چھڑی تو یہودیوں نے جرمنی اور برطانیہ دونوں سے جوڑتوڑ شروع کر دیئے جنگ عظیم کے دوران حالات نے پلٹا کھایا۔ ترک جنگ میں اتحادیوں کے خلاف جرمنی کا ساتھ دے رہے تھے ادھر برطانیہ کو عربوں کی (جو اسوقت ترکی حکومت سے مطمئن نہ تھے) ضرورت محسوس ہوئی۔ انگریزوں نے حسین شریفِ مکہ کو پیغام بھیجا کہ اگر فلسطین کے عربوں نے جنگ میں انکا ساتھ نہ دیا تو ترکوں کے عربی مقبوضات آزاد کر دیئے جائیں گے۔ ان مقبوضات میں فلسطین بھی شامل تھا۔ عرب برطانیہ کے داؤ میں آ گئے اور انہوں نے اسے منظور کر لیا۔ اور جنگ میں ترکوں کے خلاف برسرِ پیکار ہو گئے۔ کرنل ''لارنس'' کی زیر ہدایت اور عربوں کی مدد سے جنرل ''ایلن بی'' نے 1917ء میں ترکوں کو شکست دے کر یروشلم پر قبضہ کر لیا۔ صہیونی تحریک کے لیڈر بھی خاموش نہیں بیٹھے تھے۔ فلسطین کو اپنا قومی گھر بنانے کی پرانی خواہش از سرِ نو تازہ ہو گئی۔ ادھر جنگ کے مصارف کی وجہ سے انگریزوں کو یہودی سرمایہ کی سخت ضرورت تھی نتیجہ یہ ہوا کہ اسی سال برطانوی وزیر امور خارجہ لارڈ ''بلفور'' اور یہودی لیڈر لارڈ ''روسچائلڈ'' کے مابین ایک خفیہ معاہدہ ہوا جس کے ذریعہ طے پایا کہ یہودی جنگ میں برطانیہ کی مدد کریں اسکے عوض برطانیہ اختتام جنگ پر فلسطین کو یہودیوں کا وطن بنا دے گا۔ یہ معاہدہ 1923ء یعنی اختتامِ جنگ کے ایک سال بعد تک خفیہ رکھا گیا۔ جنگ کے بعد تھوڑے عرصہ تک سکون رہا۔ 1920ء میں فلسطین کی باگ ڈور مجلس اقوام کی زیر نگرانی برطانیہ کے سپرد ہوئی۔ عربوں کو کامل یقین تھا کہ عنقریب فلسطین ایک آزاد ملک انکے سپرد کر دیا جائے گا۔ مگر 1920ء میں پہلی بار محسوس ہوا کہ برطانیہ کسی صورت میں انکو فلسطین کا اقتدار سونپنے کیلئے آمادہ نہیں ہے۔ اس عرصہ میں یہودی لوگ کافی تعداد میں فلسطین پہنچ چکے تھے۔ اور اس وقت سے ہی علاقہ میں گڑبڑ شروع ہو گئی تھی۔ یہودی اعلانیہ طور پر فلسطین کو اپنا ملک بنانے پر مصر تھے۔ عرب جو پہلے ہی مضطرب بیٹھے تھے مزید بھڑک

اٹھے۔ یہودیوں کی بڑھتی ہوئی درآمد نے انکی آنکھیں کھول دیں۔ اور ملک میں فسادات کا دور دورہ شروع ہوگیا۔

1924ء میں حالات انتہائی نازک حالت تک پہنچ گئے۔ بغاوت فرو کرنے کے لئے انگریز فوجیں منگائی گئیں اور وقتی طور پر ہنگاموں پر قابو پالیا گیا۔ مگر 1933ء اور 1936ء میں دوبارہ شدید فسادات اٹھ کھڑے ہوئے۔ بہت کچھ مالی وجانی نقصان ہوا۔ برطانوی مدبرین کا خیال تھا کہ کچھ عرصہ کے بعد عرب اور یہودی شیروشکر ہوجائیں گے لیکن اختلافات کی خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی گئی۔ 15 سال کے کشت وخون کے بعد جب حالات قابو سے باہر نظر آنے لگے تو برطانیہ نے نومبر 1936ء میں لارڈ ''پیل'' کی صدارت میں ایک شاہی کمیشن نامزد کر دیا۔ جس نے حالات کا مطالعہ کر کے جولائی 1937ء میں اپنی رپورٹ اور اپنی سفارشات پیش کر دیں۔ ''پیل'' کمیشن نے اعتراف کیا کہ عرب اور یہودی دونوں سے وعدہ خلافی اور ناانصافی کی گئی ہے۔ جس کا حل اس نے یہ پیش کیا کہ ملک کے حصے بخرے کر دیئے جائیں۔ ایک علاقہ جو سب سے زرخیز اور تجارتی مرکز تھا اور جس میں وہاں کی صرف ایک ہی کارآمد بندرگاہ حیفا بھی شامل تھی یہودیوں کے حوالے کر دیا جائے۔ اور فلسطین کا بیشتر حصہ جو عموماً ریتلا، صحرا اور بنجر ہے عربوں کو دے دیا جائے۔ نیز سفارش کی کہ باقی مقامات مقدسہ یروشلم اور درمیانی علاقہ پر انگریزی حکومت کی عملداری رہے۔ عرب اور یہود دونوں نے اس تجویز کی سخت مذمت کی اور فلسطین میں یکا یک فریقین کی طرف سے ملک گیر اور منظم فسادات اٹھ کھڑے ہوئے۔ عربوں کا نشانہ پہلے تو یہودی ہوا کرتے تھے۔ مگر پھر انگریزی فوجوں پر یورش شروع کر دی گئی۔ متعدد برطانوی فوجی بیڑے حیفا اور جافا پہنچ گئے۔ اور ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا گیا۔ حریت پسند عرب لیڈر گرفتار کئے گئے۔ مجلسیں توڑ دی گئیں اور عرب دیہات نہ صرف تعزیری چوکیوں سے زیر بار کر دیئے گئے بلکہ ہوائی جہازوں سے ان پر گولہ باری کی گئی۔ ان حالات نے صورتحال بدل دی، ملک کے حصے

بخرے کرنے کی سکیمیں وقتی طور پر معرضِ التواء میں پڑ گئیں۔ اور پیل کمیشن کی رپورٹ پر غور کرنے کیلئے ایک اور کمیشن ”ووڈہڈ“ کمیشن مقرر ہوا۔ مگر عرب نہ مطمئن ہو سکتے تھے نہ ہوئے۔

اب برطانوی حکومت نے مفاہمت کے لئے ایک نئی تجویز سوچی اور وہ یہ کہ لندن میں عربوں اور یہودیوں کی ایک مشترکہ کانفرنس کا فیصلہ کیا گیا۔ یہ کانفرنس فروری 1939ء میں بمقام لندن منعقد ہوئی جس میں سعودی عرب، مصر اور عراق کے مندوبین نے شرکت کی۔ مگر یہ بھی ناکام ہوگئی۔ (ملخص از تاریخ احمدیت جلد 7 صفحہ 553 تا 555)

عرب زعماء مسجد فضل لندن میں

فروری 1939ء کی یہی کانفرنس تھی جس میں شریک ہونے والے عرب نمائندگان جن میں مکّہ مکرمہ کے وائسرائے اور فلسطین، عراق اور یمن کے نمائندوں کے اعزاز میں مکرم مولانا جلال الدین صاحب شمس مبلغ لندن نے ایک پارٹی دی۔ جس میں شہزادہ فیصل، شیخ ابراہیم سلمان رئیس النیابۃ العامۃ، شیخ حافظ وہبہ، عونی بیک الہادی، القاضی علی العمری اور القاضی محمد الشامی وغیرہ مندوبین کانفرنس نے شرکت کی۔

اس موقعہ پر امیر فیصل اور دوسرے عرب نمائندگان کے نام بذریعہ تار برقی جو پیغام حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ارسال فرمایا وہ اگرچہ پہلے مولانا جلال الدین صاحب شمس کی مساعی کے تذکرہ کے دوران درج ہو چکا ہے تاہم یہاں پر مضمون کے تسلسل اور قارئین کی یاددہانی کے لئے دوبارہ نقل کیا جاتا ہے۔ حضورؓ نے فرمایا:

”میری طرف سے ہز رائل نس امیر فیصل اور فلسطین کانفرنس کے ڈیلیگیٹوں کو خوش آمدید کہیں۔ اور ان کو بتا دیں کہ جماعت احمدیہ کامل طور پر ان کے ساتھ ہے۔ اور دعا کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انکو کامیابی عطا کرے۔ اور تمام عرب ممالک کو کامیابی کی راہ پر چلائے۔ اور ان کو مسلم ورڈ کی لیڈرشپ عطا کرے۔ وہ لیڈرشپ جو ان کو اسلام کی پہلی صدیوں میں حاصل تھی۔“

(از تاریخ احمدیت جلد 7 صفحہ 557-556)

مسئلہ فلسطین پر چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب کی تقریر

یوں تو حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب نے مسئلہ فلسطین پر بہت سے انٹرویوز اور لیکچرز دیئے، لاتعداد بیانات اور مشورے دیئے لیکن ہم ذیل میں دو تقاریر پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب جج فیڈرل کورٹ آف انڈیا نے ''مسئلہ فلسطین'' کے مضمون پر وائی ایم سی اے ہال لاہور میں 27 جنوری 1946ء کو ایک نہایت اہم اور معلومات افزا تقریر فرمائی ۔جلسہ کا اہتمام نوجوانان احمدیت کی بین الکلیاتی تنظیم ''احمدیہ انٹر کالجیٹ ایسوسی ایشن'' نے کیا اور صدارت کے فرائض جناب ڈاکٹر ای۔ ڈی لوکس وائس پرنسپل ایف سی کالج لاہور نے انجام دیئے

اخبار ''انقلاب'' (لاہور) نے اس تقریر کا ملخص حسب ذیل الفاظ میں شائع کیا۔

''برطانیہ اور امریکہ یہودی سرمایہ کے اثر کے باعث آزادانہ طور پر کوئی اقدام نہیں کر سکتے۔ سیاسی حلقہ میں بھی یہودیوں کا اثر کم نہیں ہے۔ موجودہ پارلیمنٹ کے دارالعوام میں 25 یہودی ممبر ہیں۔ دو یہودی وزیر اور ایک یہودی سیکرٹری آف سٹیٹ، اسی طرح امریکہ میں بھی وہ ملک کی سیاسی مشین پر اثر انداز ہیں۔

یہ سوال کہ کیا فلسطین ان ملکوں میں شامل تھا جن کے بارے میں گزشتہ جنگ کے آغاز میں حکومت برطانیہ نے عربوں کو آزادی کا یقین دلایا تھا، آج تیس سال کے بعد بھی حل نہیں ہوسکا۔ فلسطین میں گزشتہ 21 سال کی بدامنی اور ناخوشگوار حالات کے باوجود حکومت برطانیہ اس مسئلہ کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کرسکی۔ پہلی عالمگیر جنگ سے موجودہ وقت تک فلسطین کی سیاسیات کا جائزہ لینے کے بعد سر محمد ظفر اللہ خان صاحب نے کہا کہ فلسطین کے عرب حسب ذیل چار وعدوں کی بناء پر جو کہ حکومت برطانیہ نے ان سے کئے تھے۔ فلسطین میں ایک عرب ریاست کے قیام کا مطالبہ کرتے ہیں۔

اول: پہلی عالمگیر جنگ کے شروع میں برطانیہ نے جن عرب ممالک سے آزادی کا وعدہ کیا تھا فلسطین بھی ان میں شامل تھا۔

دوئم: حکومت برطانیہ نے اپنے پہلے وعدے کو اس اعلان سے مضبوط کیا کہ جنگ کے بعد عرب ممالک میں وہاں کے لوگوں کے مشورہ کے بغیر کوئی حکومت قائم نہیں کی جائیگی۔

سوئم: ''بالفور'' اعلان کا یہ مفہوم نہیں تھا جو یہودی اخذ کرتے ہیں کہ فلسطین میں ایک یہودی ریاست قائم کی جائے گی۔

چہارم: عربوں کا مطالبہ ہے کہ 1939ء کا قرطاس ابیض ایک قسم کا آخری فیصلہ تھا اور یہودی اس کی مخالفت میں حق بجانب نہیں ہیں۔

سر محمد ظفر اللہ خان نے شریف مکہ اور مصر میں برطانوی ہائی کمشنر کے مابین عرب ممالک کی آزادی کے بارے میں خط و کتابت کا بتفصیل ذکر کرتے ہوئے کہا کہ شریف مکہ نے مطالبہ کیا تھا کہ جنگ کے اختتام پر عرب ممالک کو آزاد کیا جائے اور کہا تھا کہ عربوں کا یہ مطالبہ ان کی زندگی کا جزو اعظم بن چکا ہے۔ اور اس میں کسی قسم کا ردو بدل نہیں ہوسکتا۔ حکومت برطانیہ نے ہائی کمشنر کی معرفت اس مطالبہ کو پورا کرنے کا یقین دلایا تھا۔ آج عرب اسی خط و کتابت کی بناء پر فلسطین کی آزادی کا مطالبہ کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ فلسطین بھی ان ممالک میں شامل تھا جن کے بارے میں شریف مکہ نے حکومت برطانیہ سے ضمانت مانگی تھی۔

فلسطین میں یہودیوں کے قیام کے متعلق دیگر عرب ممالک کے ردّعمل کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ عرب یہودیوں کے نام سے متنفر ہیں ان کا خیال ہے کہ اگر فلسطین میں یہودیوں کی ریاست قائم ہوگئی تو پھر وہ ہمسایہ عرب ممالک سے بھی مزید علاقوں کا مطالبہ کرینگے اور نئی مشکلات پیدا ہوجائیں گی۔

اگرچہ یہودی اس امر کا یقین دلائیں بھی کہ وہ عربوں کے مفاد کی حفاظت کرینگے پھر بھی باہمی

فساد کا جذبہ اب اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ کسی مفاہمت کی کوئی امید نہیں۔ یہودی اس بات پر تلے ہوئے ہیں کہ اگر ممکن ہو سکے تو طاقت کے استعمال سے یہودی ریاست قائم کریں گے۔

سر محمد ظفر اللہ خان صاحب نے کہا کہ فلسطین کی 17 لاکھ پچاس ہزار کی کل آبادی میں چھ لاکھ اور پچاس ہزار یہودی ہیں اور وہ ملک کی اقتصادی زندگی پر چھائے ہوئے ہیں اور اگر یہودیوں کا فلسطین میں داخلہ بند بھی کر دیا گیا تو وہ سیاسی اور اقتصادی طور پر عربوں کے لئے ایک بہت بڑا خطرہ بنا رہے ہیں۔ ہم صورت حال سے بخوبی آگاہ ہیں اور اس خطرہ کو مٹانے کا عزم کئے ہوئے ہیں۔

(بحوالہ الفضل 31 صلح 1325 ہش بمطابق 31 جنوری 1946ء صفحہ 6
بحوالہ تاریخ احمدیت جلد نمبر 10 صفحہ 568 تا 570)

چوہدری صاحب کی دوسری فاضلانہ تقریر

چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب 9 دسمبر 1947ء کو گورنمنٹ کالج لاہور میں ایک فاضلانہ خطاب فرمایا جس میں مسئلہ تقسیم فلسطین کی سازش پر مفصل روشنی ڈالی۔ اس تقریر کا ملخص اخبار ''نوائے وقت'' نے درج ذیل الفاظ میں شائع کیا:۔

لاہور۔ 9 دسمبر۔ ادارہ اقوام متحدہ میں پاکستانی وفد کے قائد چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں نے آج مسئلہ فلسطین کے تمام پہلوؤں پر مفصل روشنی ڈالی۔ انہوں نے ادارہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں تقسیم فلسطین کے فیصلہ کو سخت نا منصفانہ قرار دیا۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں تقریر کرتے ہوئے سر ظفر اللہ نے سخت افسوس ظاہر کیا کہ امریکی حکومت نے چھوٹی چھوٹی طاقتوں کے نمائندگان پر ناجائز دباؤ ڈال کر تقسیم فلسطین کے حق میں فیصلہ کرا لیا۔ سر ظفر اللہ نے کہا کہ امریکہ کی انتخابی سیاسیات نے فلسطین کو ایک مہرہ بنایا۔ آپ نے فرمایا کہ سرزمین فلسطین کی مجوزہ یہودی ریاست میں نہ صرف ایک مضبوط عرب اقلیت ہمیشہ کے لئے یہودیوں کی غلام بن جائے گی بلکہ ملک کی

اقتصادیات پر بین الاقوامی کنٹرول قائم ہو جائے گا جو قطعاً غیر قانونی حرکت ہے۔

چوہدری سر محمد ظفر اللہ نے بتایا کہ کس طرح امریکہ کے سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے یہودی اثر کے ماتحت چھوٹی چھوٹی اقوام پر ناجائز دباؤ ڈالا اور دو تین فیصلہ کن ووٹ حاصل کر لئے جس کے مطابق ادارہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں فلسطین کی تقسیم کا نامنصفانہ فیصلہ ہوا۔

سر ظفر اللہ نے بتایا کہ 26 نومبر کو ہمیں یقین ہو گیا تھا کہ ہم کامیاب ہو گئے ہیں اور مخالف فریق کو اپنی شکست کا یقین ہو گیا تھا لیکن عین آخری وقت رائے شماری بلا وجہ 28 نومبر پر ملتوی کر دی گئی تاکہ دوسرے ممالک پر دباؤ ڈال کر فلسطین کے متعلق ان کا رویہ تبدیل کیا جا سکے۔ چنانچہ جب ہیٹی کے مندوب نے رائے شماری کے بعد مجھ سے ملاقات کی تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور اس نے افسوس ظاہر کیا کہ اسے آزادی کے ساتھ ووٹ دینے کی اجازت نہیں دی گئی ۔اکثر ایسے مندوبین نے جنہوں نے تقسیم فلسطین کے حق میں ووٹ ڈالے یہ اعتراف کیا کہ انہوں نے نہایت مجبوری کے عالم میں تقسیم فلسطین کے حق میں ووٹ ڈالے اور اسی میرٹ میں تقسیم فلسطین کا فیصلہ ہوا۔"

"سر ظفر اللہ نے بتایا کہ جنرل اسمبلی میں کس طرح شروع میں عربوں کو تقسیم فلسطین کی سکیم کے استرداد کا یقین تھا لیکن بعد ازاں زبردست سازشیں کی گئیں کہ عربوں کی حامی اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کر دیا گیا۔ صدر اسمبلی نے رائے شماری کو 26 نومبر سے 28 نومبر پر ملتوی کر دیا۔ دریں اثناء امریکی سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے بعض مندوبین پر ان کی حکومتوں کی مدد سے دباؤ ڈالا اور عربوں کے حامی 17 مندوبین میں سے 4 مندوب دوسرے فریق سے جا ملے۔ لائبیریا کے نمائندے نے اعتراف کیا کہ واشنگٹن میں ان کے سفیر نے انہیں تقسیم فلسطین کی حمایت پر آمادہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہیٹی کے نمائندے نے ہمیں افسوس کے ساتھ بتایا کہ وہ اپنی حکومت کی تازہ ہدایات کے ماتحت اب تقسیم فلسطین کے حق میں ووٹ دینے پر مجبور ہو گیا ہے۔ اس طرح بالآ

خر تقسیم فلسطین کے حق میں امریکی اور یہودی سازش کامیاب ہوگئی اور فلسطین کا فیصلہ کر دیا گیا۔‘‘

(نوائے وقت 11 دسمبر 1947ء صفحہ 6)

اقوام متحدہ میں چوہدری صاحب کا مؤثر دفاع

ان واقعات میں سے ایک اہم اور قابل ذکر واقعہ احمدیت کے مایۂ ناز فرزند چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی اقوام متحدہ میں مسئلہ فلسطین سے متعلق وہ پُرشوکت تقریر ہے جو آپ نے پاکستانی وفد کے لیڈر کی حیثیت سے فرمائی۔

چوہدری صاحب نے فلسطینی مسلمانوں کا مسئلہ کس مؤثر رنگ میں پیش کیا اس کا اندازہ لگانے کے لئے اخبار ’’نوائے وقت‘‘ میں شائع شدہ دو خبروں کا مطالعہ کافی ہوگا:۔

(پہلی خبر) ’’سر ظفر اللہ کی تقریر سے اقوام متحدہ کی کمیٹی میں سکتے کا عالم طاری ہوگیا۔ امریکہ ،روس اور برطانیہ کی زبانیں گُنگ ہوگئیں

لیک سس:۔ 10 اکتوبر۔ رائٹر کا خاص نامہ نگار اطلاع دیتا ہے کہ اقوام متحدہ کی کمیٹی میں جو فلسطینی مسئلہ کو حل کرنے کے لئے بیٹھی تھی کل پاکستانی مندوب سر ظفر اللہ کی تقریر کے بعد ایک پریشان کن تعطل پیدا ہو چکا ہے اور جب تک امریکہ اپنی روش کا اعلان نہ کر دے دیگر مندوبین اپنی زبانیں کھولنے کے لئے تیار نہیں۔ امریکن نمائندہ جو اس دوران میں ایک مرتبہ بھی بحث میں شریک نہیں ہوا اس وقت تک بولنے کے لئے آمادہ نہیں جب تک کہ صدر ٹرومین وزیر خارجہ مسٹر جارج مارشل اور خود وفد ایک مشترکہ اور متفقہ حل تلاش نہ کر لیں۔ کمیٹی میں کل کی بحث میں کمیٹی کے صدر ڈاکٹر ہربرٹ ایوات (آسٹریلیا) نے بہت پریشانی اور خفت کا اظہار کیا جب بحث مقررہ وقت سے پہلے ہی آخری دموں پر پہنچ گئی اور امریکن مندوب اس طرح خاموش بیٹھا رہا گویا کسی نے زبان سی دی ہو۔ اقوام متحدہ کے تمام اجلاس میں یہ واقعہ اپنی نظیر آپ ہے۔

پاکستانی مندوب نے ایک لفظ میں دوسرے مندوبین کے وارداتِ قلب کا اظہار کر دیا جب

اس نے اُکتا کر یہ مشورہ دیا کہ چونکہ بعض سرکردہ مندوبین تقریر کرنے سے واضح طور پر ہچکچا رہے ہیں اس لئے فلسطین پر عام بحث فوراً بند کر دی جائے۔ امریکن وفد دو دن سے اس بحث میں مبتلا ہے کہ اسے کیا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہئے لیکن ابھی تک وہ کسی فیصلے پر نہیں پہنچ سکا ہے۔ وفد کے ایک رکن نے دریافت کرنے پر بتانے سے گریز کیا کہ امریکن صدر مقام میں کیا کچھ ہو رہا ہے۔ مندوبین جس طرح اس مسئلہ پر اب تک اظہار خیال کرتے رہے ہیں اس سے یہ نتیجہ نکالنے کی کافی وجوہات ہیں کہ مندوبین میں نہ صرف عرب اور یہودی مطالبات اور دلائل کی صحت اور حقانیت کے بارہ میں ہی عارضی اختلافات ہیں بلکہ بعض مندوبین کو اس امر کا بھی احساس ہے کہ روس سے متعلق امریکہ کہ موجودہ حکمت عملی کے لئے عربوں کی حمایت اور ہمدردی انتہائی اور فیصلہ کن اہمیت رکھتی ہے۔

روس نے بھی ابھی تک اس مسئلہ پر اپنی روش کا اظہار نہیں کیا ہے۔ امریکہ کی خاموشی کی ایک وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ وہ روس کو اپنی خاموشی سے تھکا کر بولنے پر مجبور کرنا چاہتا ہے اور خود سب سے آخر میں تقریر کرنا چاہتا ہے تاہم معلوم ہوتا ہے کہ فلسطینی مسئلہ اب بری طرح روس اور امریکہ کی باہمی کشمکش میں الجھ جائے گا۔ (رائٹر)

(نوائے وقت 12 اکتوبر 1947ء صفحہ 1)

دوسری خبر

”فلسطین کے متعلق سر ظفر اللہ کی تقریر سے دھوم مچ گئی۔

عرب لیڈروں کی طرف سے سر ظفر اللہ خاں کو خراج تحسین

نیویارک۔ 10 اکتوبر مجلس اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں سر محمد ظفر اللہ خاں رئیس الوفد پاکستان نے جو تقریر کی وہ ہر لحاظ سے افضل و اعلیٰ تھی۔ آپ تقریباً 115 منٹ بولتے رہے۔ اس تقریر کا اثر یہ ہوا کہ جب آپ تقریر ختم کر کے بیٹھے تو ایک عرب ترجمان نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا

کہ فلسطین پر عربوں کے معاملہ کے متعلق یہ ایک بہترین تقریر تھی۔ آج تک میں نے ایسی شاندار تقریر نہیں سنی۔

سر محمد ظفر اللہ خاں نے اپنی تقریر میں زیادہ زور تقسیم فلسطین کے خلاف دلائل دینے میں صرف کیا۔ جب آپ تقریر کر رہے تھے تو مسرت و ابتہاج سے عرب نمائندوں کے چہرے تمتما اٹھے۔ تقریر کے خاتمے پر عرب ممالک کے مندوبین نے آپ سے مصافحہ کیا اور ایسی شاندار تقریر کرنے پر مبارکباد پیش کی۔ ایک انگریز مندوب نے سر ظفر اللہ کو پیغام بھیجا کہ آپ کی تقریر نہایت شاندار تھی مجھے اس کی نقل بھیجئے میں انہماک سے اس کا مطالعہ کرنا چاہتا ہوں۔

(نوائے وقت 12 اکتوبر 1947ء صفحہ 2 کالم 2)

چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کے اس تاریخی خطاب نے اقوام عالم کے سامنے فلسطینی مسلمانوں کا مسئلہ حقیقی خدوخال کے ساتھ نمایاں کر دیا اور متعدد ممالک نے تقسیم فلسطین کے خلاف رائے دینے کا فیصلہ کر لیا لیکن بعد میں انہوں نے دنیا کی بعض بڑی طاقتوں کی طرف سے دباؤ میں آ کر اپنی رائے بدل لی اور 30 نومبر 1947ء کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے فلسطین کو عرب اور یہودی دو علاقوں میں تقسیم کرنے کی امریکی روسی قرارداد پاس کر دی۔

چوہدری صاحب کے خطاب کی پذیرائی

مسٹر ''الفرڈ لِلنتھل'' نے اپنی کتاب ''What price Israel'' میں جو ''ہنری ویگزی'' کمپنی شکاگو نے شائع کی لکھا ہے کہ '' پاکستان کے مندوب نے تقسیم کی تجویز کے خلاف عربوں کی طرف سے زبردست جنگ لڑی۔ انہوں نے کہا فلسطین کے بارہ لاکھ عربوں کو اپنی مرضی کی حکومت بنانے کا حق چارٹر میں دیا گیا ہے ادارہ اقوام متحدہ صرف ایسی مؤثر شرائط پیش کر سکتا ہے جس سے فلسطین کی آزاد مملکت میں یہودیوں کو مکمل مذہبی، لسانی، تعلیمی اور معاشرتی آزدی حاصل ہو۔ اس کے لئے عربوں پر کوئی اور فیصلہ مسلط نہیں ہو سکتا (صفحہ 17) نیز لکھا '' جنرل اسمبلی میں پاکستانی

نمائندے کی خطابت جاری رہی ''مغربی طاقتوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ کل انہیں مشرق وسطی میں، دوستوں کی ضرورت بھی پڑ سکتی ہے میں ان سے درخواست کروں گا کہ وہ ان ملکوں میں اپنی عزت اور وقار تباہ نہ کریں۔ جو لوگ لسانی دوستی کے زبانی دعوے کرتے ہیں ان کا حال یہ ہے کہ اپنے دروازے بے گھر یہودیوں پر بند کئے ہوئے ہیں اور انہیں اصرار ہے کہ عرب فلسطین میں یہودیوں کو نہ صرف پناہ دیں بلکہ ان کی ایک ایسی ریاست بھی بننے دیں جو عربوں پر حکومت کرے''۔ (ص 18-19)

(بحوالہ الفضل انٹرنیشنل 30 جنوری 2009 صفحہ 3 تا 5)

چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب رضی اللہ عنہ کی مسئلہ فلسطین سے متعلق خدمات کا ذکر پاکستانی پریس میں

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے اس زمانہ میں مسلمانان فلسطین کی حمایت میں جو عظیم الشان کارنامے انجام دیئے ان کی دھوم سارے عالم اسلام میں مچی ہوئی تھی۔ اس تعلق میں پاکستانی پریس کی چند خبریں بطور نمونہ یہاں درج کی جاتی ہیں۔

(1) لندن یکم جون (اسٹار) لبنانی سفیر ڈاکٹر وکٹر خوری نے لیک سیکس سے واپسی پر مجلس اقوام میں عرب مقاصد سے پاکستان کی ہم آہنگی پر پسندیدگی کا اظہار کیا۔ اور کہا: چوہدری ظفر اللہ خاں ایک بیش قیمت اور قابل ساتھی ہیں۔ (''انقلاب'' لاہور 13 ر جولائی 1949ء صفحہ 4)

(2) پیرس سٹار نیوز ایجنسی 20 ستمبر: پاکستان کے وزیر خارجہ چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں کا نام یہاں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے صدر کے لئے بہت زوردار طریقے سے لیا جا رہا ہے۔ انہوں نے اقوام متحدہ کے حالیہ اجلاس میں اس قدر شہرت حاصل کی ہے کہ ان کا درجہ دنیا کے بہترین پارلیمنٹری سیاست دانوں میں قائم ہوگیا ہے۔ لیگ آف نیشن میں ان کے تجربے کا بھی

بہت سے لوگوں کو احساس ہے۔

ان کے سب سے زیادہ حامی عرب اقوام کے وفود ہیں۔ وہ ان کے لئے اپنے تمام ووٹ دینے کے لئے تیار ہیں۔ اس کے علاوہ وہ دیگر ممالک کے ووٹ بھی حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ خاص طور پر لاطینی امریکہ کے ممالک کے ووٹ حاصل کئے جائیں گے۔

(''انقلاب'' لاہور 22رستمبر 1948ء صفحہ 6 کالم 3 بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 12 صفحہ 122-121)

◆

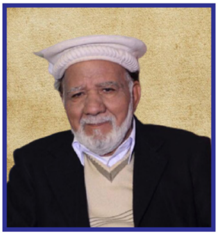

عبد الکریم قدسی

عظمت پاک سر زمیں کے لئے
وقف کی اپنی زندگی تونے
چار سُو پھیلتے اندھیروں کو
چیر کر کی ہے روشنی تو نے
جا بجا راستوں پہ چھوڑے ہیں
ان گنت معتبر نشاں تو نے
منزلوں کے قریب پہنچایا
ملک و ملت کا کارواں تو نے

جسٹس سر چوہدری محمد ظفر اللہ صاحب ارض مقدّس میں (1945ء) فلسطین کو یہودی تسلط سے بچانے کی مساعی پر عرب اخبارات کے تبصرے

محترم چوہدری محمد شریف صاحب سابق مربی بلاد عربیہ

دوسری جنگ عظیم کے وقت عالم اسلام کے سامنے جو بہت بڑے اور گھمبیر مسائل تھے اُن میں سے ایک ہندوستان کی آزادی کا مسئلہ تھا اور دوسرا فلسطین کا جسٹس محمد ظفر اللہ خان نے ان دونوں مسائل میں اعلیٰ قابلیت کے ساتھ تاریخ ساز خدمات انجام دیں۔

جسٹس سر محمد ظفر اللہ خان کو ہندوستانیوں کے حقوق کے متعلق سب حالات کا گہرا علم تھا لیکن ارض مقدس فلسطین کے متعلق آپ کو زیادہ گہری معلومات کی ضرورت تھی۔ اس لئے آپ نے اکتوبر 1945ء میں امریکہ و انگلستان میں اپنے مفوضہ فرائض ادا کرنے کے بعد مناسب سمجھا کہ آپ ارض مقدسہ میں خود تشریف لائے اور قریب سے نہایت ضروری جملہ معلومات حاصل کریں۔ اس لئے آپ برطانیہ سے بذریعہ ہوائی جہاز قاہرہ (مصر) پہنچے اور مصر سے سیدھے بذریعہ ہوائی جہاز شام کے دار السلطنت دمشق میں پہنچے اور وہاں سے بیروت (لبنان) تشریف لے گئے۔ بیروت کے قریبی ہی ایک مشہور قصبہ (برجا) میں ہمارے ایک نہایت ہی مخلص احمدی بزرگ دوست (الشیخ ابوسلیم عبدالرحمٰن السّعیفان) نے آپ کی پُر تکلف دعوت کی اور اس میں معززین قصبہ کو بھی مدعو کیا۔ جس سے آپ بہت محظوظ ہوئے۔ پھر وہاں سے دمشق اور دمشق سے بذریعہ کار جماعت احمدیہ کے مرکزیہ مشن ہیڈ کواٹر کبابیر واقع ررفخیفا میں بتاریخ یکم اکتوبر 1945ء کو تشریف

لائے اور جماعت احمدیہ ارض مقدسہ کو آپ کی زیارت، رفاقت وضیافت کی توفیق خدا تعالیٰ کے فضل سے عطا ہوئی اور اس کا مختصر تذکرہ آپ کی سوانح حیات (تحدیث نعمت) میں بھی درج ہے۔

ارض مقدسہ میں آپ کے شب وروز کیسے گزرے اس کی رپورٹ فلسطین کے اخبارات سے پیش کی جاتی ہے۔

فلسطین میں ان ایام میں تین روزانہ اخبارات (دو عربی الدفان (ایڈیٹر مسلمان عرب) فلسطین (ایڈیٹر عرب عیسائی) اور یروشلم پوسٹ (انگریزی اخبار یہودیوں کا) شائع ہوتے تھے۔ ان تینوں میں آپ کے متعلق روزانہ خبریں شائع ہوتی تھیں۔ اور مڈل ایسٹ براڈ کاسٹنگ اسٹیشن (واقع فلسطین) سے بھی روزانہ (صبح، دوپہر، اور رات) آپ کا تذکرہ نشر ہوتا تھا۔

یہاں ہم ارض مقدسہ کے تین اخبارات میں سے صرف ایک ایک رپورٹ بطور نمونہ ترجمہ کر کے پیش کرتے ہیں۔

(1) ہندوستانی لیڈر فلسطین کے متعلق کہتے ہیں

روزنامہ ’’الدفاع (یافا) نے مندرجہ بالہ سرخی کے تحت لکھا کہ

’’حیفا۔ نامہ نگار اخصوڈی الدفاع حیفا نے ہندوستانی لیڈر سر ظفر اللہ خان احمدی جنہوں نے 1937ء میں برطانیہ کے ہاؤس آف لارڈز میں اپنے مشہور خطاب میں بڑی تفصیل سے بیان کیا تھا کہ

’’فلسطین کو تقسیم کرنا ساری دنیا کے مسلمانوں کے دلوں میں ایسا زخم لگائے گا جو کبھی مندمل نہیں ہوگا۔‘‘ اور آپ اس ہندوستانی وفد کے لیڈر ہیں، جو برطانیہ کی کانفرنس میں شرکت کے لئے ہندوستان سے لندن بھیجا گیا... یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہمیں آپ سے ملاقات کا موقع دیا گیا ہے تا کہ ہم آپ سے ان کوششوں کے متعلق معلومات حاصل کر سکیں جو مسئلہ فلسطین کو حل کرنے کے لئے جاری ہیں۔ آپ نے ہماری درخواست کو منظور فرما لیا اور ہمارے سوالوں کے جواب میں بتلایا

کہ:

’’ مَیں لندن میں چار ماہ ٹھہرا ہوں وہاں سے بذریعہ ہوائی جہاز دمشق پہنچا۔ چند دن وہاں ٹھہرا اور وہاں کے بعض چیدہ چیدہ عرب لیڈروں سے ملاقات ہوئی۔ حیفا میں دو دن جماعت احمدیہ کا مہمان رہا ہوں پھر بیت المقدس جاؤں گا اور وہان چند دن ٹھہروں گا تا فلسطین کی حالت خود دیکھ سکوں اور صیہونی جو پراپیگنڈہ انگلستان میں کر رہے ہیں اس کی حقیقت بھی معلوم کر سکوں۔ اس کے بعد مَیں بیت المقدس سے بذریعہ ہوائی جہاز قاہرہ جاؤں گا اور وہاں سے اپنے ہیڈ کوارٹر دہلی (ہندوستان)۔‘‘

سوال: کیا آپ نے قیامِ لندن کے ایام میں عرب اور یہودی مشہور اشخاص سے فلسطین سے سلسلہ میں ملاقاتیں کیں؟

جواب: لندن میں عرب آفس کے نمائندہ مکرم ناور النشاشیبی مجھ سے ملنے کے لئے آئے تھے اور فلسطین کے متعلق انہوں نے مجھے بہت کچھ بتلایا اور مجھے یہودی لیڈر بھی وہاں ملنے کے لئے آئے تھے اور آبادکاری کا وہ کام جو یہودی فلسطین میں کر رہے ہیں اس کا بھی انہوں نے ذکر کیا اور کہا کہ عالمِ اسلام ہمارے اس کام کو اور یہودیوں کے فلسطین میں آنے کو کیوں ناپسند کر رہا ہے؟‘‘

’’میری فلسطین میں یہ آمد اپنی نوعیت کی پہلی آمد ہے مَیں یہاں اس لئے آیا ہوں کہ فلسطین کی حالت کو خود دیکھ سکوں اور ملاحظہ کروں اور یہودیوں کے دعویٰ کی تحقیق کروں۔‘‘... پھر مَیں نے آپ سے یہ سوال پوچھا

’’ہندوستان کے دولت مند مسلمان ارض مقدسہ میں واقعہ زمینیں کیوں نہیں خرید لیتے جیسے امریکہ اور یورپ کے دولتمند یہودی یہاں خرید رہے ہیں؟‘‘

آپ نے جواب دیا کہ

’’ مَیں یقین رکھتا ہوں کہ ایسا ہو سکتا ہے۔ اگر یہاں سے فلسطینی مسلمانوں پر مشتمل ایک

مشن ہندوستان میں بھیجا جائے اور وہ ہندستان میں جا کر دولت مند مسلمانوں کو تحریک کریں۔ تو اسے بہت مقبولیت اور کامیابی حاصل ہوگی اور ہر جگہ حوصلہ افزائی ہوگی اور مَیں بلحاظ ایک ہندوستانی مسلمان ہونے کے اپنے ذمہ واجب کو ادا کرنے میں کسی سے پیچھے نہیں رہوں گا۔ لیکن ایک مشن کو مسلمانانِ ہندوستان کے لئے بھیجنا نہایت ضروری ہے اور مسلمانانِ ہندوستان ارضِ مقدسہ کے حالات جاننے کے بہت شائق ہیں۔

آپ سے حیفا کے سرکرہ احباب کے ایک وفد نے بھی ملاقات کی۔ جس میں جناب فرید السعد، کامل عبد الرحمٰن، یوسف صیہونی، حنّا نقّارہ، فواد الطّباع اور الحاج حسین القزق بھی شامل تھے۔"

(روزنامہ الدفاع (یافا) 3 اکتوبر 1945ء)

(2) سر ظفر اللہ خان صاحب کے فلسطین میں پروگرام کا نمونہ

بیت المقدس 6 اپریل 1945ء از نامہ نگار خصوصی روزنامہ فلسطین

آج صبح سر محمد ظفر اللہ صاحب عرب نیشنل بنک میں تشریف لائے۔ یہاں آپ کو استقبال جناب محمد عبدہ حلمی صاحب نے کیا۔ پھر آپ حرم شریف حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زیارت کے لئے خلیل تشریف لے گئے اور وہاں سے واپس آنے پر اسلامی مجلس اعلیٰ اور عرب کالج میں تشریف لے گئے اور دوپہر کا کھانا آپ نے ہر ایکسلنسی کمشنر فلسطین کے ساتھ تناول فرمایا۔

ظہر کے بعد نمائندگانِ پریس نے آپ سے ملاقات کی پھر آپ جناب سید محمد یونس الحسینی صاحب کے دعوت چائے میں جو انہوں نے آپ کے اعزاز میں دی شریک ہوئے اور اس میں وکلاء اور ادباء کی جماعت بھی شریک ہوئی۔

شام کے وقت آپ سے جناب ڈاکٹر خلیل بُریدی عبدالحمید یاسین اور سامی وفاء الدّجانی نے ملاقات کی۔ ان سب ملاقاتوں میں محترم سید سیف الدین الکیلانی (اردو میں الجیلانی۔ مترجم)

صاحب سیکریٹری عرب نیشنل بنک جناب احمد حلمی پاشا کے ارشاد پر آپ کے ہمراہ رہے۔ ‘‘

(روزنامہ ’’فلسطین‘‘ (یافا) 7 اکتوبر 1945ء)

3۔اخبار الوحید العربیہ (بیت المقدس)

سفر بیت المقدس کے متعلق ممتاز جریدہ الوحدۃ العربیہ نے اس تاریخی سفر کی مفصل رپورٹ سپرد اشاعت کی۔ جسے اس اخبار کے خصوصی وقائع نگار ’’ **الکیلانی** ‘‘ نے مرتب کیا تھا جو چوہدری صاحب کے قیام فلسطین کے دوران آپ کے رفیق سفر تھے۔

چنانچہ اُنہوں نے پریس رپورٹ !۔۔۔ ہندوستانی لیڈر کے ساتھ‘‘ عنوان کے تحت لکھا کہ

’’میں اور جناب مولوی صبری عابدین صاحب جناب مینجر صاحب عرب بینک و پریذیڈنٹ عرب نیشنل فنڈ کے حکم پر ان کی طرف سے ہندوستان کے لیڈر سر ظفر اللہ خان صاحب جنہوں نے 1937ء میں برطانوی ہاؤس آف لارڈز میں اپنی مشہور تقریر میں فلسطین کے عربوں کی مدد اور نصرت پر بہت زور دیا تھا کی خدمت میں سلام وخوش آمدید کہنے کے لئے گئے۔

وہاں اچانک ہم کیا دیکھتے ہیں کہ ہم قانون کے ایک علامہ کے سامنے ہیں جو یوروپین سوٹ پہنے ہوئے ہیں۔ گندمی رنگ عمر کے پانچویں دہا کہ میں اور چمکدار آنکھیں جن سے ذہانت کی چمک نظر آ رہی تھی۔ انگریزوں کی سی روانی کے ساتھ انگریزی بولتے ہیں اور فصیح عربی زبان، قرآن شریف کی عربی پر بھی خوب عبور حاصل ہے اس وقت وہاں ان کے پاس بڑے بڑے سرکردہ احباب کی ایک جماعت موجود تھی جو ہماری طرح انہیں سلام وخوش آمدید کہنے کے لئے آئی تھی۔ چونکہ موصوف کا قیام فلسطین میں بہت تھوڑے عرصے کے لئے ہوگا اس لئے آپ نے اپنے ملاقاتیوں سے کہا کہ ان میں سے کوئی ایک اس قیام کے دوران ان کا رفیق بن جائے اور عربوں کی سکیمیں دیکھنے۔ ان کا جائزہ لینے اور ان سے متعلقین کے ساتھ ملاقات وغیرہ کے پروگرام مرتب کردے۔

اس پر تمام بھائیوں نے از راہ نوازش و اعتماد یہ خدمت میرے سپرد کی جسے میں نے بطیب خاطر قبول کر لیا۔ کیونکہ مَیں نے اپنے کانوں سے سُنا کہ ایک سوال کے جواب میں، جو اُن سے کہا گیا تھا کہ:

مجھے فلسطین کو دیکھنے کا مشورہ دیا گیا تھا، تا میں خود جائزہ لے سکوں اور یہودیوں کا یہ دعویٰ کے ہم فلسطین کو آباد کر رہے ہیں اور فلسطین کو ترقی دے رہے ہیں اور خوبصورت بنا رہے رہیں... کہا ں تک درست ہے۔

مجھے پتہ لگا کہ میرا یہ کام بہت مشکل ہوگا کہ میں ان تھوڑے سے ایام میں جو ہندستانی لیڈر صاحب فلسطین میں گزاریں زیادہ سے زیادہ وقت ان کے وقت میں سے لے سکوں۔ تا آپ فلسطین کے مسئلہ میں عربوں کے نقطہ نظر سے اچھی طرح اطلاع پا سکیں۔۔۔۔ میرے لئے یہ کام اس لئے بھی بہت مشکل ہے کہ دوسری طرف میرے مقابلہ میں با قاعدہ ایک جیوئش ایجنسی ہے۔ جس کے متعلق سب کو معلوم ہے اور سب خوب جانتے ہیں کہ اس ایجنسی کے پاس ایسے مواقع کے لئے با قاعدہ ماہوار تنخواہ دار ملازم ہیں۔ جو صیہونیت کی مصلحتوں کے مطابق ہر قسم کے فرضی اعداد و شمار اور محرف معلومات مہیا کرنے کے لئے ہر وقت مستعد رہتے ہیں اور عربوں کے پاس ایسا کوئی انتظام نہیں کہ بیرونی زائرین کے سامنے جامع و مانع شکل میں اپنے جائز سچے اور حقیقت پر مبنی دعوے کو بھی پیش کیا جا سکے۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ ہمارے عرب آفس) لنڈن (میں بھی ایسا کوئی اہتمام نہیں۔ حالانکہ ایسا عرب آفس آج سے کئی سال قبل ہی قائم ہو جانا چاہئے تھا۔ جس میں ہر وقت اس مسئلہ سے متعلق تمام حقائق مستند اعداد و شمار اور دیگر امور مسائل کی تشریحات) جو عربوں کے بہترین اغراض و مقاصد کی آئینہ دار ہوں (کتابچوں اور پمفلٹوں کی شکل میں موجود ہوں۔

میں نے مہمان عزیز (ہندوستانی رہنما) سے بر سبیل تذکرہ عرض کیا آپ کے خیال میں ان تمام سکیموں اور منصوبوں سے جو بینہ طور پر یہودیوں نے عربوں کی فلاح و بہبود کے لئے تیار کی

ہیں (مثلاً بحیرہ مردار۔ پوٹاس کمپنی۔ تجربہ گاہ ویران اور یہودی بستیاں وغیرہ (ان سے عربوں کو بھی فائدہ حاصل ہوا ہے؟

تو آپ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”میں نے یہودیوں کو بتلا دیا تھا کہ میں نے تمہاری ان سکیموں میں ایک عرب بھی نہیں دیکھا جو ان میں تمہارے ساتھ شریک ہوا اور ان سے اسے فائدہ پہنچ رہا ہو۔ تمہاری یہ تمام ترقی اور آباد کاری صرف اپنے ہی فائدہ کے لئے ہے اور مجھے یقین ہے کہ عرب اس زمین کے لئے آباد رہنے کو ترجیح دیں گے بجائے اس کے کہ تم اسے عالمگیر صیہونی فنڈ سے خرید کر آباد کرو اور رفتہ رفتہ ان کے ملک میں اپنا ایک قومی وطن تعمیر کرلو...

اور علامہ احمد سامع الخالدی کی طرف سے ویر عمرو میں یتیموں کے لئے قائم کردہ زرعی فارم کو دیکھنے کی دعوت مہمان عزیز نے قبول فرمائی اور اس خوب صورت منصوبے کے معائنہ کے بعد مجھ سے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا۔

لاریب علامہ خالدی صاحب انسائیکلو پیڈیا ہیں اور یہ فارم اس امر کی شہادت ہے کہ اگر میرے عرب بھائی متحدہ طور پر محکم مساعی فرمائیں تو مغربی فلسطین کے پہاڑوں اور ٹیلوں سے یہاں دوسرا سوئٹزرلینڈ بنایا جاسکتا ہے۔

دوسرے دن میں آپ کے ہمراہ حرم شریف کی زیارت کے لئے گیا جہاں مولانا ضیاء الدین خطیب نے آپ کا خیر مقدم کیا۔ آپ کو اس امر سے از حد مسرت ہوئی کہ آپ اور مولانا دونوں ہی ایک ہی درس گاہ (عظیم الشان لنڈن یونیورسٹی) کے فارغ التحصیل ہیں۔

یہاں آپ نے مولانا صاحب سے صخرۃ المشرفہ، مسجد اقصیٰ اور حرم شریف سے متعلق ضروری معلومات حاصل کیں۔ اور نماز کے بعد آپ مولانا محمد علی اور شاہ حسین مرحوم ومغفور کی قبروں پر گئے۔ اور اصحاب البنی شداد بن اوسؓ اور عبادۃ بن الصامت کی قبروں پر دعا کرنے کے بعد دیوار

براق و گریہ دیکھنے لگے اس وقت وہاں بعض یہودی علماء کھڑے گریہ وزاری کررہے تھے... یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ۔ ''یہ کیوں رورہے ہیں؟ بتلایا گیا... کہ یہ ہیکل سلیمان ہے جس کے کھنڈارت پر مسجد اقصیٰ بنی ہوئی ہے یہ یہودی علماء اس کے لئے رورہے ہیں اور اس کے دوبارہ بننے کے لئے عاجزانہ دعائیں کررہے ہیں۔ اور ان کا یہ رونا ان کا لالچ اور خوابیں اسلامی ورثہ کے لئے ایک پنہاں خطرہ کا حکم رکھتی ہیں۔

یہ سن کر آپ نے فرمایا۔ **نعوذباللہ۔**

اس دعوت چائے میں جو آپ کے اعزاز میں جناب عوفی عبدالہادی نے دی ہنری کتن۔ محمد یونس الحسنی۔ حجاج نوبھض۔ عادل جبر اور محمد کمال نامی وکلاء سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ جناب ہنری کتن نے اپنے رفیق وکلاء کی مدد سے قضیہ فلسطین پر یہودیوں کی فلسطین کی طرف ہجرت اور اراضی فلسطین کی خرید وفروخت دونوں پہلوؤں سے روشنی ڈالی آپ نے یہ بحث سننے کے بعد فرمایا۔

یہاں پہلی دفعہ آنے سے قبل میرا یہ خیال نہیں تھا کہ یہ مسئلہ اس قدر پیچیدہ ہے۔ اب مجھے محسوس ہوا ہے کہ اصل مسئلہ جو میں نے خیال کیا تھا یہ نہیں کہ ملک میں کس قدر یہودی مزید آسکتے ہیں بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ اس سرزمین کی اصل اور قدیم قوم کو فنا کیا جارہا ہے اور ایک اجنبی قوم کو زندہ کیا جارہا ہے۔ کہ وہ ان کی جگہ وہاں رہے۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ عرب اداروں کو چاہئے کہ وہ فلسطین کے اصل حالات سے اپنے ہندوستان کے مسلمان بھائیوں کو آل انڈیا مسلم لیگ کے قائد جناب محمد علی جناح کے ذریعہ پیش کریں کیوں کہ جو کچھ آپ نے بیان کیا ہے اس بارے میں انہیں کچھ علم نہیں ہے انہیں تو فقط یہی علم ہے کہ فلسطین خطرے میں ہے! کیوں خطرے میں ہے؟ اور کیسے خطرے میں ہے؟ اس بارے میں انہیں کچھ بھی آ گاہی نہیں روز میری ہوٹل کی طرف سے واپس آتے ہوئے جہاں سے

میں نے آپ کو عدن ہوٹل میں منتقل کیا تھا مجھے مخاطب کر کے فرمایا... میں اپنے اس عرب بھائی سے اتفاق کرتا ہوں جس نے کہا تھا کہ فلسطین میں یہودیوں کے ہجرت کرنے کی مثال اس موٹر کار کے مشابہ ہے۔ جس میں چھ آدمی بیٹھ سکتے ہوں اگر اس میں تین یا چار آدمی اور بھی ایسے بھر لئے جائیں۔ جن کا اس موٹر کار سے کوئی تعلق نہ ہو تو اس کا سوائے اس کے کوئی مطلب نہ ہوگا کہ کار کے اصل سواروں کو تنگ اور بے آرام کیا جائے جو قانون اور منطق کے بھی خلاف اور ناروا ہے۔

ڈاکٹر خالدی نے آپ سے مل کر مسئلہ فلسطین کی سیاست بالا پر روشنی ڈالی اور حکومت برطانیہ کی طرف سے جو کمیشن اور کمیٹیاں آتی رہیں ان کی رپورٹوں کا خلاصہ پیش کیا اور قرطاس ابیض 1929ء کی بڑے دلچسپ پیرائے میں تشریح و وضاحت کی۔

جب آپ حرم جد الانبیاء خلیل اللہ کی زیارت کے لئے گئے تو وہاں آپ کی ملاقات صدر ٹاؤن کمیٹی خلیل مولوی محمد علی الجیری سے ہوئی آپ نے مولوی صاحب سے دریافت کیا کہ فلسطین کے مسلمانوں کو اپنی موجودہ مشکلات سے نجات حاصل کرنے کے لئے کیا کرنا چاہئے؟ تو مولوی صاحب نے جواب دیا کہ دین حنیف اسلام کی طرف رجوع کریں اور قرآن مجید کے احکام پر عمل کریں آپ نے یہ جواب سن کر اس سے اتفاق کرتے ہوئے فرمایا۔

مجھے اس بارے میں آپ سے اتفاق ہے لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ مڈل ایسٹ (شرق اوسط) کے مسلمان اس گمان میں مبتلا ہیں کہ مغرب کا تمدن اختیار کرنے ہی میں ان کی ترقی کا راز ہے اور وہ اسی میں غرق ہیں حالانکہ مشرق کی نجات اپنی پہلی روحانیت کی طرف لوٹ آنے میں ہے۔

اور اسلامی مجلس اعلیٰ کی طرف سے مکرم امین الہادی نے آپ سے ملاقات کی اور جناب مولوی ضیاء الدین صاحب خطیب نے دونوں اصحاب کے درمیان ترجمہ کے فرائض اپنی اعلیٰ تعلیمی مہارت کے ساتھ ادا کئے اور جب مکرم امین عبدالہادی صاحب نے آپ سے دریافت کیا کہ

مسلمانانِ ہندوستان اپنے مسلمان عرب فلسطینی بھائیوں کی کیا مدد کر سکتے ہیں تو آنجناب نے جواب دیا کہ

''آپ کے ہندوستانی بھائیوں کو یہ علم نہیں کہ آپ کے پاس وہ کون سے عملی منصوبے ہیں، جن سے آپ یہودیوں کے ہاتھوں سے اپنی زمینوں کو بچا سکتے ہیں؟ اور جب وہ آپ کے ملک کے قوانین کی وجہ سے فلسطین کی عرب اراضی بعض معیّن علاقوں میں خرید نہیں سکتے تو میرے نزدیک یہ بات بعید نہیں کہ ہندوستان کے دولتمند مسلمان آپ کے قومی فنڈ میں چندہ دے دیں اور صرف یہی ایک عملی منصوبہ ہے جس کے ذریعہ آپ اپنی اراضی کو بچا سکتے ہیں اور چھڑا سکتے ہیں اگر اس نیشنل فنڈ کے ایڈمنسٹریٹر اپنا ایک مشن ہندوستان کے مسلمانوں کی طرف بھیجیں اور وہ اراضی مقدسہ کی موجودہ پوزیشن ان کے سامنے تفصیل کے ساتھ پیش کریں اور جو خطرات اس وقت ان زمینوں کو لاحق ہیں ان تک پہنچائیں یا ان سے خط و کتابت کریں اور ان کو اس نیک عمل پر ابھاریں۔ کیونکہ عالم اسلام میں ایک مسلمان بھی پسند نہیں کرے گا کہ یہ ابدی اسلامی میراث ان کے ہاتھ سے جاتی رہی اور ان کی مسجدیں اور ان کے اولیاء شہداء اور پیغمبروں کی قبریں مٹا دی جائیں اور ان کا نام ونشان باقی نہ رہے۔''

اور اس چائے کی دعوت میں جو آپ کے اعزاز میں سید محمد یونس الحسینی پیڈر صاحب نے دی اس میں وہ تمام وکلاء اور احباب شامل ہوئے جن کا ذکر قبل ازیں عونی صاحب کے دعوت چائے میں ہوا ہے اور ان کے علاوہ سید رجائی الحسینی، نصیب البیکاریوس، اور فواد النشاء شیبی بھی شامل ہوئے۔ اُس دعوت میں جناب لیڈر صاحب نے اس بات پر بھی زور دیا کہ جو آپ نے آنجناب عونی صاحب کی دعوت چائے کے موقعہ پر کہی تھی پنجاب (ہندوستان) سے انتقالی اراضی کا ایک نسخہ منگوایا جائے یا وہ دھدندلیاں جو ایک شخص کے نام انتقال اراضی میں ہوتی ہیں وہ یہاں بھی نہ ہوسکیں اور عرب ادارے اور جماعتیں اسے یہاں بھی رائج کروائیں کہ کوئی قطع زمین کسی اجنبی کے

نام منتقل نہیں ہوگا۔ اور اگر یہاں کی حکومت اس کے مطابق عمل کرے اور فلسطین میں بھی یہی قانون لاگو کردے، تو موجودہ سخت ترین صورت کا یہی ایک علاج کافی وشافی ہوگا۔

اور آنجناب سے ملاقات کے لئے ڈاکٹر خلیل بُدَیری بھی تشریف لائے اور فلسطین کے عرب اور آزاد و عقلمند نوجوانوں کا نقطہ نظر آنجناب کے خدمت میں پیش کیا اور پھر اس تفاوت وفرق کا بھی ذکر کیا جو عرب مزدوروں اور یہودی مزدوروں کی اجرت میں ایک ہی کام میں برابر ہونے کے باوجود اجرتوں میں گورنمنٹ فلسطین کے محکمہ جات میں روا رکھا جاتا ہے۔ جناب لیڈر صاحب نے اسے عرب اور یہودی مزدوروں میں جانب داری اور طرف داری قرار دیا۔۔۔

اس بات چیت کے درمیان میں نے جناب لیڈر صاحب سے دریافت کیا کہ آج کل برطانیہ میں مزدوروں (لیبر پارٹی) کی حکومت ہے اس حکومت کا ہمارے قضیہ فلسطین کے متعلق کیا رویہ ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ میرا خیال ہے کہ لیبر حکومت عنقریب فلسطین کی مشکلات کا گہرا مطالعہ کرے گی اور اب جب کہ وہ حکومت سے باہر تھی وہ غیر ذمہ دار تھی عمل کی پابند نہ ہوگی۔"

اس طرح سید رجائی الحسینی، عبدالحمید یاسین اور سامی وفاء الدّ جانی آپ کی ملاقات کے لئے تشریف لائے اور آپ کو بیت المقدس میں تشریف لانے پر خوش آمدید کہا اور مکرم حسینی صاحب اور مکرم عبدالحمید صاحب نے لندن میں "عرب آفس" کے کام اور ان کوششوں کے متعلق آپ سے ذکر کیا جو یہ آفس فلسطین کی آواز مغربی دنیا میں پہچانے میں کر رہا ہے۔

اس پر آنجناب نے تجویز کیا کہ "عرب آفس ایسے پمفلٹ اور رسائل اور رپورٹ تیار کرے جو فلسطین کے متعلق پوری معلومات پر مشتمل اور صحیح ومکمل اعداد وشمار پر مبنی ہوں اور فلسطینی عربوں کے ثابت شدہ حقوق کا بھی ان میں ذکر ہو۔ پھر یہ برطانوی پارلیمنٹ اور امریکہ کی کانگریس کے ممبروں اور مغربی مما لک کے ممبروں اور مغربی مما لک کے اخبارات کو عرب نقطۂ نگاہ واضح کرنے کے لئے ارسال کئے جائیں۔

اخبارات کا بھی جناب لیڈر صاحب کے وقت میں حصہ تھا اس لئے مقامی اور غیر ملکی اخبارات کے نمائندگان نے بھی آپ سے ملاقات کی اور آپ نے ان کے سوالات کے جو جواب دئے تھے اس کا ہر ایک کلمہ وزن کر کے دیتے تھے اور بعض ایسی باتیں بھی بتلائیں جن کے متعلق آپ سے اُمید کی کہ وہ ان کو شائع نہ کریں اور جب آپ سے یہ سوال کیا گیا کہ آپ اپنے فلسطین کے عرب بھائیوں کو کیا نصیحت کرتے ہیں تو آپ نے پوری صراحت سے جواب دیا کہ

1۔ وطن کے تمام امور میں افراد اور قائدین تمام کوششیں متحد ہو کر کریں۔

2۔ اقتصادی تنظیم قائم کریں اور صنعت و آبادکاری کے منصوبے درست اور مضبوط بنیادوں پر قائم کریں۔

3 عرب قوم کے مقاصد پورے کرنے کے لئے متواتر کوشش اور مسلسل کام کریں۔‘‘

اور جب میں نے چوتھے دن آنجناب کے قاہرہ جانے کے لئے سفر پر روانہ ہونے سے چند منٹ پہلے آپ کو الوداع کہنے کے لئے حاضر ہوا تو میں نے آپ سے پوچھا ’’کیا آپ دوبارہ فلسطین آنا پسند کریں گے اور کیا آپ یہ خیال نہیں کرتے کہ جس قدر وقت آپ نے یہاں گزارا ہے قضیہ فلسطین کو ہر لحاظ سے حل کرنے کے لئے کافی نہیں۔؟‘‘

اس پر ہنستے ہوئے جواب دیا

میں اپنی آئندہ رخصت کے ایام میں شام دیکھنے کے بعد یہاں واپس آؤں گا اور میں امید کرتا ہوں کہ اس وقت تک میرے فلسطین اور عرب بھائیوں نے اپنے قومی اغراض و مقاصد کو حاصل کر لیا ہو گا۔

بے شک میرے یہاں ٹھہرنے کے ایام تھوڑے تھے لیکن قضیہ فلسطین کی صورت جو میرے ذہن میں نقش ہوئی ہے وہ باوجود یہ کہ فلسطین میں بہت تھوڑے دن ٹھہرا ہوں۔ وہ بہت واضح اور ظاہر ہے۔‘‘

اور جب میں نے آپ کو الوداع کہتے ہوئے آپ سے مصافحہ کیا تو میں نے یہ کہا کہ

''میں امید کرتا ہوں کہ آپ اپنے معزز انگریز دوستوں کو جو ہندوستان اور انگلستان میں ہیں جو کچھ آپ نے سنا (کہ ہمارا کیس (قضیہ) عدل و انصاف پر مبنی ہے) بتلا دیں گے تا وہ حصول انصاف میں عربوں کی مدد کریں اور ان کے مطالبات کی تائید کریں۔''

اس پر آپ نے میرے ہاتھ کو گرم جوشی سے دباتے ہوئے جواب میں کہا کہ

''میں نے جو کچھ اپنے فلسطین عرب بھائیوں سے ان کا نقطۂ نگاہ سُنا ہے اور اپنے نفس میں محسوس کیا ہے میں اسے امانت اور دیانتداری سے پہنچادوں گا اور اگر چہ میں اپنے نفس میں محسوس کرتا ہوں کہ اس بارے میں جو کچھ مطالبات کئے جاتے ہیں میرا اثر ایک فی صد یا ایک ہزار فیصد سے زیادہ نہ ہو لیکن اللہ فرماتا ہے

لا تقنطوا من رحمة الله۔۔

''میں آپ سے عہد کرتا ہوں کہ میں آپ کا مددگار رہوں گا اور بلحاظ ایک جج ہونے کے میں یقین رکھتا ہوں کہ اس لحاظ سے میں (نصیر الحق) حق کی مدد کرنے والا ہوں گا۔۔۔ اور آخر میں اے میرے دوست آپ کا بہت بہت شکریہ ادا کرتا ہوں۔۔۔

الکیلانی

(جریدۃ الوحدۃ بیت المقدس 13 اکتوبر 1945ء)

(بحوالہ رسالہ خالد دسمبر 1985ء جنوری 1986ء صفحہ 155 تا 162)

◆

شاہ حسین اور ان کی حکومت کی طرف سے حضرت چوہدری صاحب کو دعوت

حضرت چوہدری صاحب نے 1953ء میں ایشیا کے بعض ممالک کا دورہ کیا اس دوران اُردن جانے کا بھی اتفاق ہوا اس کے بارہ میں آپ اپنی خودنوشت ''تحدیث نعمت'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''تہران میں اُردن کے سفیر تشریف لائے اور فرمایا میری حکومت کی طرف سے مجھے ہدایت موصول ہوئی ہے کہ مَیں اس کی طرف سے آپ کو یہاں سے دمشق واپس جانے پر عمان آنے کی دعوت دوں۔ مَیں نے عذر کیا کہ مجھے اب جلد کراچی پہنچنا ہے۔ دوسرے دن وہ پھر تشریف لائے اور فرمایا مَیں نے تمہارا عذر عمان پہنچا دیا تھا وہاں سے مجھے ہدایت ہوئی ہے کہ مَیں تمہیں جلالۃ الملک کا ذاتی پیغام پہنچاؤں کہ ان کی خواہش ہے کہ تم اس موقع پر عمان ضرور آؤ۔ مَیں نے عرض کیا کہ اب تو سوائے تعمیلِ ارشاد کے کوئی چارہ نہیں مَیں ضرور حاضر ہوں گا۔''

''جلالۃ الملک حسین ابن طلال بن عبداللہ بڑی محبت اور احترام سے پیش آئے۔ فرمایا ہم سب تہ دل سے تمہارے ممنون ہیں کہ تم نے قضیہ فلسطین کی ابتدا سے نہایت جرأت اور دانشمندی سے ہمارے حقوق کا دفاع کیا ہے اور جب حال ہی میں اسرائیلیوں نے سخت ظلم اور تعدی سے قبیہ کا عرب گاؤں ہماری حدود کے اندر بیجا مداخلت کر کے برباد کر دیا تو تم نے خود مجلسِ امن میں پیش ہو کر اسرائیلیوں کی مکّاریوں اور فریب کاریوں کا پردہ فاش کیا۔ مَیں نے عرض کیا پاکستان قضیہ فلسطین کو اپنا اور سارے عالم اسلام کا قضیہ سمجھتا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ جو مدد اور خدمت اس بارے میں ہمارے امکان میں ہو اس سے دریغ نہ کریں۔ جب قبیہ پر اسرائیلی یورش کا مسئلہ مجلسِ

امن میں زیر بحث آیا تو پاکستان کا فرض تھا کہ حق اور انصاف کی پوری حمایت کرے۔ بے شک مجلس امن کی روایت ہے کہ عموماً ہر رکن کا مقرر کردہ مستقل نمائندہ ہی اس کی طرف سے مجلس امن میں تقریر کرتا ہے۔ لیکن امور خارجہ میں ہر ملک کا اصل نمائندہ تو وزیر خارجہ ہی ہے۔ مَیں نے قرینِ مصلحت سمجھا کہ اس مسئلے کی اہمیت کے پیش نظر مَیں خود پاکستان کی طرف سے مجلس میں نمائندگی کروں۔

جلالۃ الملک سے میری تین ملاقاتیں ہوئیں۔ ہر دفعہ بڑی محبت سے پیش آئے۔ ایک ملاقات میں تو صرف مَیں حاضر خدمت تھا، بلا تکلف عرب اور عالم اسلام کے اہم مسائل پر گھنٹہ بھر سے زائد گفتگو رہی۔ دوسرے دن شام کے کھانے پر وزراء اور سفراء اور کثیر تعداد شرفاء کی مدعو تھی۔ کھانے کے بعد جلالۃ الملک نے کمال شفقت سے ''ستارۂ اردن'' کا سب سے اعلیٰ نشان مجھے مرحمت فرمایا۔'' (تحدیث نعمت صفحہ 610 تا 612)

حسن اتفاق سے وہ اردن کے بادشاہ ہیں

دوسری مرتبہ جب حضرت چوہدری صاحب اُردن تشریف لے گئے تو شام اور اُردن کی سرحد پر ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا کہ وہاں پر پریس کے لوکل نمائندہ نے چوہدری صاحب سے سوال کیا کہ آپ عمان کس غرض کیلئے جا رہے ہیں؟ چوہدری صاحب نے جواباً فرمایا:

ایک دوست کی ملاقات کے لئے۔

اس نے پوچھا: کیا جلالۃ الملک کی خدمت میں بھی حاضری کا موقع ہوگا؟

چوہدری صاحب نے فرمایا: یہاں جو میرے دوست ہیں ان کا نام حسین بن طلال ہے۔ حسن اتفاق سے وہ اردن کے بادشاہ بھی ہیں۔ لیکن میری غرض دوست سے ملاقات ہے۔ دوست کو بادشاہ پر سبقت ہے۔

(تحدیث نعمت صفحہ 610 تا 612)

Tunisia
Zuwarah
TRIPOLI
Misratah
Gulf of Sidra
Darnah
Banghazi
Tobruk
Egy
Ghadames
Surt
Ras Lanuf
Al Burayqah
Sabkhat Ghuzayyil
Jalu
Libya
Awbari
Sabha
Murzuq
Ghat
SAHARA DESERT
Kufra
Algeria
Jabal Uweinat
Bette Peak
Aouzou Strip
Niger
Chad
Suda

لیبیا کی آزادی میں حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ کا کردار

1912ء کی جنگ میں اٹلی نے بآسانی ترکی افواج کو شکست دے کر لیبیا پر قبضہ کر لیا تھا۔ لیکن اس کے بعد عرب آبادی کو زیرِ اقتدار لانے میں اٹلی کو بہت مشکل کا سامنا ہوا۔ اس مہم کے سر کرنے کی ذمہ داری مارشل بڈوگلیو پر ڈالی گئی جس نے مزعومہ قیام امن کے لئے نہایت ہولناک طریق اختیار کئے۔ مثلاً بڑے بڑے قائدین جو اطالوی اقتدار کے سامنے سرخم نہیں کرتے تھے کو جبراً ہوائی جہاز میں کئی ہزار فٹ کی بلندی پر لے جا کر جہاز سے نیچے گرا دیا جاتا۔ یا اگر کسی بستی یا علاقے کے لوگوں کی طرف سے اٹھ کھڑے ہونے کا خدشہ ہوتا تو اس کا توپوں اور ٹینکوں سے محاصرہ کر کے اس علاقے کے پانیوں میں زہر ملا دیا جاتا جس سے اکثریت تو زہریلا پانی پینے سے مر جاتی تھی لیکن جو اس علاقے سے باہر بھاگنے کی کوشش کرتا وہ توپوں اور گولیوں کا نشانہ بنا دیا جاتا۔

1949ء میں بڑی طاقتوں نے یہ فیصلہ کیا کہ لیبیا کو تین حصوں میں تقسیم کر کے گویا تین ملک بنا دیئے جائیں۔ چنانچہ طرابلس کو اٹلی کی نگرانی میں، برقہ کو برطانیہ کی جبکہ فزان فرانس کی نگرانی میں مزید دس سال تک رکھنے کا فیصلہ ہوا، جس کے بعد لیبیا کے ان تین حصوں کو آزادی دینے کی تجویز تھی۔

13رمئی 1949ء کو یہ قرارداد ووٹنگ کے لئے جنرل اسمبلی میں پیش ہوئی۔ لیکن یہ تجویز منظور نہ ہو سکی کیونکہ اس کو مطلوبہ ووٹ نہ مل سکے۔ چنانچہ جنرل اسمبلی کو 21رنومبر 1949ء کو لیبیا کی

آزادی کا فیصلہ کرنا پڑا۔ اور تقسیم کے بغیر متحدہ لیبیا ایک ملک کی حیثیت سے آزاد ہو گیا۔

یہ وہ تاریخ ہے جو ہر تاریخ کی کتاب میں مل جائے گی لیکن ہم تاریخ کے اس پہلو کو بیان کرتے ہیں جسے بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ لیبیا کی تقسیم کا فیصلہ ہو گیا تھا۔ تین بڑی طاقتیں اس پر متفق تھیں اور یہ اس زمانے کی بات ہے جس میں یہ بات کافی حد تک ناقابل یقین سمجھی جاتی تھی کہ ایک بات پر یہ تین بڑی طاقتیں متفق ہوں اور پھر ایسی بات پر مشتمل قرارداد ناکام رہے۔

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ ہی وہ تاریخی شخصیت تھے جو لیبیا کی تقسیم کے سب سے زیادہ خلاف تھے اور آپ ہی تھے جنہوں نے خداداد قانونی صلاحیتوں اور ذہانت سے اس قرارداد کو ناکام کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ اسکی تفصیل کا خلاصہ حضرت چوہدری صاحب کی خود نوشت ''تحدیث نعمت'' سے پیش ہے:

''اس وقت اقوام متحدہ کے ممبران ملکوں کی تعداد ساٹھ سے کم تھی اور قواعد کے مطابق کسی بھی قرارداد کی منظوری کے لئے دو تہائی اکثریت کے ووٹ درکار ہوتے تھے جبکہ اس کو ناکام کرنے کے لئے ایک تہائی سے زیادہ ووٹ مطلوب ہوتے تھے۔ حضرت چوہدری صاحب فرماتے ہیں:

مغربی طاقتوں نے تو سمجھا ہو گا کہ جو تجویز وہ کریں گے اسمبلی اس پر مہر تصدیق ثبت کر دے گی۔ میرا خیال تھا کہ اگر ہم اس تجویز کو ردّ کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو لیبیا کے جلد آزاد ہونے کی صورت پیدا ہو جائے گی اور اگر لیبیا آزاد ہو جائے تو شمال مغربی افریقہ کے تینوں عرب ممالک یعنی تونس، الجزائر اور مراکش کی آزادی کا راستہ کھل جائے گا۔ اس لئے میری نگہ میں مجوزہ قرارداد کا رد کیا جانا ازبس ضروری تھا۔ مغربی طاقتوں نے ٹریپولی (طرابلس) کی نگرانی اٹلی کے سپرد کرنے کی تجویز سے لاطینی امریکن ریاستوں کی تائید حاصل کر لی تھی...... اپنی طرف سے پوری کوشش کرنے کے بعد بھی ہمیں قرارداد کے خلاف صرف 15 آراء ملنے کا یقین تھا۔ عرب ریاستیں تو قرارداد کے خلاف تھیں

لیکن اس وقت صرف چھ عرب ریاستیں اقوام متحدہ کی رکن تھیں۔ ان میں سے مصر کے وزیر خارجہ خشابا پاشا بھی پوری جدوجہد کررہے تھے اور ہم دونوں آپس میں مشورے کرتے رہتے تھے۔

بحث کا آخری دن اور مضطربانہ دُعا

بحث کا آخری دن آ پہنچا اور قرارداد کے خلاف 15 آراء سے زیادہ کا امکان نظر نہیں آتا تھا۔ میری طبیعت میں سخت اضطراب تھا۔ اسی اضطراب کی حالت میں مَیں نے نماز ظہر میں نہایت عجز وانکسار سے ربّ العالمین کی درگاہ میں زاری کی کہ إله العالمين۔۔۔ تو اپنے فضل ورحم سے ہمیں وہ رستہ دکھا جس پر چل کر ہم تیرے مظلوم بندوں کی رہائی اور مخلصی کی تدبیر کرسکیں۔ تیسری رکعت کے پہلے سجدے میں جاتے ہوئے دفعتہً اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال فضل اور رحم سے ایک ترکیب کی تفہیم فرمادی۔ فالحمدللہ۔

مصر کے وزیر خارجہ سے گفتگو

جونہی مَیں نے نماز ختم کی ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ اقوام متحدہ میں مصر کے مستقل نمائندے محمود فوزی صاحب نے فرمایا میرے وزیر خارجہ دریافت کرتے ہیں ’تم کب تک آنے کا ارادہ رکھتے ہو؟ وہ چاہتے ہیں کہ جلد آجاؤ تو سہ پہر کا اجلاس شروع ہونے سے پہلے کچھ مزید غور کرلیں‘۔ مَیں وزیر خارجہ کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ انہوں نے پوچھا، کچھ مزید غور کیا ہے اور کوئی تجویز ذہن میں آئی ہے؟ مَیں نے کہا ہاں آئی ہے یا یوں کہئے ذہن میں ڈالی گئی ہے۔ اب تک ہم اس کوشش میں رہے ہیں کہ جہاں تک ہوسکے پوری قرارداد کے خلاف آراء حاصل کی جائیں۔ اس کوشش کے نتیجہ میں تو ہمیں صرف 15 مخالف آراء حاصل ہوسکی ہیں جو قرارداد کے ردّ کرنے کے لئے کافی نہیں......اب ہماری کوشش یہ ہونی چاہئے کہ جو ممالک برطانیہ یا فرانس کی خوشنودی کی خاطر برطانیہ کو Cyrenaica (برقۃ) اور فرانس کو فیضان (فوزان) کی نگرانی سپرد کرنے کے لئے

مؤید ہیں ان میں سے تین چار کو اس بات پر آمادہ کریں کہ وہ اس قرارداد میں برطانوی اور فرانسیسی نگرانی والی شقوں کی تائید میں رائے دینے کے بعد تیسری شق جس میں ٹریپولی کی نگرانی اٹلی کے سپرد کرنے کی تجویز ہے کے مخالف رائے دیں۔

خشابا پاشا: اگر ایسا ہو بھی جائے تو کیا حاصل ہوگا؟

ظفر اللہ خان: حاصل یہ ہوگا کہ تیسری شق قرارداد سے خارج ہو جائے گی۔

خشابا پاشا: لیکن ملک تو پھر بھی تقسیم ہو جائے گا۔ برطانیہ اور فرانس کو مجوزہ علاقوں کی نگرانی سپرد کر دی جائے گی۔ تم خود اب تک مصر رہے ہو کہ لیبیا کی تقسیم نہیں ہونی چاہیے۔ اب تم نے یکا یک اپنی رائے کیوں بدل لی ہے؟

ظفر اللہ خان: مَیں نے رائے نہیں بدلی۔ مَیں اب بھی یہی چاہتا ہوں کہ لیبیا کی تقسیم ہرگز نہیں ہونی چاہیے۔ اگر میری بیان کردہ ترکیب سے تیسری شق قرارداد سے خارج ہوگئی تو کوئی تقسیم نہیں ہوگی۔

خشابا پاشا: وہ کیسے؟

ظفر اللہ خان: اگر ٹریپولی کی نگرانی اٹلی کے سپرد نہ ہوئی تو لاطینی امریکن ریاستیں بقیہ قرارداد کو قبول نہیں کریں گی اور تینوں شقوں پر رائے شماری کے بعد جب مجموعی طور پر ساری قرارداد پر رائے شماری ہوگی تو لاطینی امریکن ریاستیں اس کے خلاف رائے دیں گی۔

خشابا پاشا: (خوشی سے اچھل کر) خوب تجویز ہے۔ میرے ذہن میں بالکل نہیں آئی۔ پھر اب کیسے کیا جائے؟ وقت بہت تھوڑا ہے۔ آج شام رائے شماری ہو جائے گی۔

ظفر اللہ خان: لاطینی امریکن ممالک میں ہائیٹی (Haiti) ایک ایسا ملک ہے جس کا اٹلی سے کوئی تعلق نہیں۔ ایک تو ان کے ساتھ کوشش ہونی چاہیے۔ انکی زبان فرانسیسی ہے، آپ کے وفد میں سے کوئی صاحب ان کے ساتھ بات چیت کریں۔ سر بی این راؤ ہندوستانی نمائندے کے

ساتھ مَیں بات کرتا ہوں۔‘‘

دونوں ملکوں نے تیسری شق کے خلاف رائے دینا منظور کر لیا۔

مغربی ریاستیں مطمئن نظر آتی تھیں جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ انہیں قرارداد کے منظور ہونے کا پورا یقین ہے۔ رائے شماری شروع ہوئی۔ پہلی شق منظور ہوگئی، دوسری شق منظور ہوگئی، تیسری شق پر رائے شماری ہوئی تو حاضر 58، اراکین میں سے 8 نے رائے دینے سے اجتناب کیا، باقی 50 اراکین نے رائے دی۔ منظوری کے لئے کم از کم 34 آراء کی ضرورت تھی لیکن اسکے حق میں صرف 33 اور اسے خلاف 17 آراء آئیں۔ کامیابی کے لئے مزید ایک رائے ان کو نہ مل سکی۔ اور یوں صاحب صدر کو چار و ناچار اس شق کے نامنظور ہونے کے باعث قرارداد سے خارج ہونے کا اعلان کرنا پڑا۔

’’مغربی طاقتوں کی چھاتی پیٹ رہا ہوں۔‘‘

حضرت چوہدری صاحب فرماتے ہیں:

ہماری طرف سے خوشی کا اظہار تو لازم تھا ہی لیکن معلوم ہوتا ہے میرے اعصاب پر پہلے چند دنوں کی پریشانی اور اضطراب کا بوجھ تھا۔ میری طبیعت قابو میں نہ رہی اور میں جوش سے اپنے سامنے کے ڈیسک کو زور زور سے متواتر پیٹنے لگا۔ کرنل عبدالرحیم (اقوام متحدہ میں پاکستان کے مستقل نمائندے) نے آہستہ سے مجھے کہا: چوہدری صاحب کیا کر رہے ہیں؟ مَیں نے کہا: ’’مغربی طاقتوں کی چھاتی پیٹ رہا ہوں۔‘‘ ...... کئی دن تک میرے دونوں ہاتھ اس ڈیسک کوبی کی وجہ سے متورّم رہے۔‘‘

اس طرح طرابلس کی نگرانی اٹلی کے سپرد نہ ہو سکنے کی وجہ سے لاطینی امریکن ریاستوں کی طرف سے قرارداد کی بقیہ شقوں کی مخالفت کی وجہ سے یہ ساری قرارداد رڈ ہوگئی۔

لیبیا کی آزادی کا پروانہ

حضرت چوہدری صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''اجلاس ختم ہونے پر مَیں کراچی واپس آ گیا۔ کچھ دنوں بعد اطالوی سفیر متعینہ پاکستان مجھ سے ملنے آئے اور اپنے وزیر خارجہ (کونٹ سفورزا) کا ایک خصوصی پیغام میرے نام لائے۔ کونٹ سفورزا نے کہلا بھیجا ہمیں قرارداد کے ردّ ہو جانے پر کوئی رنج نہیں۔ ہم عرب ممالک کی دوستی اور خوشنودی کے خواہاں ہیں۔ اور اسمبلی کے آنے والے اجلاس میں لیبیا کی فوری آزادی کی تائید کرنے کے لئے تیار ہیں۔ چنانچہ 1949ء کے سالانہ اجلاس اسمبلی میں یہ قرارداد منظور ہوگئی کہ یکم جنوری 1951ء سے لیبیا آزاد ہوگا۔ اس قرارداد کے نفاذ کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی گئی جس کے اراکین میں مصر اور پاکستان دونوں شامل تھے۔ چنانچہ قرارداد کے مطابق یکم جنوری 1951ء کو لیبیا کی آزاد حکومت قائم ہوگئی۔ فالحمدللہ۔''

(ماخوذ از تحدیث نعمت صفحہ 567 تا 573)

حضرت چوہدری صاحب کا دورۂ مصر

حضرت چوہدری صاحب 1952ء میں ایک دفعہ مصر گئے تو وہاں کے اخبار ''المصور'' نے نہ صرف آپ کے بارہ میں آرٹیکل لکھے بلکہ آپ کا انٹرویو بھی کیا اور اسے اپنے تبصروں کے ساتھ شائع کیا۔ ذیل میں اس کے چند اقتباسات اور ان کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔

ظفر الله خان مجاهد هندی قديم، يخطب بالإنجليزية، كأعاظم خطباء الإنجليز في أخطر المجامع وأخطر المسائل، يخطب ارتجالا .... وشهد الذين سمعوه يخطب، أنه من أخطب خطباء العالم... إنه يقدس الصدق، ويحذر دائما أن يزيد شيئا على الحقيقة المجردة من كل مبالغة، ويعرف متى يتحتم الكلام، ومتى يتحتم الصمت۔

(المصور المصرية، العدد الصادر في 29 فبراير 1952م صفحہ 34)

ظفر اللہ خان صاحب پرانے انڈین مجاہد ہیں، آپ انگریزی زبان میں عظیم انگریز مقرروں کی طرح دنیا کے اعلیٰ ترین اور خطرناک ترین ایوانوں میں اور خطرناک مسائل کے بارہ میں فی البدیہہ تقریر کا ملکہ رکھتے ہیں...... جنہوں نے آپ کو تقریر کرتے ہوئے سنا ہے ان کی گواہی ہے کہ آپ دنیا کے عظیم مقررین میں سے ایک ہیں۔ آپ سچائی کو مقدس سمجھتے ہیں اور ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ اصل حقیقت پر کسی قسم کی مبالغہ آمیزی کا اضافہ نہ ہو۔ آپ بخوبی جانتے ہیں کہ کہاں بولنا ضروری ہے اور کہاں خاموشی اختیار کرنا لازم ہے۔

الرجل الذى يمسك بيده غصن الزيتون ويطير به بين أطباق السحاب....إنه رجل خير، تبرع بأكثر من ثلث دخله الخاص للإنفاق على الجمعيات الخيرية فى الباكستان، وشهد له أعضاء هيئة الأمم بحرصه على أداء فروض الصلاة بانتظام وفى مواعيدها، حتى لقد حدث أن أزف وقت الصلاة مرة ولم يتمكن من الذهاب إلى منزله لأدائها بسبب استمرار اجتماع الهيئة، فدخل "كشك التليفون" ووقف يقيم الصلاة..!

وقد عُرف "ظفر الله خان" بأنه لا يبارى فى عرض الحجج والبراهين وسرد الحقائق، وإذا تكلم أو خطب ارتجالا بلغ الذروة، وقد ضرب الرقم القياسى فى الخطابة بمجلس الأمن إذا استمر يخطب ست ساعات كاملة دون توقف!....

(المصور المصرية، العدد الصادر فى 29 فبراير 1952م ص 10 نقلا عن مجلة البشرى المجلد 18 نيسان أيار 1952م ص ٦5 إلى 59)

آپ ہی وہ شخصیت ہیں جو پیام امن لے کر بادلوں کے درمیان اڑتی پھرتی ہے۔......

آپ ایک نیک اور ہمدرد آدمی ہیں، آپ نے اپنی تنخواہ کا تیسرا حصہ پاکستان میں انسانی بھلائی کی تنظیموں کے لئے وقف کر رکھا ہے۔ اور اقوام متحدہ کے ممبران اس بات کے گواہ ہیں کہ آپ اپنی فرض نمازیں ان کے اوقات پر ادا کرنے کے پابند ہیں۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ ایک اجلاس کے جاری رہنے کی وجہ سے آپ گھر میں جا کر نماز ادا نہ کر سکے چنانچہ آپ نے قریبی ٹیلیفون کے بوتھ میں داخل ہو کر کھڑے ہو کر ہی نماز ادا کر لی۔

ظفر اللہ خان کے بارہ میں مشہور ہے کہ دلائل و براہین کے بیان اور حقائق کے تذکرہ میں آپ کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ جب بھی آپ بولتے ہیں یا زبانی خطاب فرماتے ہیں تو آپ کی گفتگو نہایت اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے۔ آپ نے سلامتی کونسل میں سات گھنٹے مسلسل خطاب کرنے کا ریکارڈ بھی قائم کیا ہے۔

اقوام متحدہ میں مصری نمائندہ کی شہادت

ولعل صاحبنا السيد محمد ظفر الله خان هو الشخص الوحيد من الشخصيات السياسية البارزة فى العالم بالوقت الحاضر الذى لا يفارقه القرآن المجيد أبدا۔ ويصلي خمس صلوات مستقبلا إلى القبلة الشريفة تحت كل سماء وفوق كل أرض وفي جو السماء حين تحمله الطائرات من الشرق إلى الغرب ومن الشمال إلى الجنوب۔ ولا يتأخر عن بيان فضائل الإسلام ومحاسنه بالقلم واللسان والعمل بأحكامه حتى فى قاعات هيئة الأمم المتحدة۔

(جريدة الأخبار عدد 23 يونيو 1952م نقلا عن مجلة البشرى المجلد 18 أغسطس 1952م ص 114)

شاید ہمارے دوست مکرم محمد ظفر اللہ خان صاحب ہی اس وقت کی مشہور عالمی شخصیات میں سے وہ واحد شخصیت ہیں جو ہر وقت قرآن کریم اپنے پاس رکھتے ہیں۔ اور ہر آسمان اور ہر زمین حتی کہ آسمان کی فضاؤں میں بھی جبکہ وہ جہازوں میں مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب کی سمت محو سفر ہوتے ہیں پانچوں نمازیں قبلہ شریف کی طرف منہ کر کے ادا کرتے ہیں، اور قلم و زبان سے اسلام کے فضائل ومحاسن کے بیان سے تھکتے نہیں اور اقوام متحدہ میں بھی اسلامی احکام پر عمل کرنے سے پیچھے نہیں رہتے۔

(بحوالہ الفضل انٹرنیشنل 9 اپریل 2010ء)

حضرت چوہدری ظفراللہ خاں صاحب کو شاہ مراکش کا خراج تحسین

حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خاں صاحب نے اہل مراکش کے لئے جو شاندار خدمات سرانجام دیں مراکش کے شاہ حسن نے اپریل 1963ء میں حضرت چوہدری صاحب کو زبردست خراج تحسین ادا کیا۔

اس ضمن میں اخبار ''پاکستان ٹائمز'' (The Pakistan Times) کے خصوصی نامہ نگار مقیم نیویارک نے حسب ذیل خبر دی:

United Nations, April 4:Morocco's king Hassan spent most of his day at the United Nations today. In the morning after a short private conference with U Thant on the 28th floor, he came down to the second floor for the inauguration of the mosaic panel, a gift from Morocco to the U.N.

Short speeches were made right under the panel, while photographers and cameramen crowded on the steps of the escalator which faced the panel and had been immobilised for the occasion.

The King then descended to the first basement where conference room IV is located - the large room where the Political Committee usually holds its session.

Chaudhri Mohammad Zafrullah Khan, this month's Chairman of the Afro-Asian Group, greeted the King at the door. He said he was glad to greet "not only the exalted King but also a friend." It was a happy coincidence, he added, that it should be Pakistan's turn to preside over the Group's meeting. The meeting was held as usual behind closed doors.

The King said in reply that his father as well as the Moroccan people owed a debt of gratitude to Chaudhri Zafrullah for ever because at the time when Morocco had very few friends, it was Chaudhri Zafrullah who was fighting for her cause. He said the fact that there is an Asian Secretary-General and that Chaudhri Zafrullah is also Assembly President shows what place of eminence the Afro-Asian Group has come to achieve today in the United Nations. In answer, Chaudhri Zafrullah thanked him and said that King Hassan's work is an inspiration to the entire Group. The King was the chief guest in the evening at a dinner arranged by U Thant."18

یونائیٹڈ نیشنز: شاہ مراکش حسن ثانی جو آجکل امریکہ کے سرکاری دورہ پر ہیں۔ جب اقوام متحدہ کا صدر دفتر دیکھنے گئے اور یو این او عمارت میں داخل ہوئے تو چوہدری محمد ظفر اللہ خان جو افریقی ایشیائی گروپ کے ماہ رواں کے صدر ہیں نے شاہ موصوف کا استقبال کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں ایک شاہِ ذی شان کا ہی نہیں بلکہ اپنے ایک دوست کا بھی خیر مقدم کر رہا ہوں۔ آپ نے مزید فرمایا یہ عجیب حسن اتفاق ہے ایسے خوشگوار موقعہ پر جبکہ شاہ مراکش یہاں تشریف لائے ہیں باری کے لحاظ سے افریقی ایشیائی گروپ کے اجلاس میں صدارت کے فرائض کی انجام دہی پاکستان کے حصہ میں آئی ہے۔

شاہ حسن صاحب نے جوابی تقریر میں فرمایا کہ:۔

”میرے والد محترم کی طرح اہل مراکش محترم جناب چوہدری محمد ظفر اللہ خاں کے ہمیشہ ممنون احسان رہیں گے کیونکہ ایسے وقت میں کہ جب چند ایک کے سوا مراکش کا کوئی دوست نہ تھا۔ یہ چوہدری محمد ظفر اللہ خان ہی تھے کہ جنہوں نے مراکش کی حمایت میں آواز بلند کی اور اس کے مفاد کے لئے سینہ سپر ہوئے۔“

نیز شاہ نے کہا کہ یو این او کے سیکرٹری جنرل اور جنرل اسمبلی کے صدر دونوں ایشیاء سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ افریقی ایشیائی گروپ کو یو این او میں کتنا نمایاں اور بلند مقام حاصل ہو چکا ہے۔

آخر میں جناب چوہدری ظفر اللہ خان نے شاہ مراکش کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ شاہ حسن کا کام افریشیائی گروپ کے لئے حوصلہ افزائی کا سبب ہے۔

(بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 22 صفحہ 18 تا 20)

* * *

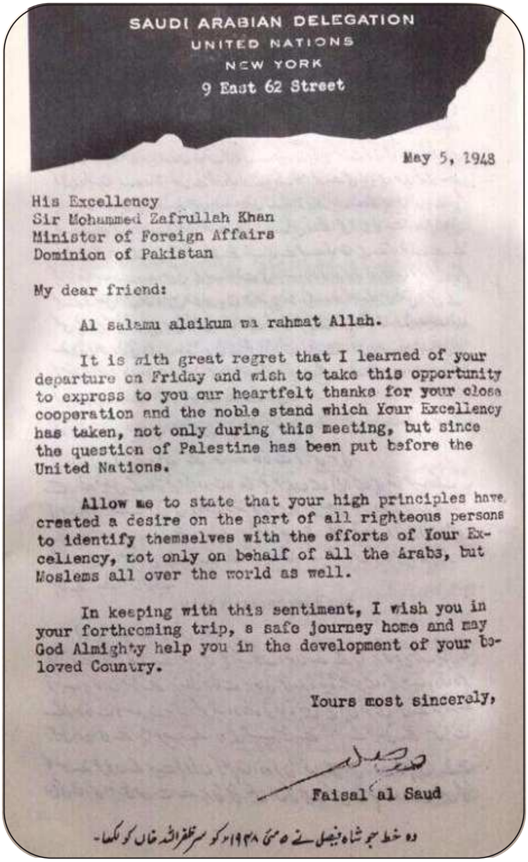

SAUDI ARABIAN DELEGATION
UNITED NATIONS
NEW YORK
9 East 62 Street

May 5, 1948

His Excellency
Sir Mohammed Zafrullah Khan
Minister of Foreign Affairs
Dominion of Pakistan

My dear friend:

Al salamu alaikum wa rahmat Allah.

It is with great regret that I learned of your departure on Friday and wish to take this opportunity to express to you our heartfelt thanks for your close cooperation and the noble stand which Your Excellency has taken, not only during this meeting, but since the question of Palestine has been put before the United Nations.

Allow me to state that your high principles have created a desire on the part of all righteous persons to identify themselves with the efforts of Your Excellency, not only on behalf of all the Arabs, but Moslems all over the world as well.

In keeping with this sentiment, I wish you in your forthcoming trip, a safe journey home and may God Almighty help you in the development of your beloved Country.

Yours most sincerely,

Faisal al Saud

وہ خط جو شاہ فیصل نے ۵ مئی ۱۹۴۸ء کو سر ظفراللہ خاں کو لکھا۔

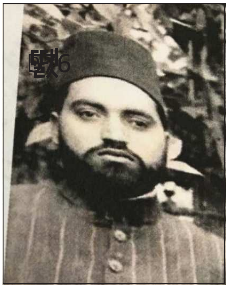

”آپ کا نام عربوں کی تاریخ میں آبِ زر سے لکھا جائے گا“ (عرب پریس)

شیخ نُور احمد منیر (سابق مبلغ بلادِ عربیہ کے قلم سے)

ہم آپ کی ”اسلام کے لئے بیش بہا خدمات کے لئے ممنون ہیں۔“ مفتی اعظم (فلسطین)

لبیا میں نوزائیدہ بچوں کے نام چوہدری صاحب کے نام پر رکھے گئے۔

اردن۔ شام۔ مراکش اور صومالیہ کی حکومتوں کی طرف سے اعزازی نشان“

ظفر اللہ خاں اور العالم العربی

مملکت خداداد پاکستان کے قیام پر اقوامِ متحدہ کے لئے جو وفد تشکیل پایا بہ ارشاد قائد اعظم اس کے قائد چوہدری محمد ظفر اللہ خاں تھے۔ چنانچہ 26/دسمبر 1947ء کو پہلی مرتبہ اقوامِ متحدہ میں چوہدری صاحب کی زبانی پاکستان کی آواز سنی گئی۔ ایجنڈے پر سب سے اہم مسئلہ فلسطین کا تھا۔ بحث کا آغاز ہونے پر دو سب کمیٹیوں کا تقرر عمل میں آیا۔

ایک کے سپُرد فلسطین کی تقسیم کی صورت میں اس کی تفاصیل اور اہم مسائل پر رپورٹ پیش کرنا تھا۔ اور دوسری سب کمیٹی کا فرض منصبی یہ تھا کہ فلسطین کی وحدت ہی کو قائم رکھا جائے اور فریقین (عربوں اور یہود کے حقوق اور دیگر متعلقہ امُور کی حفاظت کے بارے میں رپورٹ کرے۔ مسئلہ فلسطین مغربی استعمار کا پیدا کردہ ہے۔ اس لئے بحث کے اعتبار سے پیچیدہ بھی تھا۔ ہر بلاک اور اس کے لئے اپنے اپنے معاونین مؤقف کو تسلیم کرانے کے لئے ہر حربہ استعمال کر رہے تھے نتیجہ انجام کار یہ ہوا کہ کمیٹی نے تقسیم فلسطین کے حق میں تجویز کو منظور کر لیا۔ پاکستان ابھی دو دن

قبل ہی اقوامِ متحدہ کا ممبر منتخب ہوا تھا۔ چوہدری صاحب نے اپنی تقریر کو تاریخی واقعاتی مذہبی اور قانونی اور اقتصادی حقائق وشواہد کے مختلف حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے بڑے مدلل انداز میں ایوان پر واضح کیا کہ تقسیم فلسطین کا منصوبہ اس علاقے کے خرمن امن پر مستقل اور دائمی چنگاری ثابت ہوگا۔ عربوں اور یہود کے درمیان تعلقات ناگفتہ بہ ہو جائیں گے۔ اور مستقبل میں یہ مسئلہ امنِ عالم پر بڑا گہرا اور مسموم اثر ڈالے گا۔ ایسا کرنا ملک کی اکثریت سے خطرناک ناانصافی بلکہ بہت بڑا ظلم ہوگا۔ آپ کی تقریر کے دوران میں عرب مندوبین کے چہرے فرطِ اطمینان ومسرت سے تمتما اُٹھے۔ کہ اُن کے حق میں بھی ایک آواز اُٹھی ہے۔ جو ٹھوس اور مؤثر ہونے کے اعتبار سے ہر جہت سے مدلل بھی ہے۔ تمام عرب جرائد ومجلّات نے اس تقریر کے اقتباسات شائع کئے اور مندوب اعلیٰ پاکستان چوہدری محمد ظفر اللہ خاں کو خراجِ تحسین وعقیدت پیش کیا۔ چنانچہ دمشق کے وقیع ترین اخبار ''الایّام'' نے اپنے اداریئے میں لکھا۔ ''ظفر اللہ خاں وہ شخصیت ہے جس نے عرب ممالک کی ترجمانی پر اپنا انتہائی زور صرف کر دیا اُن کا نام عربوں کی تاریخ میں ہمیشہ ہمیش کے لئے آبِ زر سے لکھا جائیگا۔''

پاکستان کے مندُوب اعلیٰ نے مسئلہ فلسطین پر جس انداز سے بحث کی۔ اس کے متعلق رائٹر کے نامہ نگار نے لکھا۔

لیک سیکس۔ 10/ اکتوبر اقوامِ متحدہ کی کمیٹی میں جو فلسطینی مسئلہ کو حل کرنے کے لئے بیٹھی تھی۔ کل پاکستان کے مندُوب سر ظفر اللہ خاں کی تقریر کے بعد ایک پریشان کُن تعطل پیدا کر چکا ہے اور جب تک امریکہ اپنی روش کا اعلان نہ کر دے دیگر مندوبین اپنی زبان کھولنے کے لئے تیار نہیں۔ امریکن نمائندہ جو اس دوران میں ایک مرتبہ بھی بحث میں شریک نہیں ہوا۔ اُس وقت تک بولنے پر آمادہ نہیں جب کہ صدر ٹرومین اور وزیر خارجہ مسٹر جارج مارشل اور خود وفد ایک مشترکہ اور متفقہ حل تلاش نہ کرلیں کمیٹی میں کل کی بحث میں صدر ڈاکٹر ہربرٹ ایورٹ (آسٹریلیا) نے بہت

پریشانی اور خفت کا اظہار کیا۔ جب بحث وقت مقرر سے پہلے ہی آخری دموں پر پہنچ گئی۔ اور امریکن مندوب اس طرح خاموش بیٹھا رہا، گویا کسی نے زبان سی دی ہو اقوامِ متحدہ کے تمام اجلاس میں یہ واقعہ اپنی نظیر آپ ہے۔ (نوائے وقت۔ 11؍اکتوبر 1947ء ص نمبر 1)

افضل و اعلیٰ تقریر

اسی طرح 12؍اکتوبر 1947ء کے نوائے وقت میں اس تقریر کا ذکرِ خیر ان الفاظ میں شائع ہو۔

نیویارک 10؍اکتوبر۔ مجلس اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی میں سر محمد ظفراللہ خاں رئیس الوفد پاکستان نے جو تقریر کی وہ ہر لحاظ سے افضل و اعلیٰ تھی آپ تقریباً 115 منٹ بولتے رہے۔ اس تقریر کا اثر یہ ہوا کہ جب آپ تقریر کر کے بیٹھے تو ایک عرب ترجمان نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ فلسطین پر عربوں کے معاملہ کے متعلق یہ ایک بہترین تقریر تھی۔ آج تک میں نے ایسی شاندار تقریر نہیں سنی۔ سر ظفراللہ خاں نے اپنی تقریر میں زیادہ زور تقسیم فلسطین کے خلاف دلائل دینے میں صرف کیا جب آپ تقریر کر رہے تھے تو مسرت و ابتہاج سے عرب نمائندوں کے چہرے تمتما اُٹھے تقریر کے خاتمے پر عرب ممالک کے مندوبین نے آپ سے مصافحہ کیا اور ایسی شاندار تقریر کرنے پر مبارکباد پیش کی۔‘‘ (نوائے وقت 12؍اکتوبر 1947ء صفحہ 2 کالم 2)

شامی پریس میں سے اس تاریخی اور پُرشوکت تقریر کے متعلق ’’الف باء‘‘ الایامؔ۔ القبسؔ۔ الکتاحؔ۔ النصر۔ المنار۔ الفجال اور الحفارۃ نامی جرائد و مجلّات نے اپنے کالموں میں پاکستان کے مندُوب اعلیٰ ’’چوہدری محمد ظفراللہ خان کو خراجِ تحسین پیش کیا۔‘‘

فلسطین کی آزاد مملکت

مسٹر ایلفر ڈ ایم للنتھل نے اپنی کتاب ’’WHAT PRICE ISRAEL‘‘ میں لکھا کہ

’’پاکستان کے مندُوب نے تقسیم کی تجویز کے خلاف عربوں کی طرف سے ’’زبردست جنگ‘‘ لڑی۔ انہوں نے کہا فلسطین کے بارہ لاکھ عربوں کو اپنی مرضی کی حکومت بنانے کا حق چارٹر میں دیا گیا ہے۔ ادارہ اقوامِ متحدہ صرف ایسی مؤثر شرائط پیش کرسکتا ہے جن سے فلسطین کی آزاد مملکت میں یہودیوںؔ کو مکمل مذہبیؔ۔ لسانیؔ۔ تعلیمی اور معاشرتی آزادی حاصل ہو اس کے علاوہ عربوں پر کوئی اور فیصلہ مسلط نہیں ہوسکتا۔ (ص17)

نیز لکھا ’’جنرل اسمبلی میں پاکستانی نمائندے کی خطابت جاری رہی۔۔۔ مغربی طاقتوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ کل انہیں مشرقِ وسطیٰ میں دوستوں کی ضرورت بھی پڑ سکتی ہے۔ میں ان سے درخواست کروں گا کہ وہ ان ملکوں میں اپنی عزت اور وقار تباہ نہ کریں۔ جو لوگ انسانی دوستی کے زبانی دعوے کرتے ہیں۔ اُن کا حال یہ ہے کہ اپنے دروازے بے گھر یہودیوں پر بند کئے ہوئے ہیں۔ اور انہیں اصرار ہے کہ عرب فلسطین میں یہودیوں کو نہ صرف پناہ دیں بلکہ اُن کی ایسی ریاست بھی بننے دیں جو عربوں پر حکومت کرے۔ (ص18، 19)

نشانِ منزل

روزنامہ نوائے وقت‘‘ کے بانی ایڈیٹر جناب **’’حمید نظامی‘‘** اپنے خطُوط وقوعہ 1954ء بعنوان ’’نشانِ منزل‘‘ صفحہ 49 میں بیان کرتے ہیں کہ

’’جب وہ عالمی صحافی کانفرنس میں شرکت کے لئے وی آنا گئے تو اُن کے جہاز میں ایک یہودی عالم اور ایک یہودی ایڈیٹر بھی سوار تھے۔ چوہدری صاحب کی سخت مذمت کرتے اور آپ کو بُرا کہہ رہے تھے...‘‘

یہودی حلقے آپ کی شخصیت سے اتنا بغض وعناد کیوں رکھتے ہیں؟ مندرجہ بالا تاریخی خطاب کی روشنی میں اس کی وجہ آسانی سے سمجھی جاسکتی ہے۔ چوہدری صاحب کی اس تقریر سے مغربی

استعمار اس قدر بوکھلا یا کہ اس نے جوڑ توڑ کے بعد فلسطین کو عرب اور یہودی دو علاقوں میں تقسیم کرنے کی امریکی و روسی قرارداد پاس کر دی۔ رائے شماری کرتے وقت زبردست دباؤ ڈالا گیا عربوں کی حامی اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کر دیا گیا امریکہ کے سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے یہودی اثر ورسوخ اور دباؤ کے تحت چھوٹی چھوٹی اقوام پر دباؤ ڈالا گیا اور یوں دو تین فیصلہ کن ووٹ حاصل کر لئے گئے۔

شامی یونیورسٹی میں

اقوامِ متحدہ میں بحث کے بعد چوہدری صاحب نے شامی یونیورسٹی میں صیہونیت کے خطرے کا کیسے مقابلہ کیا جائے‘‘ کے موضوع پر ایک مبسوط تقریر فرمائی تقریر کے وقت حاضرین کی تعداد بے پناہ تھی۔ یہ تقریر انتہائی توجہ اور انہماک سے سُنی گئی جس کے بعد عرب زعماء نے فرطِ عقیدت سے آپ کے ہاتھوں کو چُوما اور عرب پریس نے لکھا کہ ’’ظفر اللہ خاں عربوں کا محُسن ہے‘‘

سید امجد علی

اقوامِ متحدہ میں پاکستان کے مستقل نمائندے اور قائداعظم کے رفیق قدیم سید امجد علی ایک انٹرویو میں بیان کرتے ہیں۔ نمائندگی کے لحاظ سے پاکستان کے وزیر خارجہ چوہدری محمد ظفر اللہ خاں ایک مثالی وزیر خارجہ تھے کشمیر کے مسئلہ کو جس چابک دستی سے انہوں نے پیش کیا... شاید کوئی وزیر خارجہ آج تک نہیں کر سکا... فلسطین کے مسئلہ پر انہوں نے بہت محنت سے عربوں کی مدد کی۔ الجیریا۔ تونس، مراکو اور دیگر اسلامی ممالک کے مسائل پر پاکستان کی طرف سے مکمل حمایت کی اور سفارتی سطح پر اُن کے لئے پُرزور جنگ لڑی...‘‘

(ہفت روزہ ’’زندگی‘‘ 9؍ستمبر 1970ء)

اعزازات و تمغات

پاکستان کے فرزند جلیل چوہدری ظفراللہ خاں کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ عربوں کے حقوق کے لئے مخلصانہ اندازِ وکالت سے خوش ہو کر بعض عرب ملکوں نے آپ کی خدمت میں اپنے ملک کے اعلیٰ ترین اعزازات پیش کئے گئے مثلاً حکومت شام نے آپ کو "وسام اُمیّہ" نامی نشان پیش کیا جو ملک شام کا سب سے بڑا اعزازی نشان ہے اور جو عام طور پر صرف سربراہانِ مما لک ہی کو پیش کیا جاتا ہے۔

جلالتہ الملک حسین بن طلال نے آپ کو ستارۂ اُردن کے اعزازی نشان سے نوازتے ہوئے "ہم سب تہ دل سے آپ کے ممنون ہیں کہ آپ نے قضیۂ فلسطین میں ابتدا ہی سے نہایت جرأت اور دانش مندی سے ہمارے حقوق کا دفاع کیا ہے"

شاہ مراکش حسن نے فرمایا:- "ظفراللہ خاں! آپ نے جو خدمت مراکش اور میرے خاندان کی انجام دی ہے اس کا بدلہ تو ہم کسی صورت میں نہیں دے سکتے لیکن مجھے خوشی ہوگی۔ اگر آپ مراکش کا اعلیٰ ترین نشان میری خوشنودی اور دوستی کی یادگار کے طور پر قبول کر لیں۔

صدر مملکت صومالیہ نے آپ کو اپنے ملک کی عظیم خدمات انجام دینے پر صومالیہ کا اعلیٰ ترین نشان بطورِ اعزاز کے عطا فرمایا:

لبیا کی آزادی اور خودمختاری کے سلسلہ میں آپ نے جو خدمات سرانجام دیں۔ اور جس جرأت مندی سے اس کی آزادی کے لئے وکالت کی اور اپنے حقوق و مفادات کی اس بہترین ترجمانی سے حکومت لبیا اور اہل لبیا کو جو مسرت نصیب ہوئی اس کی ایک نظیر یہ ہے کہ لبیا کے نمائندہ نے آکر کراچی میں اعلان کیا۔

"ظفراللہ خاں ہمیں اتنے محبوب ہیں کہ ہمارے ملک کے نوزائیدہ بچوں کے نام نیک تفاول کے طور پر چوہدری صاحب کے نام پر رکھے جا رہے ہیں" (رفتارِ زمانہ اگست 1951ء)

مفتیٔ اعظم فلسطین

پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ چوہدری محمد ظفر اللہ خاں نے شمالی افریقہ کے چار عرب ملکوں (الجزائر، لیبیا، تونس۔ مراکو) کی آزادی اور قومی مفادات کے تحفظ کے لئے اقوامِ متحدہ کے ایوانوں میں جس خلوص اور جرأت مندی سے ترجمانی اور وکالت کی اُس کا اُن ملکوں میں بے پناہ نیک تمناؤں سے خیر مقدم کیا گیا۔ چنانچہ چوہدری صاحب کے نام ایک مکتوب میں مفتی اعظم فلسطین الحاج امین الحسینی نے تحریر فرمایا ''میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم آپ کی اسلام کے لئے بیش بہا خدمات کے لئے تہ دل سے ممنون ہیں۔ دُعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کا حافظ و ناصر ہو اور آپ کی مساعی جمیلہ کو کامیابی کا تاج پہنائے'' (ہفت روزہ ''لاہور 19 /اگست 1979ء)

شاہ فیصل مرحوم

اسی طرح اپنے اس مکتوب میں جو 5 /مئی 1948ء کو نیویارک کے دفتر سعودی عرب سے چوہدری صاحب کے نام تحریر فرمایا: شاہ فیصل مرحوم و مغفور نے لکھا:۔

''میرے عزیز دوست! آپ نے جس تن دھی اور خلوص سے نہ صرف اس میٹنگ میں بلکہ جب سے مسئلہ فلسطین اقوامِ متحدہ میں پیش ہوا ہے۔ اعلیٰ تعاون اور عالی ظرفی کا مظاہرہ کیا ہے۔ میں اُس کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ آپ کی اعلیٰ اقدار نے نہ صرف عربوں کے دلوں میں بلکہ اقصائے عالم کے تمام راستباز انسانوں کے دلوں میں یہ خواہش پیدا کر دی ہے کہ وہ آپ کی مساعیٔ جمیلہ کی دل سے قدر کریں۔۔۔''

(بحوالہ ہفت روزہ ''لاہور'' 19 /اگست 1979ء)

(لاہور 28 /ستمبر 1985ء صفحہ 9۔10۔11)

چوہدری محمد ظفر اللہ خاں
مشاہیر عالم اور مؤقر عالمی جرائد کی نظر میں

منادی دہلی

خواجہ حسن نظامیؔ رقمطراز ہیں۔

”...چوہدری ظفر اللہ خاں نے باوجود قادیانیؔ ہونے کے پاکستان بننے کے بعد سے آج تک یورپؔ اور امریکہؔ اور اسلامیؔ دُنیا میں جو خدمات پاکستان کی انجام دی ہیں۔ وہ بے مثل ہیں۔ اگر پاکستان کی تخت گاہ کراچی میں مُسلمان اُن کی مخالفت کریں گے تو امریکہؔ اور یوروپ اور اسلامیؔ ملکوں کے دِلوں سے پاکستان کا وقار جاتا رہے گا۔“

(اخبار مُنادی دہلی)”“سندھ آبزرور“ (کراچی)

”الحیاۃ“ (لبنان)

”...ظفر اللہ خاں وہ مضبوط ترین آواز ہے۔ جو بین الاقوامی مجالس میں عربوں کی خاطر گونجی قضیۂ فلسطینؔ۔ اور تونسؔ و مراکشؔ وغیرہ کے معاملات میں ظفر اللہ خاں کے شاندار اور دلیرانہ دفاع کی وجہ سے ظالم مستعمرین بالکل دنگ رہ گئے۔

ظفر اللہ خاں وہ عظیم و بہادر شہسوار ہے جو عالمی کشمکش کے میدان میں عربوں کی آزادی اور اُن کے حقوق کی حفاظت کے لئے متواتر لڑتا رہا۔ وہ شخص جو اپنی اخلاقی بلندی اولوالعزمی۔ قوت ایمانی اور بلاغت و سحر بیانی کے لحاظ سے پوری قوم کے برابر تھا۔ وہ شخص جو عربوں کے معاملات میں اپنے جوش و خروش کے لحاظ سے آٹھ کروڑ پاکستانیوں بلکہ تمام عالمِ اسلام کا خلاصہ ہے۔

نوائے وقت (لاہور)

مشہور مصری لیڈر مصطفیٰ مومن نے ایک اخباری بیان میں فرمایا

’’... چوہدری ظفراللہ خاں اگرچہ پاکستان کے وزیر خارجہ ہیں ۔ لیکن تمام دُنیا اسلام میں انہیں ایک قابلِ رشک پوزیشن حاصل ہے وہ مشرقِ وسطیٰ میں بالعموم اور مصر اور دیگر عرب ممالک میں بالخصوص چوٹی کے سیاستدان تسلیم کئے جاتے ہیں ۔ انہوں نے اقوامِ متحدہ میں تونسؔ ۔ مراکشؔ ۔ ایرانؔ اور مصرؔ کی پُرزور حمایت کر کے اسلام کی وہ خدمت سرانجام دی ہے جو دوسرے بڑے بڑے اکابرین سے بن نہ پڑی ۔

جو شخص چوہدری صاحب موصوف کو مُلتزم کرتا اور آپ کی ذات والاصفات کو حرف ملامت بناتا ہے وہ دراصل ساری دنیائے اسلام پر حملہ آور ہوتا ہے ۔‘‘ (25؍مئی 1952ء)

جریدہ ’’الجدید‘‘ قاہرہ

عرب ممالک کے مسلمہ رہنما محترم عزام پاشا (سیکریٹری عرب لیگ) نے لکھا کہ

’’ہم اچھی طرح جانتے ہیں ظفراللہ خاں روئے زمین کے تمام حصوں میں اسلام کی مدافعت میں جو مؤقف بھی اختیار کیا گیا اس کی کامیاب حمایت ہمیشہ چوہدری ظفراللہ خاں صاحب کا طرّہ امتیاز رہا ۔ اس لئے آپ کی عزت عوام کے دلوں میں گھر کر گئی اور مسلمانانِ عالم کے قُلوب آپ کے لئے احسان مندی کے جذبات سے لبریز ہو گئے ۔ آپ اُن قابل ترین قائدین میں سے ہیں جنہیں عوامی اور ملی مسائل کو خوش اسلوبی سے طے کرنے کا ملکہ حاصل ہے ۔

(22؍جون 1952ء)

جریدہ الزمانؔ قاہرہ

ازہر یونیورسٹی کے ڈائریکٹر خوشابہ پاشا لکھتے ہیں ۔

’’چوہدری محمد ظفر اللہ خان نے اسلامی مفادات کے تحفظ کی خاطر ہمیشہ ہی دلیری اور جرأت سے کام کیا ہے میں اس عظیم شخص کا بے حد ممنونِ احسان ہوں کیوں کہ اُس نے میرے ملک کی بے حد خدمت سرانجام دی ہے۔ (25/جون 1952ء)

اخبار المصر (قاہرہ)

اخبار المصر قاہرہ نے لکھا

’’تمام مصری لیڈروں کا اعتماد ظفر اللہ خاں کو حاصل ہے...‘‘ نیز ’’تیونس کے وزیروں نے ایک مشترکہ بیان مین چوہدری ظفر اللہ خاں کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے کہا۔ تیونس کی تاریخ میں چوہدری ظفر اللہ خاں کا نام ہمیشہ سنہری لفظوں میں لکھا جائے گا۔

(رفتار زمانہ 3/مئی 54ء)

اخبار المصری (قاہرہ)

1952ء میں جب مفتیٔ مصر نے چوہدری ظفر اللہ خان کے خلاف فتویٰ شائع کیا تو تمام عرب پریس نے اُس کی سخت مذمت کی۔ مصر کی حکمران پارٹی (وفد) کے مؤقر ’’ترجمان المصری‘‘ نے اپنی 26/جون 1952ء کی اشاعت میں لکھا:

ظفر اللہ خاں ہماری ہمدردی کے محتاج نہیں ہیں۔ کیوں کہ ہم جانتے ہیں کہ وہ اب بھی اسلامی مفادات کی حفاظت کی خاطر اسی طرح سینہ سپر رہیں گے اور مصر کے ساتھ اپنی دوستی کا دم بھرتے رہیں گے مفتی نے ظفر اللہ کو کافر و بے دین قرار دیا ہے۔ آؤ ہم سب مل کر چوہدری محمد ظفر اللہ خاں پر سلام بھیجیں۔ ظفر اللہ خاں کافر کے کیا کہنے۔ ان جیسے اور بڑے بڑے بیسوں کافروں کی ہمیں ضرورت ہے۔‘‘

* * *

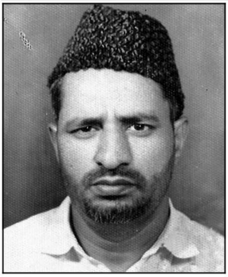

قضیہ فلسطین اور سر محمد ظفر اللہ خان

محمد اشرف ناصر مربی سلسلہ احمدیہ

پانچ دریاؤں کی سرزمین کی کوکھ سے جنم لینے والا دلیر اور نڈر قانون دان اور عالم اسلام کا بلند حوصلہ فرزند قائد اعظم کا قریبی ساتھی اور مسلم لیگ کے صدر چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب یکم ستمبر 1985ء کو لاہور میں 93 سال کی عمر میں اس عالم فانی کو خیر باد کہہ کر اپنے رب کے حضور پہنچ گئے جن کے خلوص نیت پر مبنی بے لوث و باوقار خدمات جو خاص طور پر انہوں نے عرب ممالک کی آزادی اور قضیہ فلسطین کو نپٹانے میں سرانجام دیں۔ آئندہ نسلوں کے لئے ہمیشہ مشعل راہ کا کام دیں گی۔

مملکت خدادا پاکستان کے قیام پر اقوامِ متحدہ کے لئے 1947ء میں جو وفد تشکیل پایا حضرت قائد اعظم کے ارشاد کے مطابق اس کے سربراہ چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب تھے۔ اقوامِ متحدہ کے اس اجلاس کے ایجنڈے پر سب سے اہم مسئلہ فلسطین کا تھا بحث کا آغاز ہونے پر دو سب کمیٹیوں کا تقرر عمل میں آیا۔

ایک کے سپرد فلسطین کی تقسیم کی صورت میں اس کی تفاصیل اور اہم مسائل پر رپورٹ پیش کرنا تھا اور دوسری سب کے سپرد یہ کام تھا کہ وہ فریقین (عربوں اور یہودیوں) کے حقوق اور دیگر متعلقہ امور کی حفاظت کے بارے میں رپورٹ کرے کمیٹی نے تقسیم فلسطین کے حق میں تجویز کو منظور کرلیا۔ پاکستان جو ابھی دو دن پہلے اقوامِ متحدہ کا ممبر منتخب ہوا تھا اس موقع پر چوہدری سر ظفر اللہ خاں نے تقسیم فلسطین کے مسئلہ پر جو تقریر فرمائی اس کو انھوں نے تاریخی۔ واقعاتی، مذہبی اور قانونی اور اقتصادی حقائق وشواہد کے مختلف حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے بڑے اعلیٰ انداز میں ایوان پر واضح کیا کہ تقسیم فلسطین کا منصوبہ اس علاقے کے خرمن امن پر مستقل اور دائمی چنگاری

ثابت ہوگا عربوں اور یہود کے درمیان تعلقات ناگفتہ بہ ہوجائیں گے اور مستقبل میں یہ مسئلہ امن عالم پر بڑا گہرا اور مسموم اثر ڈالے گا ایسا کرنا ملک کی اکثریت سے خطرناک ناانصافی بلکہ بہت بڑا ظلم ہوگا۔ آپ کی تقریر کے دوران عرب مندوبین کے چہرے فرطِ اطمینان ومسرت سے تمتما اُٹھے کہ اُن کے حق میں بھی ایک آواز اُٹھی ہے جو ٹھوس اور مؤثر ہونے کے اعتبار سے ہر جہت سے مدلل بھی ہے۔ تمام عرب جرائد و رسائل نے اس تقریر کے اقتباسات شائع کئے اور مندوب اعلیٰ پاکستان چودہری محمد ظفر اللہ خاں کو خراجِ تحسین وعقیدت پیش کیا چنانچہ شام کے جریدہ ''الایام'' نے اپنے اداریے میں لکھا۔

''ظفر اللہ خان وہ شخصیت ہے جس نے عرب ممالک کی ترجمانی کرنے میں اپنا انتہائی زور صرف کر دیا۔ ان کا نام عربوں کی تاریخ میں ہمیشہ ہمیش کے لئے آبِ زر سے لکھا جائے گا۔ مفتی اعظم فلسطین نے اپنے ایک مکتوب بنام چوہدری صاحب میں لکھا۔

''میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم آپ کی اسلام کے لئے بیش بہا خدمات کے لئے تہ دل سے ممنون ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کا حافظ وناصر ہو اور آپ کی مساعی جمیلہ کو کامیابی کا تاج پہنائے''(ہفت روزہ لاہور 19/ اگست 1979ء)

روزنامہ نوائے وقت نے لکھا کہ جس عزت کی نگاہ سے پاکستان کے وزیر خارجہ کو عرب وفود یہاں دیکھتے ہیں اس کا مظاہرہ یہاں اس طرح ہوا کہ تمام کے تمام عرب وفود سر ظفر اللہ خان کو الوداع کہنے کے لئے لاگارڈیا (La Guardia) کے ہوائی مستقر پر پہنچے یہ محض تواضع نہیں تھی بلکہ اپنے محسن کے لئے یہ شکرانہ تھا'' (نوائے وقت لاہور 11/ مئی 1948ء)

جب چوہدری صاحب اقوامِ متحدہ کے اس سیشن سے فارغ ہو کر واپس پاکستان آئے تو جس طرح ان کو عربوں نے الوداع کیا اس کے متعلق آپ نے نوائے وقت کی دوپہر والی خبر کو پڑھ دیا ہے گورنمنٹ کالج لاہور نے آپ کے اعزاز میں ایک تقریب کا اہتمام کیا اس کے متعلق مؤقر

روزنامہ نوائے وقت رقم تراز ہے کہ۔

آج گورنمنٹ کالج لاہور کے پرنسپل مسٹر بخاری نے کالج میں سر ظفر اللہ خان کا خیر مقدم کرتے ہوئے بتایا کہ سر ظفر اللہ خاں نے اقوامِ متحدہ میں اعراب فلسطین کے لئے جو گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں حکومت شام نے ان کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کو ملک کے سب سے بڑے اعزازی خطاب سے نوازا ہے۔

(نوائے وقت لاہور 11/ دسمبر 1947ء

جلالۃ الملک حسین بن طلال بن عبداللہ چوہدری صاحب سے بڑی محبت اور اکرم سے پیش آئے۔ فرمایا ہم سب تہ دل سے آپ کے ممنون ہیں کہ آپ نے قضیہ فلسطین کی ابتدا سے نہایت جرأت اور دانشمندی سے ہمارے حقوق کا دفاع کیا ہے۔ ایک ملاقات میں کمال شفقت سے مکرم چوہدری صاحب کو ''ستارہ اردن'' کا سب سے بڑا نشان مرحمت فرمایا۔ محافظ حرمین شریفین شاہ فیصل جب وہ مملکت سعودی عربیہ کے وزیر خارجہ تھے چوہدری صاحب کے نام اپنے ایک مکتوب گرامی میں فرماتے ہیں۔

میرے عزیز دوست!

آپ نے جس تندہی اور خلوص سے نہ صرف اس میٹنگ میں بلکہ جب سے مسئلہ فلسطین اقوامِ متحدہ میں پیش ہوا ہے اعلیٰ تعاون اور عالی ظرفی کا مظاہرہ کیا ہے اس کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ آپ کی اعلیٰ اقدار نے نہ صرف عربوں کے دلوں میں بلکہ اقصائے عالم کے تمام راستباز لوگوں کے دلوں میں یہ خواہش پیدا کر دی ہے کہ وہ آپ کی مساعی جمیلہ کی دل سے قدر کریں۔

دستخط شاہ فیصل

(ہفت روزہ لاہور 9/ اگست 1976ء

اقوامِ متحدہ میں پاکستان کے مستقل مندوب اور قائداعظم کے معمر ترین رفیق سید امجد علی صاحب نے اپنے ایک انٹرویو میں فرمایا کہ فلسطین کے مسئلہ پر، ظفراللہ نے بہت محنت سے عربوں کی مدد کی۔ الجیریا، تیونس، مراکو اور دیگر اسلامی ممالک کے مسائل پر پاکستان کی طرف سے مکمل حمایت کی اور سفارتی سطح پر ان کے لئے پرزور جنگ لڑی (ہفت روزہ زندگی 6؍ستمبر 1970ء عربوں میں آپ کی بے پناہ مقبولیت کا اندازہ آپ اس تحریر سے لگا سکتے ہیں ایک اخبار لکھتا ہے۔

تیونس کے وزیر نے ایک مشترکہ بیان میں چوہدری ظفراللہ خان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ تیونس کی تاریخ میں چوہدری ظفراللہ کا نام ہمیشہ سنہری حرفوں میں لکھا جائے گا، لیبیا کے نمائندہ نے کراچی آکر اعلان کیا کہ ظفراللہ خان ہمیں اتنے محبوب ہیں کہ ہمارے ملک کے نوزائیدہ بچوں کے نام نیک تفاول کے طور پر چوہدری صاحب کے نام پر رکھے جا رہے ہیں۔

(رفتارِ زمانہ اگست 1961ء)

مسٹر ایلفر ڈ ایم منتھل نے اپنی کتاب میں لکھا پاکستان کے مندوب نے تقسیم کی تجویز کے خلاف عربوں کی طرف سے ''زبردست جنگ لڑی۔''

(what price Israel page 17)

عرب ممالک کے مسلمہ رہنما توم حزام پاشا سیکریٹری عرب لیگ نے چوہدری صاحب کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ ظفراللہ خاں روئے زمین کے تمام حصوں میں اسلام کی مدافعت کرنے میں کامیاب رہے ہیں اور اسلام کی مدافعت میں جو مؤقف اختیار کیا گیا اس کی کامیاب حمایت ہمیشہ چوہدری ظفراللہ صاحب کا طرہ امتیاز رہا اس لئے آپ کی عزت عوام کے دلوں میں گھر کر گئی اور مسلمانانِ عالم کے قلوب آپ کے لئے احسان مندی کے جذبات سے لبریز ہو گئے۔ آپ ان قابل ترین قائدین میں سے ہیں جنہیں عوامی اور ملی مسائل کو خوش اسلوبی سے طے کرنے کا ملکہ حاصل ہے (اخبار الحدید قاہرہ 22؍جون 1952ء)

مشہور مصری لیڈر مصطفی مومن نے اپنے ایک اخباری بیان میں کہا چوہدری ظفر اللہ خاں اگرچہ پاکستان کے وزیر خارجہ ہیں لیکن تمام دنیائے اسلام میں انہیں ایک قابلِ رشک پوزیشن حاصل ہے۔ وہ مشرقِ وسطیٰ میں بالعموم اور مصر اور عرب ممالک میں بالخصوص چوٹی کے سیاستدان تسلیم کئے جاتے ہیں انہوں نے اقوامِ متحدہ میں تونس، مراکش، ایران اور مصر کی پرزور حمایت کر کے اسلام کی وہ خدمت سرانجام دی ہے جو دوسرے بڑے بڑے اکابرین سے بن نہ پڑی جو شخص چوہدری صاحب موصوف کو ملتزم کرتا اور آپ کی ذات والا صفات کو حرفِ علامت بناتا ہے وہ دراصل ساری دنیائے اسلام پر حملہ آور ہوتا ہے۔ (نوائے وقت 25/مئی 1952ء)

غرضیکہ مسئلہ فلسطین کے متعلق جس رنگ میں چوہدری صاحب نے دلائل پیش کئے اس پر ہر طاقتوں کے مندوب دم بخود رہ گئے گویا کہ کسی نے ان کی زبانیں سی دی ہوں چنانچہ رائٹر نے اس پر تبصرہ کیا۔ لیک سیکس 10/اکتوبر اقوامِ متحدہ کی کمیٹی نے جو فلسطینی مسئلہ کو حل کرنے کے لئے بیٹھی تھی۔ کل پاکستانی مندوب ظفر اللہ خان کی تقریر کے بعد ایک پریشان کن تعطل پیدا کر چکا ہے۔ اور جب تک امریکہ اپنی روش کا اعلان نہ کر دے دیگر مندوبین اپنی زبان کھولنے کے لئے تیار نہیں امریکن نمائندہ جو اس دوران میں ایک مرتبہ بھی بحث میں شریک نہیں ہوا۔ اس وقت تک بولنے کے لئے آمادہ نہیں جب کہ صدر ٹرومین اور وزیر خارجہ مسٹر جارج شل متفقہ حل تلاش نہ کر لیں کمیٹی میں کل کی بحث میں صدر ڈاکٹر ہربرٹ ایورٹ (آسٹریلیا) نے بہت پریشانی اور خفت کا اظہار کیا، جب بحث وقت مقررہ سے پہلے ہی آخری دموں پر پہنچ گئی اور امریکن مندوب اس طرح خاموش بیٹھا رہا گویا کسی نے زبان سی دی ہو اقوامِ متحدہ کے تمام اجلاسوں میں یہ واقعہ اپنی نظیر آپ ہے۔

(نوائے وقت لاہور 11/اکتوبر 1947ء)

غرض کہ آپ کی ذات کا ایک ایک لمحہ قوم کے لئے اور ملت کے لئے وقت اور یہی آپ کی زندگی کا نچوڑ ہے جو بے لوث خدمات آپ نے سرانجام دیں وہ رہتی دنیا تک یاد رہیں گی۔

ظفراللہ خاں قائداعظم کا دستِ راست

بنتا ہوا فریب جہاں پہ گزر گیا

1952ء میں جب مفتی مصر نے چوہدری ظفراللہ خاں کے خلاف فتویٰ کفر شائع کیا تو تمام عرب پریس نے اس کی سخت مذمت کی مشہور اخبار المصری نے اپنے اخبار میں لکھا۔

ظفراللہ خاں ہماری ہمدردی کے محتاج نہیں ہیں کیوں کہ ہم جانتے ہیں کہ وہ اب بھی اسلامی مفادات کی حفاظت کی خاطر اسی طرح سینہ سپر رہیں گے اور مصر کے ساتھ اپنی دوستی کا دم بھرتے رہیں گے۔ مفتی نے ظفراللہ خاں کو کافر بے دین قرار دیا ہے۔ آؤ مل کر چوہدری محمد ظفراللہ خان پر سلام بھیجیں ظفراللہ خان کافر کے کیا کہنے ان جیسے اور بڑے بڑے بیسیوں کافروں کی ہمیں ضرورت ہے ۔(اخبار المصری 26/جون 1952ء)

(روزنامہ انقلاب کراچی 14 اکتوبر 1985ء صفحہ 30 تا 33)

◆

تیرے کردار پر حرف گیری نہ دوست کر سکتا ہے نہ دشمن، میرے وطن کی تاریخ میں ایسے کردار ہے ہی کتنے، جنھوں نے حرمتِ وطن کے لئے تن من دھن کی بازی لگا دی ہو، ایسے کردار تو انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں۔ صرف ایک ہاتھ کی اُنگلیوں پر۔

عبد الکریم قدسی

جستہ جستہ

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی سیرت کے انمول پھول

روزنامہ ''الفضل''، ربوہ 9رفروری 1998ء میں حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحبؓ کے بارے میں مکرم منور علی شاہد صاحب کا ایک مضمون روزنامہ ''صداقت'' کے شکریہ کے ساتھ شامل اشاعت ہے۔

مشہور ادیب، نقاد اور مؤرخ رئیس احمد جعفری لکھتے ہیں کہ چوہدری صاحب اس فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں جسے عام طور پر گمراہ بلکہ کافر کہا جاتا ہے لیکن یہ کافر شخص بغیر شرمائے داڑھی بھی رکھتا ہے اور اقوام متحدہ کے ایوان میں علی الاعلان نماز پڑھتا ہے۔

محترم چوہدری صاحب کی سادگی وانکساری کا ذکر کرتے ہوئے محترمہ شہزادی عابدہ سلطان آف بھوپال اپنا چشم دید واقعہ یوں بیان کرتی ہیں کہ 1954ء میں اقوام متحدہ میں پاکستان کے نمائندہ وفد میں شامل ہوکر مجھے امریکہ جانے کا موقع ملا تو ہوٹل میں میرا دل نہ لگا اور اجنبیت محسوس ہوئی۔ دودن بعد خیال آیا کہ اقوام متحدہ کے پاکستانی دفتر کے کسی کمرہ میں سوجایا کروں۔ اسی خیال سے دفتر جاکر خاموشی سے اوپر سے نیچے تک جائزہ لیا۔ چوتھی منزل کے اوپر ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس میں ایک ٹوٹا پھوٹا سا پلنگ تھا اور ضروریات بھی اچھی طرح مہیا نہ تھیں۔ میں نے کمرہ کی حالت دیکھ کر سوچا کہ شائد یہ چوکیدار کا کمرہ ہوگا لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب مجھے بتایا گیا کہ یہ پاکستان کے وزیر خارجہ ظفر اللہ خان کا کمرہ ہے۔ مجھے بہت برا لگا کہ یہ کیا ہے، یہ تو ہماری بدنامی کا مسئلہ ہے۔ میں نے پوچھا کہ ملاقات وغیرہ کہاں کرتے ہیں، بتایا گیا کہ دفتر وغیرہ میں کر

لیتے ہیں اور اس کمرہ میں صرف سونے کی غرض سے آتے ہیں۔ اب ظفر اللہ خان صاحب سے چونکہ برسوں کی دوستی تھی اور بے حد بے تکلفی تھی لہٰذا پہلی فرصت میں میں نے اُن سے جھگڑا کیا اور کہا کہ اس طرح رہنے سے عار محسوس نہیں ہوتی؟۔ اس پر چوہدری صاحب مسکرائے اور کہنے لگے کہ آپ اسے کیا سمجھی ہیں؟۔ میں نے کہا یہی کہ آپ پیسے بچاتے ہیں!۔ اس پر چوہدری صاحب نے جواب دیا کہ میں اپنی ذات پر یومیہ دو ڈالر خرچ کرتا ہوں خواہ وہ ٹیکسی پر خرچ ہو جائیں یا کھانے پر کیونکہ میں سگریٹ اور شراب کا شوق نہیں رکھتا، صبح دوپہر شام کا کھانا یہاں سے مل جاتا ہے، اب ہوٹل میں جا کر کیوں کھاؤں۔ اپنے الاؤنس میں سے دو ڈالر اپنے خرچ کے لئے رکھ کر باقی رقم رفاہی کاموں کے لئے دیدیتا ہوں۔

❁

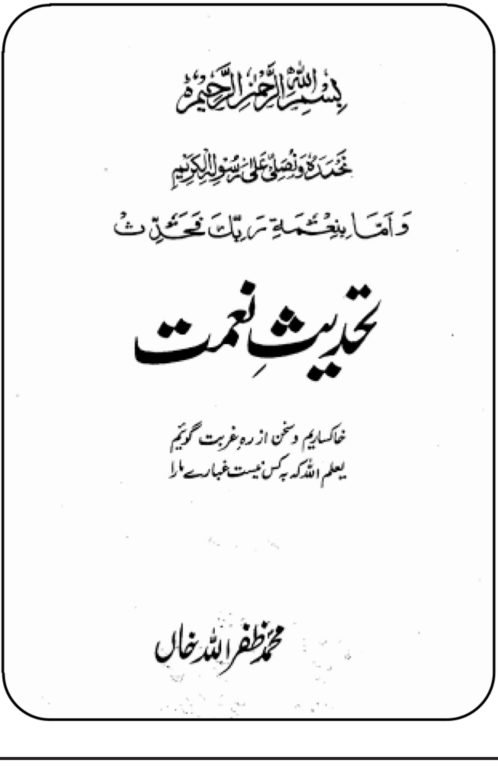

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ

تحدیثِ نعمت

خاکساریم و سخن از رہِ غربت گوئیم
یعلم اللہ کہ بہ کس نیست غبارے مارا

محمد ظفر اللہ خاں

چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کا بحیثیت وزیر خارجہ تقرر۔ ایک سازش؟

صاحبزادہ ڈاکٹر سلطان احمد

مورخہ 10 اکتوبر 2017 کو کیپٹن (ریٹائرڈ) صفدر صاحب نے پاکستان کی قومی اسمبلی میں ایک تقریر کی۔ موجودہ حالات کے دباؤ کی وجہ سے غالباً وہ شدید ذہنی دباؤ میں تھے کیونکہ بے ربط ہونے کے علاوہ اس تقریر میں وہ کئی ایسی باتیں بھی کہہ گئے، جن کے متعلق وہ خود بھی محسوس کر رہے ہوں گے کہ وہ نہ ہی کہتے تو بہتر تھا۔ بہرحال یہ تقریر قومی اسمبلی میں کی گئی تھی اور پورے ملک کے الیکٹرانک میڈیا نے اسے نشر کیا تھا، اس لیے اس کے کئی حصوں پر تبصرہ کرنا اور حقائق پیش کرنا ضروری ہے۔ اس تحریر میں ان کے اس حصے پر تبصرہ کیا جا رہا ہے، جس میں انہوں نے کہا

"سازشیوں نے مل کر سر ظفر اللہ آف سیالکوٹ کو فارن منسٹر بنایا۔"

خدا جانے صفدر صاحب کس رو میں یہ عجیب الخلقت بیان دے بیٹھے۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ اس وقت ملک کے گورنر جنرل اور مسلم لیگ کے صدر بانیٔ پاکستان قائدِ اعظم محمد علی جناح تھے اور وزیرِ اعظم لیاقت علی خان صاحب تھے۔ ظاہر ہے کہ کابینہ میں کس کو کس عہدے پر مقرر کرنا ہے اس کا فیصلہ ان دونوں قائدین نے ہی کرنا تھا۔ کیا کیپٹن (ر) صفدر صاحب ان دونوں کو سازشی قرار دے رہے ہیں۔ اس بات پر حیرانی ہوتی ہے کہ اس قسم کی تقریر سن کر ممبرانِ اسمبلی ڈیسک بجا بجا کر داد دے رہے تھے۔ ویسے تو کوئی بھی معقول شخص اس لغو دعوے کی تائید نہیں کر سکتا لیکن کیا صفدر صاحب یہ نہیں جانتے کہ پاکستان بننے کے فوراً بعد قائدِ اعظم نے چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کو اقوامِ متحدہ میں پاکستان کی نمائندگی کرنے کے لیے بھجوایا تھا۔ اور اس وقت فلسطین کا اہم مسئلہ اقوام

متحدہ میں پیش ہورہا تھا اور جب اقوام متحدہ میں پاکستان کے سفارتکار اصفہانی صاحب نے قائدِ اعظم سے درخواست کی کہ ابھی چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کو وہاں سے واپس نہ بلایا جائے تو قائدِ اعظم نے انہیں لکھا

“As regards Zafrullah, we do not mean that he should leave his work so long as it is necessary for him to stay there....but naturally we are very short here of capable men, and especially of his calibre, and every now and then our eyes naturally turn to him for various problems that we have to solve.”

(Jinnah Papers vol 6,p 165)

ترجمہ: جہاں تک ظفر اللہ کا تعلق ہے تو ہمارا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ اُس وقت اپنا کام چھوڑ کر آجائے جب اس کا وہاں ٹھہرنا ضروری ہو۔۔۔ مگر قدرتی بات ہے کہ یہاں ہمارے پاس خاص طور پر اس کے پائے کے قابل آدمیوں کی شدید کمی ہے۔ اور جب بھی ہمیں کسی مسئلہ کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اسے حل کرنے کے لیے ہماری نظریں قدرتی طور پر اُس کی طرف اُٹھتی ہیں۔

جب چوہدری ظفر اللہ خان صاحب اقوامِ متحدہ سے واپس پاکستان پہنچے تو قائدِ اعظم نے تفصیلی طور پر اُن سے ملاقاتیں کیں اور اوران کی کارکردگی کا جائزہ لیا اور اصفہانی صاحب کو لکھا

”Zafrullah is back and I had long talks with him.Yes he has done well.”

(Jinnah Papers Vol 6,p403)

ترجمہ: ظفر اللہ واپس آ گئے ہیں۔ میں نے ان سے طویل ملاقاتیں کی ہیں۔ ہاں! اس نے اچھا کام کیا ہے۔

یہ خط 11 ستمبر 1947 کو لکھا گیا تھا۔ اور اس کے دو ہفتہ کے بعد قائدِ اعظم نے خود چوہدری ظفر اللہ خان صاحب سے وزارتِ خارجہ کا حلف لیا۔ تو صفدر صاحب غور فرمائیں کہ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کو وزیر خارجہ بنانے کا پس منظر تو یہ تھا کہ قائدِ اعظم کے نزدیک پاکستان میں ان کی

قابلیت کے آدمیوں کی شدید کمی تھی اور جب بھی پاکستان کو کوئی مسئلہ پڑتا تھا تو اس کو حل کرنے کے لیے نظریں چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کی طرف اُٹھتی تھیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ صفدر صاحب قائدِ اعظم پر پاکستان کے خلاف سازش کرنے کا الزام لگا رہے ہیں۔ اور قائدِ اعظم ایک طویل عرصہ سے چوہدری ظفر اللہ خان صاحب سے بخوبی واقف تھے۔ 1939 میں جب چوہدری ظفر اللہ خان صاحب وائسرائے کونسل میں وزیر تھے تو قائد اعظم نے مرکزی اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے آپ کے متعلق فرمایا تھا

اس موضوع پر مزید کچھ کہنے سے قبل میں اپنی اور اپنی پارٹی کی طرف سے آنریبل سر ظفر اللہ خان کو ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں۔ وہ مسلمان ہیں اور یوں کہنا چاہیے کہ میں گویا اپنے بیٹے کی تعریف کر رہا ہوں۔ مختلف حلقوں نے اُن کو جو مبارک باد دی ہے میں اس کی تائید کرتا ہوں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جو کچھ امکانی حد تک ہوسکتا تھا انہوں نے اس میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔“

(ہماری قومی جدوجہد جنوری 1939 سے دسمبر 1939 تک، مصنفہ عاشق حسین صاحب بٹالوی، پاکستان ٹائمز پریس لاہور۔ ص 76)

ہماری صفدر صاحب سے گذارش ہے کہ ذرا روشنی ڈالیں کہ یہ کس کی سازش تھی؟

◆

حضرت چوہدری صاحبؓ کی اوّلیت

(1) پہلے احمدی اور ہندوستانی جس نے ''لنکز اِن'' سے ایل ایل بی کے امتحان میں یونیورسٹی میں پہلی پوزیشن حاصل کی

(2) جماعت احمدیہ لاہور کے امیر۔

(3) پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ مسلسل سات سال تک اس عہدہ کے فرائض سرانجام دینا بھی ایک ریکارڈ ہے۔ (4) اقوام متحدہ میں پہلے پاکستانی وفد کے قائد

(5) پہلے فرد جنہوں نے اقوام متحدہ میں مسلسل سات گھنٹہ تقریر کا عالمی ریکارڈ قائم کیا۔

(6) اردن کا اعلیٰ ترین اعزاز ''ستارہ اردن'' حاصل کرنے والے پہلے پاکستانی

(7) عالمی عدالت انصاف کے پہلے پاکستانی جج نائب صدر اور صدر

(8) اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے پہلے پاکستانی صدر

(9) پہلے فرد جنہوں نے اقوامِ متحدہ اور عالمی عدالتِ انصاف دونوں کی سربراہی کا اعزاز حاصل کیا۔ (10) عالمی عدالت انصاف کے پہلے ایشائی صدر

(11) اقوامِ متحدہ کے پہلے صدر جن کے دور میں سالانہ اجلاس کا ایجنڈا بروقت ختم ہو گیا۔

(12) قدرتِ ثانیہ مظہر رابع کی پہلی بیعت کرتے وقت سب سے پہلا ہاتھ جو حضور کے ہاتھوں میں آیا۔ وہ حضرت چوہدری صاحب کا تھا۔

(13) پہلے احمدی جو ظاہری لحاظ سے خاندان سلسلہ احمدیہ میں نہ ہونے کے باوجود بہشتی مقبرہ کے قطعہ خاص میں دفن ہیں۔

(14) حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے واحد صحابی جنہوں نے یہ تمام اعزازات حاصل کئے۔

(بحوالہ رسالہ خالد دسمبر 1985ء جنوری 1986ء)

اعترافِ حقیقت

ظفراللہ خان کی خدمات پر غیروں کی گواہیاں

(1) یہودی اکابر سر محمد ظفراللہ خان کی اعلیٰ قابلیت سے مرعوب تھے

نوائے وقت کے ایڈیٹر جناب **حمید نظامی** نے 1954ء میں اپنے غیر ملکی سفر کی ڈائری لکھی جو نوائے وقت ونڈے میگزین 2001ء میں ”خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوہ دانشِ فرنگ“ کے عنوان سے شائع ہوئی۔ آیئے اس کا ایک وقت پڑھتے ہیں۔ جناب حمید نظامی 11 مئی 1954ء کے دن کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ

”صبح آٹھ بجے ہوائی جہاز پیرس سے اڑا اور پونے دو بجے میونخ پہنچا۔ ایک یہودی اس جہاز میں وی آنا جا رہا تھا۔ اُس شخص نے بتایا کہ میں 16 برس پہلے نازیوں کے ظلم وستم سے تنگ آ کر ویانا بھاگا تھا۔۔۔۔۔۔ مذکورہ بالا یہودی کوئی عالم تھا اور سیاسی آدمی۔ چوہدری ظفراللہ خان کی سخت مذمت کرتا تھا مگر اُن کی قابلیت کا بے حد مدّاح تھا۔ وی آنا پریس اسمبلی میں ایک اسرائیلی اخبار کا ایڈیٹر بھی آیا ہوا تھا۔ یہ شخص بھی چوہدری ظفراللہ خان کو بُرا بھلا کہتا تھا مگر یہ بھی کہتا تھا کہ یو این او کے ممبر عرب ملکوں میں قابلیت کے لحاظ سے کوئی شخص چوہدری ظفراللہ خان کا پاسنگ نہیں۔“

(نوائے وقت سنڈے میگزین 25 فروری 2001ء صفحہ 4)

(2) بھارت کے مشہور غیر مسلم صحافی سردار دیوان سنگھ صاحب مفتون کا بیان

چوہدری سر محمد ظفراللہ خاں کے حالات اور ان کے کیریکٹر سے جو لوگ واقف ہیں وہ اقرار کریں گے کہ جہاں تک مذہبی خیالات کا سوال ہے پاکستان کی وزارت تو کیا دنیا کے تمام ممالک کی

وزارتیں بھی ان کے پاؤں میں لغزش پیدا نہیں کرسکتیں اور یہ ممکن ہی نہیں کہ یہ اپنے خیالات کو چھوڑ دیں۔ (اخبار ریاست دہلی (26 مئی 1952ء)

(3) مصری لیڈرر السید مصطفیٰ مومن کا بیان

مصر کی وفد پارٹی کے ایک راہنما اور شعوب المسلمین کے مندوب السید مصطفیٰ مومن نے بیان دیتے ہوئے کہا کہ چوہدری ظفر اللہ خان کی خدمات صرف پاکستان کے وزیر خارجہ کی نہیں بلکہ آپ مشرق وسطی اور بالخصوص مصر اور عرب دنیا کے بھی وزیر خارجہ ہیں۔ وہ بہت بڑے مدبر ہیں انہوں نے اقوام متحدہ میں تیونس، مراکش، ایران اور مصر کی حمایت کر کے اسلام کی بڑی خدمت کی ہے۔ چوہدری صاحب پر حملہ پوری اسلامی دنیا پر حملہ ہوگا۔

(4) چوہدری محمد علی سابق وزیراعظم پاکستان کا بیان

چوہدری محمد ظفر اللہ خان کے عہدہ وزارت کی خارجہ پالیسی کی نسبت چوہدری محمد علی صاحب سابق وزیراعظم پاکستان کا بیان ہے کہ:۔

عالم اسلام کی آزادی استحکام، خوشحالی اور اتحاد کیلئے کوشاں رہنا پاکستان کی خارجہ پالیسی کا ایک مستقل مقصد ہے۔ حکومت پاکستان کا ایک اولین اقدام یہ تھا کہ مشرق وسطیٰ کے ملکون میں ایک خیر سگالی وفد بھیجا گیا۔ پاکستان نے فلسطین میں عربوں کے حقوق کے حقوق کو اپنا مسئلہ سمجھا اور اقوام متحدہ میں پاکستان کے وزیر خارجہ ظفر اللہ خاں اس کے فصیح ترین ترجمان تھے۔ علاوہ ازیں انڈونیشیاء ملایا، سوڈان، لیبیاء تونس، مراکش، نائیجیریا اور الجزائر کی آزادی کی مکمل حمایت کی گئی۔ مغربی ایریان کے مسئلے پر پاکستان نے انڈونیشیا کا پورا ساتھ دیا۔ کئی مسلم ملکوں کے ساتھ دوستی کے معاہدے کئے گئے اور ثقافتی ارتباط کا انتظام کیا گیا ہے۔ موتمر عالم اسلامی کی تنظیم عمل میں لائی

گئی۔ 1949ء میں کراچی میں بین الاقوامی اقتصادی کانفرنس منعقد کی گئی جس میں 18 مسلم ملکوں کے نمائندے شامل ہوئے تھے۔ کانفرنس نے اتفاق رائے سے اسلامی ایوان ہائے صنعت و تجارت کا بین الاقوامی وفاق قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔

(ظہور پاکستان از چوہدری محمد علی صاحب مترجمہ بشیر احمد صاحب ارشد۔ ناشر مکتب کارواں کچہری روڈ لاہور طبع ثانی 1972ء مسعود پرنٹرز لاہور صفحہ 445)

اسی کتاب میں انہوں نے چوہدری محمد ظفر اللہ خاں کی خدمات کشمیر کا تذکرہ بایں الفاظ کیا ہے:۔

سلامتی کونسل نے 15 جنوری 1948ء کو ہندوستان کی شکایت اور پاکستان کے جواب کی سماعت شروع کی۔ ظفر اللہ خاں نے مقدمہ کی ایسی اعلیٰ وکالت کی کہ سلامتی کونسل کو یقین آ گیا کہ مسئلہ محض کشمیر سے نام نہاد حملہ آوروں کو نکال دینے کا نہیں ہے جیسا کہ ہندوستان کا نمائندہ اسے باور کرانا چاہتا تھا بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہندوستان و پاکستان کے تعلقات کو منصفانہ اور پرامن اساس پر استوار کیا جائے اور تنازع کشمیر کو ریاست کے عوام کی مرضی کے مطابق حل کیا جائے۔''

(ظہور پاکستان از چوہدری محمد علی صاحب مترجمہ بشیر احمد صاحب ارشد۔ ناشر مکتب کارواں کچہری روڈ لاہور طبع ثانی 1972ء مسعود پرنٹرز لاہور صفحہ 630)

(5) اخبار زمیندار لاہور (29 فروری 1952ء) کا بیان

قاہرہ 27 فروری۔ سر محمد ظفر اللہ وزیر خارجہ پاکستان نے کل علی ماہر پاشا وزیر اعظم مصر سے ملاقات کی۔ وزیر اعظم مصر سے وزیر خارجہ پاکستان کی دوسری ملاقات تھی۔ سر ظفر اللہ خان حکومت مصر کے مہمان کی حیثیت سے قاہرہ میں مقیم ہیں۔ آپ خیر سگالی کے دورہ پر مصر آئے ہیں۔ سلامتی کونسل میں پاکستان کے متبادل نمائندے محمد اسد نے الگ تیس 30 منٹ تک وزیر اعظم سے ملاقات کی۔ سر ظفر اللہ خاں نے عرب لیگ کے سیکرٹری جنرل غازی عبدالرحمان عظام پاشا کے

ساتھ لنچ کھایا اور بعد دوپہر آپ نے پاکستانیوں کے اجتماع میں شرکت کی۔ عربی کے بہترین مصنف شیخ محمد ابراہیم نے ایک دستی لکھا ہوا قرآن مجید سر ظفر اللہ خاں کو پیش کیا۔ سر ظفر اللہ خاں جمعرات کو قاہرہ سے بذریعہ طیارہ کراچی روانہ ہو جائیں گے۔

اخبار زمیندار لاہور (29 فروری 1952ء)

عراق کے نائب سفیر کی طرف سے حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ کی خدمات کا اعتراف

عراق کے نائب سفیر متعینہ پاکستان السید عبدالمہدی العشیر نے پاکستان کے یوم آزادی کے موقع پر 14/ اگست 1953ء کو ریڈیو پاکستان سے اہل پاکستان کے نام ایک پیغام نشر کرتے ہوئے فرمایا کہ عراق پاکستان کی اس جدوجہد کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا جو اس نے اقوام متحدہ میں متعدد عرب مسائل کی تائید میں کی ہے۔ موصوف نے کہا کہ پاکستان کے وزیر خارجہ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے اس سلسلے میں وہ عظیم الشان کارنامہ سرانجام دیا ہے کہ جس نے اہل عراق کے دل موہ لئے ہیں۔ آپ کی شخصیت میں انہیں ایک سچا اور حقیقی دوست ملا ہے۔ آپ نے بے مثال جذبے اور کمال دلیری سے ان کے قومی مفاد کی حفاظت کی ہے یہی وجہ ہے کہ آپ کا نام عراقیوں کی قومی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔ انہوں نے مزید فرمایا کہ پاکستان اور عراق کے درمیان گہرے اور مستحکم تعلقات قائم ہیں۔ دونوں نے بین الاقوامی حلقوں میں عالمی امن کی سلامتی اور غلام ممالک کے باشندوں کی تحریک آزادی میں ایک دوسرے سے گہرا تعاون کیا ہے۔

(مارننگ نیوز ''Morning News'' کراچی 16/ اگست 1953ء
بحوالہ روزنامہ المصلح کراچی 18/ اگست 1953ء صفحہ 3)

پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ چوہدری ظفراللہ خان صاحب

باؤنڈری کمیشن میں جماعت احمدیہ کے عظیم سپوت حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب نے جو عظیم الشان خدمات سرانجام دیں ان خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے قائداعظم نے آپ کو U.N.O میں پاکستانی وفد کا قائد مقرر کیا اور پھر 25 دسمبر 1947ء کو پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ کا قلمدان آپ کے سپرد کیا۔ چنانچہ نوائے وقت لکھتا ہے:۔

’’قائداعظم نے خوش ہو کر آپ (چوہدری ظفراللہ خان صاحب) کو U.N.O میں پاکستانی وفد کا قائد مقرر کر دیا۔۔ آپ نے ملک وملت کی شاندار خدمات سرانجام دیں تو قائداعظم انہیں پاکستان کے اس عہدہ پر فائز کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ جو باعتبار منصب وزیراعظم کے بعد سب سے اہم اور وقیع عہدہ شمار ہوتا ہے۔‘‘

(نوائے وقت 24 اگست 1948ء)

◆

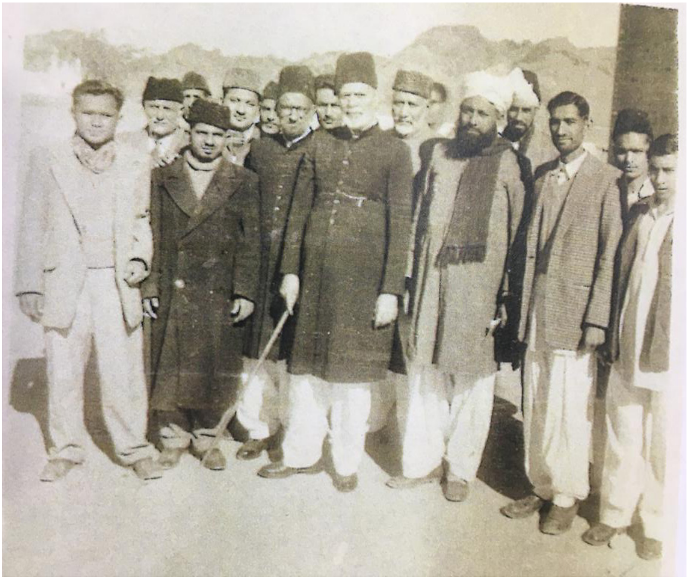

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کا قلمی خاکہ

خواجہ حسن نظامی دہلی

رسالہ ”منادی“ (دہلی) کے مالک و مُدیر برِّ صغیر کے ممتاز انشاء پرداز خواجہ حسن نظامی 1934ء میں پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ چوہدری محمد ظفر اللہ خاں کا خاکہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

’دراز قد اور بھاری جسم۔ عمر چالیس سال سے زیادہ۔ گندمی رنگ۔ چوڑا چکلا چہرہ۔ فراخ چشم۔ فراخ عقل، فراخ علم۔ قوم مسلمان عقیدہ قادیانی ... چُپ رہتے ہیں، اور بولتے ہیں تو کانٹے میں تول کر اور بہت احتیاط کے ساتھ پُورا تول کر بولتے ہیں۔ سیاسی عقل ہندوستان ہر مسلمان سے زیادہ رکھتے ہیں۔ وزیر اعظم۔ وزیر ہند اور وائسرائے اور سب انگریز اُن کی قابلیت کے مدّاح ہیں۔ اور ہندو لیڈر بھی بادلِ نخواستہ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ شخص ہمارا حریف تو ہے۔ مگر بڑا ہی دانشمند حریف ہے اور بڑا ہی کارگر حریف ہے... گول میز کانفرنس میں ہر ہندو۔ ہر مسلمان اور ہر انگریز نے چوہدری ظفر اللہ خاں کی لیاقت کو مانا اور کہا کہ... ”مسلمانوں میں اگر کوئی ایسا آدمی ہے۔ جو فضول اور بیکار بات زبان سے نہیں نکالتا۔ اور نئے زمانے کے پیچیدہ پالٹیکس کو سمجھتا ہے.. تو وہ چوہدری ظفر اللہ ہے۔ ظفر اللہ خاں ہر انسانی عیب سے پاک اور بے لوث ہے۔

(منادی۔ دہلی 24/ اکتوبر 1934ء بحوالہ ہفتہ وار لاہور ایڈیٹر ثاقبؔ زیروی جلد 34 نمبر 37 مورخہ 14 ستمبر 1985ء)

◆

اقوام متحدہ

خراج تحسین

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ
کی وفات پر تاثرات

چوہدری سر محمد ظفراللہ خاں

شیخ محمد احمد مظہر صاحب امیر جماعت ہائے فیصل آباد

خاکسار کا مخدومی سر محمد ظفراللہ خاں صاحب مرحوم کے ساتھ خادمانہ تعلق 1918ء سے 1985ء میں اُن کی وفات تک رہا 36-1935ء میں خاکسار نے ایک سیاسی شورش کے خلاف مسدّس لکھی تھی جو اُس زمانہ میں قسط وار چھپتی رہی۔ اُس کے پچاس کے قریب بند تھے اُس میں سے اشعارِ ذیل مخدوم موصوف سے تعلق رکھتے ہیں جب کہ وہ وائسرائے ہند کی کونسل میں وزیر قانون مقرر ہوئے تھے۔ ان اشعار میں خاکسار کے مخاطب موصوف نہ تھے بلکہ اُن کے ناقدر شناس مخاطب تھے۔ جیسا کہ بند دوم سے ظاہر ہے بعد میں مخدوم موصوف

رسیدند بجائے کہ رسیدند
دور تاریخ عالم زندہ جاوید شدند

ذالک فضل اللہ یو تیہ من یشاء وَ اللہ ذو الفضل العظیم۔ فتدبر

خاکسار محمد احمد مظہر (فیصل آباد)

بہ نیروئے بخشندہ جانم ہمے
ہر آنستِ طبع روانم ہمے
گُلے تازۂ بشگفانم ہمے
خس وخار را نذر گُلحن گُنم
مرا ہست مقصُود ارجمند
نہ ہرزہ ، جلو دادہ ام ایں سمند

بہ نیروئے بخشندہ جانم ہمے
کہ باغِ سُخن را نشانم ہمے
برو باردا، پہر گُلش گُنم
سُخنِ ناپسندآید ت، یاپسند
بہ شیب وفراز و بہ پست و بلند
پہ تحقیر دُشمن بہ تحسینِ دوست

مُراد یست مُضمر کہ معنی ہموست   بہ فصیح البیانان معنی گرائے
طلیق اللسان ِ طبع آزمائے   بہ قانون سازی ، چو آرند رائے
بہ دیوانِ دانش ، بجویند جائے   زبہر ِ ظفرؔ ، فتح پاپش کنند
بہ خدمت گری ، انجاپش کنند   پناہِ عدُو، خیر خواہ ِ خلیل
کہ شانش ، رفیع است وقدرش جلیل   بہ بُرہان و حُجت بہ بحث و دلیل
کُند خصم را پست و خوار و ذلیل   بہ تقریر و تحریرِ خود، بے دریغ
چو بارندہ میغ و، چُو بِرندہ تیغ   برومند نخلے ، گراں سایۂ
زِ ایثارِ اِسلامیاں آسیۂ   گرامی جیبسے گراں مائیۂ
گرامی کُن ِ منصب و پائیۂ   نہ ازمنصبِ ، اُوسربلندی گرفت
کہ منصب، ازدارجمندی گرفت   حقائق پژ ہے ، زباں آدرے
دقائق شناسے ، ہُنر پردرے   بخدمتِ گُزاری ، سرد سردرے
بہ نصفتِ شعاری ، خورد خادرے   تواضعگزیں ، پیکر ِ انکسار
بہ ذکرِ خُداوند ، شب زِندہ دار   بہ چندیں فضائل ِ، چوممتاز شُد
در کامگاری ، برد باز شُد   ز پا یہ بہ پایہ ، سرا فراز شُد
بہ ایوانِ عالی ، نوا ساز شُد   چو منشورِ منصب ، پرخواندہ شُد
سرِ بدسگالاں ، فردِ ماندہ شُد   حساپش ،نہاں برمُحاسِب نبُود
کہ حقدارِ حق بُودد، غاصب نبُود   طلب گارِ ، جاہ و مناصِب نبُود
ولے رَدِّ خدمتِ مُناسِب نبُود   بسا عہدہ ، با مُزدِ بازوئے اُو
نہ سنجد لبسے، درترا دزُئے اُو   بہ تحقیق حق چُوں بلندی میاں
ہمہ پےَ بری ، نماسئہ نامیاں   بجوئی اگر، درد ِ اسلامیاں

تعصُّب نیاری، مگر درمیاں   عدیلش نیا پی ، دریں چارِ سُو
بیانِ حقیقت نباشد غُلوُ   دُعا ہائے مظہؔر برد مند باد
ظفؔر باد، و تابا خُورسند باد   نکو محضر و ، نیک پیوند ِ باد
نگہ دارد ش حق، ز عَین الکمال
نبا بد رہے، درکمالش زوال

(لاہور 14/دسمبر 1985ء صفحہ 5)

◆

ظفراللہ خاں

قیسؔ مینائی (نجیب آبادی)

نام محمدؐ ظفراللہ خاں !
کام تھا دِل سے خدمتِ انساں
رب کا ایک ولئ کامل
حق کا ماہر عِلم و عرفاں
مُنصف و عادل رحم مجسّم
باغِ عدل اک سرو چراغاں
فیڈرل کورٹ کا سابق جسٹس
’’کورٹ آف ورلڈ‘‘ کا صدر نمایاں
’’یو۔ این ۔ اوٗ‘‘ کا صدرِ یکتا!
شاہ شہانِ شعلہ بیاناں
پُشتِ پناہِ فوجِ یتامی
ایک عصائے پیر وضعیفاں!
لبیاؔ۔ تیونسؔ۔ مصرؔ ومرکشؔ
صدہا ممالک زیرِ احساں
چرخِ وکالت پر اِک شاہیں
مدِّ مقابل طیرِ پر افشاں !
فلسفہ دانِ سرِّ شریعت
ماہرِ رازو رموزِ قرآں!
اندر باہر دونوں روشن
ظاہر و باطن دونوں یکساں
فہم و فراست ، گھر کی لونڈی
عقل و تدبّر حور و غِلماں
عشقِ الٰہی عشقِ محمدؐ
آپ کا پختہ دین و ایماں
قول و فعل میں یکسانیت
دین و ایماں یکساں یکساں
آئینۂ دل جوہرِ قابل
ایک فرشتہ صُورت انساں
نجم فلاحِ انسانیت
مطلعِ عالم پر تھا رخشاں
سقف فلک سے ٹُوٹ گِرا وہ
نجمِ منور ۔ ماہِ تاباں
موتِ عالِم ۔ موتُ العالم
علم کی دُنیا چشمِ گریاں

آدمیت پر غم کا عالم انسانیت سر بہ گریباں
دُنیا بھرمین شورِ قیامت غم کدہ سارا عالمِ انساں
بہر استقبال تھے حاضر خُلد ِ بریں میں حُور و غِلماں
آپ کی رِحلت غم کی ’’ ظلمت ‘‘ دل کا داغ صریحاً نقصاں!
کیا کرے شاعر بے چارہ بھی ہوش و حواس ہوں جس کے پرّاں
شدتِ رنج و غم کے اثر سے
شاعری بھولا قیس ؔ غزلخواں

◆

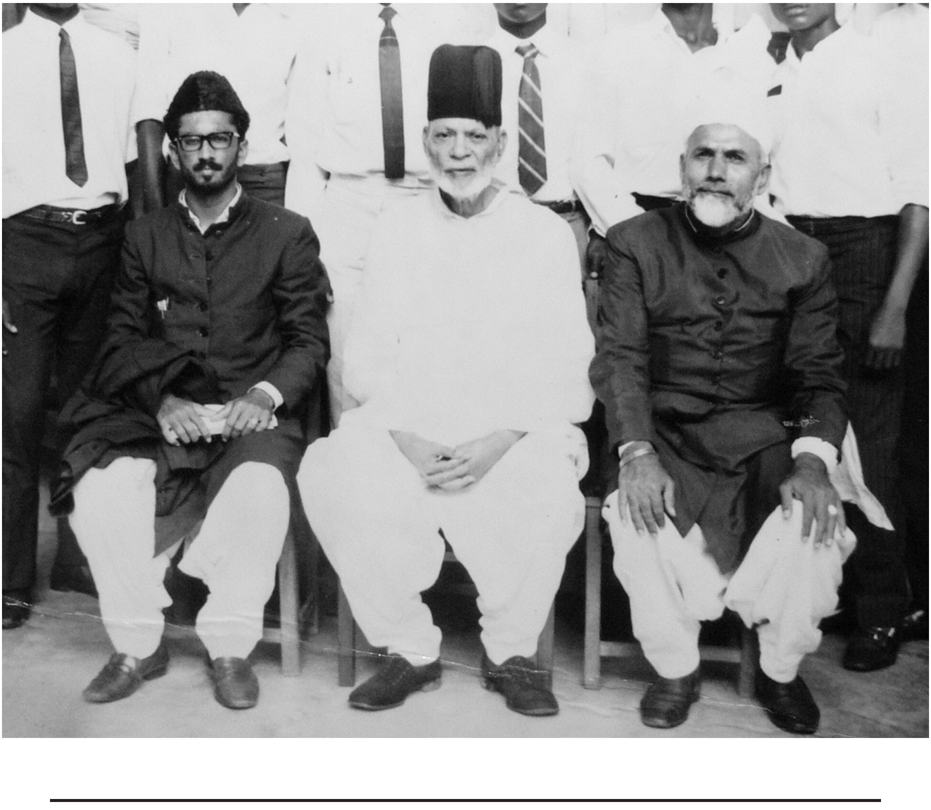

چوہدری صاحب کا سفر آخرت

چوہدری محمد ظفراللہ خاں

عبدالمنان ناہیدؔ

خُوب ہے تُو نے کیا اپنا سفر سوئے معاد
زندہ باد و زندہ باد و زندہ باد و زندہ باد
آج تجھ پر عالمِ انسانیت ہے نوحہ خواں
تو نے چھوڑے ہیں یہاں بے لوث خدمت کے نشان

گھُومتی ہے جب نظر برسوں کے صُبح و شام میں
دیکھتا ہُوں میں تجھے آئینۂ ایّام میں

سُن رہا ہوں میٹھی میٹھی تان تیرے ساز کی
گُونج ہے اطرافِ عالم میں تِری آواز کی

سُن رہا ہوں بزمِ کامن ویلتھ میں تیرا بیان
اور تیرا نعرۂ آزادئ ہندوستان

طرزِ استدلال تیری تیرا اندازِ بیاں
یاد کرتا ہے تجھے ایوانِ اقوامِ جہاں

سربراہ مجلسِ اقوامِ عالم! تُجھ سے ہوئی
آشنا یہ بزم بھی آیاتِ قرآں سے ہوئی

تیری قسمت میں تھی مسند عالمی انصاف کی
گویا حق گوئی کی تیری یہ بھی اک تصدیق تھی

ذکر سے تیرے مزیّن ہیں حرُوفِ آب زَر
عالم ِ اسلام کی تاریخ کے صفحات پَر

وارث شان و شوکت و عظمت شاہاں بھی تُو
انکساری میں غلامِ مہدیٔ ِ دوران بھی تُو

آنکھ میں آنسو ہیں دِل کا درد سے پیوند ہے
زندگی ناہیدؔ ماہ و سال کی پابند ہے

گو بظاہر موت کی نیند سوتے ہیں یہ لوگ
زِندہ و پائندہ و تابندہ ہوتے ہیں یہ لوگ

(لاہور 21؍ستمبر 1985ء صفحہ 13)

* * *

اُس کی یاد میں

راجہ غالب احمد

ٹُوٹ کے پیار کیا اُس سے اور تھک کر چُور ہوئے
جتنا اُس کے قُرب میں ڈوبے ، اُتنا دُور ہوئے
وہ تو اپنے نُور کی چادر تان کے سویا تھا
ہم نے دو باتیں کرنی تھیں ہم مجبور ہوئے
جانے والا یاد رہے گا یُوں تو ہزاروں سال
کیوں ہم نے اس سے کم سیکھا اب مہجور ہوئے
''سورج چاند'' کا رشتہ کیا ہے'' تارے'' جانتے تھے
دید اُمید سے ہم خالی شکوہ ضرور ہوئے
'' رات گزرنے والی ہے'' پیغام یہ تھا اُس کا
'' صبح کا تارا'' جانے لگا تو ہم رنجور ہوئے
اپنی ایک جھلک سے اُس نے کتنا کام کیا
اک عالم کی کایا پلٹی سب مشکور ہوئے
''عشق و وفا کے کھیت کبھی خوں سینچے بغیر نہیں پنپے''
عشق کے گیت گانے والے گو مشہور ہوئے

(ہفت روزہ لاہور 28 ستمبر 1985ء)

قرارداد تعزیت

لجنہ اماء اللہ لنڈن بروفات چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب

ہم ممبرات لجنہ اماء اللہ (لنڈن) حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں کی وفاتِ حسرتِ آیات پر نہایت رنج وغم کا اظہار کرتی ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

خدا تعالیٰ اُن کے مبارک وجود اور باصفا رُوح کو اپنی رحمتوں اور برکتوں سے مالا مال کرے اور جنت الفردوس میں نہایت اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ (آمین)

مکرم ومحترم چوہدری صاحب کا نام دُنیا اور احمدیت کی تاریخ میں کسی تعارف کا محتاج نہیں کس قدر خوش قسمت تھے وہ کہ نہ صرف اپنی زندگی کا مقصد پانے میں کامیاب ہوئے بلکہ دوسروں کے لئے بھی افادیت کا موجب ہوئے لاریب ایسے نافع الناس وجود بار بار پیدا نہیں ہوتے۔ حضرت چوہدری صاحب کا وجود اپنے اندر بہت سے نادر خواص رکھتا تھا۔ جو یکجا کسی اور وجود میں کم ہی ملیں گے۔ آپ جہاں اسلامی دُنیا کے جلیل القدر مجاہد تھے۔ ذہین اور طباع ڈپلومیٹ تھے۔ فصیح البیان مقرر اور قابلِ فخر بین الاقوامی شخصیت تھے۔ روحانی لحاظ سے بھی ایک اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے رفیق اور آپ کے چاروں نائبین کے جید ساتھی اور اُن پر دل و جان سے نثار۔ آپ کی ذات کا ایک ایک لمحہ دین کے لئے۔ قوم کے لئے اور ملت کے لئے وقف تھا اور یہ آپ کی زندگی کا نچوڑ ہے۔ آپ نے پاکستان کے قیام کے لئے قائداعظم کے ساتھ مل کر شانہ بشانہ کوشش کی۔ اور پھر سالہا سال تک اس کو مستحکم کرنے کی کوشش میں مصروف رہے دنیا نے اسلام کے مفاد اور یو۔ این۔ او کے صدر کی حیثیت سے اور پھر انٹرنیشنل جج کی حیثیت سے ساری دُنیا کی اقوام کے لئے ایسی بے لوث خدمات سرانجام دیں۔ جو رہتی دُنیا تک یاد رہیں گی۔

آج ہمارے دل اُس کی جدائی پر سوگوار ہیں اور آنکھیں پُرنم۔ مگر اس فانی دُنیا میں جو آیا

ہے۔ اُس کا جانا بھی مقدر رہے۔ ہم سب اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے قلب حزین کے ساتھ دُعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس نافع الناس وجود اور اُس کی رُوح کو اپنی برکتوں اور فضلوں سے نوازے اور جنت میں اپنے قرب میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ خصوصاً آپ کی پیاری بیٹی محترمہ امۃ الحئی صاحبہ کو جن کے لئے جدائی کا یہ صدمہ ناقابل برداشت حد تک مشکل ہوگا اسی طرح آپ کے داماد مکرم چوہدری حمید نصر اللہ صاحب کے لئے بھی ہم سب دُعا گو ہیں کہ خُدا اُنہیں تسکین قلب اور صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین (ممبرات لجنہ اماء اللہ لنڈن)

(ہفت روزہ لاہور 28 ستمبر 1985ء)

* * *

(انگریزی نظم کا آزاد اُردو ترجمہ)

(ہماری برطانوی نژاد احمدی بہن محترمہ سلمٰی مبارک صاحبہ بیگم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب آف یارک شائر انگلستان سے لاہور اور پھر ربوہ پہنچ کر لجنہ اماء اللہ انگلستان کی نمائندہ کی حیثیت سے حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ صاحب کے جنازہ میں شرکت کی سعادت سے بہرہ ہوئیں۔ انہوں نے جنازہ میں شرکت کے بعد 3 ستمبر 1985ء کو ایک انگریزی نظم میں اپنے جذبات محبت و عقیدت کا اظہار کیا۔ ان کی انگریزی نظم کا اُردو ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

میری زبان گنگ ہے، اُس پر نہ نالہ شیون ہے اور نہ آہ وبُکا
مگر شدّتِ غم کے زیر اثر آنکھوں سے ایک سیلِ اشک رواں ہے۔
وہ اب وہاں جا پہنچے ہیں جہاں جانے کے وہ متمنی تھے اور جس کے لئے وہ دعا گو رہتے تھے،
یعنی ابدالآباد میں اپنے خالق و مالک کے حضور
ان کی میّت پر پہلی نظر پڑی دیکھا وہ کتنے حسین نظر آرہے ہیں۔

بایں ہمہ جذبات غم کی شدّت نے میرا گلا پکڑا ہوا ہے۔

اُن کی وفات پانے کے بعد نظروں میں ان کی قدر و منزلت اور بھی بڑھ گئی ہے اور وہ کندن کی طرح دمک رہے ہیں۔

اُن کے گلابی رُخسار کتنے دلکش ہیں اور خود کتنے پیارے لگ رہے ہیں۔

کلمہ طیبہ بڑے فخر سے سینہ میں اب بھی آویزاں ہے

خدا کا یہ بندہ ہر امتحان میں پورا اترا ہے

کمرہ اُن کا برف کی سِلوں سے یخ بستہ ہے

سُرخ گلاب کی شاداب پتیاں ان کے وجود کی برکت سے اور بھی زیادہ شاداب نظر آ رہی ہیں،

اس ذاتی احساس کے زیر اثر کہ ان کی روح ابھی یہیں موجود ہے اور اِدھر اُدھر اُدھر سے اِدھر حرکت کر رہی ہے،

اس خوف کے زیر اثر کہ کہیں میری کوئی حرکت میرے محبّ کو ناگوار نہ گزرے،

میں اپنے خیالات اور جذبات کو مجتمع اور منضبط رکھنے پر مجبور ہوں،

اور سرتاپا دعا بنی ہوئی ہوں کیونکہ ایسے موقعوں کے لئے یہی تو تعلیم دی گئی ہے،

بڑی ہی حسین اور پیاری یادیں رہ رہ کر اُفقِ ذہن پر اُبھر رہی ہیں،

یعنی یہ کہ وہ ملاقات کرنے والوں سے کیسی باتیں کیا کرتے تھے،

کس طرح باتوں میں لاجواب کر دیا کرتے تھے اور پھر خود ہی حوصلہ افزائی کرتے تھے،

وہ باتیں کرتے تھے اور اپنے مرحوم والد بزرگوار اور بھائی کی،

اور علی الخصوص اپنی والدہ مرحومہ سے اگلے جہان میں متوقع ملاقات کی جس کے انتظار میں وہ عرصہ دراز سے گن گن کر دن گزار رہے تھے۔

سالہا سال سے وہ مجھے اپنی وفات کا صدمہ برداشت کرنے کے لئے تیار کر رہے تھے، اور اُنہوں نے مجھے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ وہ توقع رکھتے ہیں کہ اگلے جہان میں اُن کے لئے دائمی خوشی مقدر ہے،

باوجود اس کے گھنٹوں ان سے اس موضوع پر باتیں ہوئی تھیں،
پھر بھی میں نہیں چاہتی کہ مَیں یہ دن دیکھوں،
مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ ان کا انجام بخیر ہوا اور انہوں نے اپنی مراد کو پالیا،
لیکن وہ دَور پورا ہونے کے بعد ہم پیچھے رہ گئے ہیں،
لیکن سب نے ہی محسوس کیا کہ جو روشنی ان کے دم سے وابستہ تھی وہ اب مدھم پڑ گئ ہے،
لیکن جہاں تک ان کی اپنی ذات کا تعلق ہے جنت کی دائمی خوشیاں ان کے لئے مقدر ہیں،
جُدائی کی گھڑی ہمیشہ ہی بھاری ہوتی ہے لیکن جُدائی کی یہ گھڑی تو بہت ہی بوجھل ہے۔
مجھے دل گرفتہ خیالات کو دل سے جھڑک دینا چاہیے اور خوش ہونا چاہیے،
بُھلا دینا چاہئے مجھے اپنے ذاتی دُکھ اور صدمہ کو کیونکہ
میرے خدا نے مجھے استفادہ کا خوب موقعہ دیا، مجھے گلہ شکوہ زیب نہیں دیتا۔
اٹھارہ سال سے مجھے ان کے ساتھ تعلقِ خاطر تھا
محض اسلئے کہ وہ وفات پا گئے ہیں یہ تعلق ختم نہیں ہوسکتا،
محبت اور دعائیں کبھی ختم نہیں ہوا کرتیں ان کا سلسلہ چلتا چلا جاتا ہے
اُس بیش بہا خزانہ کی طرح جو سدا بڑھتا چلا جاتا ہے
مجھے جنازہ کے لئے موٹر کار میں پولو گراؤنڈ میں لے جایا گیا،
مَیں کار میں بیٹھی رہی کیونکہ وہاں خواتین نہیں تھیں،
لوگ بہت بڑی تعداد میں وہاں جمع تھے جن میں خاموشی طاری تھی نماز جنازہ ادا کی گئ اور ہم

وہاں سے روانہ ہو گئے

انکا تابوت ہمارے پیچھے تھا اور ہم ٹریفک میں سے گزرتے ہوئے اپنا رستہ بنا رہے ہیں، راستہ بھر پولیس کا ایک دستہ تابوت کے آگے چلتا رہا، دن کی گرمی میں ہم ربوہ جا پہنچے، اس طرح ربوہ کی جانب ان کا آخری سفر اختتام کو پہنچا، یہ میری خوش نصیبی ہے کہ مجھے اس موقع پر یہاں آنے کی سعادت حاصل ہوئی، تا کہ مَیں ان کے سفر آخرت کے آخری منازل میں شریک ہوسکوں جو بہت خیر و خوبی سے ہوئے۔

مَیں نے دیکھا کہ قطاروں میں کھڑے ہوئے بے شمار لوگ اُنہیں سلام اور الوداع کہنے آئے ہوئے ہیں، اُن سے لوگوں کو کس قدر محبت ہے یہ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں بلکہ بہت آسان ہے کیونکہ انسانوں کے اجتماعِ عظیم سے یہ از خود عیاں ہے۔

سات بجے شام کے وقت نماز جنازہ ادا کی گئی۔

مَیں چہرہ پر نقاب ڈالے کار میں بیٹھی رہی۔

اسکے بعد انسانوں کے جمِّ غفیر کے ہمراہ جنازہ بہشتی مقبرہ میں روانہ ہوا۔

یہ خاموش گواہی اُس محبت کو آشکار کر رہی ہے جو لوگوں کے دلوں میں اُن کے لئے جاگزیں ہے۔

بہشتی مقبرہ میں رات ہو جاتی ہے۔ وہاں انسانوں کا ایک سیلاب آیا ہوا ہے۔ خاموشی کے عالم میں جنازہ انسانوں کے اس سیلاب میں سے گزرتا ہوا اپنی منزل پر پہنچتا ہے عقل حیران ہے کہ یہ حقیقت ہے یا خواب

یہ کیسی خوش نصیبی ہے ان کے جسدِ خاکی کو چار دیواری کے اندر دفنایا جاتا ہے

وفات یافتہ ائمہ سلسلہ اور صحابہ کے پہلو میں۔

قبر پر اینٹیں نصب کرنے اور بڑی صفائی سے اُنہیں مربوط کرنے کی ساری کارروائی میں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتی ہوں۔

کنکریٹ کی تہہ جمائی جاتی ہے اور اُس پر پلاسٹک کی بڑی چادر بچھائی جاتی ہے۔

بعض پرانے صحابہ اپنے ہاتھوں سے قبر کو مٹی دیتے ہیں۔

پھر جلد ہی مٹی کے ایک بڑی ڈھیر کی شکل میں قبر تیار ہوئی۔ ہم سب نے خاموشی سے قبر پر دعا کی اور لوگوں کا جمِّ غفیر چھٹنا شروع ہوا۔

ان کے افرادِ خاندان میری خاطر مدارات میں مصروف ہو گئے وہ سارا ہی دن میری دیکھ بھال میں لگے رہے تھے۔

مَیں مہمان خانہ میں واپس لوٹی اور بارے مجھے وہاں تنہائی نصیب ہوئی

اپنے آپ کو اکیلا پا کر مَیں سسکیاں پا کر رونے لگی

اسی حال میں تین دن گزر گئے۔

ان کی روح اب مادی جسم کی جکڑ بندی سے آزاد ہو چکی ہے۔

میری آنکھوں سے آنسو اب بھی بہتے ہیں اور بہتے چلے جاتے ہیں لیکن انجام بخیر پر دل بالآخر تسلی پا جاتا ہے۔

اے پیارے وجود تیری جُدائی شاق گزرتی ہے۔ اور آئندہ بھی گزرے گی مَیں پہلے کی طرح اب بھی تجھ سے محبت رکھتی ہوں۔

مَیں تیرے لئے دعا کرتی رہوں گی۔ اور اگلے جہان میں تجھ سے آملوں گی۔

(رسالہ خالد دسمبر 1985ء جنوری 1986ء صفحہ 114)

ملکی وغیر ملکی اخبارت میں

چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی وفات کی خبریں

حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب کا مقام و مرتبہ جہاں جماعت احمدیہ میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عظیم الشان صحابی ہونے کی وجہ سے بہت بلند و بالا تھا وہاں آپ کا ملکی خدمات اور بنی نوع انسان کے لئے کئے گئے کاموں کی وجہ سے بیسویں صدی کی اہم شخصیات میں ایک نمایاں مقام ہے۔ ہندو و پاک کی تاریخ آپ کے تذکرہ کے بغیر ادھوری ہے۔ انصاف پسند مؤرخین کو آج نہیں تو کل اس بات کا اقرار کرنا پڑے گا کہ آپ نے بنی نوع انسان اور خصوصاً عالم اسلام کے لئے نمایاں خدمات سرانجام دیں۔

آپ کی وفات کے بعد ساری دنیا کے اخبارات اور سرکردہ ہستیوں کے طرف سے پیغام تعزیت موصول ہوئے۔ ان تمام اخبارات کے مضامین اور خبروں کو جمع کرنے سے اپنی ذات میں ایک مستقل کتاب بن جائے گی۔ لہذا ایک دو اخبارات کے اداریہ اور خبریں شامل کر کے باقی کی سرخیاں شامل کتاب کی جارہی ہیں۔

اخبار نوائے وقت

چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب کی وفات پر

اخبار نوائے وقت کا اداریہ

”سر محمد ظفر اللہ خان طویل علالت کے بعد 93 برس کی عمر میں وفات پا گئے ہیں اور انہیں آج ربوہ میں سپردِ خاک کر دیا جائے گا۔ قطع نظر اس بات کے کہ اُن کا تعلق قادیانی جماعت سے تھا اپنی

طویل زندگی میں اُن کی ترقی و عروج اور خدمات و کارکردگی کے اظہار و اعتراف میں تامّل و بخل سے کام لینا مناسب نہیں ہوگا۔ انگریزوں کے زمانہ میں وہ پنجاب اسمبلی، وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل اور وفاقی عدالت کے رکن رہے اور قیامِ پاکستان کے بعد قریباً سات برس تک وزیرِ خارجہ رہے۔ اور اس دوران میں انہوں نے اقوامِ متحدہ میں بھی پاکستان کے مندوبِ اعلیٰ کے طور پر فرائض ادا کئے۔ وہاں جنرل اسمبلی کی صدارت کا اعزاز بھی حاصل کیا۔ انہوں نے مسئلہ کشمیر کے علاوہ فلسطین اور کئی عرب ملکوں (مراکش، تیونس، لیبیا وغیرہ) کے حق آزادی و خودمختاری کی وکالت میں پاکستان کا نقطہء نظر جس انداز میں پیش کیا اُسے عرب ملکوں میں اب تک سراہا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صدرِ محترم کے علاوہ سعودی سفیر بھی اُن کی عیادت کے لئے گئے تھے۔ وزارتِ خارجہ کی سربراہی سے سبکدوش ہونے کے بعد وہ عالمی عدالتِ انصاف کے رکن بن گئے اور دوسری میعاد کے لئے منتخب ہونے کے بعد اُس کے صدر بھی رہے۔ اس دوران میں وہ اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کے صدر بھی منتخب ہوئے۔ قادیانی ہونے کی نسبت سے پاکستان میں اُن کے خلاف اعتراض و احتجاج کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا لیکن قاعداعظم اور پھر لیاقت علی خاں مرحوم نے انہیں بہت اہم ذمہ داریاں سپرد کیں۔۔۔۔ 1953ء کی اینٹی قادیانی تحریک سے قبل اسلامیانِ ہند کے قومی معاملات میں سر آغا خان کی طرح، سر محمد ظفر اللہ خاں کا حصہ و کردار بھی بہت نمایاں رہا تھا۔ 1930ء میں وہ مسلم لیگ کے صدر بھی بنائے گئے تھے اور 1931ء میں اور بعد کی گول میز کانفرنسوں میں وہ علامہ اقبال، قائداعظم اور دوسرے اکابر کے ساتھ مسلمانوں کے نمائندے کے طور پر شامل ہوتے رہے۔“ (اداریہ نوائے وقت 3 ستمبر 1985ء)

اخبار مشرق

پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ عالمی عدالت کے جج محمد ظفر اللہ خان انتقال کر گئے۔

ملک ممتاز شہری سے محروم ہو گیا۔ صدر ضیاء الحق

راولپنڈی یکم ستمبر (اپ پ) صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے چوہدری محمد ظفر اللہ خاں کی وفات پر تعزیت کا اظہار کیا ہے۔ چوہدری محمد سر ظفر اللہ خاں کی بیٹی کے نام اپنے پیغام میں صدر نے کہا ’’ آپ کے والد کی وفات کی خبر سن کر مجھے دلی رنج ہوا ہے، وہ ایک پرانے اور ممتاز سیاستدان تھے انہوں نے ایک وکیل کی حیثیت سے شہرت کی بلندیوں پر قدم رکھا اور اپنی قانونی مہارت کی وجہ سے بھی پہچانے جاتے تھے۔ آزادی سے قبل انہوں نے پہلی گول میز کانفرنس میں شرکت کی وہ وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے رُکن اور فیڈرل کورٹ آف انڈیا کے جج تھے۔ پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ کی حیثیت سے انہوں نے اقوامِ متحدہ اور متعدد بین الاقوامی کانفرنسوں میں انتہائی کامیابی سے ملک کی نمائندگی کی، انہیں اقوامِ متحدہ کے اجلاسوں میں اہم کردار ادا کرنے پر اس طرح خراجِ تحسین پیش کیا گیا تھا کہ انہیں جنرل اسمبلی کے صدر کی حیثیت منتخب کیا گیا تھا۔ اُن کی وفات سے ملک ایک ممتاز شہری سے محروم ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور دیگر اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

وزیر اعظم محمد خان جونیجو نے چوہدری محمد ظفر اللہ خان کی وفات پر تعزیت کا اظہار کیا ہے۔ اُن کی بیٹی کے نام اپنے پیغام میں وزیر اعظم نے کہا، آپ کے والد کی وفات کی خبر سن کر مجھے انتہائی افسوس ہوا، وہ ایک مشہور قانون دان تھے قیام پاکستان سے قبل وہ اہم عہدوں پر فائز رہے اور قیام

پاکستان کے بعد وہ پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ کی حیثیت سے 7 سال تک پاکستان کی خدمت کی اور مسئلہ کشمیر کے سلسلہ میں اہم کردار ادا کیا۔

ربوہ میں سپردِ خاک کیا جائے گا

لاہور یکم ستمبر (پ پ ا) پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ سر محمد ظفر اللہ خان آج صبح انتقال کر گئے ان کی عمر 93 سال تھی انتقال کے وقت وہ اپنی بیٹی اور داماد حمید نصر اللہ خان کے گھر واقع لاہور کینٹ میں مقیم تھے چوہدری ظفر اللہ خان 6 فروری 1893ء کو ڈسکہ ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے، 1911ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے پاس کیا 37۔1936ء تک پنجاب اسمبلی کے رکن رہے۔ 41۔1935ء، تک گورنر جنرلز ایگزیکٹیو بھارت کے رکن رہے۔ 47۔1941ء، تک بھارتی فیڈرل کورٹ کے جج رہے چوہدری ظفر اللہ خان کو یہ اعزاز حاصل تھا کہ 54۔ 1947ء، تک قائداعظم نے ذاتی طور پر انہیں پاکستان کا پہلا وزیر خارجہ نامزد کیا 1954ء سے 1961ء تک انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس کے جج رہے اور 1958ء سے 1961ء تک اسی عدالت کے نائب صدر اور 1973۔1970ء تک صدر رہے وہ اقوام متحدہ میں پاکستان کے خصوصی نمائندہ رہے اور 63۔1962ء کے اجلاس کے دوران جنرل اسمبلی کے صدر رہے۔ ان کا شمار آل انڈیا مسلم لیگ کے بانیوں میں ہے۔ 1930ء میں وہ مسلم لیگ کے صدر رہے انہوں نے 18 کتابیں تحریر کیں جو زیادہ تر انگلستان اور امریکہ میں شائع ہوئیں۔ وہ احمدی جماعت کے اہم رکن تھے ان کا شمار احمدیہ فرقہ کے بانیوں میں ہوتا تھا۔

چوہدری ظفر اللہ خان نے پسماندگان میں ایک بیٹی اور بھتیجا داماد چوہدری حمید نصر اللہ خان چھوڑے ہیں جو لاہور میں احمدیہ جماعت کے سربراہ ہیں ان کی نماز جنازہ صبح 9 بجے 93 خورشید عالم روڈ لاہور کینٹ میں پڑھائی جائے گی جب کہ دوپہر کو ان کا جنازہ ربوہ لے جایا جائے گا جہاں ان کی تدفین ہوگی۔ (بحوالہ مشرق 2 ستمبر 1985ء صفحہ 1)

روزنامہ امن کراچی

وزیر خارجہ ظفر اللہ خاں انتقال کر گئے

کراچی سے مکرم افضل صدیقی زیر اہتمام جرنلسٹ پبلی کیشنز لمٹیڈ ۔ ایڈیٹر پبلشر کے زیر اہتمام روزنامہ امن کراچی شائع ہوتا تھا۔ حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کی وفات پر اخبار مذکور نے تحریر کیا کہ

لاہور یکم ستمبر (پ پ ا) ممتاز قانون دان اور پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ چوہدری سر ظفر اللہ خاں آج صبح انتقال کر گئے ۔ وہ طویل عرصے سے علیل چلے آ رہے تھے ان کا انتقال آج صبح 8 بج کر 45 منٹ پر اپنی بیٹی مسز حمید نصر اللہ خاں کی رہائش گاہ پر ہوا چوہدری ظفر اللہ خاں کو منگل 3 ستمبر کی دوپہر ربوہ میں سپردِ خاک کیا جائے گا۔ چوہدری ظفر اللہ خان جن کی عمر 93 سال تھی 6 فروری 1893ء کو ڈسکہ ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے تھے انہوں نے 18 سال کی عمر میں گورنمنٹ کالج لاہور سے 1911ء میں گریجوئیشن اور 1914ء میں لنکن ان سے بیرسٹر ایٹ لاء کی ڈگری حاصل کی وہ 1926ء سے 1935ء تک پنجاب کی قانون ساز کونسل اور بعد مین 1935ء سے 1941ء تک ہندوستان کے گورنر جنرل کی انتظامی کونسل کے رکن رہے۔ 1941ء میں انہیں ہندوستان کی وفاقی عدالت کا سینئر جج مقرر کیا گیا، 1947ء تک وہ اس عہدے پر خدمات انجام دیتے رہے۔ قیام پاکستان کے بعد بانئ قوم قائداعظم محمد علی جناح نے سر ظفر اللہ کو پاکستان کا پہلا وزیر خارجہ مقرر کیا، 1954ء تک وہ اس حیثیت میں ملک کی خدمت کرتے رہے ۔ وہ 1954ء سے 1973ء تک مختلف حیثیتون میں عالمی عدالت انصاف سے منسلک رہے سر ظفر اللہ 1954ء میں عالمی عدالت انصاف کے جج منتخب ہوئے 1958ء سے 1961ء تک عالمی عدالت کے نائب صدر اور پھر 1970ء سے 1973ء تک صدر بھی رہے وہ اقوامِ متحدہ میں

پاکستان کے مندوب اعلیٰ بھی رہے اور انہوں نے 63-1962ء میں اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کا صدر منتخب ہو کر ملک کے لئے امتیاز حاصل کیا وہ پہلے شخص تھے جنہیں اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی اور عالمی عدالت انصاف کا صدر بننے کا اعزاز حاصل ہوا چوہدری ظفر اللہ خان آل انڈیا مسلم لیگ کے بانیوں میں سے ایک تھے وہ 1930ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر بھی رہ چکے تھے وہ 1925ء سے 1947ء تک 2 قائداعظم، قائد ملت لیاقت علی خان اور دوسرے مسلم لیگی رہنماؤں کے قریبی رفیق رہے یہ برصغیر کی تاریخ کا وہ اہم دور ہے جس میں مسلمانوں نے قیام پاکستان کی جدوجہد کی 1947ء میں قائداعظم نے اقوامِ متحدہ میں فلسطینی قضیہ کی حمایت کے لئے چوہدری ظفر اللہ خان کو خصوصی طور پر پاکستان کی نمائندگی کا فریضہ سونپا تھا عربوں نے ان کی کوششوں کو زبردست سراہا تھا اور ان کی خدمات کے اعتراف میں اُردن کے شاہ حسین نے سر ظفر اللہ کو اردن کا اعلیٰ ترین سول اعزاز ستارہ اردن عطا کیا تھا۔ تیونس، الجزائر۔ لیبیا اور شام نے بھی انہیں اپنے اعلیٰ ترین سول اعزازات دیئے تھے۔ افریقہ اور مشرقِ وسطیٰ کے ممالک کی آزادی کے لئے چوہدری ظفر اللہ کی کوششوں کو بین الاقوامی سفارتی حلقوں میں انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ وہ سیاست بین الاقوامی قانون اور مذہب سمیت مختلف موضوعات پر متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ انہوں نے انگریزی اردو میں اپنی سوانح عمری بھی تحریر کی انہوں نے قرآن پاک کا انگریزی میں ترجمہ بھی کیا تھا چوہدری ظفر اللہ خان احمدیہ برادری کے ایک ممتاز رکن اور احمدیہ برادری کے بانی کے قریبی ساتھیوں میں سے ایک تھے چوہدری ظفر اللہ خان کی وفات سے ملک کے اندر اور باہر لوگوں کے ایک بہت بڑے حلقے میں شدید رنج وغم کی لہر دوڑ گئی ہے۔ مرحوم نے اپنے پیچھے ایک بیٹی بیگم چوہدری حمید نصر اللہ خان کو سوگوار چھوڑا ہے جن کی شادی مرحوم کے بھتیجے چوہدری حمید نصر اللہ خان سے ہوئی جو لاہور مین احمدیہ برادری کے سربراہ بھی ہیں۔ چوہدری ظفر اللہ کی نماز جنازہ منگل 3؍ستمبر کو صبح نو بجے 93۔ خورشید عالم روڈ لاہور کینٹ میں ادا کی جائے گی اور انہیں اسی روز دوپہر ربوہ میں سپردِ خاک کیا جائے گا۔

ظفر اللہ خان کو صدر کا خراجِ عقیدت

راولپنڈی یکم ستمبر (اپ پ) صدر جنرل ضیاء الحق نے چوہدری محمد ظفر اللہ خاں کے انتقال پر انکی بیٹی کے نام اپنے تعزیتی پیغام میں کہا ہے کہ مجھے آپ کے والد کے انتقال کی خبر سن کر دلی صدمہ ہوا۔ صدر نے ان کی قومی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ سر ظفر اللہ خاں نے پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ کی حیثیت سے کئی بین الاقوامی کانفرنسوں اور اقوامِ متحدہ میں پاکستان کی نہایت مؤثر طور پر نمائندگی کی انکے انتقال سے ملک ایک ممتاز شہری سے محروم ہو گیا ہے۔ اللہ انہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور سوگوار اراکین خاندان کو یہ نقصان برداشت کرنے کی ہمت و توفیق دے۔ وزیر اعظم محمد خان جونیجو نے چوہدری محمد ظفر اللہ کی صاحبزادی کے نام ایک تعزیتی پیغام میں کہا ہے کہ مجھے آپ کے والد کے انتقال کی خبر سن کر شدید صدمہ ہوا وہ ایک ممتاز قانون دان تھے۔ قیام پاکستان سے قبل وہ کئی اہم عہدوں پر فائز رہے۔ آزادی کے بعد انہوں نے پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ کی حیثیت سے سات سال تک خدمات انجام دیں اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کے صدر اور عالمی عدالت انصاف کے صدر کے عہدوں پر ان کا انتخاب ان کی صلاحیتوں کا عالمی سطح پر اعتراف تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے اور سوگوار خاندان کو صدمہ برداشت کرنے کا حوصلہ دے۔ گورنر پنجاب لیفٹیننٹ جنرل غلام جیلانی خان نے بھی چوہدری ظفر اللہ کی صاحبزادی کو ایک تعزیتی پیغام بھیجا ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ چوہدری ظفر اللہ خاں کی موت سے ملک دنیا بھر میں مشہور ایک قانون دان اور سفارتکار سے محروم ہو گیا۔ وہ مسلم لیگ کے بانی ارکان میں سے ایک تھے اور مسلم لیگ کے صدر بھی رہے۔ انہوں نے آزادی کے لئے جدوجہد کی۔ اپوا کی بانی صدر بیگم رعنا لیاقت علی خان نے بھی سر ظفر اللہ خان کے انتقال پر تعزیت کا اظہار کیا ہے ایک تعزیتی پیغام میں انہوں نے کہا کہ مرحوم عظیم صلاحیتوں کے مالک تھے۔ جنہوں نے پاکستان کی خدمت کے لئے استعمال کیا۔ ان کی موت پاکستان کے لئے

ناقابلِ تلافی نقصان ہے انہیں پاکستان کی تاریخ میں ہمیشہ باعزت مقام حاصل رہے گا فیڈریشن آف بزنس اینڈ پروفیشنل ویمن کی صدر بیگم سلمہٰ احمد نے کہا ہے کہ سر ظفر اللہ خاں پاکستان کے ایک عظیم فرزند تھے عالمی نظام قانون اور انصاف کے لئے ان کی خدمات نمایاں مقام رکھتی ہیں۔ ان کی موت دُنیا کا ایک عظیم نقصان ہے۔‘‘

(بحوالہ روزنامہ امن کراچی 2 ستمبر 1985ء)

* * *

تعزیتی برقیہ

وفاقی وزیر میر ظفر اللہ خاں جمالی کا چوہدری محمد ظفر اللہ خاں کی وفات پر تعزیتی برقیہ

x1550 SC 35 ISLAMABAD SECTT2 95/88

MR. SAQIB SEERVI D+EDITOR LAHORE WEEKLY 113-B
BELVANT MANSION ROAD LAHORE

DEEPLY GRIEVED TO LEARN SAD DEMISE OF CH. SIR MOHAMMAD ZAFARULLAH KHAN (.) HE WAS AN EMINENT JURIST(.) KINDLY ACCEPT HEARTFELT SYMPATHIES AND CONDOLENCE IN THIS HOUR OF BEREAVEMENT (.) HIS SERVICES AS FOREIGN MINISTER OF PAKISTAN CAN NEVER BE FORGTTON AND HIS INTERNATIONAL STATURE WOULD ALWAYS BE REMEMBERED IN HIGHEST ESTEEM(.) MAY HIS SOUL REST IN ETERNAL PEACE AND GIVE YOU COURAGE TO BEAR THIS LOSS.

ZAFARULLLAH JAMALI.
POWER

ترجمہ: چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں کی وفات کا سُن کر گہرا رنج اور افسوس ہوا۔ موصوف ایک ممتاز قانون دان تھے۔ براہِ کرم اس سوگوار موقع پر میری طرف سے دلی ہمدردی اور تعزیت قبول فرمائیے۔ اُن کی پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ کی حیثیت سے خدمات کبھی فراموش نہیں کی جاسکتیں

اور اُن کے بین الاقوامی مقام و مرتبہ کو ہمیشہ عزت و وقار کے ساتھ یاد کیا جاتا رہے گا۔

اللہ اُن کی روح کو دائمی سکون عطا فرمائے اور آپ کو اس صدمہ کو برداشت کرنے کا حوصلہ۔ اور ہمت عطا فرمائے۔ ظفر اللہ خاں جمالی (وزیر برق و آب)

(بحوالہ لاہور 14/ستمبر 1985ء صفحہ 4)

اخبارات کی سرخیاں

(1) پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ چوہدری ظفر اللہ انتقال کر گئے۔’’ روزنامہ جنگ کراچی (پیر 16/ذی الحجہ 1405ھ، 2/دسمبر 1985ء)

◆

(3) پاکستان کے پہلے وزیرِ خارجہ چوہدری ظفر اللہ کا انتقال ہو گیا۔ وہ قادیانیوں کے اہم راہنما تھے۔

(روزنامہ جسارت کراچی 2/ستمبر 1985ء صفحہ 10 بحوالہ لاہور 30/نومبر 1985ء صفحہ 13)

(4) چوہدری ظفر اللہ خاں کا طویل علالت کے بعد انتقال ہو گیا۔

(روزنامہ معراج کراچی بحوالہ لاہور 26/اکتوبر 1985ء صفحہ 7)

◆

(5) گرے سوٹ ساتھ چھوڑ گیا۔ تحریر سید افضل حیدر

(روزنامہ معراج کراچی 3/ستمبر 1985ء صفحہ 14)

◆

(6) ظفر اللہ خان کو ربوہ کے بہشتی مقبرہ میں سپردِ خاک کیا جائے گا

گورنر سندھ، وفاقی محتسب اور سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کی طرف سے خراج عقیدت

(روزنامہ امن کراچی مورخہ 3 ستمبر 1985ء صفحہ 16)

سر ظفر اللہ کے انتقال سے پاکستان ایک ممتاز شہری سے محروم ہو گیا۔

(روزنامہ انقلاب کراچی بروز منگل مؤرخہ 3/ستمبر 1985ء صفحہ 18)

سر ظفر اللہ کی خدمات یادرکھی جائیں گی۔ چیف جسٹس حلیم، گورنر جہانداد اور فخر امام کی تعزیت

(روزنامہ کراچی 3/ستمبر 1985ء صفحہ 19)

❋

تمہاری بات نہیں بات ہے زمانے کی جمعہ خاں کے قلم سے

مرحوم ظفر اللہ مسلم لیگ کے بانیوں میں تھے اور صدر بھی رہے ان کا ایک بڑا کارنامہ یہ تھا کہ قرآن مجید کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ ظفر اللہ خان کو مرزا بشیر محمود (صاحب) کے پہلو میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔

(روزمانہ امن کراچی مورخہ 4 ستمبر 1985ء صفحہ 4)

ظفر اللہ خان کا سوگ اقوامِ متحدہ کا پرچم سرنگوں رہا

(بحوالہ روزنامہ امن کراچی 5 ستمبر 1985ء صفحہ 27)

❋

ظفر اللہ خاں بھی پاکستان کے معمار تھے۔ حنیف رامے

(روزنامہ جنگ لاہور 4/ستمبر 1985ء صفحہ 26)

بیگم طلعت منیر کا اظہار تعزیت

(روزنامہ نوائے وقت کراچی منگل 3/ستمبر 1985ء صفحہ 15)

❋❋❋

ختم شد

حضرت مصلح موعودؓ - چوہدری سر ظفراللہ خان صاحب

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ - چوہدری سر ظفراللہ خان صاحب

چوہدری سرظفراللہ خان صاحب - مولانا بی اے رفیق صاحب امام مسجد فضل لندن - چوہدری حمید نصراللہ صاحب امیر ضلع لاہور

چوہدری سرظفراللہ خان صاحب اور مولانا جلال الدین شمس صاحب فلسطین میں احباب جماعت کے ساتھ

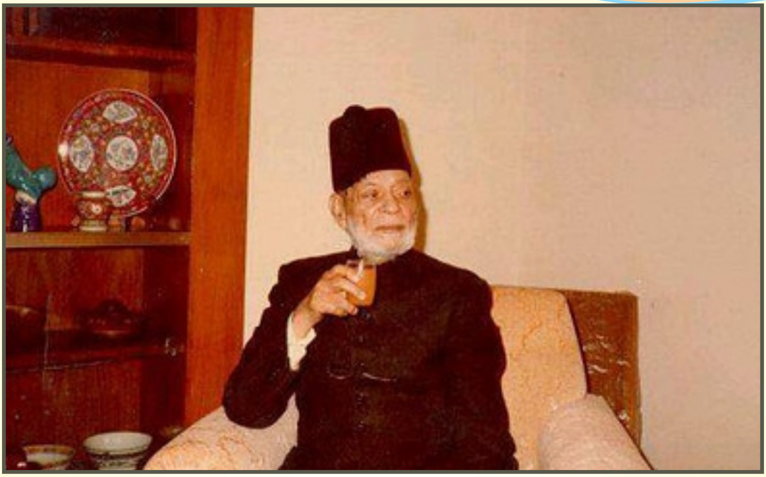

حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ

صدر کنیڈی کے ساتھ چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب

اقوام متحدہ

اقوام متحدہ میں تقریر کرتے ہوئے

شاہ فیصل کے ساتھ چوہدری سرظفراللہ خان صاحب

شاہ فیصل آف سعودی عرب کے ساتھ چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب

والئی اردن شاہ حسین کے ساتھ چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب

اقوام متحدہ میں تقریر کرتے ہوئے

حضرت مرزا طاہر احمد صاحبؒ کے ساتھ چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب

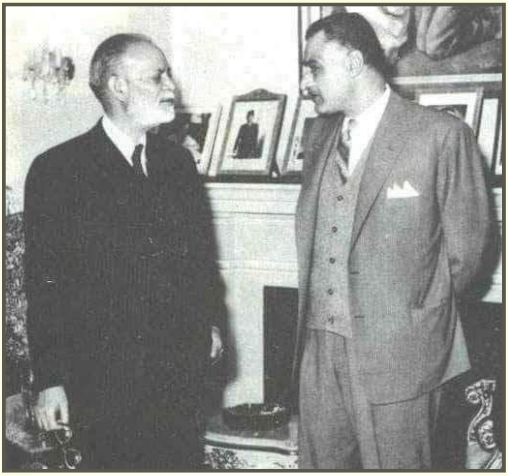

جمال عبدالناصر آف مصر کے ساتھ چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب

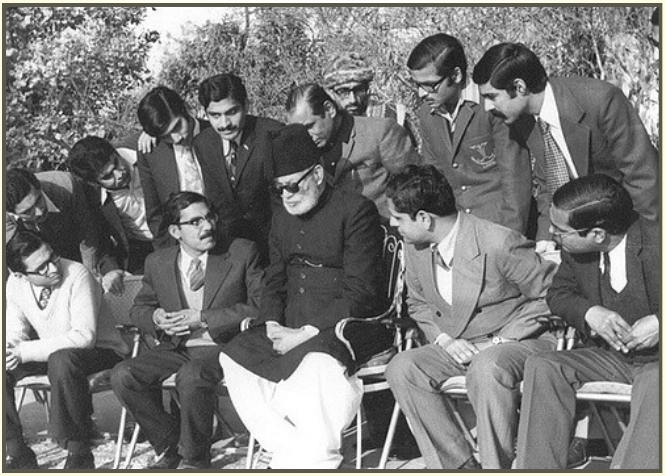

طلباء کے ساتھ چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب

پہلا جلسہ سالانہ ۱۹۶۴ یو کے۔ مولانا بی اے رفیق صاحب اور چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب

جامعہ احمدیہ ربوہ کے احباب واساتذہ کے ساتھ

مراکش کے صدر کے ساتھ

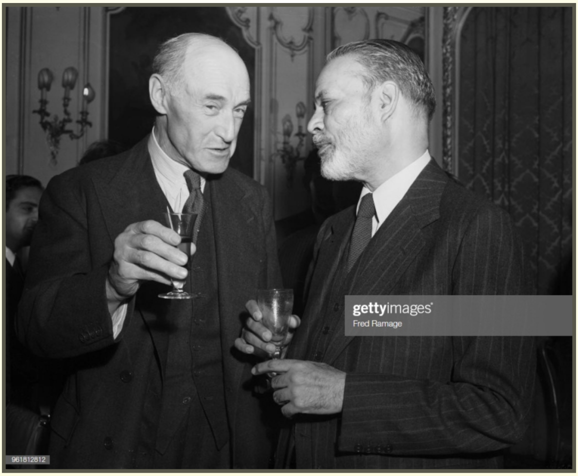
gettyimages
Fred Ramage
961812812

ممبر جنرل اسمبلی کے ساتھ محو گفتگو

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ اور سینئر احباب کے ساتھ

حضرت چوہدری سر محمد ظفراللہ خان صاحب ؓ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ؒ کے ہمراہ

حضرت چوہدری صاحب ؓ کی روانگی برائے پاکستان۔19 نومبر 1983ء

ہیتھروائیر پورٹ پر عطاء المجیب صاحب راشد امام مسجد فضل لندن معانقہ کرتے ہوئے

حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ

حضرت خلیفة المسیح الثالثؒ کے ہمراہ

حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ

کھڑے: ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب۔ مولانا عطاء المجیب راشد صاحب۔ مولانا بشیر احمد رفیق صاحب۔ سفیر گیمبیا
چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب۔ مکرم عبدالوہاب آدم صاحب۔ (درمیان میں) مکرم شیخ رحمت اللہ صاحب آف کراچی

Sir Chaudhry Zafarullah Khan Sahib
Pakistan's First Foreign Minister

حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ

حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب ؓ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ؒ اور امام بشیر رفیق صاحب کے ہمراہ

حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب ؓ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ؒ کے ہمراہ

حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب ؓ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ؒ اور امام بشیر رفیق صاحب کے ہمراہ

حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب ؓ

حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ

صدر کنیڈی امریکہ کے ساتھ

حضرت مصلح موعودؓ اور صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب کے ساتھ

حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے ہمراہ

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ ۔ چوہدری صاحب اور احباب کے ساتھ

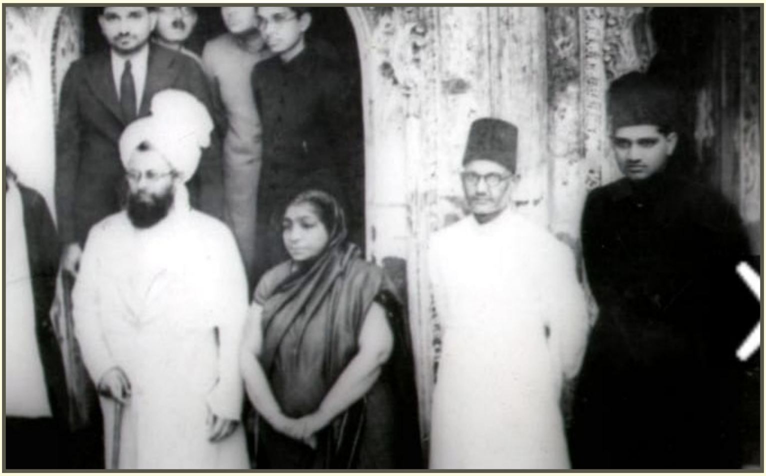

مشہور انڈین لیڈر مس سروجنی نائیڈو صاحبہ کے ساتھ

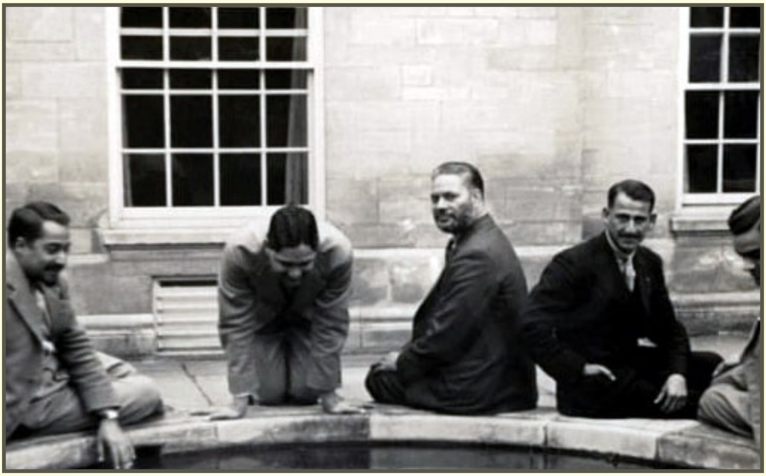

جناب ایم ایم احمد صاحب ۱۹۳۵ میں زمانہ طالب علمی میں لندن میں

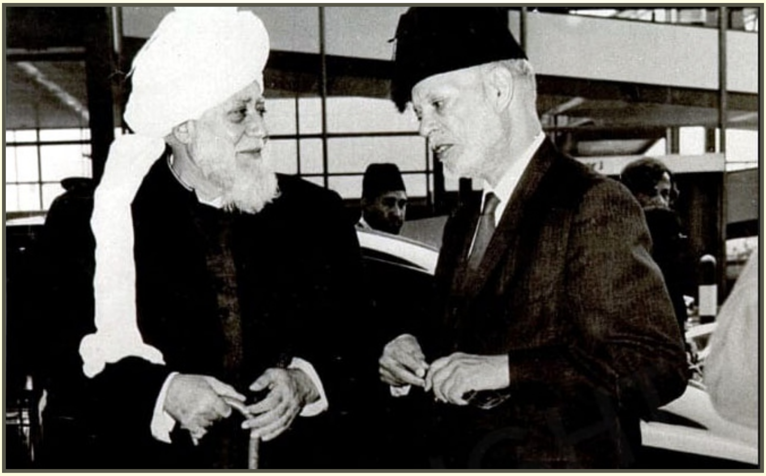

چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب اور مرزا ناصر احمد صاحب

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے ساتھ لندن میں

حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے ہمراہ

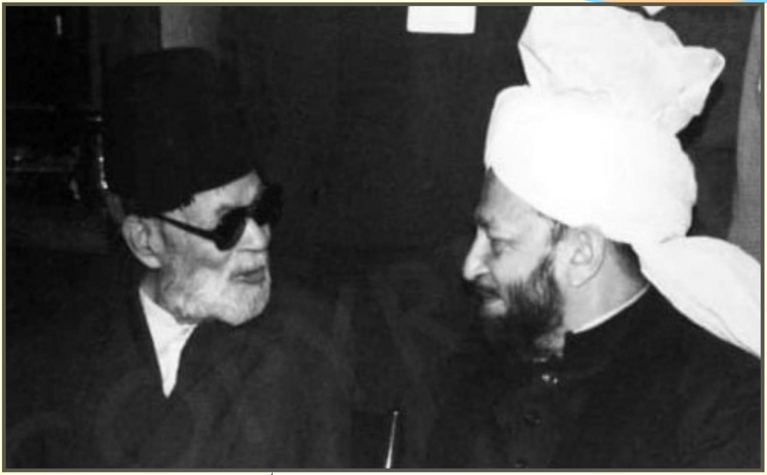

حضرت چوہدری سر محمد ظفراللہ خان صاحب ؓ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ؒ کے ہمراہ

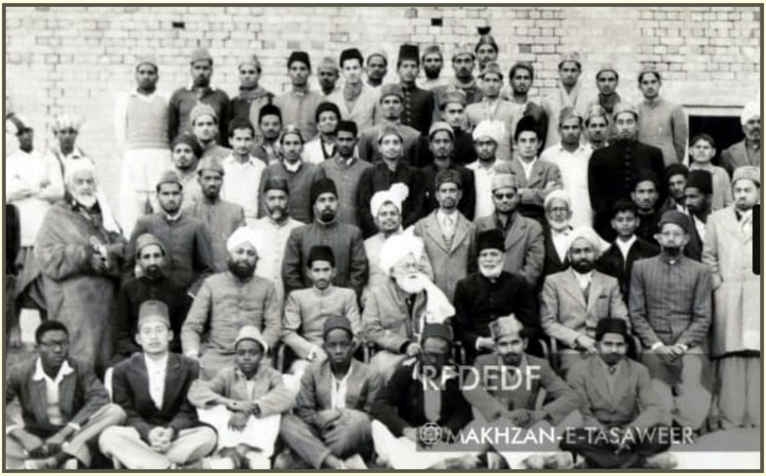

RFDEDF
MAKHZAN-E-TASAWEER

حضرت مصلح موعود ؓ ۔ چوہدری سر ظفراللہ خان صاحب اور احباب کے ساتھ

مسجد بشارت سپین کے افتتاح کے دن کی تصویر: ڈاکٹر عبدالسلام صاحب ۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ؒ ۔ چوہدری صاحب

پیچھے کھڑے ہوئے: مولانا کرم الٰہی ظفر صاحب ۔ میر محمود احمد ناصر صاحب ۔ چوہدری حمید اللہ صاحب ۔ افسر حفاظت ناصر احمد صاحب ۔ بہادر شیر صاحب

حضرت مراز ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث ؒ، حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب ؓ

ڈاکٹر پروفیسر محمد عبدالسلام صاحب

مولانا عطاء المجیب راشد صاحب زمانہ طالب علمی میں
چوہدری صاحب کے ساتھ

مولانا ابوالعطاء صاحب - چوہدری صاحب
مولانا عطاء المجیب راشد صاحب

حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ

مولانا عطاء المجیب راشد صاحب چوہدری صاحب کے ہمراہ

اس کتاب میں لکھنے والوں کی چند تصاویر

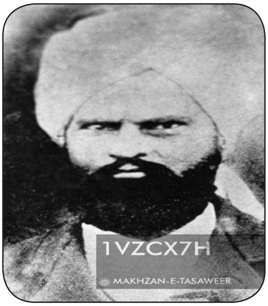

چوہدری نصراللہ خاں صاحب

مولانا عبدالرشید تبسم صاحب

رانا عبدالرزاق خاں صاحب
مصنف کتاب ہذا

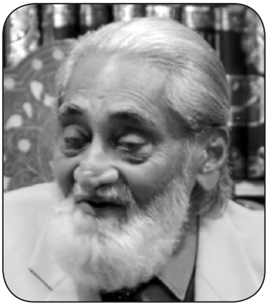

افضل حیدر صاحب

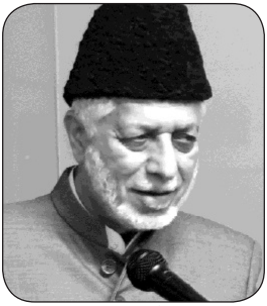

مولانا اطاء المجیب راشد صاحب

مولانا بی اے رفیق صاحب

عبدالمنان ناہید صاحب

چودھری محمد علی صاحب
وزیر اعظم پاکستان

چوہدری محمد انور کاہلوں صاحب

اس کتاب میں لکھنے والوں کی چند تصاویر

حضرت شیخ محمد احمد مظہر صاحب

چوہدری اعجاز نصراللہ صاحب

چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب

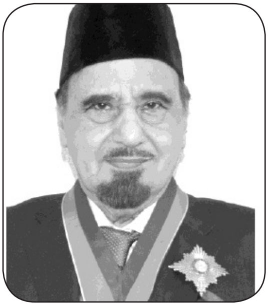

سر افتخار احمد ایاز صاحب

چوہدری حمید نصراللہ صاحب

حمید نظامی صاحب

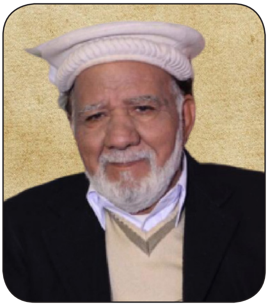

عبد الکریم قدسی

چوہدری ادریس احمد صاحب

ڈاکٹر جاوید اقبال صاحب

اس کتاب میں لکھنے والوں کی چند تصاویر

جسٹس انوار الحق صاحب

شاہ فیصل صاحب

شاہ حسین صاحب

لارڈ لنلنتھگو صاحب

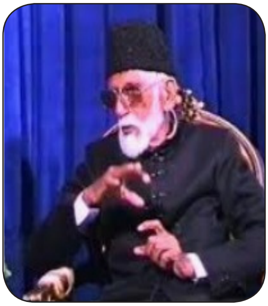

ماسٹر محمد ابراہیم جمونی صاحب

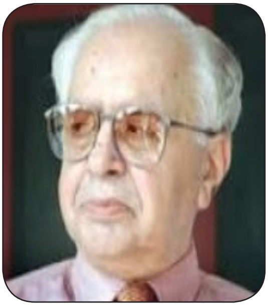

مجید نظامی صاحب

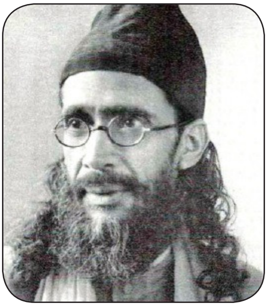

مولانا حسن نظامی صاحب

شمشاد احمد صاحب قمر

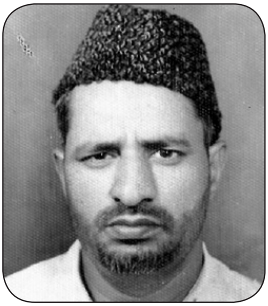

محمد اشرف ناصر صاحب

اس کتاب میں لکھنے والوں کی چند تصاویر

مولانا عبدالمالک خان صاحب

مہمان
مؤرخ احمد
مولانادوس

مولانا دوست محمد شاہد صاحب

مولانا لئیق احمد طاہر صاحب

مولانا منیر احمد خادم صاحب

مولانا منیر الدین شمس صاحب

مولانا نسیم سیفی صاحب

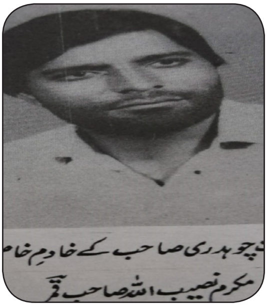

چوہدری صاحب کے خادمِ خا
مکرم نصیب اللہ صاحب قمر

نصیب اللہ قمر صاحب

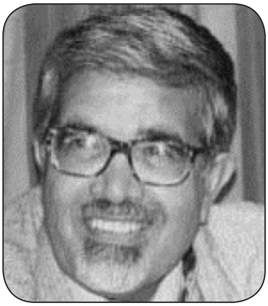

پروفیسر ناصر احمد پرویز پروازی صاحب

قیوم نظامی

اس کتاب میں لکھنے والوں کی چند تصاویر

مولانا حافظ قدرت اللہ صاحب

راجہ نصراللہ خاں صاحب

صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب

پروفیسر سعود احمد دہلوی صاحب

ثاقب زیروی صاحب

سردار شوکت حیات خاں صاحب

شاہ مراکش

شیخ نور احمد منیر صاحب

ونسٹن چرچل۔

اس کتاب میں لکھنے والوں کی چند تصاویر

صوفی بشارت الرحمن صاحب

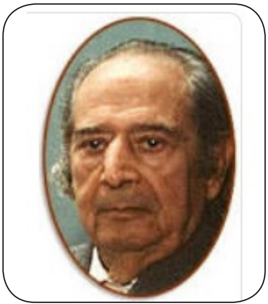

سید امجد علی صاحب

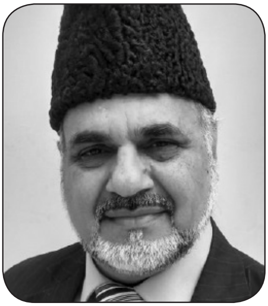

مولانا وسیم احمد ناصر صاحب

زاہدہ حنا صاحبہ

زکریا ورک صاحب

شیخ محمد حسن صاحب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خاکسار اللہ تعالیٰ کے بعد اُن احباب اور مخلص دوستوں کا تہہ دل سے مشکور ہے جنہوں نے مجھے اس کتاب کی تیاری میں اپنے قیمتی مشوروں اور آراء سے نوازا۔ بہترین معاون ثابت ہوئے۔ تصاویر کی تلاش، تیاری اور تزئین میں مدد کی۔ سب کی فہرست بناؤں تو ایک دفتر درکار ہوگا۔ اللہ تعالیٰ آپ پر اپنے فضائل اور رحمتوں کی بارش برسا دے آمین۔

خاکسار رانا عبدالرزاق خاں لندن

رانا عبدالرزاق خان صاحب کے آباؤ اجداد، راجپوت خاندان از کاٹھگڑھ پنجاب انڈیا سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ پندرہ سال سے لندن میں ادب کی خدمت میں مصروف ہیں۔ ایڈیٹر ماہنامہ قندیل ادب، کالم نگار، شاعر و ادیب، مقرر، مصنف اور صحافی ہیں۔ آپ کی تین کتب قندیل علم، قندیلِ حق اور دانشکدہ عظیم اس سے قبل شائع ہوکر مقبول عام ہوچکی ہیں۔ زیر نظر کتاب سپوت ایشیا بھی انہی کا مرتب کردہ ایک شاہکار ہے جس میں ایک مایہ ناز سپوت حضرت چوہدری سر محمد ظفراللہ خان صاحب جج عالمی عدالت انصاف و سابق وزیر خارجہ پاکستان کے کارنامہ ہائے زندگی کو احباب کی زبانی بیان شدہ اعتراف کے طور پر پیش کیا گیا ہے جو کہ ایک سعیٔ کامیاب ہے۔ زمانہ اُس سپوت کے نقوش مٹانے کے درپے ہے مگر خدا تعالیٰ اس سپوت کی کاوشوں کو ایک دن اظہر من الشّمس کردے گا۔

ساڑھے چھ سو صفحات کی یہ کتاب بیش بہا معلومات کا ایک خزانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مصنف کو اجر عظیم سے نوازے۔ آمین۔

(ڈاکٹر سر افتخار احمد ایاز، OBC - KBE۔ لندن)

SAPOOT-E-ASIA

Rana Abdul Razzaq Khan
London